

سیرتِ نبویہ

تالیف راجس افشریحی

علاء الدین ابن کثیر

مترجم مولانا محمد صابر چغتای گڑھی

شمع بیک ایجنسی

یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست

تفسیر ابن کثیر پارہ نمبر ۱ تا ۲

7	کتاب المقدمات	1	حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیر
7	مختصر کتاب المدخل للیبہقی	1	نام و نسب
7	الاجتہاد فی طلب الجہاد	1	ولادت تعلیم و تربیت
7	رسالہ فی فضائل القرآن	2	منزلت علمی
7	مسند امام احمد بن حنبل	3	علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین
	پہلا پارہ	4	درس و افتاء، ذکر الہی، شگفتہ مزاجی
1	اللہ تعالیٰ کی حجت مکمل ہوگئی	4	علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق
2	دعوت غور و فکر	5	وفات
2	دنیا کے طالب علماء کا انجام	5	تصنیفات
3	تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے	5	تفسیر القرآن الکریم
3	حدیث کی اہمیت	5	البدایہ والنہایہ
3	اقوال صحابہ کی اہمیت	6	الکامل فی معرفۃ الثقات والضعفاء
4	بنی اسرائیلی روایات کی اہمیت	6	والجہیل
5	فصل تفسیر کا آخری طریقہ	6	الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن
5	تفسیر بالرأے	6	طبقات الشافعیہ
6	تفسیر میں اسلاف	6	مناقب الشافعی
7	تفسیر کی اقسام	6	تخریج احادیث اولیٰ التنبیہ
8	معلومات قرآن کے چند گوشے	6	تخریج احادیث
9	کلمہ کی تشریح	6	شرح صحیح البخاری
10	تفسیر سورہ فاتحہ	7	الاحکام الکبیر
10	سورہ فاتحہ کے نام	7	اختصار علوم الحدیث
11	سورہ فاتحہ کے فضائل	7	مسند الشیخین
15	﴿اعوذ باللہ﴾ کی تفسیر اور اس کے احکام	7	السیرۃ النبویہ
		7	الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
43	سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی فضیلت	17	• اَعُوذُ بِاللّٰهِ • پڑھنا واجب ہے یا مستحب
45	سات بڑی سورتوں کی فضیلت	17	• اَعُوذُ بِاللّٰهِ • کب اور کہاں پڑھے
45	• فصل • مقام نزول اور مزید معلومات	17	فصل - خلاصہ کلام
46	حروف مقطعات، معانی اور تشریح	19	تفسیر • بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ •
51	متقی کون لوگ ہیں	19	• بِسْمِ اللّٰهِ • کے متعلق تفصیلی بحث
52	ایمان کے معانی اور مفہوم	19	• بِسْمِ اللّٰهِ • بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ
54	اقامت صلوٰۃ کیا ہے	21	فصل - • بِسْمِ اللّٰهِ • کی فضیلت کا بیان
55	مؤمن کی صفات	22	بے کار بحث
56	جنتی اور جہنمی پہچان	25	• الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ • کی تفسیر
57	بد نصیب لوگ	27	تفسیر سورۃ فاتحہ
58	مہر کس وجہ سے لگائی	27	• الْحَمْدُ لِلّٰهِ • کے معانی
59	منافقت کی ابتداء اور اس کی اقسام	27	حمد کی تفسیر میں علماء سلف کے اقوال
61	شک و شبہ بذات خود بیماری ہے	28	رب کے معانی
63	فساد کے بانی منافقین	29	عامین کی تشریح
64	بیوقوف، جاہل	29	الرحمان الرحیم
66	ہدایت کے بدلہ میں گمراہی	30	حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے
67	منافق شرک و کفر کے اندھیرے میں	31	عبادت کیا ہے
69	مومن، کافر اور منافق	32	عبادت کس کی مدد کسی سے
72	اللہ تعالیٰ کا تعارف	33	سوال کرنے کا طریقہ
72	جو اللہ اور رسول چاہے کہنا بھی شرک ہے	34	انعام یافتہ کون ہیں
73	اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پانچ احکام	37	مغضوم کون ہیں
76	نبوت کی تصدیق	37	• مسئلہ •
76	قرآن کریم کا اعجاز	39	ض اور ظ میں فرق
81	ایمان والوں کے لئے خوشخبری اور جنت کی چند نعمتیں	39	• فصل • سورۃ فاتحہ کا خلاصہ
82	دینا کی وقعت چھتر کے پر کے برابر بھی نہیں	39	• فصل •
84	اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو توڑنے والے کون ہیں	40	آمین کی فضیلت
86	عدم سے وجود میں لانے والا کون؟	40	
86	زمین و آسمان وغیرہ کی تخلیق کتنے دنوں میں	42	تفسیر سورۃ بقرہ
88	خلیفہ کے معانی اور مقاصد	42	سورۃ بقرہ کے فضائل

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
124	امت محمدیہ ہشیار باش	92	فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ
124	گائے ذبح کرنے کا قصہ	93	غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے
126	بنی اسرائیل کی سریشی	95	حضرت آدم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات
129	پتھر دل لوگ کون ہیں	98	حضرت آدم کا اعزاز اور پیدائش حواء علیہم السلام
131	کلام اللہ میں تحریف کرنا یہود کا طریقہ ہے	99	ارضی زندگی کا آغاز
132	امی کی تفصیل	100	معانی کے کلمات
132	ویل کیا چیز ہے	101	انبیاء کی پیروی سے ہی جنت ملے گی
133	جہنم کا عذاب چالیس دن	102	بنی اسرائیل سے خطاب کہ کافر نہ بنو
134	جنتی اور جہنمی کون	103	دینی تعلیم پر اجرت لینا کیسا ہے
134	حقوق اللہ میں اہم بات اللہ کی عبادت ہے	104	حق کو چھپانا یہود کی خصلت ہے
135	ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرنا	104	جو دوسروں کو کہے اور خود نہ کرے
	بعض احکام کا ماننا اور بعض کا انکار کیا یہی ایمان داری	104	واعظین اور مبلغین کے لئے ہدایات
136	ہے	106	صبر کیا ہے
137	انبیاء کے ساتھ بنی اسرائیل کا سلوک	107	بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر انعامات
139	غلف کے معانی و مفہوم	108	حشر میں کوئی سفارش اور فدیہ وغیرہ نہیں ہوگا
139	یہود کا انکار حسد کی وجہ سے ہے	109	بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعام
140	یہودیوں کے حسد اور تکبر کی سزا	111	چالیس دن کا وعدہ اور پتھرے کی پوجا
141	خوابش کے بندے نفس کے غلام	112	ایمان کے لئے شرائط اور اللہ تعالیٰ کا عذاب
142	یہود کا سب سے بڑا کفر	114	بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ
142	یہود کو مہابلہ کی دعوت	114	اللہ تعالیٰ کی نعمت خاص من وسلوی
143	یہودیوں کی حضرت جبرائیل سے دشمنی	115	صحابہ کرام اور بنی اسرائیل
144	یہودیوں کے نبی ﷺ سے سوالات	117	احسانات کا مزید تذکرہ
144	عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا	118	اچھی چیز کے بدلے گھٹیا چیز کے طلبگار
145	لفظ جبرائیل وغیرہ کے معانی	119	شامت اعمال
	لوگوں کا پتھر کے پاس نماز پڑھنا اور جناب عمرؓ کا	120	ہرنبی کا تابعدار ایمان دار اور صالح ہے
145	اظہار ناراضگی	120	یہود کون ہے
145	جناب عمرؓ کا یہودیوں سے مکالمہ	121	صائبی کون ہیں
146	فرشتوں میں بھی رسول ہیں	122	وعدہ توڑنے والے یہود
149	یہود کا سلیمان علیہ السلام کو جادو گر کہنا جھوٹ ہے	122	یہود بندر کیوں بنا دیئے گئے

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
185	صفا اور مروہ کی سعی کی ابتداء	155	جادو کے منکر
185	صبر کا پھل بیٹھا ہے	155	کیا جادو کا علم سیکھنا جائز ہے
186	حضرت اسماعیل کا پہلا نکاح	155	جادو کی اقسام
187	بیت اللہ کی تعمیر	159	مسلمانوں کا غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا
188	قریش مکہ کا بیت اللہ کی تعمیر میں کمی کرنا	160	ناخ اور منسوخ کی بحث
189	نبوت سے پہلے اعزاز اور حجر اسود، نصب کرنے کا قصہ		غیر ضروری اور زیادہ سوالات باعث ہلاکت و تباہی ہیں
191	عبدالملک بن مروان کا افسوس کرنا	163	قومی مصیبت بد بختی کا باعث ہے
191	حضرت خلیل اللہ و ذبح اللہ کی دعائیں	164	ہر عمل کی قبولیت کے لئے اتباع سنت شرط ہے
192	دعائے ابراہیمی کا ظہور	165	یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے مکافات عمل
193	دین ابراہیمی کے دعویٰ اور مشرکین کا ذکر	167	قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کب بنا
194	جیسی کرنی ویسی بھرنی	168	سواری پر اور تاریکی میں نماز پڑھنے کی تفصیل
	ازل سے لے کر ابد تک صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے	169	غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا بیان
195	اسباط کی تشریح	170	اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ اور بے نیاز ہے
197	نجات پانے کے لئے شرط	171	آپ کا کام نصیحت کرنا ہے احتساب ہم کریں گے
197	حقیقی دین، دین اسلام ہے	174	رسول اکرم ﷺ کے والدین کا تذکرہ
198		174	حق تلاوت کیا ہے
199	پارہ اختتام ہوا	175	خبردار
201	دوسرا پارہ	176	توحید میں دنیا کا امام
		177	کلمات کیا ہے
201	قبلہ کی تبدیلی	177	مکمل اسلام
203	واجب ہو گئی	179	بیت اللہ امن و امان کی جگہ
204	اللہ تعالیٰ بندوں پر کتنا شفیق و مہربان ہے	179	مقام ابراہیم کیا ہے
205	قبلہ ابراہیمی رسول اللہ ﷺ کی چاہت تھی	179	حضرت عمر کی فضیلت
205	مسافر، لاہم اور میدان جنگ کے سپاہی کی نماز	180	مقام ابراہیم کی مزید تفصیل
206	نماز کی حالت میں نظر کہاں رکھیں	181	احکام بیت اللہ اور مساجد
206	حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنا ظلم ہے	182	مکہ مکرمہ کی حرمت
207	حق اور یہودی علماء کا کردار	183	کافروں کے لئے صرف دنیاوی فائدہ ہے
207	ہدایت والاقبلہ	184	یہ بھی ہے زندگی

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
227	قصاص کی تفصیل	208	یہودیوں کے بے جا اعتراضات کی پروا نہ کرو
227	مسئلہ	209	موضوعوں پر پیش بہانہ مت کا ذکر
228	مسئلہ	210	بہترین وسیلہ، صبر اور نماز ہے
228	مسئلہ	211	شہداء کی زندگی
228	مسئلہ	211	آزمائش شرط ہے
228	مسئلہ	212	صابر کون لوگ ہیں
229	وصیت کی تفصیل	212	مصیبت کے وقت کی تیز بہدف دعا
230	ایک حدیث	213	سفا اور مروہ کا طواف اور اس کا طریقہ
232	فرضیت روزہ اور اس کا مقصد	214	طواف کے دوران
233	پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ		حق بات کو چھپانے والے ملعون ہیں اگر وہ توبہ نہ
233	روزوں کی تبدیلی	215	کریں
234	انتہائی بوڑھا، حاملہ یا دودھ پلانے والی کیا کرے	216	اکیلا معبود
235	قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں	216	واضح اور پختہ دلائل
235	بیمار اور مسافر کے لئے رخصت	218	اللہ تعالیٰ جیسی محبت دوسروں سے
236	مسئلہ	219	رزق حلال کھاؤ
236	روزے کے بارے میں چند متفرق مسائل	220	گمراہی اور جہالت
238	دعا کرنے کے آداب اور قبولیت کی شرط	221	رزق حلال اور حرام کیا ہے
240	رمضان المبارک میں کھانا پینا اور جماع	221	مسئلہ
241	سحری و افطاری اور ان کے متعلقہ مسائل	222	مسئلہ
242	مسئلہ	223	بدترین علماء حق چھپانے والے
244	اعتکاف کے چند مسائل	223	تیموں کا مال کھانے والے
245	ایک دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ حرام ہے	224	بھلائی نیکی کیا ہے
246	ماہ و سال چاند کے تعیین کیلئے ہے	225	بہترین صدقہ
247	جہاد کا حکم اور اس کی شرائط	225	ذوی القربی
250	حرمت والے مہینے اور بیعت رضوان	226	یتامی
251	جہاد اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا	226	مساکین
252	حج اور عمرہ کا پورا کرنا کیا ہے	226	ابن السبیل
	احرام والا بیماری یا دشمن کے وجہ سے پورا نہ کر سکے تو کیا	226	رقاب
253	کرے	226	نماز اور زکوٰۃ

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
289	قسم کی اقسام اور انکی تفصیل	256	حج تمتع کرنے والوں کیلئے احکام
291	ابداء کی مدت اور انکی تفصیل	257	حج تمتع کا حکم کن کیلئے ہے
292	طلاق کی عدت	258	احرم کے مسائل اور سفر خرچ کی تلقین
293	قروء کی تفصیل	261	کیا حج کرنے والا تجارت بھی کر سکتا ہے
294	میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق	261	میدان عرفات مزدلفہ میں دخول اور خرچ کی تفصیل
295	طلاق کا طریقہ اور مسائل	264	واپس لوٹنے کی جگہ
296	خلع کے مسائل	264	استغفار اور دعائے سید الاستغفار
298	خلع لینے والی عورت کی عدت کا بیان	265	ارکان حج کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔
298	کیا خلع والی عورت سے رجوع ہو سکتا ہے	265	اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کی حامل دعا
299	طلاق بتہ اور نکاح حلالہ کا بیان	265	ایام تشریق اللہ کا ذکر اور کھانے پینے کے دن ہیں
299	فصل	266	منافقوں کا طریق کار و انکی نشانیاں
301	طلاق کی عورتوں کو اچھے طریقے سے رخصت کرو	267	منافقوں کا مزید تذکرہ
303	بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے	268	مؤمن کی شان
303	رضاعت کے احکام اور متعلقہ مسائل	296	اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا اسلام ہے
305	خاوند کی وفات کے بعد عدت کی مدت مسعود	270	شافع محشر کا تذکرہ
307	پیغام نکاح کا طریقہ	270	بنی اسرائیل کی احسان فراموشیاں اور صدقہ کرنے کا صلہ۔
308	حق مہر کے مسائل	272	امت محمدیہ کی سابقہ امتوں پر فضیلت
310	حق مہر کی مزید تفصیل	273	تنگی کے بعد آسانی
311	نمازوں کی حفاظت اور صلوة و سطنی کی مکمل تفصیل	274	خیرات کے حقدار
316	بیوہ عورتوں کے متعلقہ مسائل	275	جہاد کی فرضیت اور اس کا حکم
318	زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے	277	حرمت والے مہینے اور عمرہ بن حضرمی کا قتل
320	احسان فراموش قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور احسان	279	شراب اور جوئے کی حرمت کیوں
321	حیلے اور بہانے ساز قوم	282	مسلمان عورے کے علاوہ دوسرے کی عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے
322	تابوت سیکینہ اور انکی تفصیل	283	نکاح کیلئے مال دولت کی بجائے دینداری دیکھو
323	حضرت طاہوت کے لشکر کا امتحان	284	ایام حیض اور جماع سے متعلق مسائل کی تفصیل
324	حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جاہوت کی موت		
324	دوسرا پارہ اختتام ہوا		
	تیسرا پارہ		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
344	تمہاری نذر اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے	325	انبیاء کے درجات اور حضرت محمد ﷺ کی فضیلت
344	چھپا کر صدقہ کرنا افضل ہے مگر دوسروں کو ترغیب دلانے کے لئے	326	شفاعت کے مشرکانہ تصور کا رد
345	غیر مسلم رشتہ داروں سے صلہ رحمی	326	آیت الکرسی کی فضیلت
346	سفید پوش ضرورت مند صدقہ کا زیادہ مستحق ہے	328	آیت الکرسی کی برکات
347	دن رات خفیہ اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا	329	شفاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی
348	سود خوروں کا عبرت ناک انجام	330	اللہ تعالیٰ کا صفات پر بغیر تاویل اور کیفیت جانے ایمان رکھنا ضروری ہے۔
348	سود کی حرمت اور قسمیں	330	آسمانوں و زمین کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے
349	سود کا گناہ اسباب سود اور سودی کاروبار سے متعلقہ افراد	331	اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر نہ کرنا
350	سودی کاروبار خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے	332	طاغوت کا مفہوم
350	ذخیرہ اندوزی کی ممانعت	332	عروہ ثقی سے کیا مراد ہے
351	اللہ تعالیٰ کا حکم اصل مال لے لو اور سود چھوڑ دو	333	مؤمنوں کا ولی اللہ کافروں کے ولی شیاطین ہیں
352	سود خوری اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنا ہے	333	حق ایک ہے باطل کی کئی قسمیں ہیں
352	صرف اصل مال لے لو	333	حضرت ابراہیم اور غرور کے درمیان مناظرہ
352	غریب مفلس قرض دار کو مہلت اور قرض معاف کرنے کا اجر و ثواب	334	حضرت ابراہیم کا معجزہ
354	حضرت آدم اور حضرت داؤد کا دلچسپ واقعہ	335	نمرور پر عذاب الہی
355	قرض اور تجارت کے احکام	335	قدرت کی عظیم نشانی سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونا
355	قرض لینے اور ادائیگی کا عجیب واقعہ	336	حضرت ابراہیم اور نکڑے شدہ چار پرندوں کا زندہ ہونا
356	پڑھا لکھا شخص لکھنے سے انکار نہ کرے	337	صدقات کا اجر و ثواب
356	دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے	339	اس صدقہ کی فضیلت جس میں دیا اور احسان جتانانہ ہو
356	گواہی کے لئے عدالت شرط ہے	339	کلمہ خیر کی فضیلت
357	معاملہ لکھنے کا حکم استحباً ہے نہ کہ وجوباً	340	خالص بوجہ اللہ صدقے کا ثواب
358	کوئی چیز رہن رکھ کر قرض لینا	340	حسن عاقبت خاتم بالخیر
359	شہادت کو چھپانے والا گنہگار ہے	341	صدقہ میں پاکیزہ اور طیب چیز دو
359	دل کے وسوسوں پر محاسبہ سے صحابہ کو ہونے والی پریشانی کا ازالہ	342	بوقت صدقہ شیطان کا ولوسہ ڈالنا
359	نیکی کا ارادہ کرنے سے ثواب جبکہ گناہ کا ارادہ کرنے	343	حکمت کا مفہوم

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
383	بچے کی پیدائش پر نام رکھنا اور عقیقہ کرنا	360	سے گناہ نہیں لکھا جاتا
384	مریم صدقہ کی کفالت اور یہ کہ خالہ قائم مقام والدہ کے ہے	360	دل کے وسوسوں کے محاسبہ سے لازم نہیں آتا کہ اس پر عذاب بھی ہو
384	حضرت مریم اور دیگر اولیاء کے کرامات	361	سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت
387	حضرت مریم خدیجہ عائشہ اور آنسہ زوجہ فرعون کی فضیلت	362	آسمانی کتابوں کو سچی جانتے ہیں جو انبیاء کرام پر اتری ہیں
387	حضرت مریم کی عبادت اور اطاعت نزاری	363	تفسیر سورہ العنکبوت
388	قرمہ فال حضرت زکریا کے نام	364	تین آیات میں اسم اعظم ہے
389	حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش	365	ماں کے پیٹ میں تصویریں بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے
390	حضرت عیسیٰ کے عظیم الشان معجزات	366	محکمات اور تشابہات کی وضاحت
391	حضرت عیسیٰ کے انصار اور حضرت محمد ﷺ کے انصار	366	اہل بدعت تشابہات سے ہی استدلال کرتے ہیں
393	حضرت عیسیٰ کا آسمانوں پر اٹھایا جانا	366	غلط تارویل و تحریف کی مذمت
395	عیسائیوں کو دعوت مہابلہ اور ان کا انکار کرنا	369	کافروں کا مال و اولاد کچھ کام نہیں آئے گا
400	عیسائیوں کو دعوت توحید	371	جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدر و نصرت
402	یہودیوں کی بدخصلتوں کا تذکرہ	372	دنیا کا مال و اسباب عارضی اور فانی ہے
403	اکثر یہودی خائن جبکہ بعض امانت دار ہیں	374	سحری کے وقت استغفار کی فضیلت
406	تین خوش نصیب اور تین بد بخت اشخامی	375	صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے
408	یہودیوں کی کلام اللہ تعالیٰ میں تحریف	377	کافروں اور انبیاء کو قتل کرنے والوں کے اعمال ضائع ہیں
408	اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی کوئی فرشتہ اپنی بندگی کی دعوت نہیں دے سکتا	378	یہود و نصاریٰ کے دعوے کا باطل ہیں
410	ہر نبی کو اپنے بعد والے نبی اور رسول پر ایمان لانے کا حکم	379	عزت و ذلت رات دن کا بدلنا موسیٰ تغیرات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے
411	زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے	380	کفار سے ترک موالات
413	اگر مرد سچی توبہ کر لے تو	381	اللہ تعالیٰ تمام چھپی کھلی باتوں کو جانتا ہے
413	نزع کی حالت میں توبہ قبول نہیں	382	اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو
414	تیسرا پارہ اختتام ہوا	382	اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء کرام
		383	نذر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
443	آزمائش کے وقت پر ایمان پر ثابقت قدم رہنا		چوتھا پارہ اللہ کے راستہ (اپنی پسندیدہ) میں سے اچھی چیز صدقہ کی جائے برنی کی شریعت اپنی امت کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر امن کی جگہ حج کی فرضیت حج کا انکار کفر ہے یہودیوں کا دین اسلام کی حقانیت سے انکار اہل کتاب کی باتیں ماننا گمراہی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے فرقہ بندی کی ممانعت امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والی جماعت دین میں اختلاف کرنا جہنم کا سبب ہے قیامت کے دن جنتی اور جہنمی اپنی چہروں سے پہچانے جائیں گے امت محمدیہ ﷺ تمام امتوں سے بہتر ہے نبی اکرم کا اعجاز دم جھاڑنا نہ کروانا اور صرف اللہ پر توکل کرنا جنت میں سب پہلے امت محمدیہ کا داخلہ ہوگا ایمان والے غالب رہیں گے ایمان کے بغیر کوئی عمل نفع نہ دے گا کافر مسلمانوں کے دوست نہیں ہیں جنگ احد کے واقعات جنگ بدر اور جنگ احد میں فرشتوں سے مدد سود کی ممانعت مؤمن بندوں کی صفات
444	وفات النبی ﷺ کی دلیل		
445	موت کا وقت مقرر ہے		
445	دینا و آخرت سے جو طلب کرو وہی ملے گا	415	
446	کافروں کی بات ماننے میں ذلت ہے	417	
447	جنگ احد کے واقعات	417	
449	حضرت حمزہ کی شہادت	418	
453	جنگ احد کے واقعات	419	
455	ایمان والوں کو فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت	420	
456	نبی ﷺ اپنی امت پر رحم دل ہیں	420	
456	مشورہ کرنا سنت ہے	420	
457	نبی ﷺ صادق و آئین ہیں	421	
457	خائن کیلئے سخت عذاب ہے	422	
460	ایمان دار اور بے ایمان برابر نہیں	424	
460	نبی ﷺ انسانی جنس سے ہی ہیں	424	
461	جنگ احد کے بقیہ واقعات	424	
463	شہادت کی فضیلت	424	
470	اللہ کے ساتھ کفر کرنا نبی ﷺ پہ گراں گزرتا ہے	425	
471	بخل سے ممانعت	426	
472	یہود کا اللہ کی شان میں گستاخی کرنا	427	
473	ہر جاندار چیز کو موت ہے	429	
473	جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات ہی کامیابی ہے	430	
474	صبر کی تلقین	431	
477	تفکر فی الخلق	432	
482	دعائیں اللہ قبول کرنے والا ہے	433	
	ایمان کے بغیر دنیاوی آسائش آخرت میں کام نہ آئے گی	436	
483		438	
484	اہل کتاب جو ایمان لے آئیں وہ کامیاب ہیں	439	
486	جہاد کی تیاری اور ترغیب دینا		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
522	مہر کی ادائیگی اور نکاح متعہ کی حرمت	489	تفسیر سورہ نساء
523	آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو لونڈی سے کر لو	490	تخلیق انسان
528	اللہ تعالیٰ کے احکام میں سختی نہیں کیونکہ انسان کمزور ہے	490	قطع تعلق کی ممانعت
529	خلاف شرح تجارت اور بیع خیار	491	یتیم کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا گناہ ہے
531	کون کون سے گناہ کبیرہ ہیں	491	یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت
534	کبیرہ گناہوں کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال	492	ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت
537	عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں	495	مال کے تصرف کیلئے عاقل ہونا ضروری ہے
538	قریبی رشتہ داروں کی بجائے منہ بولے بیٹے بھائی و وراثت میں حصہ دینا	495	یتیم کے مال کی حفاظت بوغت تک کرنا
540	نافرمان بیوی کو سمجھانے کے ترتیب وار تین طریقے	497	ترکہ میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر ہے
542	میاں بیوی کے جھگڑے میں حکمین کا تقرر	500	وراثت کی تقسیم
543	حسن سلوک کے مستحق افراد	502	والدین کا حصہ
544	پڑوسیوں کے حقوق احادیث کی روشنی میں	503	وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہوگی
545	اپنی بیوی، مہمان، مسافر، خادم وغیرہ سے حسن سلوک	504	خاوند اور بیوی کی میراث کی تقسیم
547	بخیلی اور ریاکاری کی مذمت	504	کلالہ کی تقسیم میراث
548	نیکی کا اجر کئی گناہ ملے گا برابر ایمان والا بھی جنتی ہوگا	504	شرعی وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے
549	مشرک و کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ	505	وصیت میں اللہ کی حدود کو قائم کرنے اور توڑنے پر جزا و سزا
551	جنابت کے احکام حرمت شراب کا واقعہ	506	بھولے سے جو گناہ ہو اس کی توبہ ہے
552	جنابت کی حالت میں مسجد میں داخلہ	508	مشرک کی بخشش ہے
554	لمس کی تحقیق قرآن و سنت کی روشنی میں	509	عورت کو ورثہ میں لینے کی ممانعت
555	تمیم کا وقت اور طریقہ	510	مہر واپس نہیں لیا جاسکتا
558	تمیم کی رخصت اور اس کا پس منظر	513	جس سے باپ نے نکاح کیا وہ بیٹے کیلئے حرام ہے
559	یہودیوں کی ایک قابل مذمت خصلت	513	وہ عورتیں جو مردوں پر حرام ہیں
560	نافرمانوں کا انجام برا ہے شرک نا قابل معافی ہے	515	چوتھا پارہ اختتام ہوا
565	منہ پر تعریف اور خود پسندی کی مذمت	520	پانچواں پارہ
567	یہود نصاریٰ کا بخل اور حسد	521	کفار کی قیدی عورتوں کے بارے میں احکام
568	جہنم کے عذاب اور جنت کی راحتیں		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
620	اصلاح بین الناس کی فضیلت	569	امانت کی قسمیں اور ادائیگی امانت کی تاکید
622	اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں تبدیلی نیز شیطان کی دھوکہ بازیاں	571	اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی اطاعت واجب جبکہ علماء امراء کی اطاعت مشروط ہے
624	ایمان و عمل صالح کے بغیر آرزوؤں سے نجات نہ ہوگی	575	قرآن و حدیث سے اعراض کر کے کسی اور سے فیصلہ کرنا منع ہے
626	حضرت ابراہیم کو مقام خلیل اللہ کیونکر حاصل ہوا	576	حضور ﷺ سے دعا کرنا آپ کی زندگی تک تھا
629	یتیم لڑکیوں کے بارے میں چند ہدایات	576	حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ حتمی ہے
630	خاوند کو اپنی متعدد بیویوں سے انصاف کی تاکید	633	کافروں سے قتال کے لئے آلات حرب تیار رکھنے کا حکم
633	اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ	581	مظلوم مسلمانوں کی مدد کیلئے جہاد فرض ہے
634	سچی گواہی کو چھپانا جائز نہیں خواہ کسی کے خلاف ہو	582	جہاد سے جی نہ چرانا، جب جہاد کی طاقت نہ ہو تو موت ایک اہل حقیقت ہے
635	اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان ضروری ہے	583	رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے
635	کافروں سے موالات میں عزت نہیں	585	قرآن حکیم تعارض سے پاک کتاب ہے
636	گناہ کی مجلس میں بیٹھنا بھی گناہ ہے	588	افواہوں سے متعلق ایک اہم اصول
637	منافق کی نماز اور منافقت کی مثال	589	اللہ تعالیٰ کی مدد مجاہدین کے شامل حال ہے
638	منافق نہ صحیح مومن نہ صحیح کافر ہے	590	سلام کرنے کے احکام و آداب
640	کافروں سے دوستی منع ہے	591	منافقوں کے بارے میں صحابہ کا مختلف موقف
641	پانچواں پارہ اختتام ہوا	592	قتل خطا کی دیت اور قتل عمد کا بیان
	چھٹا پارہ	594	عمد قتل کرنے والے کی توبہ صحابہ کا موقف
643	برائی کا چرچا نہ کرنا جبکہ ظالم کے ظلم کو بیان کرنا جائز ہے	596	عام حالات میں جہاد کرنا فرض کفایہ ہی ہے
644	ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ ﷺ پر ایمان ضروری ہے	604	جہاد اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے
644	یہودیوں کی حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی	605	اجرو ثواب نیت کے مطابق ملے گا
645	حضرت عیسیٰ قتل ہوئے نہ معلوب	607	نماز قصر کے احکام و مسائل
647	پہلا قول	608	حالت جنگ میں نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ
651	دوسرا قول	611	حالت امن میں نماز کو بروقت ادا کرنا
651	تیسرا قول	615	کیا نبی ﷺ غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں
652		616	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
743	مسئلہ	653	حضرت عیسیٰ کا نزول قرب قیامت دوبارہ ہوگا
744	آسمانی کتاب انجیل کی چند خصوصیات	658	پھر یا جوج ماجوج نکلیں گے
745	قرآن کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہیں	661	بطور سزا حلال چیزیں اللہ نے حرام کر دیں
748	دشمنان اسلام سے دوستی کی ممانعت	662	انبیاء کی تعداد درجات اور آسمانی کتابیں
749	مرتد اپنا ہی نقصان کرتا ہے	666	اللہ اور فرشتے پیغمبر کی رسالت کے گواہ ہیں
751	دشمن دین شیطان اور اذان	667	عیسائیوں کا اپنے دین میں غلو کرنا
753	نافرمان گروہ کا بد انجام	669	حضرت عیسیٰ اور تمام فرشتے اللہ کی بندگی کرتے ہیں
755	یہودیوں کی اللہ کی شان میں گستاخی	670	قرآن لاجواب برہان اور واضح نور ہے
	حضرت محمدؐ نے رسالت کا اور اللہ کے حفاظت حق ادا	671	لفظ کمال کے بارے میں صحابہ اور آئمہ کا موقف
757	کر دیا	674	تفسیر سورئہ المائدہ
759	ایمان دار بننے کے لئے شرط	680	وہ چیزیں جن کا کھانا حرام ہے
760	یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی	691	شکار اور شکاری کتوں کے بارے میں احکام
761	مشرک پر جنت حرام ہے	695	اہل کتاب کے ذبیح کا حکم
762	نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے	698	وضو اور مسح کے احکام پر تفصیلی بحث
763	بنی اسرائیل پر لعنت کے اسباب	707	عدل و انصاف اور اللہ کی نعمت یاد کرو
765	عیسائی بہ نسبت یہودیوں کے مسلمانوں کے قریب ہیں	710	عہد شکنی اور بارہ سرداروں کی وضاحت
766	چھٹا پارہ اختتام ہوا	712	اہل کتاب کی علمی بددیانتی
	جلد نمبر ۱ کا اختتام ہوا	713	حضرت عیسیٰ کو اللہ کہنے والے کافر ہیں
		714	حضرت محمدؐ خاتم النبیین ہیں
		716	مسلل انبیاء بھیجنا اللہ کی رحمت ہے
		722	واقعہ بانیل و قانیل نیز حسد بغض کا انجام
		726	انسانی خون کی قدر و قیمت
		732	شرعی وسیلہ کا معنی و مفہوم
		734	چوری کا نصاب اور اسکی شرائط
			یہودیوں کا رجم سے اعراض اور قصاص میں ظلم کا
		737	ارتکاب
		741	قاص میں مساوات دیت اور معاف کر دینا
		742	قاعدہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حیات امام حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ

نام و نسب: اسمعیل نام ابو القدح کنیت، عماد الدین لقب اور ابن کثیر عرف ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔

اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضواء بن ذریع (حافظ ابو المحاسن کے ذیل میں یہ لفظ ذال کے ساتھ چھپا ہوا ہے اور شذرات الذهب میں "زا" کے ساتھ) الفیسی (حافظ ابن حجر کی دررکامنه اور حافظ سیوطی کے ذیل میں الفیسی ہی مذکور ہے، لیکن حافظ ابن فہد کے ذیل میں بسلسلہ وفیات جہاں حافظ ابن کثیر کے دونوں صاحبزادوں ذین الدین عبد الرحمن اور بدر الدین محمد کی وفات کا ذکر آیا ہے دونوں جگہ القرشی لکھا ہے اور نواب صدیق حسن خان کی ابجد العلوم میں اور محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے مقدمہ میں بھی یہی مرقوم ہے) البصر وی ثم الدمشقی آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر اپنی بستی کے خطیب تھے اور آپ کے بڑے بھائی شیخ عبد الوہاب ممتاز عالم اور فقیہ تھے۔

ہم نے اس تذکرہ کے مرتب کرنے میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی ہے (۱) اختصار علوم الحدیث از حافظ ابن کثیر مطبع ماجد یہ مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ اس پر شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے حواشی اور تعلیقات ہیں اور شروع میں ان ہی کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے جس میں "حیاء الامام ابن کثیر" کے عنوان سے پانچ صفحات میں امام موصوف کا تذکرہ لکھا ہے (۲) تذکرۃ الحفاظ از حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن (۳) ذیل تذکرۃ الحفاظ از حافظ ابو المحاسن حسینی دمشقی المتوفی ۶۱۵ھ مطبوعہ دمشق (۴) الجواہر المصییہ فی طبقات الحنفیہ از عبدالقادر قرشی حنفی المتوفی ۷۷۵ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ (۵) الدرر الکامنه فی اعیان الماء الثامنہ از حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ (۶) لحظہ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ از حافظ تقی الدین ابن فہد المتوفی ۸۷۱ھ (۷) ذیل طبقات الحفاظ از حافظ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ دمشق (۸) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون از علامہ حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ مطبوعہ استنبول ۱۳۶۰ھ (۹) شذرات الذهب فی اخبار من ذہب از علامہ ابن العماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ (۱۰) البدر الطالع المحاسن من بعد القرن السابع از قاضی محمد بن علی شوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۳۸ھ (۱۱) ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان قنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ (۱۲) تعلیقات بر ذیل تذکرۃ الحفاظ از علامہ محدث زاہد کوثری المتوفی ۱۳۷۱ھ۔

ولادت و تربیت: آپ کی ولادت (حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن العماد نے شذرات الذهب میں سنہ ولادت ۷۰۰ھ لکھا ہے اور حافظ ابو المحاسن حسینی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور قاضی شوکانی نے البدر الطالع میں ۷۰۰ھ بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنه میں ۷۰۰ھ یا اس کے کچھ بعد بیان کیا ہے اور حافظ ذہبی تذکرہ الحفاظ کے خاتمہ میں لکھتے ہیں یہ ۷۰۰ھ کے بعد یا اسی سنہ میں پیدا ہوئے) ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں بمقام مجدل ہوئی جو ملک شام کے مشہور شہر بھری کے اطراف میں ایک قریہ ہے اس وقت آپ کے والد یہاں کے خطیب تھے ابھی آپ تیسرے یا چوتھے برس میں ہی تھے کہ والد بزرگوار نے ۷۰۳ھ میں وفات پائی اور نہایت ہی کم سنی میں آپ کو شیمی کا داغ اٹھانا پڑا باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو بڑے بھائی نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا۔ والد کی وفات کے تین سال بعد یعنی ۷۰۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگوار کے ساتھ دمشق چلے آئے اور پھر یہیں آپ کی نشوونما ہوئی ابتدا میں اپنے بڑے بھائی سے فقہ کی تعلیم پائی بعد کو شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمن فزاری (معروف بابن فرکاح شارح تنبیہ المتوفی ۷۲۹ھ) اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شہب سے اس فن کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ طالب علم جس فن کو حاصل کرتا اس فن کی کوئی مختصر کتاب زبانی یاد کر لیتا چنانچہ آپ نے بھی فقہ میں التنبیہ فی فروع الشافعیہ (مصنفہ شیخ ابواسحاق شیرازی المتوفی ۷۶۷ھ) کو حفظ کر کے ۷۱۸ھ میں سنا دیا اور اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی (المتوفی ۶۳۶ھ) کی مختصر کو زبانی یاد کیا۔ اصول کی کتابیں آپ نے علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمن اسفہانی شارح مختصر ابن

حاجب (التوفی ۴۹ھ) سے پڑھی تھیں۔

فن حدیث کی تکمیل آپ نے اس عہد کے مشہور اساتذہ فن سے کی تھی۔ علامہ سیوطی ذیل تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں ﴿سمع الحجار والطبقۃ﴾ حجار (اس عہد کے بڑے نامور محدث گزرے ہیں) "مسند الدنیا" (دنیا کو بتانے والے) اور "رحلتہ الافاق" (جس کی اُرف آفاق سے سفر کیا جائے) کہلاتے تھے ان کا درس ساری دنیا میں مشہور تھا دور دراز ممالک سے لوگ سفر کر کے آتے اور ان سے حدیث کی سند لے کر واپس ہوتے تھے ان کی کنیت ابو العباس لقب شہاب الدین اور نام احمد ہے حجار اور ابن الشحنہ عرف ہیں سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن ابی طالب بن ابی النعم نعمت بن حسن بن علی بن بیان الدیر مقرنی ثم الصالحی حنفی المذہب تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الكامنہ میں اور حافظ شمس الدین ابن طولون نے (الغرض العلیہ فی ذیل الجواہر المضیہ میں) آپ کا بڑا مبسوط تذکرہ لکھا ہے۔

آپ کے شیوخ اور مرویات بہت زیادہ ہیں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آپ نے اس قدر عمر طویل پائی کہ دادا سے لے کر پوتوں تک کو درس دیا۔ چنانچہ دمشق وغیرہ میں ستر بار سے زیادہ صرف بخاری کا درس دیا اور اپنا وہ اعزاز و اکرام دیکھا کہ جس سے زیادہ ہو نہیں سکتا، حفاظ حدیث چن چن کر آپ سے حدیثیں سنتے اور دور دور سے سفر کر کے آتے اور اژدھام کئے رہتے تھے وفات سے ایک دن پہلے محبت الدین ابن الحب نے آپ سے صحیح بخاری شروع کی دوسرے دن ظہر تک سلسلہ درس جاری رہا۔ عین ظہر کے قریب ۲۵ صفر ۴۳۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا اور اس طبقہ کے علماء سے آپ نے سماع حدیث کیا۔ حجار کے ہم طبقہ وہ علماء جن سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا اور جن کا ذکر خصوصیت سے آپ کے تذکرہ میں علماء نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) عیسیٰ بن المصعب (۲) بہاؤ الدین قاسم بن عساکر التوفی ۲۳ھ (۳) عقیف الدین اسحاق بن یحییٰ الامدی التوفی ۲۵ھ (۴) محمد بن زراد (۵) بدر الدین محمد بن ابراہیم معروف بابن سویدی التوفی ۱۱ھ (۶) ابن الرضی (۷) حافظ مزنی (۸) حافظ ابن تیمیہ (۹) حافظ ذہبی (۱۰) عماد الدین محمد بن الشیرازی التوفی ۴۹ھ۔

لیکن ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ جس سے آپ کو استفادہ کا موقع ملا وہ محدث شام حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن مزنی شافعی (مصنف تہذیب الکمال التوفی ۴۲ھ) ہیں۔ حافظ مزنی نے خصوصی تعلق کی بناء پر اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح کر دیا تھا اس رشتہ نے اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر دیا۔ سعادت مند شاگرد نے اپنے محترم استاد کی شفقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا مدت مدید تک حاضر خدمت رہے، اور ان کی اکثر تصانیف کا جس میں تہذیب الکمال بھی داخل ہے خود ان سے سماع کیا اور اس فن کی پوری تکمیل ان ہی کی خدمت میں رہ کر کی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں ﴿وتخرج بالمزنی ولازمه وبعث﴾ اسی طرح حافظ ابن تیمیہ (التوفی ۴۸ھ) سے بھی آپ نے بہت کچھ علم حاصل کیا تھا اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے تھے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مصر سے آپ کو دوسری وانی غالباً حافظ امین الدین محمد بن ابراہیم وانی حنفی التوفی ۳۵ھ مراد ہیں حافظ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور ان کو حافظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ حافظ عبد القادر قرشی بھی حدیث میں ان کے شاگرد ہیں چنانچہ انہوں نے طبقات الحنفیہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کو الامام المحدث کے القاب سے یاد کیا ہے اور حنفی (یہ مصر کے نامور محدث بدر الدین یوسف بن عمر حنفی ہیں) "مسند البلاد المصویہ" کہلاتے تھے علوم اسناد میں منفر د تھے، ۳۱ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی امام تقی الدین سبکی احمد دمیاطی اور حافظ عبد القادر قرشی کے فن حدیث میں استاد ہیں حافظ قرشی نے الجواہر المضیہ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے (و غیرہ نے حدیث کی اجازت دی تھی)۔

منزلت علمی: امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ، اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ علامہ ابن العماد حبلی، ابن حبیب سے ناقل ہیں ﴿انتھت الیہ ریاس العلم فی التاریخ والحديث والتفسیر﴾ ان پر تاریخ، حدیث اور تفسیر میں ریاست علمی ختم ہو گئی۔ اور مشہور مورخ علامہ ابو الجاسن جمال الدین یوسف ابن تغری بردی حنفی، المنہل الصافی المستوفی بعد الوافی میں لکھتے ہیں ﴿وكان له اطلاع عظیم فی الحديث والتفسیر والفقہ والعربیۃ﴾ حدیث، تفسیر، فقہ، اور عربیت میں ان کو بڑی معلومات

تھیں اور حافظ ابوالمحسن حسینی فرماتے ہیں ﴿ وبرع فی الفقه والتفسیر والنحو وامن النظر فی الرجال والعلل ﴾ فقہ، تفسیر، اور نحو میں ماہر تھے اور رجال و علل حدیث میں بڑی گہری نظر پیدا کی تھی۔

خاص طور پر علم حدیث میں تو ان کا یہ پایہ ہے کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں چنانچہ حافظ ابوالمحسن حسینی اور علامہ سیوطی نے تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیل لکھے ہیں اس میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور خود امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں جہاں اپنے ممتاز شیوخ حدیث اور فقہاء درس کا تعارف کر لیا ہے ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ شعر و سخن کا بھی ذوق تھا لیکن آپ کی نظم متوسط درجہ کی ہوتی تھی نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

﴿ تمر بنا الا یام تتری وانما نساغ الی الاجال والعین تنظر ﴾

(دن پیارے گزرتے جاتے ہیں اور ہم آنکھوں دیکھتے ہو، ت کی طرف ہنکائے چلے جا رہے ہیں)

﴿ فلا عاند ذاک الشباب الذی مضی ولا زائل هذا المشیب المکمل ﴾

(سو اب نہ تو وہ گزری ہوئی جوانی لوٹ کر آسکتی ہے اور نہ یہ گدورت بھرا بڑھاپا زائل ہونے والا ہے)

دوسرے مصرعہ میں اگر ﴿ ذاک الشباب ﴾ کی بجائے ﴿ صفو الشباب ﴾ ہو تا تو بڑا بیخ ہوتا۔

علماء کا آپ کی خدمت میں خراج تحسین: حافظ زین الدین عراقی (المتوفی ۸۰۶ھ) سے کسی نے پوچھا تھا کہ غلطی (مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں) حسینی تھے حافظ ابن فہد اور حافظ سیوطی نے اپنے اپنے ذیل میں ان کا تذکرہ لکھا ہے ۶۳ھ میں وفات پائی) ابن کثیر، ابن رافع اور حسینی ان چاروں معاصرین میں کون سب سے بڑا ہے؟ حافظ عراقی نے جواب دیا ان میں سب سے زیادہ وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم تو مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ متون و تواریخ کے حافظ ابن کثیر ہیں اور سب سے زیادہ طلب حدیث میں نکتے والے اور مو تلف و مختلف کے عالم ابن رافع ہیں اور سب سے زیادہ شیوخ معاصرین سے باخبر اور تخریج کے واقف حسینی ہیں اور حافظ ذہبی نے اعمام التحصیل میں ابن کثیر کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے ﴿ الامام المفتی المحدث البارع فقیہ متفنن ومحدث متقن مفسر ﴾ اور تذکرۃ الحفاظ کے خاتمہ میں ان القاب کے ساتھ یاد کرتے ہیں ﴿ الفقیہ المفتی المحدث ذی الفضائل ﴾ اور اس کے بعد لکھتے ہیں ﴿ وله عنایة بالرجال والمتون والفقه خرج وناظر و صنف وفسر و تقدم ﴾ ان کو رجال متون حدیث اور فقہ کے ساتھ اعتناء ہے انہوں نے احادیث کی تخریج کی، مناظرہ کیا، تصنیف کی، تفسیر لکھی اور آگے بڑھ گئے اور حافظ حسینی کے انکے بارے میں یہ الفاظ ہیں ﴿ الشیخ الامام العالم الحافظ المفید البارع ﴾ اور حافظ سیوطی فرماتے ہیں ﴿ الامام المحدث ذو الفضائل ﴾ اور علامہ ابن العماد لکھتے ہیں ﴿ الحافظ الکبیر ﴾ اور حافظ ابن حجر المتوفی ۸۱۶ھ جو آپ کے نامور شاگرد ہیں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں ﴿ احفظ من ادرکناہ لمتون الاحادیث واعرفهم بجرحها ورجالها وصحیحها وسقیمها وکان اقرانه وشیوخه يعترفون له بذلك وما اعرف انی اجتمعت به علی کثرة ترددی الیه الا واستغدت منه ﴾ ہم نے جن لوگوں کو پایا ان سب میں وہ متون احادیث کے سب سے بڑے حافظ اور جرح اور رجال اور صحیح اور ضعیف کے سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے اور اس بارے میں ان کے معاصرین اور اساتذہ بھی ان کے معترف تھے اور مجھے یاد نہیں کہ باوجود میرے کثرت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو کہ میں آپ سے ملا ہوں اور استفادہ نہ کر سکا ہوں اور حافظ ابن ناصر الدین دمشقی الرد الوافر میں ان کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں ﴿ الشیخ الامام العلامة الحافظ عماد الدین ثقة المحدثین عمد المؤرخین علم المفسرین ﴾ اور حافظ ابن حجر عسقلانی (جن کے متعلق صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "ان کا قلم لوگوں کے اظہار معائب میں براتھا اور زبان اچھی تھی کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ خوبی باقی رہتی") اصل عبارت یہ ہے ﴿ کان قلم ابن حجر سینا فی مثالب الناس ولسانہ حسنا ولیتہ عکس لیبقی الحسن ضمن الجواهر والدرر ﴾ ان کو بھی امام ابن کثیر کے متعلق اتنا تسلیم ہے کہ ﴿ واشتغل بالحديث مطالع فی متونه ورجاله ﴾ حدیث کے متون اور رجال کے مطالعہ میں مشغول رہے تاہم اپنی عادت کے مطابق یہ لکھ گئے ہیں ﴿ ولم یکن علی طریق المحدثین فی تحصیل العوالی وتمیز العالی من النازل ونحو ذلك من فنونهم وانما هو من

محدثی الفقہاء یہ عالی اسانید کی تحصیل اور عالی و نازل کی تمیز اور اسی قسم کے دیگر فنون میں جو محدثین کے خاص فن ہیں محدثین کی طرح نہ تھے بلکہ یہ توفقیہاء کے محدث تھے۔

لیکن حافظ سیوطی نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں ﴿قلت العمدة في علم الحديث معرف صحيح الحديث ومقيمه وعلله واختلاف طرقه ودرجته جرحا وتعديلا واما العالي والنازل ونحو ذلك فهو من الفضلات لا من الاصول المهمة﴾ میں کہتا ہوں کہ اصل چیز علم حدیث میں صحیح اور سقیم کی پہچان اور علل اور اختلاف طرق کا علم اور رجال کی جرح و تعدیل سے واقفیت ہے رہا عالی (جس سند میں وسائط کم ہوں وہ عالی ہے اور جس میں زیادہ ہوں وہ نازل ہے فقہاء کا اصل کام ہے مسائل کا استنباط اس لئے ان کی نظر زیادہ تر متن حدیث پر ہوتی ہے اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس سے مسئلہ کیا نکلا۔ سند سے انہیں صرف اتنی بحث ہوتی ہے کہ اس میں جتنے لوگوں کے نام لئے جا رہے ہیں بس وہ معتبر اور قابل قبول ہیں باقی رہی یہ بات کہ اس میں واسطے زیادہ ہیں یا کم یہ چیز ان کی نظر میں چنداں اہم نہیں، لیکن ارباب روایت میں اس کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ ان کے نزدیک صرف ایک واسطے کو کم کرنے کے لئے بھی مستحسن ہے) و نازل وغیرہ سو یہ زوائد میں داخل ہیں نہ کہ اصول مہمہ میں اور علامہ محدث زاہد الکوثری لکھتے ہیں اگرچہ حافظ ابن کثیر پر متون حدیث کے حفظ کرنے کا زیادہ غلبہ تھا لیکن ان کی حیثیت اتنی گری ہوئی بالکل نہ تھی کہ وہ طبقات راویہ اور ان کے احوال کی معرفت کے اعتبار سے عالی و نازل کی بھی تمیز نہ کر سکتے ہوں بلکہ یہ بات تو ایسے شخص پر بھی مخفی نہیں رہ سکتی جو علم رجال میں ان سے بدرجہا کمتر ہو اور بھلا یہ کس طرح ہو سکتا تھا جب کہ وہ ایک طویل مدت تک مزی کی خدمت میں برابر حاضر رہے اور اسکمیل کے جمع کرنے پر لگے رہے اور حافظ ابن حجر کی اندرونی باتیں ان لوگوں کے تذکرہ میں کھل جاتی ہیں جو فضل و کمال میں مشہور ہیں مورخین نے حافظ ابن کثیر کے حافظ اور فہم کی خاص طور پر تعریف کی ہے ابن العماد لکھتے ہیں۔ ﴿کان كثير الاستحضار قليل النسيان جيد الفهم﴾ کہ ابن کثیر زیادہ یاد رکھنے والے کم بھولنے والے اور بہت سمجھ والے تھے۔

درس و افتاء ذکر الہی شگفتہ مزاجی: حافظ ابن کثیر کی تمام عمر درس و افتاء اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکریہ (جو اس زمانہ میں علم حدیث کے مشہور مدارس سے تھے) میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے بڑے ذاکر شاعری تھے چنانچہ ابن حبیب نے آپ کے متعلق لکھا ہے ﴿امام ذی التسبیح والتہلیل﴾ طبیعت بڑی شگفتہ پائی تھی لطیف گو اور بذلہ سخ تھے حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف میں ﴿حسن الفاکھة﴾ کے الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی بڑا پر لطف مزاج کیا کرتے تھے غالباً اسی قسم کا یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حافظ زین الدین عراقی جو فن حدیث (حافظ ابن فہد ذیل تذکرۃ الحفاظ میں حافظ عراقی کے ترجمے میں لکھتے ہیں) ﴿اخذ علم الحديث عن الشيخ علاء الدين ابن التركمانی وبه تخرج وانفع﴾ میں امام حافظ علاء الدین ابن التركمانی حنفی (مصنف الجوہر الثقی فی الرد علی البہتیمی) کے تلمیذ خاص اور ان ہی کے ساختہ پر داختہ تھے، شیخ الاسلام تقی الدین سبکی کے درس میں حاضر ہوئے تو شیخ الاسلام نے اپنے درس میں بڑی عظمت کے ساتھ ان کا ذکر کیا اور بڑے اہتمام سے ان کا تعارف کر لیا اور ان کی معرفت و اتقان کی بہت تعریف کی اس پر حافظ ابن کثیر بولے کہ مجھے تو ان سے یہ بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماء شمس (وہ پانی جو دھوپ سے گرم ہو گیا ہو) سے وضو کے بارے میں جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے اسی کو نکال سکیں۔

علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق: اخیر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حافظ ابن کثیر کو اپنے استاد علامہ ابن تیمیہ سے خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی علمی زندگی پر گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ بعض ان مسائل میں بھی ابن تیمیہ سے متاثر تھے جن میں وہ جمہور سلف سے متفرد ہیں

چنانچہ ابن قاضی شہبہ اپنے طبقات میں لکھتے ہیں ﴿كانت له خصوصية بابن تيمية ومناضلة عنه واتباع له في كثير من ارانه وكان يفتي براه في مسنله الطلاق وامتنح بسبب ذلك واوذي﴾ ان کو ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور ان کی طرف

سے لڑا کرتے تھے اور بہت سی آراء میں انکی اتباع کرتے تھے چنانچہ طلاق کے مسئلہ میں (شیخ ابن تیمیہ کی رائے میں اگر تین طلاقیں ایک ہی ساتھ دی جائیں تو وہ ایک شمار ہوگی) میں بھی انہی کی رائے پر فتویٰ دیتے تھے جس کے نتیجے میں آزمائش میں پڑے اور ستائے گئے۔

وفات: اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی جمعرات کے دن شعبان کی چھبیس تاریخ ۷۴۷ھ میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے محبوب استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے پہلو میں دفن کئے گئے آپ کے کسی شاگرد نے آپ کی وفات پر بڑا اور داغ کنیز مرثیہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں

﴿ لفقذك طلاب العلوم تأسفوا
﴿ ولو مزجوا ماء المدامع بالدماء
﴿ وجادوا بلعم لا یبید غزیرہ
﴿ لکان قلیلاً فیک یا ابن کثیرہ

شائقین علوم تمہارے اٹھ جانے پر متأسف ہیں اور اس کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں کہ تمہنے ہی کو نہیں آتے اور اگر وہ آنسوؤں کے ساتھ خون بھی ملا دیتے تب بھی اسے ابن کثیر تمہارے لئے یہ تھوڑا تھا) پسماندگان (میں دو صاحبزادے جو بڑے نامور ہوئے ہیں ایک زین الدین عبدالرحمن جن کی وفات ۷۹۲ھ میں ہوئی ہے اور دوسرے بدر الدین ابوالبقاء محمد یہ بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں انہوں نے ۸۰۳ھ میں بمقام رملہ وفات پائی ان دونوں کا ذکر حافظ ابن فہد نے اپنے ذیل میں بسلسلہ وفیات کیا ہے۔

تصنیفات: آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بڑی بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ آپ کے اخلاص کا ثمرہ اور حسن نیت کی برکت تھی کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو قبول عام اور شہرت دوام عطا ہوئی مورخین نے آپ کی تصانیف کی افادیت اور ان کی قبولیت کا ذکر خاص طور سے کیا ہے ذہبی لکھتے ہیں ﴿ ولہ تصانیف مفیدة ﴾ ابن حجر کہتے ہیں سند سادات تصانیفہ ﴿ فی البلاد فی حیاتہ وانفع الناس بہا بعد وفاتہ ﴾ ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف شہر شہر چا پنیچیں اور ان کی وفات کے بعد لوگ ان سے نفع اندوز ہوتے رہے۔ اور شوکانی لکھتے ہیں ﴿ وقد انتفع الناس بتصانیفہ لاسیما التفسیر ﴾ لوگوں نے ان کی تصانیف خصوصاً تفسیر سے نفع اٹھایا۔ آپ کی جن تصانیف پر ہمیں اطلاع مل سکی وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ تفسیر القرآن الکریم: جس کے متعلق حافظ سیوطی تصریح کرتے ہیں کہ ﴿ لم یؤلف علی نمطہ مثله ﴾ اس طرز پر دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی اور محدث کوثری فرماتے ہیں:-

﴿ هو من افید کتب التفسیر بالروایة ﴾ یہ تفسیر بالروایت میں سب سے زیادہ مفید کتاب ہے۔

تفسیر القرآن الکریم کی خصوصیت قاضی شوکانی لکھتے ہیں:-

﴿ وقد جمع فیہ فاوعی ونقل المذاهب والایخبار والاثار وتکلم باحسن کلام وانفسہ ﴾ اس میں جمع کیا اور خوب محفوظ کر دیا، مذاہب نقل کئے احادیث لکھیں، آثار درج کئے اور بہت ہی عمدہ اور نہایت نفیس کلام فرمایا مصنف اس کتاب میں سب سے پہلے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ایک آیت کی تفسیر اسی مضمون کی دوسری آیات کی روشنی میں کرتے ہیں پھر محدثین کی مشہور کتابوں سے اس کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان کو نقل کر کے ان کی اسانید و رجال پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو لاتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے کہ انہوں نے تفسیر اور تاریخ سے اسرائیلیات کو بہت کچھ چھانٹ کر علیحدہ کر دیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس اہم کام کے لئے ان جیسے بالغ نظر محدث ہی کی ضرورت تھی یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اگر ان کی علمی خدمات میں صرف یہی ایک خدمت ہوتی تب بھی وہ ان کے فخر کے لئے کافی تھی۔ الحمد للہ یہ کتاب متداول ہے اور بارہا طبع ہو چکی ہے۔ یہ الفاظ اسی کتاب (تفسیر ابن کثیر) کے بارے میں ہیں جو آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ جس کو اب طبع کرنے کی سعادت خدیفہ اکیڈمی کے حصہ میں آئی۔ ﴿ الحمد لله علی ذلک۔ ﴾

۲۔ البدایہ والنہایہ: یہ فن تاریخ میں ان کی بیش بہا تصنیف ہے اور مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اس میں ابتداء کائنات سے لے

کہ احوال آخرت تک درج ہیں پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور امام ماضیہ کا ذکر ہے پھر سیرت نبویہ کا بیان ہے اور اس کے بعد خلافت راشدہ سے لے کر اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ لکھی ہے پھر اشراط الساعۃ اور احوال آخرت کا بیان ہے اس تاریخ میں بھی امام موصوف نے غرائب، مناکیر اور اسرائیلیات کو چھانٹ دیا ہے صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ﴿اعتمد فی نقلہ علی النص من الكتاب والنس فی وقائع الا لوف السالف ومیز بین الصحیح والسقیم والحبر الا سرائیلی﴾ وغیرہ گذشتہ ہزار ہا سال کے وقائع میں کتاب و سنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے اور صحیح ضعیف اور اسرائیلی روایات وغیرہ کو جدا کر دیا ہے۔

مورخ ابن تغری بردی اس تاریخ کے متعلق لکھتے ہیں ﴿هو فی غای الجود﴾ یہ نہایت ہی خوب ہے امام علامہ حافظ بدر الدین محمود عینی حنفی شارح بخاری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کا اختصار بھی کیا ہے کشف الظنون میں ہے کہ محمود بن محمد بن دلشاد نے البدایہ والنہایہ کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں واقعات اور وفیات دونوں درج ہیں سیرت نبویہ کا حصہ خاص طور پر سب سے بہتر ہے مگر بے شمار مشاہیر علماء کا تذکرہ کتاب میں درج ہونے سے رہ گیا ہے اس میں مصنف کی وفات سے ۲ سال قبل تک کے حالات آگے ہیں۔ پاکستان میں اس کا اردو زبان میں (تاریخ ابن کثیر) ترجمہ و طبع ہو چکا ہے۔

۳۔ الکامل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والحجائیل: صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کا نام ﴿التکملة فی اسماء الثقات والضعفاء﴾ لکھا ہے لیکن خود مصنف نے البدایہ والنہایہ اور اختصار علوم الحدیث میں یہی نام لکھا ہے یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فن رجال میں ہے اور حسب تصریح حافظ حسینی پانچ جلدوں میں ہے اس میں مصنف نے حافظ مزنی کی تہذیب الکمال اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال کو جمع کر دیا ہے اور جا بجا اپنی طرف سے اس میں مفید اضافے بھی کئے ہیں خود مصنف کی رائے اس کتاب کے بارے میں یہ ہے ﴿هو نفع شینی للفقہ البارع وكذلك للمحدث﴾ یہ ان چیزوں میں ہے کہ جو ماہر فقہیہ اور اسی طرح ایک محدث کے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہے۔

۴۔ الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن: یہی کتاب ہے جو "جامع المسانید" کے نام سے مشہور ہے مصنف نے اس میں مسند امام احمد ابن حنبل، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ، مسند ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے محدث کوثری لکھتے ہیں ﴿هو من انفع کتبہ﴾ یہ انکی تصانیف میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔ یہ کتاب بھی عربی میں طبع ہو کر مارکیٹ میں آگئی ہے۔

۵۔ طبقات الشافعیہ: اس میں فقہاء شافعیہ کا تذکرہ ہے اس کا قلمی نسخہ شیخ محمد بن عبدالرزاق حمزہ نے شیخ حسین باسلامہ کے پاس دیکھا ہے جو مکہ معظمہ میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ یہ کتاب بھی عربی میں طبع ہو کر آچکی ہے۔

۶۔ مناقب الشافعی: یہ رسالہ امام شافعی کے حالات میں ہے مصنف نے اس کا ذکر البدایہ والنہایہ میں امام شافعی کے تذکرہ میں کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے صاحب کشف الظنون نے اس رسالہ کا نام الواضح النفس فی مناقب الامام ابن ادریس لکھا ہے۔

۷۔ تخریج احادیث ادلتہ التنبیہ:

۸۔ تخریج احادیث: مختصر ابن الحاجب التنبیہ اور مختصر یہ دونوں کتابیں وہی ہیں جنکو مصنف نے عہد طالب علمی میں حفظ کیا تھا۔ ان دونوں کتابوں میں کتب حدیث سے تخریج بھی لکھی ہے

۹۔ شرح صحیح بخاری: اس کی تصنیف بھی شروع کی تھی مگر ناتمام رہ گئی کشف الظنون میں ہے کہ صرف ابتدائی حصے کی شرح ہے مصنف

نے اس کا ذکر اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے

۱۰۔ الاحکام الکبیر: یہ کتاب بہت بڑے پیمانہ پر احادیث احکام میں لکھنی شروع کی تھی مگر کتاب الحج تک لکھ سکے تمام نہ کر سکے مصنف نے اختصار علوم الحدیث میں اس کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ اختصار علوم الحدیث: نواب صدیق حسن خان نے منہج الوصول فی اصطلاح احادیث الرسول میں اس کا نام الباعث الحثیث علی معرفتہ علوم الحدیث لکھا ہے یہ علامہ ابن صلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" معروف بہ مقدمہ ابن الصلاح کا جو اصول حدیث میں ہے اختصار ہے مصنف نے اس میں جا بجا مفید اضافے کئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں ﴿وله فیہ فوائد﴾ اس کتاب میں حافظ ابن کثیر کے بہت سے افادات ہیں۔

۱۲۔ مسند الشیخین: اس میں شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کو جمع کیا گیا ہے مصنف نے اختصار علوم الحدیث میں اپنی ایک تصنیف مسند عمرؓ کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا وہ مستقل علیحدہ کتاب ہے یا اسی کا حصہ ثانی ہے۔

۱۳۔ السیرۃ النبویہ: یہ سیرت پر بڑی طویل کتاب ہے

۱۴۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول: یہ سیرت پر ایک مختصر کتاب ہے۔

مصنف نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۃ احزاب کے اندر غزوہ خندق کے بیان میں کیا ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ مدینہ منورہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔ یہ کتاب الفصول فی سیرۃ الرسول کے نام سے عربی اور اردو میں طبع ہو چکی ہے۔

۱۵۔ کتاب المقدمات: اس کا ذکر مصنف نے اختصار علوم الحدیث میں کیا ہے۔

۱۶۔ مختصر کتاب المدخل للبیہقی: اس کا ذکر بھی اختصار علوم الحدیث کے مقدمہ میں کیا ہے

۱۷۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد: جب فرنگیوں نے قلعہ یاس کا محاصرہ کیا اس وقت آپ نے یہ رسالہ امیر منجک کے لئے لکھا ہے یہ رسالہ مصر سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

۱۸۔ رسالہ فی فضائل القرآن: یہ رسالہ بھی تفسیر ابن کثیر کے ساتھ مطبع المنار مصر میں طبع ہو چکا ہے

۱۹۔ مسند امام احمد بن حنبل: کو بھی حروف پر مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ طبرانی کی معجم اور ابویعلیٰ کی مسند سے زوائد بھی درج کئے تھے۔ امام ابن کثیر کی تمام تصانیف میں یہ خوبی عیاں ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت تحقیق کے ساتھ لکھتے ہیں اور مفصل لکھتے ہیں عبارت سہل اور پیرایہ بیان دلکش ہوتا ہے۔

﴿ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤوف الرحیم﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اس اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾^۱ اور جگہ فرمایا ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْ عَبْدِهِ الْكِتَابَ ﴾ یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن کریم نازل کیا۔ جس میں کوئی کجی نہیں۔ جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو خبردار کر دے۔ اور جو لوگ ایمان لا کر نیک اعمال کرتے ہیں انہیں ان کے بہترین اور بیشکلی والے بدلہ کی خوش خبری سنا دے۔ اور جو لوگ اپنے جاہل باپ دادا کی سنی سنائی باتوں پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں انہیں بھی چو کنا کر دے کہ یہ بہت بڑی جسارت اور محض جھوٹی بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے۔ اے نبی! تم ان کے پیچھے اپنی جان میں گھن نہ لگاؤ۔

جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کیا اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کو بھی اپنی حمد سے شروع کیا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهٖمْ یَعْدِلُوْنَ ﴾^۲ یعنی سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اندھیرے و اجالے کو پیدا کیا۔ لیکن کفار باوجود اس کے بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مخلوق کا خاتمہ بھی اپنی حمد و ثنا پر کیا۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَتَرٰی الْمَلٰٓئِكَةَ حٰقِقِیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهٖمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾^۳ یعنی ”تو دیکھے گا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ اور اپنے رب کی حمد و ثنا تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہوں گے۔ فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہو گا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہیں“ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاَوْٰلٰی وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾^۴ یعنی وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اسی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْحَبِیْرُ ﴾^۵ یعنی سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی ملکیت ہیں۔ آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے وہی حکمت والا اور خبردار ہے۔ اول آخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا۔ وہ ان سب میں تعریفوں والا ہے۔ جیسے کہ نمازی ﴿ سَمِعَ اللّٰهُ ﴾ کے بعد کہتا ہے ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَءُ السَّمٰوٰتِ وَمِلَءُ الْاَرْضِ وَمِلَءُ مَا بَیْنَ سَمٰوٰتِیْنِ مِنْ شَیْءٍ ؕ بَعْدُ ﴾ ”اے اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ آسمان و زمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے“ اسی لئے جنتی لوگ بھی حمد و ثنا کا الہام کئے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اسکی تسبیح ادا ہوتی رہے گی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کی زبردست سلطنت اور اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے بیشکلی والے احسانات ان کے پیش نظر ہوں گے اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاٰیٰتِہِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہُمْ الْاَنْهٰرُ فِیْ حَسْبِ النَّعِیْمِ ﴾^۶ دعو اہم فیہا سبحانک اللّٰہمّ و تحیتہم فیہا سلم و اخر دعو اہم ان الحمد لله رب العالمین ﴿ یعنی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کے ذریعہ ان نعمت والے باغوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کی آواز سُبْحٰنَکَ اللّٰہمّ ﴿ اور آپس میں سلام کا تحفہ ہو گا اور آخری پکار ان کی یہی ہو گی کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حجت مکمل ہو گئی ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رُسُلَهٗ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنذِرِیْنَ لِنَاسٍ لِّیَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرَّسُوْلِ ﴾^۷ یعنی ”اللہ ہی کے لئے تعریف ہے جس نے اپنے رسولوں کو خوش خبریاں دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا۔ تاکہ رسولوں

کے آجانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے "ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی ملی ﷺ پر ختم کیا۔ جو سب سے زیادہ واضح راہ کی ہدایت کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات و انسان ہیں ان سب کی طرف آپ ﷺ کی رسالت سے جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ الخ اسے نبی اتم کہہ دو کہ اسے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ اللہ جو آسمان اور زمین کا مالک ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اسے لوگوں میں تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جو نبی ہے امی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوگوں میں کی پیروی میں تمہاری ہدایت ہے " اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے ﴿لَا تَنْدِرُكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ "تاکہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں کلام اللہ پہنچے" پس جس عربی نبی کالے گورے انسان کو یہ قرآن پہنچا آنحضرت ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾ یعنی "اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے" پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے۔ وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے ﴿فَلْتَرْزُقْنِي وَمَنْ يُكْذِبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ یعنی تم ان جہنم والوں کو اور مجھ کو چھوڑ دو۔ میں انہیں اس طرح بتدریج پکڑوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہ ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "میرے پیغمبر نبی مام ہے۔ ہر سرخ و سیاہ کی طرف میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں" مجاہد فرماتے ہیں یعنی کل جن و انس کی طرف آپ ﷺ تمام انسان اور جنات کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں سب کو اللہ کریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ ﷺ پہنچانے والے ہیں جس کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ کا نازل کیا ہوا ہے۔

دعوت غور و فکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کر دی ہے فرمایا کہ تم کیوں قرآن میں تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔ اور جگہ فرمایا "اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تاکہ لوگ اس میں غور و خوض کریں اور فطنند لوگ نصیحت حاصل کریں" اور جگہ فرمایا "یہ لوگ قرآن کے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں۔"

دنیا کے طالب علماء کا انجام: پس علماء پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کریں اور سیکھیں اور سکھائیں اور لوگوں کی صحیح راہنمائی کریں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا ہے کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں چھپائیں نہیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے۔ ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے "اور جگہ فرمایا "جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی رقم کے بدلے بیچتے پھر ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات تک نہ کرے گا۔ نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے" پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب دیتے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا پروردگار نے ان کی مذمت بیان کی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسا نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے۔ بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام اللہ کی تعمیل میں بدل و جان لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے، سکھانے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ مسلمانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے (اور جو ان کی طرف حق آیا ہے اس سے) ان کے دل کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی لیکن کچھ زمانہ گزرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر لوگ نافرمان ہو گئے۔ جان لو کہ مردہ زمین کو نئی زندگی دینا اللہ ہی کا کام ہے ہم نے تو تمہاری سبب بوجھ کے لئے اپنی آیات بیان کر دیں" ان دونوں آیات کے ترجمے میں غور کرو کس لطافت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی

طرح ایمان و ہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں نرم پڑ جلیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر جو ادو بخنی سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے۔ آمین۔

تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے: سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔ بلکہ حضرت امام ابو عبد اللہ محمد بن اور یس شافعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے ”ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے کر سکو خبردار تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار مت بننا“ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ”ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب اتاری ہے کہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کر دیا کرو۔ یہ کتاب ایمانداروں کے لئے ہدایت و رحمت (کا باعث) ہے“ ایک اور مقام پر فرماتا ہے ”ہم نے اس کے ذکر کو تیری طرف اس لئے اتارا ہے کہ تم اسے لوگوں کو کھول کھول کر پہنچا دو تاکہ وہ غور کر سکیں“

حدیث کی اہمیت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”میں قرآن بھی دیا گیا ہوں اور اسی طرح کے مثال ایک اور چیز بھی اسی کے ساتھ دیا گیا ہوں اس سے مراد سنت ہے۔ یہ یاد رہے کہ احادیث بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن بذریعہ وحی الہی اترا اسی طرح حدیث رسول ﷺ بھی وحی اللہ ہے۔ مگر قرآن وحی مملو ہے اور حدیث وحی غیر مملو۔ امام شافعی اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ نے اسے دلائل سے خوب ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر پہلے خود قرآن اور پھر حدیث سے کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی جانب بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو کہا سنت رسول اللہ ﷺ سے کہا اگر اس میں نہ پاؤ تو کہا اب اجتہاد کروں گا۔ حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے“ یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور سند بھی اس کی بہت عمدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ثبوت موجود ہے۔

اقوال صحابہ کی اہمیت: اس بناء پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہو سکتا ہے وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے۔ علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ صحیح علم اور نیک عمل انہیں حاصل تھا۔ بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بھی بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے جیسے چاروں امام جو خلفاء تھے جو رشد و ہدایت والے تھے یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ، حضرت علیؓ اور جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تو مروی ہے فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم میں کوئی مجھ سے زیادہ ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہیں پڑھتا تھا۔ حضرت عبدالرحمن سلمی تابعی فرماتے ہیں کہ ہم نے جن سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل حضور ﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی کو سیکھا انہی میں سے ایک حمزہ المجر حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں حضور ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور کہا تھا ﴿اللَّهُمَّ فَفِّهِهِ فِي الدِّينِ وَعِلْمِهِ التَّوْبِيلِ﴾ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم بھی نصیب کر“ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے ”قرآن

کے بہترین ترجمان (حضرت) عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجئے کہ ان کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے بعد بھی پچھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ امیر حج مقرر ہوئے تھے آپ نے اپنے خطبہ میں سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر کفار ترک و یلم بھی سن لیتے تو قطعاً مسلمان ہو جاتے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورہ نور کی تفسیر فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسمعیل بن عبدالرحمن سدی کبریٰ اپنی تفسیر میں انہی دونوں ہزروں کی اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ ہزرگ جو روایت لے لیا کرتے ہیں اسے بھی وہ بیان کر دیتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی روایات کی اہمیت! بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے پہنچا دیا کہ اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں مجھ پر قصد اجموت بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی پائی تھیں۔ ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مد نظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایات صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں۔ خود ان سے مسائل ثابت نہیں ہو سکتے۔ روایات بنی اسرائیل تین قسم پر ہیں۔

۱۔ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق بنو اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔

۲۔ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو، اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۳۔ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب اس لئے کہ ہمارے ہاں نہ تو کوئی ایسی روایت ہے جس کی مطابقت کی وجہ سے ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت ہے جو اس کے مخالف ہو اور اس بنا پر ہم اسے جھوٹ اور غلط کہہ سکیں۔ لہذا یہ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں، نہ انہیں غلط کہیں نہ صحیح سمجھیں۔ البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے۔ اور یہ روایات ہیں بھی ایسی جن میں ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ باوجود اس کے ایسی باتوں میں خود اہل کتاب میں بھی بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے ان روایات کو لینے والے مفسرین میں ایسے ہی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اصحاب کہف کے نام ان کے کتے کا رنگ، ان کی گنتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور پھر رب تعالیٰ کے حکم سے وہ جی اٹھے، وہ پرندے کون کون سے تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا تھا۔ وہ ٹکڑا کونسا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ اور وہ کونسا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے پروردگار رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا اس کی تعمین میں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی۔ ہاں البتہ یہ بات ہے کہ اس اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ خود قرآن نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل کیا ہے ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہتے ہیں کہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔ اسے نبی اتم کہہ دو کہ ان کی گنتی کو میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے۔ تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو۔ یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہمیں ایسے مقام پر کیا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے۔ دو کو تو ضعیف قرار دیا اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی رد کر دیا جاتا پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے

سکتا۔ پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں پریشان ہو تم یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں پھر اس کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟

اسی طرح ان سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیے جائیں۔ صحیح غیر صحیح پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بیکار کام میں پڑ کر کوئی شخص کار آمد شغل سے رک نہ جائے۔ جو شخص اختلاف نقل کرنے میں تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا۔ اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کئے بغیر چھوڑ دے اس نے بھی غلطی تقصیر کی۔ اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے پھر تو وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کرے تو پھر وہ خطا کار ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو بہت سارے اقوال اختلافی نقل کر دے یا ایسے اختلافات نقل کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یوں ہی معمولی سا رہ جاتا ہو اس نے بھی اپنے قیمتی وقت کو بیکار ضائع کیا اور نہ کرنے کا کام کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دو چھوٹے کپڑے پہن لے۔ بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

فصل ﴿ تفسیر کا آخری طریقہ: جب کسی آیت کی تفسیر قرآن حدیث اور اقوال صحابہ تینوں میں نہ ملے تو اکثر آئمہ دین نے کہا ہے کہ ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر لی جائے جیسے مجاہد بن جبر (جو تفسیر میں باری تعالیٰ کی ایک نشانی تھے) جو فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے قرآن سیکھا اور سمجھا۔ ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر سمجھ کر پڑھا۔ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں خود میں نے حضرت مجاہدؓ کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لے کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت کر کے تحریر فرماتے۔ پورے قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل کی۔ حضرت سفیان ثوریؓ کا تو فرمان تھا کہ مجاہدؓ کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اسکی ٹول کرنا بے سود ہے بس ان کی تفسیر کافی ہے۔ حضرت مجاہدؓ کی طرح حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت عکرمہؓ جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے مولیٰ تھے اور حضرت عطاء بن ابی رباحؓ حضرت حسن بصریؓ حضرت مسروق ابن اجدعؓ حضرت سعید بن مسیبؓ حضرت ابو العالیہؓ حضرت رفیع بن انسؓ حضرت قتادہؓ اور حضرت ضحاک بن مزاحمؓ وغیرہ تابعین تبع تابعین اور ان کے بعد والوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کئے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی کسی نے اس کی نظیر سے کسی نے خود اس چیز کو ہی بیان کر دیا۔ پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہو لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ مقلند کو چاہیے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے ﴿ وَاللّٰهُ الْهَادِي ﴾ شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ جب تابعین رحمہم اللہ علیہم اجماع کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ شعبہؓ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان کا اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں۔ لیکن ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں اختلاف کے وقت نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے۔ نہ غیروں پر اس وقت لغت قرآن اور حدیث اور عام لغت عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تفسیر بالرائے: ہاں صرف رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیا جہالت سے کچھ کہہ یا اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنالی ابن جریر ترمذی اور ابو داؤد میں یہ حدیث ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا

ہے یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہیں حضرت جنابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا اس نے خطا کی (ابن جریر) ابو داؤد ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی اسمیل پر بعض اہل علم نے کلام بھی کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات بھی کہدی تو پھر بھی وہ خطا کار ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور اس چال چلا جس چال چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ پس اگرچہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل گئی پھر بھی وہ خطا کار ہے اس لئے کہ کام کو کام کے طریقہ پر اس نے نہیں کیا۔

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو پھر فیصلے کرنے بیٹھ جائے۔ اسے جہنمی کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن بے خطا کار واللہ اعلم۔ دیکھئے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرتے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا اور اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا واللہ اعلم

تفسیر میں اسلاف: یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فرمان ہے مجھے کوئی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وفاکھتہ وَاٰبَا﴾ کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کونسا آسمان سایہ دے گا اور کونسی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ منبر پر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں ﴿وفاکھتہ﴾ تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اے عمر اس تکلیف میں کیوں پڑو؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم (حضرت) عمر ابن خطابؓ کے پاس تھے آپ کے قمیض کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے آپ نے اس آیت ﴿وفاکھتہ وَاٰبَا﴾ کی تلاوت کی اور کہا کہ ”اب“ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب یہ ہے کہ اب کا معنی تو معلوم ہے یعنی چارہ زمین کی پیداوار لیکن اس کی کیفیت کا کھلا ہوا علم نہیں اسی آیت میں موجود ہے ﴿فَاَنْتَبَا فِيْهَا حَبًا وَعَسَا﴾ یعنی ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگادینے۔

ابن جریرؓ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہؓ فرماتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا؟ آپ نے فرمایا اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے وہ کیا؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے مفسر نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط سے کام لیا کہ سچ بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جناب بن عبداللہؓ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیبؓ نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے اگر تم یہاں سے چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو۔ حضرت سعید بن مسیبؓ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن میں کچھ نہیں کہتے۔ آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔ قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ پر قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں۔ یعنی (حضرت) عکرمہؓ بیزید بن ابویزیدؓ کہتے ہیں ہم حضرت سعید بن مسیبؓ سے حلال و حرام کے مسائل پوچھتے تھے۔ آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے لیکن جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو ایسے خاموش

ہو جاتے گویا سنا ہی نہیں۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے مدینہ کے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھجھکتے تھے جیسے حضرت سالم بن عبد اللہؓ قاسم بن محمدؓ سعید بن مسیبؓ نافعؓ وغیرہ۔ حضرت ہشامؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عروہؓ کو کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔

عبید اللہ سلمانیؓ سے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں وہ تو اس دنیا کو خالی کر گئے اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادے رہو۔ حضرت مسلم بن یسارؓ فرماتے ہیں جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے حضرت ابراہیمؓ فرماتے ہیں ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس میں سخت احتیاط کرتے تھے۔ شععیؓ فرماتے ہیں گو میں نے قرآن کریم کی ایک آیت کا علم حاصل کر لیا ہے تاہم میں کہتے ہوئے جھجھکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنی ہے حضرت مسروقؓ کا قول ہے کہ تفسیر میں بجا احتیاط کرو تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنی ہے۔ ان تمام اور ان جیسے اور آثار صحیحہ کا جو ائمہ سلف سے منقول ہیں یہ مطلب ہے کہ یہ علماء کرام ہر گز ہر گز بغیر علم کے قرآن کے معنی مطلب میں لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لئے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کا پتہ رہا کرتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے تھے اور کہتے اس جگہ تھے جہاں کا علم ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں۔ بے علمی کے وقت چپ رہنا اور علم کو بیان کرنا۔ قرآن فرماتا ہے ﴿لَتَسَيِّئَنَّ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ یعنی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ باوجود جاننے کے اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی انہی آیات کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرائیل علیہ السلام سمجھا جائیں لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر (جو محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی کے لڑکے ہیں) ان کی بابت حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابوالفتح ازدیؒ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ایسی آیات کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام معلوم کرادیے جاتے تھے۔ امام جعفرؒ نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں اس کا ما حاصل بھی یہی ہے اور یہی معنی بند بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علماء کو ہے۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کے معنی مطلب اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

تفسیر کی اقسام: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ کلام عرب سے معلوم ہو جاتی ہے۔ ۲۔ جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں۔ ۳۔ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں۔ ۴۔ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے حلال و حرام کی آیات جن سے اگر کوئی ناواقف رہا تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا۔ جسے عرب بیان کریں۔ جو ذی علم جان سکے۔ ۳۔ متشابہ آیات جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں جو لوگ اس کے جاننے کا

دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں وہ متروک الحدیث ہیں ہو سکتا ہے کہ انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو واللہ اعلم

معلومات قرآن کے چند گوشے: حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نساء، سورۃ مائدہ، سورۃ براء، سورۃ رعد، سورۃ نحل، سورۃ حج، سورۃ نور، سورۃ احزاب، سورۃ محمد، سورۃ فتح، سورۃ حجرات، سورۃ رحمن، سورۃ حدید، سورۃ مجادلہ، سورۃ حشر، سورۃ ممتحنہ، سورۃ صف، سورۃ جمعہ، سورۃ منافقون، سورۃ تغابن، سورۃ طلاق، سورۃ تحریم، سورۃ زلزال، اور سورۃ نصر، یہ سب سورتیں تو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور باقی تمام سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار ہیں۔ اس سے اوپر اختلاف ہے۔ بعض تو اس پر زیادہ نہیں بتاتے۔ بعض دو سو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دو سو چودہ آیتیں۔ بعض دو سو انیس۔ بعض دو سو پچیس۔ بعض دو سو پچیس۔

قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار چار سو انیس کلمات ہیں۔ حروف کی گنتی کی نسبت حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔ فضل ابن عطاء بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ کل حروف تین لاکھ تینتیس ہزار پندرہ ہیں۔ حجاج نے اپنے زمانہ میں قاریوں، حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کی گنتی کر کے مجھے بتاؤ تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔ پھر حجاج نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورۃ کہف میں ﴿وَلِيَتَلَطَّفْ﴾ کی ”ف“ پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے

اور سورۃ برات کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے۔ اور دوسری تہائی سورۃ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک۔ اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے یعنی قرآن کریم کو سات منزلوں پر تقسیم کیا جائے تو پہلی منزل ﴿صَدَّ﴾ کی ”د“ پر ختم ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ﴾ اور دوسری منزل ﴿حَبَطْتُ﴾ کی ”ت“ پر ختم ہوتی ہے جو سورۃ اعراف کی آیت ﴿أُولَئِكَ حَبَطْتُ﴾ میں ہے اور تیسری منزل ﴿أَكْلَهَا﴾ کے آخری ”ا“ پر جو سورۃ رعد میں ہے اور چوتھی منزل ﴿جَعَلْنَا﴾ کے ”ا“ پر جو سورۃ حج کی آیت ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ میں ہے اور پانچویں منزل ﴿مُؤْمِنَةٌ﴾ کی ”ة“ پر جو سورۃ احزاب میں آیت ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ﴾ میں ہے اور چھٹی منزل سورہ کی ”و“ پر جو سورۃ فتح کی آیت ﴿الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنُّ السُّوءِ﴾ میں ہے اور ساتویں منزل قرآن کے اختتام پر ہے۔

ابو محمد سلام حمائیؒ کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورۃ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورۃ کہف کے لفظ ﴿وَلِيَتَلَطَّفْ﴾ کے ”ت“ پر اور پونا سورہ زمر کے خاتمہ پر اور پورا اختتام قرآن پر۔ شیخ ابو عمرو دانی نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزاء تو مشہور تو تمیں پارے ہیں۔ اور ایک حدیث میں صحابہ کرام کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے۔

مسند احمد سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ کی حیات میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا گیا کہ آپ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ پہلی تین سورتوں کی ساتویں منزل پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل۔ پھر ان کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل۔

پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل۔ اور مفصل کی یعنی سورہ ﴿ق﴾ سے لے کر آخر تک کی ایک منزل۔

﴿فصل﴾ سورت کی لفظی بحث کے بیان میں بعض تو کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی بلندی کے ہیں۔ چنانچہ نابذ کے ایک شعر میں سورت کا لفظ اس معنی میں آیا ہے تو اس معنی کا قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہو گا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے۔ اسی لئے شہر پناہ کو عربی میں ﴿سورہ﴾ کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں اسارہ کہتے ہیں اور سورہ کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورہ بھی قرآن کا ایک حصہ اور نکلز ہوتی ہے۔ ہمزہ کی تخفیف کردی گئی پھر ہمزہ کو واو سے بدل دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورہ کے معنی تمام و کمال کے ہیں۔ پوری اونٹنی کو عربی زبان میں اٹلی لئے سور کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کو عربی میں اس لئے سور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کر لیتا ہے اور انہیں جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کر لیتی ہے اور ان کا احاطہ کر لیتی ہے اس کو بھی سورہ کہتے ہیں۔ سورت کی جمع سور آتی ہے اور کبھی ﴿سُوْرَات﴾ اور ﴿سُوْرَات﴾ بھی آتی ہے۔

آیت کی تشریح آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول آخر سے جدا ہو جاتا ہے اس لئے اسے آیت کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے۔ ارشاد ہے ﴿اِنَّ اٰیةَ مُلْكِهِ﴾ یعنی اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت۔ اسی طرح نابذ کے شعر میں بھی آیت اسی معنی میں ہے۔ اور آیت کے معنی جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں۔ عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے چونکہ آیت بھی حروف کی ایک جماعت اور گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں۔ اور آیت کے معنی عجب کے بھی ہیں۔ چونکہ یہ عجیب چیز ہے معجزہ ہے تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے بھی اسے آیت کہتے ہیں۔ سیویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ ﴿اٰیة﴾ تھا جیسے ﴿اٰکْمۃ﴾ اور ﴿شجرۃ﴾ پہلی ”ئی“ عربی کے قاعدہ کے مطابق الف بن گئی۔ کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل ﴿اٰیة﴾ تھی جیسے ﴿اٰمِنۃ﴾ ی الف ہو گئی اور التباس کی وجہ سے گر گئی۔ فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ﴿اٰیة﴾ تھا پھر تشدید کی وجہ سے الف بدل دیا گیا ﴿اٰیة﴾ ہو گیا۔ آیت کی جمع ﴿اٰی آیای آیات﴾ آتی ہے۔

کلمہ کی تشریح: کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو کبھی تو اس کے دو ہی حروف ہوتے ہیں جیسے ﴿مَا﴾ اور ﴿لَا﴾ اور ﴿لَهُ﴾ وغیرہ اور کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دس حروف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے ﴿لِیَسْتَخْلِفْنَهُمْ﴾ اور ﴿اَنْزَلْ مُکْمُوْہَا﴾ اور ﴿فَاَسْقِنَا کُمُوْہُ﴾ اور کبھی ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے ﴿وَالْفَجْرِ﴾ اور ﴿وَالصُّحٰی﴾ اور ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اور اسی طرح ﴿اَلَمْ﴾ اور ﴿طٰہ﴾ اور ﴿یٰس﴾ اور ﴿حَم﴾ کو فیوں کے قول ہیں اور ﴿حَمَّ عَسَق﴾ ان کے نزدیک دو ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمے نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں۔ ابو عمرو دانی فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے ﴿مُذٰہَمٰتَانِ﴾ کے جو سورہ زمر میں ہے اور کوئی نہیں۔

﴿فصل﴾ قرطبی فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ عجمی نام ہیں جیسے ابراہیم نوح لوط اور اختلاف کیا ہے کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی کچھ عجمی ہے؟ تو باقلانی اور طبری نے تو صاف انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ عجمیت کے مطابق جو ہے وہ حقیقت میں عربی ہی ہے لیکن موافقت ہے۔

تفسیر سورہ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ فاتحہ کے نام: اس سورت کا نام سورۃ فاتحہ ہے۔ فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے کو چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی ہے اس لئے اسے سورۃ فاتحہ کہتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ نماز میں قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی کا نام ﴿ اُمُّ الْکِتَابِ ﴾ بھی ہے۔ جمہور یہی کہتے ہیں حسنؒ اور ابن سیرین اس کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام ”ام الکتاب“ ہے اور حسنؒ کا قول ہے کہ آیات کو ”ام الکتاب“ کہتے ہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾ پوری سورت تک یہی سورت ”ام القرآن“ ہے ”ام الکتاب“ ہے ”سبع مثانی“ ہے اور ”قرآن عظیم“ ہے۔ اس سورۃ کا نام ”سورۃ الحمد“ اور ”سورۃ الصلوٰۃ“ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوٰۃ کو (یعنی سورۃ فاتحہ کو) اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھا تقسیم کر دیا ہے جب بندہ کہتا ہے ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی پوری حدیث تک۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کا نام سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے۔ اس سورت کا نام سورۃ الشفا بھی ہے۔ دارمی میں حضرت ابوسعیدؓ سے مر فوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے اور اس کا نام ”سورۃ الرقیہ“ بھی ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ نے جب سانپ کے کانٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا اور وہ اچھا ہو گیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے۔ ابن عباسؓ اسے ”اساس القرآن“ کہتے تھے یعنی قرآن کی جزا اور اس سورت کی آیت ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ ہے سفیان ابن عیینہؓ فرماتے ہیں اس کا نام ”رقیہ“ ہے یحییٰ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس کا نام ”کافیہ“ بھی ہے اس لئے کہ یہ اپنے ماسوا سے کفایت کرتی ہے اور دوسری کوئی سورت اس سورت سے کفایت نہیں کرتی۔ بعض مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ اسے سورۃ الصلوٰۃ اور سورۃ الکفر بھی کہا گیا ہے ’زحمری‘ کی تفسیر کشاف دیکھئے۔ ابن عباسؓ قوادہ اور ابو العالیہؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ مجاہدؓ عطاء بن یسارؓ اور زہریؓ فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دومرتبہ نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لئے دوسری آیت میں ہے ﴿ وَلَقَدْ اٰتٰیْکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثٰنِیْ ﴾ یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات دہرائی جانے والی دی ہیں واللہ اعلم۔

ابواللیث سمرقندیؒ کا ایک قول قرطبیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور آخری آدھا حصہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ لیکن یہ قول بالکل غریب ہے اس کی نسبت اتفاق ہے کہ سات ہیں۔ لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفری نے چھ بھی کہی ہیں اور یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ تمام کوئی قاری اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کی ایک جماعت اور سابقہ بہت سارے بزرگ تو اسے سورۃ فاتحہ کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں۔ بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض اسے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں۔ جیسے کہ مدینہ کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں۔ امام بخاری کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ام الكتاب اس سورت کا نام اس لئے ہے کہ قرآن کریم کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور نماز کی قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن کے مضامین اجمالی طور پر اس میں ہیں اس لئے اس کا نام ام الكتاب ہے۔ اور عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جز کو جس کی شاخیں اور اجزا اسی کے تابع ہوں ام کہتے ہیں۔ دیکھئے ام الراس وہ اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے۔ اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں ام کہتے ہیں۔ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ مکہ کو ام القری کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ہے اور سب کا جامع ہے۔ زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے۔ چونکہ اس سے نماز کی قرات شروع ہوتی ہے اور قرآن کے لکھنے کے وقت بھی صحابہ نے اسی کو پہلے لکھا اس لئے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک صحیح نام ”سبع مثانی“ بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے۔ اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے واللہ اعلم۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا یہ ام القرآن ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے یہی ام القرآن ہے یہی فاتحہ الكتاب اور یہی سبع مثانی ہے۔ تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کی سات آیات ہیں ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ بھی ان میں سے ایک آیت ہے اسی کا نام سبع مثانی ہے یہی قرآن عظیم ہے یہی ام الكتاب ہے۔ دار قطنی میں بھی اسی طرح کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دار قطنی ”اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ وہ سورہ فاتحہ ہے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کی ساتویں آیت ہے۔ اور بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن مسعودؓ سے کہا گیا کہ آپ نے سورت فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں لکھتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا۔ ابو بکر بن ابو داؤدؓ فرماتے ہیں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے۔ اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے اس لئے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دلائل النبوة میں امام بیہقی نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی۔ باقلانی نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿إفرا باسم﴾ نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ

سورہ فاتحہ کے فضائل: مسند احمد میں حضرت ابو سعید بن معلیؓ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا میں نے کوئی جواب نہ دیا جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اب تک کس کام میں تھے؟ میں نے کہا حضور ﷺ! میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں تم جواب دو“ اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے جانے سے پہلے ہی بتلا دوں گا کہ قرآن مجید میں سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ ﷺ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ ﷺ کو وعدہ یاد دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورت ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔ اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے۔

واقعتی نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب کا بیان کیا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب کو آزدی وہ نماز میں تھے فارغ ہو کر آپ ﷺ سے ملے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھا۔ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے تو فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھے ایسی ایک سورت بتاؤں کہ تورات انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں۔ اب میں نے اس امید پر چال نرم کر دی اور پوچھا حضور ﷺ اوہ سورت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ پوری سورت تک آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہی سورت ہے سبج مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے۔ اس حدیث کے آخری راوی ابو سعید ہیں۔

اس بناء پر ابن اثیر اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں وہ انہیں ابو سعید بن معلی سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ ابو سعید دوسرے ہیں یہ مولا خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابو سعید انصاری صحابی ہیں ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے اور یہ حدیث ظاہر میں منقطع معلوم ہوتی ہے اگر ابو سعید تابعی کا حضرت ابی سے سننا ثابت نہ ہو اور اگر سنا ہو تو یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے 'والله اعلم'۔

اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے جب انہیں پکارا تو یہ نماز میں تھے۔ التفات کیا مگر جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پکارا۔ حضرت ابی نے نماز ہلکی کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے سلام علیک عرض کیا، آپ ﷺ نے جواب دے کر فرمایا ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟ کہا حضور ﷺ میں نماز میں تھا آپ ﷺ نے وہ آیت پڑھ کر فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟ کہا حضور ﷺ ہاں قصور ہوا اب ایسا نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ تورات انجیل زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہیں ہے؟ میں نے کہا ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتاؤں گا۔ پھر حضور ﷺ میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپ ﷺ باہر چلے جائیں۔ آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ ﷺ کو دودھ یاد دلایا آپ ﷺ نے فرمایا نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے ام القرآن پڑھ کر سنا لی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تورات انجیل زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں۔ یہ سبج مثانی ہے ترمذی میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت انس سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ اب آپ ﷺ تو گھر میں تشریف لے گئے میں غم ورنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا اے عبد اللہ بن جابر اسنو تمام قرآن میں بہترین سورت ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ (آخر تک) ہے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے ابن عقیل جو اس کا راوی ہے اس کی حدیث بڑے بڑے ائمہ روایت کرتے ہیں۔ اور عبد اللہ بن جابر بدری صحابی ہیں۔ ابن الجوزی کا یہی قول ہے واللہ اعلم۔ حافظ ابن مساکر کا قول یہی ہے کہ یہ عبد اللہ بن جابر انصاری بیاضی ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور اعلیٰ حدیث سے استدلال کر کے ابن راہویہ ابو بکر بن عمری ابن الحفار وغیرہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ بعض آیات اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں اور ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام کلام برابر ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہونی

کہ دوسری اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے۔ قرطبی نے اشعری اور ابو بکر باقلانی اور ابو حاتم ابن حبان بستی اور ابو حیان اور یحییٰ بن یحییٰ سے یہی نقل کیا ہے۔ امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہ مذہب منقول ہے۔ (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے واللہ اعلم مترجم)۔

سورۃ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی ہیں۔ صحیح بخاری فضائل القرآن میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ کہ اچانک ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ دم جھاڑا بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اللہ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لئے بہت سارا دودھ بھی بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے کہا کہ کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم ہے اس نے کہا میں نے تو صرف سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھینو پہلے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آکر ہم نے حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ رکھنا۔ صحیح مسلم اور ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابو سعید خدری ہی تھے۔

مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلتا تھا۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضور ﷺ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے خوش ہو جائیے دو نور آپ ﷺ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات ' ایک ایک حرف ان میں سے نور ہے۔ (۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے ناقص ہے پوری نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز (سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ کر دیا ہے۔ اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ تو اللہ فرماتا ہے ﴿حَمْدُنِي عَبْدِي﴾ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أَنْتَنِي عَلَى عَبْدِي﴾ میرے بندے نے میری ثناء بیان کی۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿مَعْدُنِي عَبْدِي﴾ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے ﴿فَوَضَّ إِلَيَّ عَبْدِي﴾ میرے بندے نے میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿إِنَّا نَعْبُدُ وَإِنَّا نَسْتَعِينُ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔ پھر بندہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لیے ہے۔ نسائی میں یہ روایت ہے بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابوزرعد نے انہیں صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔ اس کے راوی حضرت ابی بن کعب ہیں ابن جریر کی ایک روایت میں اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے لئے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لئے ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اب اس حدیث کے فائدوں پر نظر ڈالئے۔ (۱) اس حدیث میں لفظ صلوة یعنی نماز کا اطلاق ہے۔ اور مراد اس سے قرأت ہے جیسے کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾ یعنی اپنی نماز (یعنی قرأت) کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست

آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں صحراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوة سے مراد قرأت ہے۔ اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں قرأت کو صلوة کہا ہے۔ اس سے نماز میں قرأت کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قرأت نماز کا اعلیٰ رکن ہے اس لئے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قرأت کا ذکر کیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے کہ قرأت کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔ فرمان ہے ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ الخ یعنی صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کئے جاتے ہیں۔ یہاں مراد قرآن سے نماز ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں اور ان آیات و احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

(۲) اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ ان کی دلیل آیت ﴿فَاقْرَأْ وَامَاتِسِّرْ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو جو نماز کو جلدی جلدی پڑھ رہا تھا فرمایا جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۃ فاتحہ کی تعین نہ کرنا تارہا ہے کہ جو کچھ قرآن پڑھ لے کافی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ اور تمام ائمہ کرام کا یہی قول ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے سب کے سب شاکر و غیرہ اور جمہور علماء کرام کا یہی قول ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص سے پوری نہیں۔ اسی طرح ان بزرگوں کی یہ دلیل بھی ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصر ان بزرگوں کے دلائل بیان کئے ہیں۔ (صحیح اور حدیث کے مطابق دوسرا قول ہی ہے۔ واللہ اعلم مترجم)۔

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعیؒ وغیرہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۃ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ ابو حنیفہؒ ان کے ساتھی ثوریؒ اور اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں ﴿مَاتِسِّرْ﴾ کا لفظ ہے واللہ اعلم۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے اور ان سب باتوں کی تفصیل اسماء الرجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ (صحیح اور حدیث کے مطابق پہلا قول ہے واللہ اعلم مترجم)

(۳) مقتدی پر سورۃ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلے میں علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے اس کی دلیل وہ عام احادیث ہیں جو ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گذر چکیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قرأت واجب ہی نہیں نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جبری نماز میں نہ سری نماز میں ان کی دلیل سند امام احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے لیکن یہ روایت ضعیف

ہے اور یہ خود حضرت جابرؓ کے قول سے مروی ہے گو اس مرفوع حدیث کی سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں 'واللہ اعلم۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قرأت پڑھے ان میں تو مقتدی پر قرأت واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں اونچی قرأت پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو۔ سنن میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام مسلم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے (صحیح اور حدیث کے مطابق پہلا قول ہے۔ ابو داؤد ترمذی نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ تم سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی (مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ مسند بزار میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جب تم بستر پر لیٹو اور سورۃ فاتحہ اور سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ﴾ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آگے۔

﴿اعُوذُ بِاللَّهِ﴾ کی تفسیر اور اس کے احکام

قرآن کریم میں ہے ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ الخ یعنی درگزر کرنے کی عادت اپناؤ بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آجائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے سے پناہ طلب کر لیا کرو۔ ایک مقام پر فرمایا ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي﴾ برائی کو بھلائی سے ختم کرو۔ ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں۔ کہا کرو کہ اے پروردگار شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي﴾ الخ یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب داروں کا ہے۔ جب شیطانی وسوسہ آجائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے سے پناہ چاہو۔ ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان کرو تاکہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنی پناہ پکڑنی سکھائی۔ کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا۔ اے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکانہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا۔ ایک مقام پر فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت کی تو یہی آرزو ہے کہ تم جہنمی ہو جاؤ۔ ایک اور جگہ فرمایا کیا تم اس شیطان کی اور اس کی ذریات (اولاد) کی دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تمہارا دشمن ہے یا درکھو ظالموں کے لیے برابر ہے۔ یہی (وہ لعین) ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ اللہ رب العزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ ﴿﴾ جب قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر لیا کرو شیطان راندھے ہوئے سے۔ ایماندار اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔ اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کریں۔

قراء کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھنے کے بعد ﴿اعُوذُ﴾ الخ پڑھنی چاہئے۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو قرآن

نے طرز بیان پر عمل۔ دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ۔ ابو حاتم جستانی نے اور ابن فلوفا نے ہمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب العبادت الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن اسناد غریب ہے۔ رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے اور کہا کہ ابراہیم نخعیؒ داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قرطبیؒ نے امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے۔ لیکن ابن العربیؒ اسے غریب کہتے ہیں۔ ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول آخر دونوں مقام پر اعوذ الخ پڑھے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں۔ اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے اعوذ الخ پڑھنا چاہیے تاکہ سو سے دور ہو جائیں۔ تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی ”جب پڑھے تو یعنی“ جب پڑھنا چاہے تو ”ہو جائیں گے جیسے کہ آیت ﴿إِذَا قُمْتُمْ﴾ الخ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوؤ (تو وضو کر لیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو گے ہیں۔ احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر ﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ﴾ پڑھ کر تین مرتبہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ پڑھتے پھر فرماتے ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْحِهِ وَنَفْثِهِ﴾ سنن اربع میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے ہمزہ کے معنی گلا گھونٹنے کے اور نفخ کے تکبر کے اور نفث کے معنی شعر گوئی کے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ ﴿اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا﴾ تین مرتبہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا﴾ اور تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ پڑھتے پھر یہ پڑھتے ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْحِهِ وَنَفْثِهِ﴾ ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ﴾ کہتے پھر ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ﴾ آخر تک پڑھتے۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضور ﷺ کے سامنے دو شخص لڑنے لگے غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے۔ نسائی نے اپنی کتاب ﴿الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ﴾ میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسند احمد ابو داؤد ترمذیؒ میں بھی یہ حدیث ہے۔ اسی کی ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ اضافہ والی روایت مرسل ہے۔ اس لئے کہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ جو حضرت معاذؓ سے اسے روایت کرتے ہیں ان کا حضرت معاذؓ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ یہ میں برس پہلے فوت ہو چکے تھے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبد الرحمنؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے سنا ہو۔ وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذؓ تک پہنچایا ہو۔ کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں یہاں سب کو بیان کرنے سے بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے بیان کے لئے اذکار و وظائف اور فضائل و اعمال کے بیان کی کتابیں ہیں واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا حکم دیا۔ تفسیر ابن جریرؒ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا اعوذ پڑھئے۔ آپ نے فرمایا ﴿أَسْتَعِيذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ پھر کہا ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾۔ حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں سب سے پہلی سورۃ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی یہی ہے۔ لیکن یہ اثر غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور

انقطاع ہے۔ ہم نے اسے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے یا مستحب: جمہور علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔ عطاء بن ابورباح کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔ امام رازی نے یہ قول نقل کیا ہے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عطاء کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں ﴿فَاسْتَعِذْ﴾ امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا اس پر ہمیشگی کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے۔ اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے اور وجوب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ﴿اعُوذُ﴾ پڑھنا حضور ﷺ پر واجب تھا آپ ﷺ کی امت پر واجب نہیں۔ امام مالک سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں ﴿اعُوذُ﴾ پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھے۔

﴿اعُوذُ بِاللّٰهِ﴾ کب اور کہاں پڑھے: امام شافعی الاملاء میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور الاملاء میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لئے کہ حضرت ابن عمر سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابو ہریرہ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رعت کے سوا اور رعتوں میں ﴿اعُوذُ﴾ پڑھنے میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے واللہ اعلم۔ صرف ﴿اعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ کہہ لینا امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو کافی ہے۔ لیکن بعض کہتے ہیں ﴿اعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ پڑھے۔ ثوری اور اوزاعی کا یہی مذہب ہے بعض کہتے ہیں ﴿اسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ پڑھے تاکہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہو جائے اور ابن عباس کی حدیث پر بھی عمل ہو جائے جو پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن جو صحیح احادیث پہلے گزر چکی ہیں وہی اتباع کے لئے بہتر ہیں واللہ اعلم۔ نماز میں اعوذ کا پڑھنا ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک تو تلاوت کے لئے ہے اور ابو یوسف کے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ تو مقتدی کو پڑھ لینا چاہئے اگرچہ وہ قرأت نہیں پڑھے گا۔ اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہئے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں مکمل کرنے کے بعد پھر اعوذ پڑھے پھر قرأت پڑھے۔

اعوذ میں عجیب و غریب فوائد ہیں وہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپاکی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے۔ اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار ہے کیونکہ انسانی دشمن کا مقابلہ ہو سکتا ہے احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے جیسے کہ قرآن کریم کی ان تین آیات میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور جگہ ارشاد اللہ تعالیٰ ہے ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ الخ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔ رب کی وکالت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ پر اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نچاد کھا دیا۔ ایک اہم بات یاد رکھیے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے۔ لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ راندہ درگاہ ہے۔ جس پر کفار غالب آجائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آئے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان انسان کو دیکھ سکتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے قرآنی تعلیم یہ ہے کہ تم اس کے شر سے اس کی پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔

فصل۔ خلاصہ کلام اعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے عیاذ کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں۔ اور لیاذہ کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں متنبی کا شعر ہے

﴿يَا مَنْ الْوَدْبِ فِي مَا أُوْمَلَّةٌ وَ مَنْ أَعُوذُ بِهِ مِمَّا أَحَادِرُهُ﴾
 ﴿لَا يَجْبُرُ النَّاسَ عَظْمًا أَنْتَ كَاسِرُهُ وَلَا يَهَيِّضُونَ عَظْمًا أَنْتَ جَابِرُهُ﴾

اے وہ پاک ذات جس کی ذات سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار کہ تمام برائیوں سے میں اسکی پناہ پکڑتا ہوں! جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ شیطان رجم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں اور جن کاموں سے میں منع کیا گیا ہوں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ برے کام سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے رب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک و احسان وغیرہ بتائی ہے اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی کہ ہم اس کی ذات پاک سے پناہ طلب کریں۔ اس لئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جائے نہ وہ بھلائی اور سلوک کی وجہ سے اپنی شرارت سے باز آئے اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ گذشتہ تینوں آیات میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ الخ اور سورہ مؤمنون میں ہے ﴿ادْفَعْ بِاللَّيْلِ﴾ اور سورہ بقرہ میں ہے ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ﴾ الخ ان تینوں آیات کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ لفظ شیطان فطن سے بنا ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں۔ چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے اور شاط کے معنی یہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں ملتے ہیں۔ امیہ بن ابوصلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ فطن سے مشتق ہے اور دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے مینویہ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں ﴿تَشَيْطَنَ فُلَانٍ﴾ یہ نہیں کہتے کہ ﴿تَشَيْطَ فُلَانٍ﴾ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ شاط سے نہیں بلکہ فطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں جو جن و انس و حیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن و انس کئے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے بناوٹی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوذرؓ سے حدیث روایت ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا اے ابوذر! جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ میں نے کہا کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ صحیح مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز کو عورت گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔ میں نے کہا حضور ﷺ! سرخ زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ ناز و خرام سے چلتا ہے۔ حضرت عمرؓ اسے مارتے پٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ کر لائے میرے نفس میں تکبر آنے لگا چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔ رجم فعل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مرجوم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ الخ ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا﴾ الخ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے مارے جاتے ہیں بھگانے کے لئے اور لازمی عذاب ان کے لئے ہے۔ جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے اس کے پیچھے ایک چکیلا شعلہ لگتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا﴾ الخ یعنی ہم نے آسمان میں برج بنائے اور

انہیں دیکھنے والوں کے لئے زینت دی اور اسے ہر راندھے ہوئے شیطان سے ہم نے محفوظ کر لیا مگر جو کسی بات کو چھالے جائے اس کے پیچھے چمکتا ہوا شعلہ لگتا ہے۔ اسی طرح کی اور آیات بھی ہیں۔ رجم کے ایک معنی راجم کے بھی کئے گئے ہیں۔ چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لئے اس سے رجم یعنی راجم کہتے ہیں۔

تفسیر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

بسم اللہ کے متعلق تفصیلی بحث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کتاب اللہ کو اسی کے ساتھ شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) سورہ نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا ہر سورت کی بعض آیت ہے؟ یا اس طرح سورہ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ یا صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور آیت نہیں ہے؟ علماء سلف و خلف کا ان امور میں اختلاف چلا آتا ہے اور اپنی جگہ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک کہ آپ ﷺ پر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ نازل نہیں ہوئی تھی۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ حدیث ہے ایک مرسل حدیث میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الح کو ﴿سورہ فاتحہ﴾ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کی۔ لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں اور اس طرح کی ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے نیز حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عطاءؓ حضرت طاؤسؓ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت مکحولؓ حضرت زہریؓ کا یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے سوائے سورت برأت کے ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حضرت عبد اللہ بن مبارکؓ امام شافعیؒ امام احمدؒ کے ایک قول میں اور اسحاق بن راہویہؒ اور ابو عبید قاسم ابن سلامؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ الح نہ تو سورہ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ مروی ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن اور سورتوں کی نہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ہر سورت کے شروع کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤدؒ کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ اور ابو بکر رازیؒ نے ابو حسن کرخیؒ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے۔ جو امام ابو حنیفہؒ کے بڑے پایہ کے ساتھی ہیں۔ یہ تو تھی بحث بسم اللہ الح کے سورہ فاتحہ کی آیت ہونے نہ ہونے کی (صحیح مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قرآن کریم میں یہ آیت مبارکہ ہے وہاں مستقل آیت ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ: اختلاف ہے کہ آیا اسے باواز بلند پڑھنا چاہیے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورہ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورہ فاتحہ سے الگ ایک آیت

مانتے ہیں وہ اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت سے اول سے ہے ان میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ سورۃ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین کی مسلمانوں کے اگلے اور پچھلے اماموں کا یہی مذہب ہے۔ صحابہ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت معاویہؓ ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی غریب سند سے امام خطیبؒ نے نقل کیا ہے۔ بیہقیؒ اور ابن عبد البرؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عمرہؒ حضرت ابو قلابہؒ حضرت زہریؒ حضرت علی بن حسن ان کے لڑکے محمدؒ سعید بن مسیبؒ عطاءؒ طاہسؒ مجاہدؒ ابن سیرینؒ محمد بن منکدرؒ علی بن عبد اللہ بن عباسؒ ان کے صاحبزادے محمدؒ نافعؒ ابن عمرؒ کے مولیٰ زید بن اسلمؒ عمر بن عبد العزیزؒ ازرق بن قیسؒ حبیب بن ابی ثابتؒ ابو شیشاء مکحولؒ عبد اللہ بن معقل بن مقرنؒ اور بروایت بیہقیؒ عبد اللہ بن صفوانؒ محمد ابن حنفیہ اور بروایت ابن عبد البرؒ عمرو بن دینارؒ یہ ان سب نمازوں میں جن میں قرأت اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۃ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہئے۔ علاوہ ازیں سنن نسائیؒ صحیح ابن خزیمہؒ صحیح ابن حبانؒ مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز پڑھائی اور قرأت میں اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں تم سب سے زیادہ مشابہ ہوں رسول اللہ ﷺ کی نماز میں۔ اس حدیث کو دارقطنیؒ خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی قرأت کا انداز صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی قرأت کس طرح تھی؟ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ وراز کر کے پڑھتے تھے۔ پھر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ پڑھ کر سنائی۔ بسم اللہ پر مد کیا الرحمن پر مد کیا الرحمن پر مد کیا۔ مسند احمدؒ سنن ابو داؤدؒ صحیح ابن خزیمہؒ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ ﷺ کی قرأت الگ الگ ہوتی تھی۔ جیسے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿مَلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ امام شافعیؒ امام حاکمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس وقت موجود تھے انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ غالباً اس قدر احادیث و آثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔ باقی رہے اس کے خلاف آثار و روایات ان کی سندیں ان کی تغلیل ان کا ضعف اور ان کی تقریر وغیرہ تو ان کی تفصیل دوسرے مقام پر ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ بلند آواز سے نہ پڑھنا چاہئے۔ خلفاء اربعہؒ عبد اللہ بن مغفلؒ اور تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہ ثابت ہے۔ ابو حنیفہؒ ثوریؒ احمد بن حنبلؒ کا یہی مذہب ہے امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ سرے سے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الٹ پڑھے ہی نہیں نہ تو آہستہ نہ بلند۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ سے شروع کیا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ بسم اللہ الٹ کا ذکر نہیں

کرتے تھے۔ نہ تو قرأت کے شروع میں اور نہ قرأت کے آخر میں۔ سنن میں حضرت ابن مغفلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ ہے دلیل ان ائمہؓ کی بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ (بسم اللہ کا مطلق نہ پڑھنا تو ٹھیک نہیں بلند و پست پڑھنے کی احادیث میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کو دونوں جائز ہیں۔ گو پست پڑھنے کی احادیث قدرے قوی ہیں واللہ اعلم۔) (مترجم)

فصل۔ بسم اللہ کی فضیلت کا بیان: تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بسم اللہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔ ابن مردویہ میں بھی اس طرح روایت کی ہے۔ اور یہ روایت بھی ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا اس نے کہا لکھیے بسم اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا ”ب“ سے مراد اللہ کا بہا یعنی بلندی ہے اور ”س“ سے مراد اس کی سنا یعنی نور اور روشنی ہے اور ”م“ سے مراد اس کی ”مملکت“ یعنی بادشاہی ہے اور ”اللہ“ کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو اور ”رحمن“ کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو اور ”رحیم“ کہتے ہیں آخرت میں رحم و کرم کرنے والے کو ابن جریر میں بھی یہ روایت ہے لیکن سند کی رو سے یحییٰ غریب ہے۔ ممکن ہے کہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو اور ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات میں سے ہو مرفوع حدیث نہ ہو واللہ اعلم۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے کہ کسی نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایسی آیت نہیں اتری۔ وہ آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے ہو ا میں ساکن ہو گئیں، مسند رٹھیر گیا جانوروں نے کان لگائے شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے اس میں ضرور برکت ہوگی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جہنم کے آئیں داروغوں سے جو پچنا چاہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔ اس کے بھی انیس حروف ہیں۔ ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی کی ہے جس میں ہے کہ میں نے تمیں سے اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے۔ یہ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے ﴿رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ﴾ پڑھا تھا۔ اس میں بھی تمیں سے اوپر حروف ہیں۔ اتنے ہی فرشتے اترے۔ اسی طرح بسم اللہ الخ میں بھی انیس حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے ان کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ نہ کہو اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔ نسائی نے اپنی کتاب ایوم واللیل میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے بیان کیا ہے اور صحابی کا نام ابن اسامہ بن عمیر بتایا ہے اور اس میں ہے کہ بسم اللہ کہہ یہ بسم اللہ کی برکت ہے اسی لئے ہر کام اور ہر بات کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جس کام کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔

بیت الخلاء (لیٹرین) میں جانے کے وقت بھی بسم اللہ پڑھ لے۔ حدیث میں یہ بھی وارد ہے۔

وضو کے وقت بھی پڑھ لے مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہؓ سعید بن زیدؓ اور ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علما تو وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب بتلاتے

ہیں۔ بعض مطلق و جوب کے قائل ہیں۔

جانور ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعیؒ اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ بعضوں نے ذکر کے وقت اور بعضوں نے مطلقاً اسے واجب کہا ہے اس کا بیان عنقریب آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام رازیؒ نے اپنی کتاب میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بسم اللہ پڑھ لے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کوئی اولاد بخشے تو اس کے اور اسکی اولاد کے سانس کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔ لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔ میں نے تو یہ کہیں نہیں پائی۔ کھانا وغیرہ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن ابو سلمہ سے فرمایا جو آپ کے گھر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھے کہ بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھایا کرو۔ بعض علماء اس وقت بھی بسم اللہ کا پڑھنا واجب بتاتے ہیں۔

بیوی سے ملنے (جماع) کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا﴾ یعنی اے اللہ! ہمیں اور جو ہمیں تو دے اے شیطان سے بچا۔ فرماتے ہیں اگر اس جماع سے حمل ٹھہر گیا تو اس بچے کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کی "ب" کا تعلق کس سے ہے۔ نحو یوں کے اس میں دو قول ہیں اور دونوں قریب قریب ہیں بعض اسم بتاتے ہیں اور بعض فعل۔ ہر ایک کی دلیل قرآن میں ملتی ہے۔ جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتلاتے ہیں وہ تو کہتے ہیں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ ابتدائی یعنی اللہ کے نام سے میری ابتدا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿اَرْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهًا وَمُرْسَهًا﴾ الخ اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے اور جو لوگ فعل کے ساتھ مقدر بتلاتے ہیں چاہے وہ امر ہو یا خبر ہو جیسے ﴿اِبْدَا بِسْمِ اللّٰهِ﴾ اور ﴿اِبْتَدَاتُ بِسْمِ اللّٰهِ﴾ ان کی دلیل آیت ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ الخ ہے دراصل دونوں ہی صحیح ہیں اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو مطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا ہے کھرا ہونا ہو، بیٹھنا ہو، کھانا ہو، پینا ہو، قرآن کا پڑھنا ہو، یا وضو اور نماز وغیرہ ہوا ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا شروع ہے واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں روایت ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جبرائیل علیہ السلام محمد ﷺ پر جب وحی لے کر آئے تو فرمایا اے محمد! کہیے ﴿اَسْتَعِذُّ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ پھر کہیے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ مقصود یہ تھا کہ اٹھنا بیٹھنا پڑھنا سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔

بے کار بحث: اسم یعنی نام ہی مسلمی یعنی نام والا ہے یا کچھ اور اس میں اہل علم کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسم ہی مسلمی ہے ابو عبید اور سیبویہ کا یہی قول ہے۔ باقالانی اور ابن فورک بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن خطیب رازیؒ اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں حشو یہ اور کرامیہ اور اشعر یہ تو کہتے ہیں اسم نفس مسلمی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسلمی کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے۔ ہمارے نزدیک اسم مسلمی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسم سے مراد لفظ ہے جو آوازوں کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے تو بالبداہت ثابت ہے کہ یہ مسلمی کا غیر ہے اگر اسم سے مراد ذات مسلمی ہے تو یہ تو وضاحت کو واضح کرتا ہے جو محض بیکار ہے تو ظاہر ہے کہ اس بے کار بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد اسم مسلمی کے فرق پر دلائل لائے ہیں کہ کبھی اسم ہوتا

ہے اور مسلمی ہوتا ہی نہیں جیسے معدوم کا لفظ کبھی ایک مسلمی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مترادف۔ کبھی اسم ایک ہوتا ہے مسلمی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مشترک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور چیز ہے اور مسلمی اور چیز ہے یعنی نام الگ یہ اور نام والا الگ ہے۔ اور دلیل سنئے کہتے ہیں کہ اسم تو لفظ ہے اور وہ عرض اور کبھی تو ذات ہوتی ہے ممکن یا واجب۔ اور سنئے کہ اگر اسم ہی کو مسلمی مانا جائے تو آگ کا نام لیتے ہی تپش محسوس ہو اور برف کا نام لیتے ہی ٹھنڈک حالانکہ کوئی عقل مند ایسا نہیں کہہ سکتا۔

اور دلیل سنئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بہترین نام ہیں تم ان ناموں سے اسے پکارو۔ حدیث شریف میں ہے "کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں" تو خیال کیجئے کہ نام کس قدر بکثرت ہیں حالانکہ مسلمی ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اسی طرح ﴿اسماء﴾ کو اللہ کی طرف اس آیت میں مضاف کرنا اور جگہ فرمانا ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ وغیرہ یہ اضافت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اسم اور ہو اور مسلمی اور۔ کیونکہ اضافت کا مقتضا مغاڑت کا ہے۔ اسی طرح یہ حکم فرمانا ہے کہ ﴿فَاذْعُوهُ بِهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نام اور ہے اور نام والا اور۔ اب ان کے دلائل سنئے جو اسم اور مسلمی کو ایک ہی بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ الخ یعنی جلال و اکرام والے تیرے رب کا بابرکت نام ہے۔ تو نام کو برکتوں والا فرمایا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اس مقدس ذات کی وجہ سے اس کا نام بھی بڑائیوں والا ہے۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ زینب پر طلاق ہے تو طلاق اس کی بیوی پر جس کا نام زینب ہے پڑ جاتی ہے۔ اگر نام اور نام والے میں فرق ہوتا تو نام پر طلاق پڑتی۔ نام والے پر کیسے پڑ جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس ذات پر طلاق ہے جس کا نام زینب ہے تسمیہ کا اسم سے الگ ہونا اس دلیل کی بناء پر ہے کہ تسمیہ کہتے ہیں کسی کا نام مقرر کرنے کو اور ظاہر ہے کہ یہ اور چیز ہے اور نام والا اور چیز ہے۔ رازی کا قول یہی ہے کہ یہ سب کچھ تو لفظ باسم کے متعلق تھا۔ اب لفظ "اللہ" کے متعلق سنئے "اللہ" خاص نام ہے رب تبارک و تعالیٰ کا۔ کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔ اس لئے کہ تمام عمدہ صفتوں کے ساتھ یہی موصوف ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم میں ہے ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِي﴾ الخ یعنی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو چھپے کھلے کا جاننے والا ہے جو رحم کرنے والا مہربان ہے وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ سلامتی والا ہے۔ امن دینے والا ہے محافظ ہے غلبہ والا ہے زبردست ہے بڑائی والا ہے۔ وہ ہر شرک سے اور شرک کی چیز سے پاک ہے وہ اللہ پیدا کرنے والا بنانے والا صورت بخشنے والا ہے اس کے لئے بہترین پاکیزہ نام ہیں آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں وہ عزتوں اور حکمتوں والا ہے۔ ان آیات میں باقی عام نام صفت ہیں اور لفظ اللہ کی صفت ہیں پس اصلی نام اللہ ہے۔ جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا کہ اللہ ہی کے لئے ہیں پاکیزہ اور عمدہ نام پس تم اس کو ان ناموں سے پکارو۔ اور فرماتا ہے اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے پکارو اسی کے پیارے پیارے اور اچھے اچھے نام ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے اور دونوں کی روایات میں الفاظ کا کچھ ہیر پھیر کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ رازی نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں ایک ہزار تو قرآن شریف اور صحیح حدیث میں ہیں اور ایک ہزار تورات میں ہیں اور ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں۔

اللہ وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے؟ اس کا باب کیا ہے؟ بلکہ ایک بڑی جماعت کا یہ مذہب نقل کیا ہے جن میں سے امام شافعی، امام خطابی، اور امام الحرمین، امام غزالی وغیرہ ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔ امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے

کہ یا اللہ تو کہہ سکتے ہیں مگر یا الرحمن کہتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔ اگر لفظ اللہ میں الف لام اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ یا داخل نہ ہو سکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا الف لام والے اسم پر داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر وہب کا ایک شعر بطور دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر ﴿تَالَهُ﴾ کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع ﴿أَلَهُ يَأَلُهُ اللَّهُ﴾ اور ﴿تَالَهَا﴾ ہے جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ﴿يَذُرُّكَ وَالْهَتَكَ﴾ پڑھتے تھے مراد اس سے عبادت ہے۔ یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہدؒ وغیرہ کہتے ہیں بعضوں نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾ اور آیت میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اللَّهُ وَفِي الْأَرْضِ اللَّهُ﴾ یعنی وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔ سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں ﴿اللَّهُ﴾ تھا جیسے ﴿فَعَالٌ﴾ پھر ہمزہ کے بدلے الف و لام لایا گیا جیسے الناس کہ اس کی اصل اتاس ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ لفظ اللہ کی اصل ﴿الَاءُ﴾ ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔ سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ نسائی اور فراء کہتے ہیں اس کی اصل الال تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا۔ جیسے کہ ﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي﴾ میں ﴿لَكِنَّا﴾ کا ﴿لَكِنَّا﴾ ہوا ہے چنانچہ حسنؒ کی قرأت میں ﴿لَكِنَّا﴾ ہی ہے اور اس کا اشتقاق ﴿وَلَهُ﴾ سے ہے اور اس کے معنی ﴿تَحْيِيرٌ﴾ ہیں ﴿وَلَهُ﴾ عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ عربی میں ﴿رَجُلٌ وَالِةٌ﴾ اور ﴿امْرَأَةٌ وَلِهِي﴾ اور ﴿مَوْلَاهُ﴾ اس وقت کہتے ہیں جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اس کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہو جاتی ہے اس لئے اس ذات پاک کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اس بناء پر اصل میں یہ لفظ ﴿وَلَاءُ﴾ تھا واد کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ ﴿وَشَاخٌ﴾ اور ﴿وَسَادَةٌ﴾ میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔

رازیؒ کا قول ہے کہ یہ لفظ ﴿الْهَيْتُ إِلَى فُلَانٍ﴾ سے مشتق ہے جو کہ معنی میں ﴿سَكُنْتُ﴾ کے ہے یعنی میں نے فلاں سے سکونت اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر کی طرف ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ الخ یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ہے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ہے ﴿إِلَهُ الْفَصِيلِ﴾ سے ہے چونکہ بندے اس کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں اس لئے اسے اللہ کہا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب ﴿إِلَهُ الرَّجُلِ يَأَلُهُ﴾ اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرے سے پناہ دے اور پچالے چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَهُوَ يُحْيِيهِ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ یعنی وہی بچاتا ہے اور اس پر کوئی نہیں بچایا جاتا۔ حقیقی منعم وہی ہے۔ فرماتا ہے تم پر جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں وہی ﴿مُطْعِمٌ﴾ ہے فرماتا ہے وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا۔ وہی موجد ہے فرماتا ہے ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رازیؒ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل سیبویہ اکثر اصولی اور فقہاء کا یہی قول ہے اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور اس کی بہت ساری صفات آتی ہیں جیسے رحمن رحیم مالک قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں۔ قرآن میں ایک جگہ ﴿عَزِيزٌ الْحَمِيدُ اللَّهُ﴾ جو آیا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کی ہے

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿۱﴾ یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ بیان کی جاتی ہے لیکن یہ غور طلب ہے واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے لیکن رازیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو معرفت الہی کے کنارے پر پہنچ گئے دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں جو حیرت کی اندھیریوں میں اور جہالت کی پر خار وادیوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ تو عقل کو رو بیٹھے ہیں اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں جو نورانیت کے وسیع باغوں میں جا ٹھیرے ہیں جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں وہ بھی یہاں تک پہنچ کر بھونچکے رہ گئے ہیں اور بارگاہِ فردانیت اور دربارِ صمدیت میں مہبوت کھڑے رہ گئے ہیں۔

غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ و حیران ہیں پس یہ ان معانی کی بناء پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے ساری مخلوق اسکی محتاج اس کے سامنے جھکنے والی اور اس کی تلاش کرنے والی ہے۔ اس معنی میں اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ خلیل کا قول ہے عرب محاورے میں ہر اونچی اور بلند چیز کو لہ کہتے ہیں۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تب بھی وہ کہتے ہیں ﴿لَا هَتِ الشَّمْسُ﴾ چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند و بالا ہے اس کو بھی اللہ کہتے ہیں اور الہ کے معنی عبادت کرنے کے اور تالہ کے معنی حکم برداری اور قربانی کرنے کے ہیں اور اللہ عالم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی قرأت میں ہے ﴿وَيَذَرُكَ وَالْهَتَكَ﴾ اس کی اصل الالہ ہے پس ”ف“ کلمہ کی جگہ پر جو ہمزہ ہے وہ حذف کیا گیا پھر نفس کلمہ کا لام زائد لام سے جو تعریف کے لئے لایا گیا ہے اس سے ملا دیا گیا اور ایک کو دوسرے میں ادغام کیا گیا تو ایک لام مشددرہ گیا اور تعظیم اللہ کہا گیا۔ یہ تو ہے لفظ اللہ کی تفسیر۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں دونوں میں مبالغہ ہے۔ رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریرؒ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پر اتفاق ہے۔ بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی اسی معنی کا پہلے گزر چکا ہے کہ رحمن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمن مشتق نہیں ہے اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا حالانکہ قرآن میں ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ آیا ہے۔ مبرد کہتے ہیں کہ رحمن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابو اسحاق زجاج معانی القرآن میں لکھتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے اور رحمن عبرانی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابو اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کی طرف دل مائل نہیں ہوتا۔ قرطبی اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل لائے ہیں کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے ناموں میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں کاٹ دوں گا۔

اب صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ رحمن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں جیسے ﴿نَذْمَانٌ﴾ اور ﴿نَدِيمٌ﴾ ابو عبیدہ کا یہی قول ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ﴿فَعْلَانٌ فَعِيلٌ﴾ کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے غضبان اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت ہی غصہ والا ہو اور فعیل صرف فاعل اور صرف مفعول کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔ ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ رحمن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور رحیم باعتبار مومنوں کے ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ مومنوں کے ساتھ رحیم ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ دونوں نام رحمت و رحم والے ہیں ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رحم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں لفظ ﴿ارفق﴾ ہے اس کے معنی خطاباً ”وغیرہ ﴿ارفق﴾ کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رفق یعنی نرمی اور مہربانی والا ہے وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے وہ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔ ابن المبارکؒ فرماتے ہیں رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ غضب ناک ہو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ بعض شاعروں کا قول ہے۔

﴿اللَّهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ﴾ ﴿وَبَنَىٰ آدَمَ جَنِينَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزریؒ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم کی دو آیات ﴿لَنْ نَسْتَوِيَ عَلَى الْعَرْشِ﴾ اور ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ میں ﴿استوی﴾ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تاکہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾۔ پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے لیکن حدیث کی ایک دعا میں ﴿يَا رَحْمَنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا﴾ بھی آیا ہے۔ رحمٰن یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا دوسرے کا نام نہیں جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے چاہو اسے پکارو۔ اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے ﴿وَإِسْمَانُ مَنْ أَرْسَلْنَا﴾ الخ یعنی اپنے سے پہلے کے رسولوں کو پوچھ لو کیا ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود تھا جس کی عبادت وہ کرتے ہوں جب مسلمہ کذاب نے بڑے بڑے دعوے کرنے شروع کئے اور اپنا نام رحمٰن الیمامہ رکھا تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا اور جھوٹ اور کذب کے ساتھ وہ مشہور ہو گیا۔ آج اسے مسلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہر دیہاتی اور ہر شہری ہر کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا جس نام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی صفت سب سے پہلے رحمٰن بیان کی گئی کہ یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے جیسے فرمادیا کہ اللہ کو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے چاہو پکارو اسکے لئے اسماء حسنیٰ بہت سارے ہیں۔ مسلمہ نے تو یہ بدترین جرات کی لیکن برباد ہوا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی یہ بات اوروں پر نہ چل سکی۔

رحیم کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے فرماتا ہے ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ﴾ الخ اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو رحیم کہا۔ اسی طرح اپنے بعض ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے یاد کیا ہے۔ جیسے کہ آیت ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ﴾ الخ میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسروں پر بھی دوسرے معنی میں ان کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہو سکتا۔ جیسے اللہ اور رحمٰن اور خالق اور رزاق وغیرہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا نام اللہ لیا پھر اس کی صفت رحمٰن سے کی اس لئے کہ رحیم کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے قاعدہ ہے کہ پہلے سب سے زیادہ بزرگ نام سے نام لیا جاتا اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام کیساتھ لیا پھر اس سے کم پھر اس سے کم اگر کہا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ؟ تو اس کے جواب میں حضرت عطاء خراسانیؒ کا یہ قول پیش کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے رحمٰن نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا اس لیے رحیم کا لفظ بھی لائے تاکہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔ رحمٰن و رحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا نام

ہے ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب رحمن سے واقف ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت ﴿قُلِ اذْعُوا اللّٰهَ اَوْ اذْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ الخ نازل فرما کر ان کی تردید کی۔ کفار قریش نے حدیبیہ والے سال بھی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ لکھو کہا تھا کہ ہم رحمن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم رحمن یمامہ کو جانتے ہیں کسی اور رحمن کو نہیں جانتے اسی طرح اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ الخ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کے سامنے سجدہ کرو تو وہ وحشت کرنے لگتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کہ رحمن کون ہے؟ جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔ ان سب کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بدکار لوگ صرف عناد اور تکبر سرکش اور دشمنی کی بناء پر رحمن کا انکار کرتے تھے نہ کہ وہ اس نام سے نا آشنا تھے۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانہ کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام رحیم موجود ہے جو انہی شاعروں کے شعر ہیں۔ سلامہ کے شعر اور دیگر اشعار ملاحظہ ہوں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے تفسیر ابن جریر میں ہے کہ رحمن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب میں سے ہے۔ وہ اللہ رفیق اور رفیق جس پر رحم کرنا چاہیے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔ حسن فرماتے ہیں کہ رحمن کا نام دوسروں کے لیے منع ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لوگوں کو اس نام پر کوئی حق نہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں ہے کہ ہر آیت پر حضور ﷺ ٹھہرا کرتے تھے پہلے گزر چکی ہے اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ الخ کو آیت قرار دے کر الحمد للہ کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم کو وہ ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زبردیتے ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم پر زبر پڑھتے ہیں ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں جیسے ﴿اَلَمْ هَلَّا اِلٰهَ الْاٰهْوٰءِ﴾ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرأت کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر ختم ہوئی۔ اب آگے سنئے۔

تفسیر سورہ فاتحہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے

الحمد للہ کے معانی: ساتوں قاری ﴿الْحَمْدُ﴾ کو دال کے پیش سے پڑھتے ہیں اور ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کو مبتداء خبر مانتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ اور روبہ بن عجاج کا قول ہے کہ دال کے زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے ابن ابی عبیدہ ﴿الْحَمْدُ﴾ کی دال کو اور ﴿لِلّٰهِ﴾ کے پہلے لام کو دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں گو اس کی شہادت زبان عرب سے ملتی ہے لیکن شاذ ہے۔ حسن اور زید ابن علی ان دونوں حرفوں کو زبر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔ کیونکہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے اور سوا اس مالک کے اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمائے۔ اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے جسمانی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں۔ پھر دنیاوی بے شمار نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات ہمارے کسی حق کے بغیر ہمیں اس نے بہہ کیں۔ اس کی بیشکلی والی نعمتیں

اس کے تیار کردہ پاکیزہ مقام جنت میں ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس نے ہمیں سکھادیا۔ پس ہم تو کہتے ہیں کہ اول آخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ ﴾ یہ ثناء کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا خود آپ کی ہے اور اسی ضمن میں گویا یہ فرمادیا ہے کہ تم کہو ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ ﴾ بعضوں نے کہا کہ ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ ﴾ کہنا یہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں سے اس کی ثناء کرنا ہے اور ﴿ الشُّكْرُ لِلَّهِ ﴾ کہنا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکر یہ ادا کرنا ہے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں اس لئے کہ زبان عرب کو جاننے والے علماء کا اتفاق ہے کہ شکر کی جگہ حمد کا لفظ اور حمد کی جگہ شکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جعفر صادقؑ اور ابن عطاءؒ صوفی بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ ﴾ ہے۔ قرطبیؒ نے ابن جریرؒ کے قول کو معتبر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ شُكْرًا ﴾ کہے تو جائز ہے۔ دراصل علامہ ابن جریرؒ کے اس دعویٰ میں کلام ہے سابقہ علماء میں مشہور ہے کہ ﴿ حمد ﴾ کلمہ ہے جس میں زبانی تعریف بیان کرنے کو خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازمی صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر۔ اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں عموم اس حیثیت سے خصوص ہے کہ حمد کا لفظ جس پر واقع ہو وہ عام طور پر شکر کے معنی میں آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں اوصاف پر آتا ہے۔ قدوسیہ اور کرم دونوں پر ﴿ حمدتہ ﴾ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ وہ صرف زبان سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ خاص ہے اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل، نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے شکر کا لفظ خاص ہے۔ قدوسیہ پر شکر تہ نہیں کہہ سکتے البتہ ﴿ شکرته علیٰ کرمہ و احسانہ الی ﴾ کہہ سکتے ہیں یہ تھا خلاصہ متاخرین کے قول کا واللہ اعلم۔

ابونصر اسماعیل حماد جوہریؒ کہتے ہیں کہ حمد مقابل ہے ذم کے یوں کہتے ہیں ﴿ حمدت الرجل احمده حمداً ومحمدة فهو حمید ومحمود ﴾۔ تحمید میں حمد سے بھی زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ شکر کہتے ہیں کسی محسن کی وہی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو۔ عربی زبان میں ﴿ شکرته ﴾ اور ﴿ شکرته لہ ﴾ دونوں طرح کہتے ہیں لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لیے کہ زندہ مردہ بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں۔ کھانے کی اور مکان کی اور ایسی ہی اور چیزوں کی مدح کی جاتی ہے احسان سے پہلے احسان کے بعد لازم صفتوں پر متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا واللہ اعلم۔

حمد کی تفسیر میں علماء سلف کے اقوال: حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ﴿ سُبْحَانَ اللَّهِ ﴾ اور ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ اور بعض روایات میں ہے کہ ﴿ اللَّهُ أَكْبَرُ ﴾ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ ﴾ کا کیا مطلب؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو اچھا لگتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ شکر کا ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ پس اس کلمہ میں شکر کے علاوہ اس کی نعمتوں، ہدایتوں اور احسان وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔ کعب احبارؒ کا قول ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے۔ ضحاکؒ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم نے ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ کہہ لیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کر لیا۔ اب اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا۔ اسود بن سرجؒ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے۔ (مسند احمد

(ونسانی)

ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ذکر ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ہے اور افضل دعا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ ہے امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے اور وہ اس پر ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ کہے تو وہی نعمت لے لی ہوئی ہے افضل ہے۔ فرماتے ہیں اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ دنیا دیدے اور وہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دیدینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ کہنے کی توفیق دینا ہے اس لئے کہ دنیا توفانی ہے اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ﴾ الخ یعنی مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے اور نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ثواب والے اور نیک امید والے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا ﴿يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ﴾ فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کیا کہ تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اسے کس طرح لکھیں؟ پروردگار نے باوجود جاننے کے ان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے یہ کلمہ کہا ہے۔ فرمایا تم یونہی اسے لکھ لو میں آپ اسے اپنی ملاقات کے وقت اس کا اجر دیدوں گا۔

قرطبیؒ علماء کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ سے بھی ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ افضل ہے کیونکہ اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں۔ اور علماء رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا خیال ہے کہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ افضل ہے اس لئے کہ ایمان و کفر میں یہی فرق کرتا ہے اسی کے کہلوانے کے لئے کفار سے لڑائیاں کی جاتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو کچھ میں نے اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء (کرام) نے کہا ہے ان میں سب سے افضل ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾ ہے۔ حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ افضل ذکر ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ہے اور افضل دعا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

الحمد میں الف لام استغراق کا ہے یعنی حمد کی تمام قسمیں اور جنسیں سب کی سب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام ملک ہے تیرے ہی ہاتھ تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔

رب کے معانی: رب کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لئے ہیر پھیر کرنے والے پر بھی ہوتا ہے اور ان سب معانی کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ کے لئے یہ پاک نام جتنا بھی ہے۔ رب کا لفظ بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے پر نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں اضافت کے ساتھ ہو تو اور بات ہے جیسے ﴿رَبُّ الدَّارِ﴾ یعنی گھر کا پالنے والا وغیرہ۔ بعض کا تو قول ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔

عالمین کی تشریح: ﴿عَالَمِينَ﴾ جمع ہے ﴿عَالَمٍ﴾ کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظ ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک زمانہ اور ایک ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی یا ان کے درمیان کی خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو اسی طرح اس سے جنات اور انسان بھی مراد لئے گئے ہیں۔ سعید بن جبیرؒ مجاہدؒ اور ابن جریجؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی غیر معتبر سند سے بھی یہی منقول ہے۔ اس قول کی

دلیل قرآن کی آیت ﴿لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ لَدِيْرًا﴾ بھی بیان کی جاتی ہے یعنی تاکہ وہ ﴿الْعَالَمِينَ﴾ یعنی جن اور اُنس کے ڈرانے والا ہو جائے۔ فرما اور ابو عبید کا قول ہے کہ سمجھدار کو عالم کہا جاتا ہے۔ انسان جنات فرشتے شیاطین انہیں عالم کہا جائے گا۔ جانوروں کو نہیں کہا جائے گا۔ زید بن اسلم اور ابو ثعلبہ فرماتے ہیں کہ ہر روح والی چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں ہر قسم کو ایک عالم کہتے ہیں مروان ابن حکم عرف جعد جن کا لقب تھا جو ہنوا میہ میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے خلیفہ تھے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ آسمانوں والے ایک عالم زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کو ان کا علم نہیں۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں تمام انسان ایک عالم ہیں سارے جنات کا ایک عالم ہے اور ان کے سوا اٹھارہ ہزار یا چودہ ہزار عالم اور ہیں۔ فرشتے زمین پر ہیں اور زمین کے چار کونے ہیں ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قول بالکل غریب ہے اور ایسی باتیں جب تک کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہوں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ حمیری کہتے ہیں کہ ایک ہزار امتیں ہیں چھ سو تری میں اور چار سو خشکی میں سعید بن مسیب سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک سال ٹڈیاں نہ نظر آئیں بلکہ دریافت کرنے پر بھی پتہ نہ چلا۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم لوگ اور یمن اور شام اور عراق کی طرف سوار دوڑائے کہ کہیں بھی ٹڈیاں نظر آتی ہیں یا نہیں۔ تو یمن والے سوار تھوڑی سی ٹڈیاں لے کر آئے اور امیر المؤمنینؓ کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے انہیں دیکھ کر تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں ان میں سے سب سے پہلے جو امت ہلاک ہوگی وہ ٹڈیاں ہوں گی۔ بس ان کی ہلاکت کے بعد پے در پے اور سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جس طرح کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور ایک کے بعد ایک کر کے سب موتی جھڑ جاتے ہیں۔ اس کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ضعیف ہیں۔ سعید بن مسیب سے بھی یہ قول مروی ہے۔

وہب بن منبہ فرماتے ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں دنیا ساری کی ساری ان میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاجؓ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔ قرطبیؒ نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام عالمین کو شامل ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا یہ رب۔ عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لئے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے جیسے کہ ابن معمر شاعر کا قول ہے۔

﴿فِيَا عَجَبًا كَيْفَ يُغْضَى الْإِلَٰهَ﴾ ﴿أَمْ كَيْفَ يَجْعَدُهُ الْجَاحِدُ﴾

﴿وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ﴾ ﴿تَذُلُّ عَلَيَّ أَنَّهُ وَاحِدٌ﴾

یعنی تعجب ہے کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے؟ اور کس طرح اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ الحمد للہ الخ کے بعد الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تفسیر پڑھیے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان۔

الرحمان الرحيم: اس کی مکمل تفسیر پہلے گزر چکی ہے اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کے وصف کے بعد ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کا وصف ترہیب یعنی ڈراؤ کے بعد ترغیب یعنی امید ہے جیسے فرمایا ﴿نَبِيٌّ عِبَادِي﴾ یعنی میرے بندوں کو خبر کر دو کہ میں بخشنے والا مہربان بھی ہوں اور میرے عذاب بھی دردناک عذاب ہیں اور فرمایا تیرا رب جلد سزا کرنے والا

اور مہربانی اور بخشش بھی کرے والا ہے۔ رب کے لفظ میں ڈراؤ ہے اور رحمن اور رحیم کے لفظ میں امید ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایماندار باری تعالیٰ کے غضب و غصہ سے اور اسکے سخت عذابوں سے پورا واقف ہوتا تو اس وقت اسکے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی اور اگر کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اسکی رحمتوں کو پوری طرح جان لیتا تو کبھی ناامید نہ ہوتا۔

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝

بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک

حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے: بعض قاریوں نے ﴿مَلِكِ﴾ پڑھا ہے۔ اور باقی سب نے ﴿مَلِك﴾ اور دونوں قراتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراتوں میں سے ہیں اور مالک نے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ اور ﴿مَلِكِ﴾ اور ﴿مَلِكِنِي﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلے کی دونوں قراتیں معانی کی رو سے ترجیح والی اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی ہیں۔ زخشری نے ﴿مَلِكِ﴾ کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ حریم والوں کی یہ قرات ہے اور قرآن میں بھی ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ اور ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ ہے۔ امام ابو حنیفہ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے ﴿مَلِكِ﴾ پڑھا اس بناء پر کہ فعل اور فاعل اور مفعول آتا ہے۔ لیکن یہ شاذ ہے اور یحییٰ بن یسار نے اس میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے تینوں خلفاء اور حضرت معاویہؓ اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے ﴿مَلِكِ﴾ پڑھا میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قرات کی صحت پر اطلاع تھی جو راوی حدیث ابن شہاب کونہ تھی واللہ اعلم۔ ابن مردویہ نے کئی سندوں سے اسے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مالک پڑھتے تھے۔ مالک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ﴾ یعنی زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔ اور فرمایا ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ﴾ یعنی کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔ اور ملک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ الخ یعنی آج ملک کس کا ہے؟ صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔ اور فرمایا ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ الخ اسی کا فرمان حق اور اسی کا سب ملک ہے۔ اور فرمایا آج کے دن ملک رحمن ہی کا حق ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے اس فرمان میں قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا سے انکار ہے۔ اس لئے کہ پہلے اپنا وصف ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ہونا بیان فرما چکا ہے۔ جو دنیا اور آخرت کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویٰ بھی نہ ہوگا بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے کوئی زبان تک نہ بلا سکے گا جیسا کہ فرمایا جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا یہاں تک کہ رحمن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے سب آوازیں رحمن کے سامنے پست ہوں گی اور سوائے گنگناہٹ کے کچھ نہ سنائی دے گا اور فرمایا جب قیامت آئے گی اس دن رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بول نہ سکے گا۔ بعض ان میں سے بد بخت ہوں گے اور بعض سعادت مند۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔ ﴿يَوْمَ الدِّينِ﴾ سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ہاں اگر رب کسی برائی سے درگزر کر لے تو یہ اس کا اختیاری امر ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ بعض سے یہ بھی منقول ہے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ ہر ایک قول کا قائل دوسرے کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں پہلا قول مطلب پر

زیادہ دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ فرمان ہے ﴿الْمَلِكُ يُومِنُ﴾ الخ اور دوسرا قول اس آیت کے مشابہ ہے جو فرمایا ﴿وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ یعنی جس دن کہے گا ہو جا بس اسی وقت ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے فرمایا ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ﴾ الخ بخاری، مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بدترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جو شہنشاہ کہائے 'حقیقی مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبضہ میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپنے ہوئے ہوں گے پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں تکبر والے؟ قرآن عظیم میں ہے آج بادشاہت کس کی ہے؟ فقط اللہ اکبر علیہ والے کی۔ اور کسی کو ملک کہدینا یہ صرف مجاز ہے قرآن کریم میں طاوت کو ملک کہا گیا اور ﴿وَكَانَ وَرَآئِهِم مَّلِكٌ﴾ کا لفظ آیا۔ اور بخاری و مسلم میں ملوک کا لفظ آیا ہے اور قرآن کی آیت میں ﴿إِذْ جَعَلْ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا﴾ یعنی تم میں انبیاء کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا ہے دین کے معنی بدلے اور جزا اور حساب کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے۔ اور جگہ ہے 'کیا ہم بدلہ دیئے جائیں گے' حدیث میں ہے دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے یعنی اپنے نفس سے خود حساب لے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ تم خود اپنی جانوں سے حساب لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا خود وزن کر لو اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی تیشی کے لئے تیار ہو جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس پر تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ جیسے خود رب عالم نے فرمادیا جس دن تم پیش کئے جاؤ گے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ①

صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

عبادت کیا ہے: ساتوں قراء اور جمہور نے اسے ﴿إِيَّاكَ﴾ پڑھا ہے۔ عمرو بن فائد نے ﴿إِيَّاكَ﴾ پڑھا ہے۔ لیکن یہ قرأت شاذ اور مردود ہے اس لئے کہ ایما کے معنی سورج کی روشنی کے ہیں۔ اور بعض نے ﴿إِيَّاكَ﴾ پڑھا ہے اور بعضوں نے ﴿هَيْئًا﴾ پڑھا ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی ﴿هَيْئًا﴾ ہے ﴿نَسْتَعِينُ﴾ کی یہی قرأت تمام قراء کی ہے سوائے حکیم بن وثابؓ اور اعمشؓ کے یہ دونوں پہلے نون کو زیر سے پڑھتے ہیں۔ قبیلہ بنو اسد، ربیعہ بنو تمیم کی لغت اسی طرح پر ہے۔ لغت میں عبادت کہتے ہیں ذلت اور پستی کو۔ طریق معبد اس راستے کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اسی طرح ﴿تعبیر معبد﴾ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اور شریعت میں عبادت نام ہے محبت خشوع خضوع اور خوف کے مجموعے کا۔ لفظ ﴿إِيَّاكَ﴾ کو جو مفعول ہے پہلے لائے اور پھر اسی کو دہرایا تاکہ اس کی اہمیت ہو جائے اور عبادت اور طلب مدد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ تو اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ کامل اطاعت اور پورے دین کا حاصل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورہ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملہ میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کا انکار ہے اور اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام کاموں کو سپرد کرتا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ الخ یعنی اللہ ہی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر تیرا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ فرمایا ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ﴾ الخ کہہ دے کہ وہی رحمن ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس پر ہم نے توکل کیا اور فرمایا ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا

إِلَهُ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿۱﴾ یعنی مشرق مغرب کارب وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کار ساز سمجھ۔ یہی مضمون اس آیت کریمہ میں ہے اس سے پہلے کی آیات میں تو خطاب نہ تھا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا جو نہایت لطافت اور مناسبت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنائیاں کی تو گویا قرب الہی میں حاضر ہو گیا اور اللہ جل جلالہ کے حضور میں پہنچ گیا اب اس مالک کو خطاب کر کے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ یا رب ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیرے ہی محتاج ہیں اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کے تمام جملوں میں خبر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات پر اپنی ثنا آپ کی تھی اور بندوں کو اپنی ثنائی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے کا ارشاد فرمایا تھا اسی لئے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو اس سورت کو پڑھنا جانتا ہو اور پھر نہ پڑھے جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا نہیں نماز اس شخص کی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ لیا ہے اس کا آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ جب بندہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔

عبادت کس کی اور مدد کس سے: جب کہتا ہے ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی جب وہ کہتا ہے ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی جب وہ کہتا ہے ﴿إِنَّا لَنَعْبُدُ وَإِنَّا لَنَسْتَعِينُ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو مانگے پھر وہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے سے مانگے اس کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ﴿إِنَّا لَنَعْبُدُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب اہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید رکھتے ہیں تیرے سوا کسی اور کی نہ تو ہم عبادت کریں نہ ڈریں نہ امید رکھیں اور ﴿إِنَّا لَنَسْتَعِينُ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری تمام اطاعت پر اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اسی سے مدد مانگو ﴿إِنَّا لَنَعْبُدُ﴾ کو پہلے لانا اس لئے ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اور مدد طلب کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر پختگی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ اہمیت والی چیز کو پہلے لایا جاتا ہے اور اس سے کم اہمیت والی کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کے صیغہ کو لانے کی یعنی ہم کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ جمع کے لئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے اور اگر تعظیم کے لئے ہے تو اس مقام پر یہ نہایت نامناسب ہے کیونکہ یہاں تو مسکینی اور عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا ایک بندہ تمام بندوں کی طرف سے خبر دے رہا ہے بالخصوص جبکہ وہ عبادت میں کھڑا ہو یا امام بنا ہوا ہو پس گویا وہ اپنی اور اپنے سب مومن بھائیوں کی طرف سے اقرار کر رہا ہے کہ وہ سب اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ ان کی طرف سے بھلائی کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کے لئے ہے گویا کہ بندہ جب عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسی کو کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیری عزت ہمارے دربار میں بہت زیادہ ہے تو اب ﴿إِنَّا لَنَعْبُدُ وَإِنَّا لَنَسْتَعِينُ﴾ کہہ اپنے تئیں عزت سے یاد کر۔ ہاں اگر عبادت سے الگ ہو تو اس وقت ہم نہ کہہ گو ہزاروں لاکھوں میں ہو کیونکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج اور اس کے دربار کے فقیر ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ﴿إِنَّا لَنَعْبُدُ﴾ میں جو تواضع اور عاجزی ہے وہ ﴿إِنَّا لَنَعْبُدُ﴾ میں نہیں اس لئے کہ اس میں اپنے نفس کی بڑائی اور اپنی عبادت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبادت اور جیسی چاہیے ویسی ثنا و صفت

بیان کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ کسی شاعر کا قول ہے کہ مجھے اس کا غلام کہہ کر ہی پکارو کیونکہ میرا سب سے اچھا نام یہی ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کا نام عبد یعنی غلام ان جگہوں پر لیا ہے جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے
 قرآن نازل کرنا نماز میں کھڑے ہونا معراج کرانا وغیرہ فرمان ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْنَا غُرَابًا مِمَّا خَلَقَ
 غَبَدًا اللَّهُ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اَمْرًا مِثْرًا بِعَبْدِهِ﴾ الخ ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ تعلیم دی کہ اے نبی! جس وقت تمہارا دل مخالفین کے
 جھلانے کی وجہ سے تنگ ہو تو تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ نَعَلْنَا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اَمْرًا مِثْرًا بِعَبْدِهِ﴾ الخ یعنی ہم جانتے ہیں کہ مخالفین کی باتیں
 تیرا دل دکھاتی ہیں تو ایسے وقت اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کر اور موت کے وقت تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہو۔ رازی
 نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عبودیت کا مقام رسالت کے مقام سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق
 کی طرف ہوتا ہے اور رسالت کا تعلق حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے اور اس دلیل سے بھی کہ عبد کے تمام اصلاح کے کاموں کا متولی خود
 اللہ تبارک و تعالیٰ ہوتا ہے اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا والی ہوتا ہے۔ لیکن یہ قول غلط ہے اور اس کی دونوں دلیلیں بھی بوجس اور
 لا حاصل ہیں افسوس رازی نے نہ تو اس کو ضعیف کہا نہ اسے رد کیا۔

بعض صوفیاء کا قول ہے کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے یا عذاب دفع کرنے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ
 کوئی فائدے کی بات نہیں اس لئے کہ اس وقت مقصود خود اپنی مراد کا حاصل کرنا ٹھہرا۔ اس کی تکالیف کے لئے آمادگی کرنا یہ بھی ضعیف
 ہے۔ اعلیٰ مرتبہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کی جو تمام کامل صفات سے موصوف ہے محض اس کی ذات کے لئے ہی
 عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو۔ اسی لئے نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھنے کی ہوتی ہے اگر وہ ثواب پانے اور عذاب سے بچنے کے
 لئے ہو تو باطل ہے۔ دوسرا اگر وہ ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا کچھ اس کے خلاف نہیں کہ ثواب کی
 طلب اور عذاب کا بچاؤ مطلوب نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور ﷺ! میں
 نہ تو آپ جیسا پڑھنا جانتا ہوں نہ (حضرت) معاذ جیسا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے نجات چاہتا ہوں حضور
 ﷺ نے فرمایا اسی کے قریب قریب ہم بھی پڑھتے ہیں۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا

سوال کرنے کا طریقہ : جمہور نے ﴿صِرَاطًا﴾ پڑھا ہے۔ بعضوں نے ﴿سِرَاطًا﴾ کہا ہے اور زے بھی ایک قرأت ہے۔
 فراء کہتے ہیں بنی عذرہ اور بنی کلب کی قرأت یہی ہے چونکہ پہلے ثناء و صفت بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اپنی حاجت طلب کرے جیسے کہ
 پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ اس کا آدھا حصہ میرے لئے ہے اور آدھا میرے بندہ کے لئے اور میرے بندہ کے لئے وہ ہے جو وہ طلب
 کرے۔ خیال کیجئے کہ اس میں کس قدر لطافت اور عمدگی ہے کہ پہلے پروردگار عالم کی تعریف و توصیف کی پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی
 حاجت طلب کی۔ یہ وہ لطیف پیرایہ ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پالنے کے لئے تیر بہدف ہے۔ اس کامل طریقہ کو پسند فرما کر
 اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی ہدایت کی۔

کبھی سوال اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا ﴿رَبِّ اَنْتَ
 لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيْ مِنْ خَيْرٍ فَفَقِيرٌ﴾ پروردگار جو بھلائیاں تو نے میری طرف نازل فرمائی ہیں میں ان کا محتاج ہوں۔ حضرت یونس علیہ
 السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا ﴿لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے

میں ظالموں میں سے ہوں۔ کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل صرف تعریف اور بزرگی بیان کر کے چپ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ شاعر کا قول ہے کہ مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیری مہربانیوں بھری بخشش مجھے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری پاک عادتوں میں داخل ہے۔ صرف تیری پاکیزگی بیان کر دینا تیری حمد و ثناء کرنا ہی مجھے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہدایت کے معنی یہاں پر ارشاد اور توفیق کے ہیں۔

کبھی تو ہدایت بنفسہ متعدی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے تو معنی ﴿الْهَمْنَا وَفَقْنَا أَرْزُقْنَا﴾ اور ﴿أَعْطَانَا﴾ یعنی ہمیں عطا فرما کے ہوں گے۔ اور جگہ ہے ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ یعنی ہم نے اسے دونوں راستے دکھادیے بھلائی اور برائی دونوں کے۔ اور کبھی ہدایت الی کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے فرمایا ﴿اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اور فرمایا ﴿فَاهْتَدَوْهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾۔ یہاں ہدایت ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرمان ہے ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي﴾ الخ یعنی تو البتہ سیدھی راہ دیکھاتا ہے۔ اور کبھی ہدایت لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے جنتیوں کا قول قرآن کریم میں ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی یعنی توفیق دی اور ہدایت والا بنایا۔

صراط مستقیم کے معنی سنئے۔ امام ابو جعفر ابن جریرؒ فرماتے ہیں مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھ پن کے ساتھ آتا ہے۔ سلف اور خلف مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہے اور وہ اللہ و رسول ﷺ کی پیروی اور تابعداری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریرؒ نے بھی یہی روایت کی ہے۔ فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم ہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے (مسند احمد ترمذی) حضرت علیؓ کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہؓ سے بھی یہی روایت ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد! ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کہیے یعنی ہمیں ہدایت والے راستے کا الہام کر اور اس دین الہی کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپؐ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی صراط مستقیم کی کہ اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے جو کہتا ہے کہ اے لوگو! تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ ٹیڑھی تر چھی ادھر ادھر کی راہوں پر نہ جاؤ ایک پکارنے والا اس راستے کے اوپر ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ خبردار اسے نہ کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جائے گا اور صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر

سے پکارنے والا وہ کھٹکا ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے یہ حدیث ابن ابی حاتم ابن جریر ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور اسکی اسناد حسن صحیح ہے واللہ اعلم۔

مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد حق ہے۔ ان کا یہ قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور ان سب اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے دونوں خلفاء ہیں۔ ابو العالیہ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء صدیق و فاروق کا تابع اور حق کا تابع اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف کی مضبوطی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ پھر صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں فالحمد للہ۔

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا۔ امام ابو جعفر ابن جریر کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم توفیق دے جائیں اس چیز کی جو باری تعالیٰ کی مرضی کی چیز ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے رب تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہو اور ان پر انعام کیا ہو صراط مستقیم یہی ہے اس لئے کہ جو شخص اس چیز کی توفیق دیا گیا جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا اور جو نبی ﷺ اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ تھے وہ اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی اور کتاب اللہ کو مضبوط تھام رکھنے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانے کی اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانے کی اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے چاروں خلیفوں اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق دیا گیا تو یہی صراط مستقیم ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مومن کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے پھر نماز اور غیر نماز میں حاجت مانگنے کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی اور رسوخ اور بینائی اور ہمیشہ کے لئے طلب ہے اس لئے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا محتاج ہے وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں بلکہ دن رات اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے اس لئے اللہ نے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا رہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ اچھا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے درکابھکاری بنالے وہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے بالخصوص بے قرار محتاج اور اس کی طرف اپنی حاجت دن رات پیش کرنے والے کی ہر پکار کو قبول کرنے کا وہ ضامن ہے اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ﴾ الخ اے ایمان والو! اللہ پر اس کے رسولوں پر اس کی اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ کی طرف نازل فرمائی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئیں سب پر ایمان لاؤ۔

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے یہاں ہدایت والوں کو ہدایت کی طلب کا حکم دینا۔ مراد دونوں جگہ ثابت قدمی اور استمراہ ہے اور ایسے اعمال پر ہمیشگی کرنا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد پہنچائیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو بھی نہیں سکتا کہ یہ حاصل شدہ چیز کا حاصل کرنا ہے واللہ اعلم۔ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے اپنے ایماندار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کہیں ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس کی رحمت عطا فرما تو بہت بڑا دینے والا اور عطا فرمانے والا ہے۔ یہ بھی روایت کہ حضرت ابو بکر صدیق مغرب کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد اس آیت کو پوشیدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ پس ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيمِ ﴿۱﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ یا اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور اس سے ہمیں نہ ہٹا۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۲﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۳﴾

راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی

انعام یافتہ کون ہیں: اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر اللہ کریم فرماتے ہیں یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ یہ آیت تفسیر ہے صراطِ مستقیم کی۔ اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے۔ اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور جن پر باری تعالیٰ کا انعام ہوا ان کا بیان سورہ نساء میں ہے۔ فرمان ہے ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ الخ یعنی رب تعالیٰ اور رسول کے ماننے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر رب تعالیٰ کا انعام ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں۔ یہ بہترین ساتھ اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل الہی ہے اور اللہ کا جاننے والا ہونا کافی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! تو مجھے ان فرشتوں، نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کی راہ چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت و عبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ﴾ الخ کی طرح ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں اس سے مراد انبیاء ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ ابن عباس کا قول زیادہ قوی اور معقول ہے۔ واللہ اعلم۔

جمہور کی قرأت میں ﴿غَيْرِ﴾ رے کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زخمی کہتے ہیں رے کی زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمر بن خطاب کی قرأت یہی ہے۔ اور ابن کثیر سے بھی یہی روایت کی گئی ہے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ میں جو ضمیر ہے وہ اس کا ذوالحال ہے اور ﴿أَنْعَمْتَ﴾ عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ یا رب! تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ کے رسول کے اطاعت گزار اس کے حکموں پر عمل کرنے والے اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانے والے تھے۔

مغضوب کون ہیں: ان کی راہ سے بچا جن پر غضب و غصہ کیا گیا جن کے ارادے فاسد ہو گئے حق کو جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچالے جو سرے سے علم ہی نہیں رکھتے مارے مارے پھرتے ہیں راہ سے بھٹکتے ہوئے حیران و سرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کئے جاتے۔ ﴿لَا﴾ کو دوبارہ لا کر کلام کی تاکید کرنا اس لئے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں ایک یہود کا دوسرا نصاریٰ کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غیبر کا لفظ یہاں پر استثناء کے لئے ہے تو استثناء منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے یہ استثناء ہوتا ہے اور یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ﴾ سے مراد ﴿غَيْرِ الصِّرَاطِ الْمَغْضُوبِ﴾ ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر سے کفایت کی گئی ہے اور مضاف بیان نہ کیا گیا اس لئے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آچکا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿وَالضَّالِّينَ﴾ میں ﴿لَا﴾ زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّالِّينَ﴾ اور اسکی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَغَيْرِ الضَّالِّينَ﴾ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا۔ تو ہمارے قول کی تائید ہوتی کہ لائفی کی تاکید کے لئے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم ہی نہ ہو کہ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ پر عطف ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بچتا رہے۔ اہل ایمان کا تو طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاریٰ کے ہاں عمل نہیں۔ اسی لئے کہ باوجود عمل کے علم کو چھوڑنا سبب ہے غضب کا۔ گو ایک چیز کا قصد تو کرتے ہیں لیکن اس کے صحیح راستہ کو نہیں پاسکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے وہ اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں فرمان الہی ہے ﴿قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ یعنی یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی تائید میں بہت سی احادیث اور روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا کہ میری خبر گیری کرنے والا دور ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں آپ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر بھی احسان کرے گا۔ حضور نے دریافت کیا کہ تیری خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم۔ آپ نے فرمایا وہی جو اللہ اور رسولؐ سے بھاگتا پھرتا ہے؟ پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے فرمایا لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے آپ سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضورؐ کی سخاوت نے تو میرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے چلتے ہیں اس بات نے مجھے یقین دلادیا کہ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا عدی ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ ﴿اللہ اکبر﴾ کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟ مجھ پر ان کلمات نے اور آپ ﷺ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا جس سے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے ﴿مَغْضُوبٍ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہود ہیں اور ﴿ضَّالِّينَ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدیؓ کے سوال پر حضور ﷺ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور ﷺ سے یہی سوال کیا آپ ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایات میں ان کا نام عبد اللہ بن عمروؓ ہے واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں ابوذرؓ سے بھی یہی روایت ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور بہت سے صحابہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انسؓ عبد الرحمن بن زید بن اسلمؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بلکہ ابن ابی حاتمؓ تو فرماتے ہیں مفسرین میں اس بارے میں اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہؓ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گزری دوسری سورہ بقرہ کی وہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ اس آیت میں ہے کہ ان پر غضب نازل ہوا اور

سورہ مائدہ کی آیت ﴿لَقَدْ هَمَّتْ أَنْ يَكْفُرُوا﴾ الخ یعنی بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی واؤد علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبانی یہ بوجہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزر جانے کے ہے یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے یقیناً ان کے کام بہت برے تھے۔ اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جب کہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ غضب الہی کا ایک حصہ نہ لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لئے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر اسے کیسے قبول کر لیں؟ نصرانیوں سے ملے۔ انہوں نے کہا جب تک باری تعالیٰ کی ناراضگی کا حصہ نہ لیں تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آ سکتے۔ انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اس لئے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا۔ انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الہیہ نے ان کی راہبری کی اور یہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی اس کی تصدیق کی۔

مسئلہ

ض اور ظ میں فرق: ضاد اور ظ کے فرق میں بہت باریک فرق ہے اور یہ فرق ہر ایک کے بس میں نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے۔ ضاد کا صحیح مخرج تو یہ ہے کہ زبان کے اول کنارہ اور اس کے پاس کی ڈاڑھیں۔ اور ظ کے مخارج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانت کے کنارے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں حرف مجبورہ اور رخواہ اور مطبقہ ہیں۔ پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو اسے معاف ہے کہ ضاد کو ظ کی طرح پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ضاد کو سب سے زیادہ صحیح پڑھنے والا میں ہوں، لیکن یہ حدیث بالکل بے اصل اور لاپتہ ہے۔

فصل۔ سورہ فاتحہ کا خلاصہ: یہ مبارک سورت نہایت کار آمد مضامین کا مجموعہ ہے ان سات آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد اس کی بزرگی اس کی ثناء و صفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے کہ وہ اس مالک سے سوال کریں اس کی طرف تضرع و زاری کریں اپنی مسکینی اور بے کسی کا اقرار کریں۔ اور اسکی عبادت خلوص کے ساتھ کریں۔ اور اسکی توحید الوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم کی اور اس پر ثابت قدمی کی اس سے مدد طلب کریں اور یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پہل صراط سے بھی پارتارے اور نبیوں 'صدیقوں' اور صالحوں کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے تاکہ قیامت کے دن نیکوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے ڈراوے تاکہ قیامت کے دن بھی ان کی جماعتوں سے دوری ہو۔ یہ باطل پرست یہود و نصاریٰ ہیں۔

اس باریک نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ انعام کی اسناد تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور ﴿أَنْعَمْتَ﴾ کہا گیا اور غضب کی اسناد نہیں کی گئی۔ یہاں فاعل حذف کر دیا اور ﴿مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ﴾ کہا گیا اس میں پروردگار عالم کی جناب میں ادب کیا گیا ہے۔ دراصل حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ اور اسی طرح ضلالت کی اسناد بھی ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں۔ حالانکہ اور جگہ ہے ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ﴾ الخ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ جسے راہ دکھادے وہ راہ یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسکا ولی اور مرشد کوئی نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ﴾ الخ یعنی اللہ جسے گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی

نہیں وہ تو اپنی سرکشی میں بہکے رہتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ راہ دکھانے والا اور گمراہ کرنے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی ہے۔

قدر یہ فرقہ جو ادھر ادھر کی تشابہ آیات کو دلیل بنا کر کہتا ہے کہ بندے خود مختار ہیں وہ خود پسند کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ صریح اور صاف صاف آیات ان کے رد کی موجود ہیں لیکن باطل پرست فرقوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صراحت کو چھوڑ کر تشابہ کے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو تشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے تم ان کو چھوڑ دو۔ حضور ﷺ کا اشارہ اس فرمان میں اس آیت مبارکہ کی طرف ہے ﴿لَمَّا الدِّينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَنِيغٌ﴾ یعنی جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ تشابہ کے پیچھے لگتے ہیں فتنوں اور تادیل کو ڈھونڈنے کے لئے۔ پس الحمد للہ بدقیوں کے لیے قرآن کریم میں صحیح دلیل کوئی نہیں قرآن کریم تو حق و باطل ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس میں تناقض اور اختلاف نہیں۔ تو یہ حکیم و حمید اللہ کا نازل کردہ ہے۔

﴿ فصل ﴾

آمین کی فضیلت: سورۃ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ آمین مثل یاسین کے ہے۔ اور آمین بھی کہا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ تو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد ابو داؤد اور ترمذی میں وائل بن حجر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ ﴿غَيْرِ الْمَفْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہہ کر آمین کہتے تھے۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین پہلی صف والے لوگ جو آپ ﷺ کے قریب ہوتے سن لیتے۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں یہ بھی ہے کہ امین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ دار قطنی میں بھی یہ حدیث ہے اور دار قطنی اسے حسن بتاتے ہیں حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کیجئے (ابو داؤد) حسن بصریؒ اور جعفر صادقؒ سے آمین کہنا مروی ہے جیسے کہ ﴿آمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ﴾ قرآن کریم میں ہے۔

ہمارے اصحاب وغیرہ کہتے ہیں جو نماز میں نہ ہو اسے بھی آمین کہنا چاہیے۔ ہاں جو نماز میں ہو اس پر تاکید زیادہ ہے۔ نمازی خواہ اکیلا ہو خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو ہر حالت میں آمین کہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے موافقت کر جاتی ہے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی آمین کا اور فرشتوں کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے یا موافقت سے مراد قبولیت میں موافق ہونا ہے یا خلاص میں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو آمین کہو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

ابن عباسؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا آمین کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ تو قبول کر۔ جو ہریؒ کہتے ہیں اس کا معنی ہے "اسی طرح ہو" ترمذی کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ "ہماری امیدوں کو نہ توڑ" اکثر علماء فرماتے ہیں اس کے معنی "اے اللہ! تو ہماری دعا کو قبول فرما" کے ہیں۔ مجاہدؒ جعفر صادقؒ ہلال بن سیافؒ فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک

نام ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً "بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ امام مالکؒ کے اصحاب کا مذہب ہے کہ امام آمین نہ کہے مقتدی آمین کہیں کیونکہ موطا امام مالکؒ کی حدیث میں ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ اسی طرح ان کی دلیل کی تائید میں صحیح مسلم والی ابو موسیٰ اشعریؒ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب امام ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ لیکن بخاری و مسلم کی حدیث پہلے بیان ہو چکی کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پڑھ کر آمین کہتے تھے۔ جہری نمازوں میں آمین بلند آواز سے جہری نمازوں میں مقتدی اونچی آواز سے آمین کہے یا نہ کہے اس میں ہمارے ساتھیوں کا اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام آمین کہنی بھول گیا ہو تو مقتدی با آواز بلند آمین کہیں۔ اگر امام نے خود اونچی آواز سے آمین کہی تو نیا قول یہ ہے کہ مقتدی ہا آواز بلند نہ کہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں امام مالکؒ سے بھی مروی ہے اس لئے کہ نماز کے اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک ذکر ہے تو نہ وہ بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں نہ یہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ لیکن پہلا قول یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام مالکؒ کا بھی دوسری روایت کے اعتبار سے یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ ہمارے یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی با آواز بلند آمین نہ کہیں اس لئے کہ وہ امام کی قرأت سنتے ہیں اور اگر بڑی ہو تو اونچی آواز سے آمین کہیں تاکہ مسجد کے کونے کونے میں آمین پہنچ جائے واللہ اعلم۔ (صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت کی جاتی ہے ان میں اونچی آواز سے ہی آمین کہنی چاہئے خواہ مقتدی ہو خواہ امام خواہ مفرد مترجم) مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے پاس یہودیوں کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہماری تین چیزوں پر یہودیوں کو اتنا بڑا حسد ہے کہ کسی اور چیز پر نہیں۔ ایک تو جمعہ کہ باری تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ بہک گئے۔ دوسرے قبلہ۔ تیسرے ہمارا امام کے پیچھے آمین کہنا۔ ابن ماجہ کی حدیث میں یوں ہے کہ یہودیوں کو سلام پر اور آمین پر جتنی جڑ ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہودی جتنا حسد تمہارے آمین کہنے پر کرتے ہیں اتنا حسد کسی اور کام پر نہیں کرتے تم بھی آمین بکثرت کہا کرو۔ اس کی اسناد میں طلحہ ابن عمرو راوی ضعیف ہیں۔ ابن مردویہ میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے اپنے مومن بندوں پر۔ حضرت انسؓ والی حدیث میں ہے کہ نماز میں آمین کہنی اور دعا پر آمین کہنی رب تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا کی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی خاص دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے تم اپنی دعاؤں کو آمین پر ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے حق میں قبول فرمایا کرے گا۔

اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کے ان الفاظ کو دیکھیے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ﴾ الخ ہے یعنی اے اللہ تو نے فرعون اور فرعونوں کو دنیا کی زینت اور مال دنیا کی زندگانی میں عطا فرمایا ہے جس سے وہ تیری راہ سے دوسروں کو بہکا رہے ہیں۔ یا رب ان کے مال برباد کر اور ان کے دل سخت کر یہ نہ ایمان لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے ﴿فَقَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُهُمْ﴾ الخ یعنی تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ تم مضبوط رہو اور بے علموں کی راہ نہ جاؤ۔ دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام صرف آمین کہتے تھے لیکن قرآن نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے اس نے گویا خود دعا کی۔ اب اس استدلال کو سامنے رکھ کر پھر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قرأت نہ کرے اس لئے کہ اس کا سورہ فاتحہ پر آمین کہنا قائم مقام پڑھنے کے ہے۔ اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے

(مسند احمد) حضرت بلالؓ کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ! آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے۔ اس کھینچا تانی سے مقتدی پر جبری نمازوں میں ﴿الحمد﴾ کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ابام ﴿غیر المغضوب علیہم ولا الضالین﴾ کہہ کر آمین کہتا ہے اور آسمان والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ آمین نہ کہنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کیا غالب آئے مال غنیمت جمع کیا اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام کا قرعہ نکلا ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے یہ کیوں؟ تو جواب ملے کہ تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَاَعِنِ یَا کَرِیْمِ

تفسیر سورہ بقرہ

سورہ بقرہ کے فضائل: حضرت معقل بن یسارؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی کی ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلی سے نازل ہوئی اور اس سورت کے ساتھ ملائی گئی سورہ یس قرآن کا دل ہے جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو۔ (مسند احمد) اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عن رجل ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہیں؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں ان کا نام ابو عثمان آ گیا ہے۔ یہ حدیث اسی طرح ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن کریم کی بلندی سورہ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ مسند احمد صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحییٰ بن معین تو ثقہ بتلاتے ہیں لیکن احمد وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے اسے نسائی نے "الیوم واللیل" میں اور حاکم نے "مستدرک" میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں تم سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورہ بقرہ نہ پڑھے سب گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے۔ امام نسائی نے "الیوم اللیلہ" میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ مسند دارمی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوزمارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورہ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا لباب ہوتا ہے اور قرآن کا لباب مفصل کی سورتیں ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا فرمان ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی چار پہلی آیات اور آیت الکرسی اور دو آیات اس کے بعد کی اور تین آیات سب سے آخر کی یہ جملہ

دس آیات رات کے وقت پڑھ لے اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جاسکتا اور اسے اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیات مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے قرآن کی بلندی سورۃ بقرہ ہے۔ جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا (طبرانی۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپ نے دی جس نے کہا تھا کہ مجھے سورۃ بقرہ یاد ہے۔ اس وقت ایک شریف شخص نے کہا میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن مجھے ڈر لگا کہ ایسا نہ ہو میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قرآن سیکھو قرآن کو پڑھو جو شخص اسے سیکھتا ہے پڑھتا ہے پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھے ہوئے سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا۔ امام ترمذی سے اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے واللہ اعلم۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے ایک مرتبہ رات کو سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع کی۔ ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا اس نے اچھلنا کو دنا بد کننا شروع کیا۔ انہوں نے قرأت چھوڑ دی گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا گھوڑے نے بھی پھر بد کننا شروع کیا انہوں نے پھر پڑھنا موقوف کیا گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے بھی گھوڑے کے پاس ہی لیئے ہوئے تھے اس لئے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آجائے قرآن پڑھنا بند کر کے اسے اٹھالیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضور ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کرنے لگے۔ آپ سنتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں اسید پڑھتے چلے جاؤ۔ حضرت اسید نے کہا حضور! تیسری مرتبہ کے بعد تو یحییٰ کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح کی ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آگئے تھے اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا کسی سے نہ چھپتے۔ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت ابن قیس بن شماس کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گزشتہ رات ہم نے دیکھا ساری رات حضرت ثابت کا گھر نور کا بقعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگا رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورۃ بقرہ پڑھی ہوگی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا جہاں ہے رات کو میں سورۃ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے واللہ اعلم۔

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی فضیلت: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ سیکھو اور اس کا لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے جادو گر اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران سیکھو یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے پہنچاتے ہیں؟ یہ کہے گا نہیں تو وہ جواب دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دنوں کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بسترے سے دور بیدار رکھا تھا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں۔ اب اسے ملک دہانے ہاتھ میں دیا جائے گا اور ہمیشگی بائیں ہاتھ میں اس کے سر پر وقار و عزت کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے ماں باپ کو دوائیے عمدہ قیمتی حلیے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے

سامنے پہنچ ہو وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم و کرم کی اس انعام و اکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کی قرآن خوانی کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا۔ چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا۔ خواہ تریل سے پڑھے یا خواہ بے تریل کے۔

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے اس کی اسناد حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر ابن مہاجر سے امام مسلمؒ بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائیؒ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمدؒ اسے منکر الحدیث بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجب احادیث لاتا ہے۔ امام بخاریؒ کا فیصلہ ہے کہ اسکی احادیث لکھی جاتی ہیں لیکن دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ انکی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دارقطنیؒ فرماتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت میں بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دو نورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا دو ساہبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے رب تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ پڑھا کرو۔ اس کا لینا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اسکی طاقت باطل والوں کو نہیں۔ صحیح مسلم میں بھی حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے قرآن اور قرآن پڑھتے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی بادل کی طرح یا سایے اور ساہبان کی طرح یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی۔ مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعبؒ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعبؒ سے عرض کی کہ مجھے بتائیے کہ وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعبؒ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا اگر میں بتا دوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابو امامہؒ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دوسرے سبز درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آرہی ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی سورہ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی سورہ آل عمران پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ہاں تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک آتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھالیتے ہیں۔

حضرت ام درود آرضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورہ آل عمران اور سورہ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ کے بعد سورہ آل عمران بھی چلی گئی۔ پھر ایک جمعہ اور گزرا تو آواز آئی کہ میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ مبارک سورت یعنی سورہ بقرہ بھی اس سے الگ ہو گئی مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذابوں کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر بوجہ اس کی گناہوں کی زیادتی کے ان کی سفارش بھی نہ چلی۔ یزید ابن اسود جرشؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے۔ خود حضرت یزید اپنے معمول کے وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو ہر صبح و شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؒ فرماتے ہیں جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات کو پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرمانبرداروں میں شمار

ہوگا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

سات بڑی سورتوں کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں سات لمبی سورتوں کو تورات کی جگہ دیا گیا ہوں اور انجیل کی جگہ مجھ کو دو سو آیات والی سورتیں ملی ہیں اور زبور کے قائم مقام میں دو سو سے کم آیات والی سورتیں دیا گیا ہوں اور پھر مجھے فضیلت میں خاص سورۃ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابوشیر میں کچھ کلام ہے۔ ابو عبدی نے اسے دوسری سند سے بھی وارد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ یہ روایت بھی غریب ہے مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا جنہیں سورۃ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ تو ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي﴾ کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نساء، سورۃ مائدہ، سورۃ انعام، سورۃ اعراف اور سورۃ یونس، حضرت مجاہد، مکحول، عطیہ بن قیس، ابو محمد فارسی، شداد بن اوس، یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی منقول ہے۔

فصل: مقام نزول اور مزید معلومات: سورۃ بقرہ ساری کی ساری مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ ان سب سے آخر میں نازل ہونے والی ہے۔ یعنی قرآن کریم میں سب سے آخری آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن ہے اسی میں سے اور اسی طرح سود کی حرمت کی آیات بھی سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سورۃ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار احکام ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے۔ اس کی آیات دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بلا خلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ النساء وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے وہ سورۃ جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی تمام سورتوں کا نام لیا کرو۔ لیکن یہ حدیث غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسول ہونا ہی صحیح نہیں اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابو سلمہ خواص ضعیف ہیں ان کی روایت سے سند نہیں لی جاسکتی۔ اس کے برخلاف بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں طرف اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکے تھے رسول اللہ ﷺ نے جن پر سورۃ بقرہ اتری ہے۔ گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا کہ سورۃ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ لیکن مزید سنیے ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں ﴿يا اصحاب﴾ یا اصحاب ﴿سورة البقرہ﴾ کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اے درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۃ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تاکہ انہیں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر طرف سے جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنو حنیفہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگائے صحابہ نے اسی طرح لوگوں کو یا اصحاب ﴿سورة البقرہ﴾ یعنی اے سورۃ بقرہ والو کہہ کر پکارا۔ اور اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خوش ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

الْم

حروف مقطعات 'معانی اور تشریح': ﴿الْم﴾ جیسے حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں کسی اور کو معلوم نہیں اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبی نے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ سے یہی نقل کیا ہے۔ عامر شعبیؓ سفیان ثوریؓ ربیع بن خثیمؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو حاتم ابن حبانؓ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبدالرحمن ابن زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔ علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زحمریؓ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ﴿الْم السَّجْدَةِ﴾ اور ﴿هَلْ آتَىٰ عَلِيَّ الْإِنْسَانَ﴾ پڑھتے تھے۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں کہ ﴿الْم﴾ اور ﴿حَم﴾ اور ﴿الْمَصَّ﴾ اور ﴿صَّ﴾ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ الـم قرآن کے ناموں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہؓ اور حضرت زید بن اسلمؓ کا بھی یہی قول ہے اور شائد اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمن ابن زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام ﴿الْمَصَّ﴾ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۃ ﴿الْمَصَّ﴾ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۃ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن واللہ اعلم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعبیؓ 'سالم بن عبد اللہ' اسمعیل ابن عبدالرحمن 'سدی کبیر' بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الـم اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿حَم﴾ اور ﴿طَسَّ﴾ اور ﴿الْم﴾ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں سے یہ مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ یہ قسم ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی ﴿إِنَّا اللَّهُ أَغْلَمُ﴾ ہیں یعنی میں ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے بھی یہ مروی ہے۔

ابن عباسؓ ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ ابو العالیہؓ فرماتے ہیں کہ یہ تین حروف ﴿الف﴾ اور ﴿لام﴾ اور ﴿میم﴾ اسی حروف میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر حرف اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کے شروع کا حرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد ﴿الاء﴾ یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجید یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے اور لام سے تیس سال ہے اور میم سے چالیس سال (ابن ابی حاتم)

امام ابن جریر نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے

خلاف ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی ہوں اور سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ بھی ہو اور اسکی صفتوں کی طرف بھی اور مدت وغیرہ کی طرف بھی۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معانی میں آتا ہے جیسے لفظ ﴿اُمۃ﴾ کہ اس کے ایک معنی ہیں دین جیسے قرآن میں ہے ﴿انا وجدنا ابانا علی امة﴾ یعنی ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔ دوسرے معنی ہیں اللہ کا اطاعت گزار بندہ جیسے فرمایا ﴿ان ابرہیم کان امة﴾ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں جماعت جیسے فرمایا ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةٌ﴾ الخ یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ یعنی ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجا۔ چوتھے معانی ہیں مدت اور زمانہ فرمان ہے واذکر بعد امة یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معانی ہوئے اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعات کے بھی کئی معانی ہوں۔

امام ابن جریرؒ کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابو العالیہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ایک ساتھ ایک ہی جگہ ان سب معانی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آتے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی ہر جگہ جدا جدا تو ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ ایک ہی معنی ہوتے ہیں جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں ایک ہی جگہ سب کے سب معنی مراد نہیں ہوتے اور سب پر ایک جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علماء اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے واللہ اعلم۔

دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے جو معانی ہیں وہ بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لیے بنائے گئے ہیں۔ اور بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے کہ وہ دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو تو مقدر ماننے سے نہ ضمیر دینے سے نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ اعتبار سے تو ایسی بات علمی طور پر نہیں سمجھی جاسکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں تو اختلاف ہے اور اجماع نہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں کہ کلمہ کو بیان کرنے کے لئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے لیکن ان شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولنے ہی پورا کلمہ سمجھ آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں واللہ اعلم۔

قرطبیؒ کہتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے مطلب یہ ہے کہ ﴿اَقْتُلْ﴾ پورا نہ کہے بلکہ صرف اق کہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف ہیں مثلاً ق، ص، حَم، طَسَم، الر، وغیرہ سب حروف ہجاء ہیں۔ بعض عربی داں کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا ب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتدا کے چند حروف ذکر کر دیئے باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حرف آئے ہیں۔ ا ل م ص و ذ ہ ی ع ط س ح ق ن ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے۔ ﴿نص حکیم قاطع لہ سر﴾ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس ہیں اس لئے یہ پورے آدھے ہوئے۔ جو حروف بیان کیے گئے یہ ان حروف سے جو نہیں لائے گئے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعت تصریف ہے۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حرف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آگئیں۔ یعنی مہوسہ مجبورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ! ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ کا کلام لغو بیہودہ بیکار اور بے معنی الفاظ سے پاک

ہے۔ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں۔ وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔
 اگر نبی معصوم ﷺ سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور ﷺ نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ سے تو اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا۔

علماء کا اس میں بیحد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ کہ ان حروف کے کلام الہی ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو رب علیم ہی کو معلوم ہیں اور ہم پر ظاہر نہیں ہوئے دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتدا معلوم ہو جائے، لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لیے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے جن سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں کیا ان کی ابتدا انتہا معلوم نہیں؟ پھر سورتوں سے پہلے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ کا پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ ابن جریر نے اس کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے اس لئے انہیں سنانے کے لئے ایسے حروف لائے گئے تاکہ جب وہ متوجہ ہو جائیں تب باقاعدہ تلاوت شروع ہو۔ لیکن یہ وجہ بھی ناقص ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتدا ان ہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں۔ پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہو تو یہی حروف ہونے چاہئیں نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ سورت یعنی سورہ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورہ آل عمران یہ تو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟ ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجودیکہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرداور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب سے بھی یہی منقول ہے۔ زحسری نے کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت تائید کی ہے۔ زحسری ابن تیمیہ اور حافظ مزنی نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زحسری فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو مکرر لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لاجواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکایا جائے جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک ایک حرف آیا ہے جیسے ﴿ص﴾ ﴿ن﴾ ﴿ق﴾ کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے ﴿حم﴾ کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے ﴿الم﴾ کہیں چار آئے ہیں جیسے المر اور ﴿المص﴾ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے ﴿حمص﴾ اور ﴿حم﴾ ﴿عسق﴾ اس لئے کہ کلمات عرب تمام کے تمام اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی لفظ یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حرفی سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی و بڑائی کا بیان ہو چنانچہ انتیس سورتوں میں ایسا ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿الم﴾ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ یہاں بھی ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے باری تعالیٰ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿الم﴾ ﴿اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور دوام والا ہے جس نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو کتاب پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ اور جگہ

فرمایا ﴿الْمَصَّ﴾ کتاب ﴿انزل اليك﴾ الخ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ۔ اور جگہ فرمایا ﴿الْوَحْيِ﴾ ﴿بِكَتَابِ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ﴾ الخ اس کتاب کو ہم نے تیری طرف نازل کیا تاکہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ فرماتا ہے ﴿حَمِّمَ﴾ ﴿تَنْزِيلِ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ بخششوں اور مہربانیوں والے مالک نے اسے نازل فرمایا ہے ﴿حَمِّمَ﴾ ﴿عَسَىٰ كَذَلِكَ يُوْجِى إِلَيْكَ﴾ الخ یعنی اس طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔ اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بغور دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام اللہ کی عظمت اور عزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ قول بھی ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اول تو وہ ضعیف ہے دوسرے اس حدیث اور اس قول کی پختگی تو ایک طرف اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابویاسر بن اخطب یہودی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت سورہ بقرہ کی شروع آیت ﴿الَّذِي تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ تلاوت فرما رہے تھے وہ اسے سن کر اپنے بھائی جعی بن اخطب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آج حضور ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ جعی ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضور کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور! کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں سچ ہے۔ اس نے کہا سنئے! آپ سے پہلے جتنے نبی آئے کسی کو بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپ کو بتا دیا گیا۔ پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا سنو! الف کا عدد ہو ایک لام کے تیس میم کے چالیس جملہ اکہتر ہوئے کیا تم اس نبی کی اطاعت کرنی چاہتے ہو جسکے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو؟ پھر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟

آپ نے فرمایا ہاں ﴿الْمَصَّ﴾ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بہت لمبی ہے الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس صاد کے نوے۔ یہ سب ایک سو اکٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ار کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس اور رے کے دو سو۔ جملہ دو سو اکتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور ایسی آیت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ﴿الْمَرَّ﴾ کہا یہ بہت ہی بھاری ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس رے کے دو سو سب مل کر دو سو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو پڑا اور بات خلط ملط ہو گئی لوگو! چلو اٹھ چلو۔

ابویاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علماء یہود سے کہا کیا تعجب کہ ان سب حروف کا مجموعہ۔ (حضرت) محمد ﷺ کو ملا ہو۔ اکہتر ایک ایک سو اکتیس ایک دو سو اکتیس ایک دو سو اکہتر ایک یہ سب مل کر سات سو چار برس ہوئے۔ انہوں نے کہا اب کام خلط ملط ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیات انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّخَكَّمَاتٌ﴾ الخ یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے تجھ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیات مشابہت والی بھی ہیں۔

اس حدیث کا دارودار کسہی پر ہے اور جس حدیث کا اکیلا راوی ہو محمد ثین اس سے حجت نہیں پکڑتے اور پھر اس طرح اگر مان لیا

جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا ان کے عدد بہت سارے ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں سے کئی بار آئے ہیں اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تب تو بہت بڑی گنتی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝

اس کتاب (کے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں پر ہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں ﴿ذَلِكَ﴾ معنی میں ﴿هَذَا﴾ کے ہے۔ مجاہدؒ عکرمہؒ سعید بن جبیرؒ سدی مقاتل بن حیانؒ زید بن اسلمؒ اور ابن جریجؒ کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے ابو عبیدہؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ﴿ذَلِكَ﴾ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں "وہ" لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں "یہ" یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زخمریؒ کہتے ہیں کہ اس سے اشارہ ﴿الْم﴾ کی طرف ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے ﴿لَا فَاَرْضَ وَلَا بَكْرًا عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ﴾ یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ذَلِكَمُ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ یہ ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿ذَلِكَمُ اللّٰهُ﴾ یہ ہے اللہ تعالیٰ۔ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گزر چکے واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے اشارہ ہے قرآن کریم کی طرف جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ بعض نے تورات کی طرف کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس اقوال ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے واللہ اعلم۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ﴾ کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف ہے انہوں نے نہایت دور کا راستہ لیا اور بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلا وجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔ ﴿رَيْبَ﴾ کے معنی ہیں شک اور شبہ۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؒ اور کئی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ ابو درداءؒ ابن عباسؒ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ ابومالکؒ نافعؒ جو ابن عمرؒ کے مولا ہیں عطاءؒ ابو عالیہؒ ربیع بن انسؒ مقاتل بن حیانؒ سدیؒ قتادہؒ اسمعیل بن ابی خالدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں مفسرین کا اس میں اختلاف نہیں۔ ﴿رَيْبَ﴾ کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورہ سجدہ میں ہے ﴿الْم ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی بے شک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔ بعض نے کہا ہے گو یہ خبر ہے مگر معنی میں نہیں کے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔

بعض قاری ﴿لَا رَيْبَ﴾ پر وقف کرتے ہیں ﴿فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ پر ظہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورہ سجدہ کی آیت میں گزر چکا ہے اور اس میں بہ نسبت ﴿فِيهِ هُدًى﴾ کے زیادہ مبالغہ ہے ﴿هُدًى﴾ نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بناء پر منصوب بھی ہو سکتا ہے اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشَفَاءٌ﴾ الخ یعنی یہ قرآن ہدایت و شفا ہے ایمان والوں کے لئے اور بے ایمانوں کے کان بوجھل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں یہ بہت دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں ﴿وَنُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ الخ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ اس مضمون کی اور آیات بھی ہیں اور ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لئے ہے

لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں جیسے فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ الخ لوگو! تمہارے پاس رب تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی بیماریوں کی شفاء آچکی ہے جو مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے۔

متقی کون لوگ ہیں: ابن عباسؓ فرماتے ہیں متقین وہ ہیں جو ایمان لا کر شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائیں۔ ایک اور روایت میں ہے متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔ اعمشؒ حضرت ابو بکر بن عیاشؒ سے سوال کرتے ہیں کہ متقی کون ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں۔ پھر میں نے کہا ذرا کلمی سے تو دریافت کر لو، وہ کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ الخ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقین میں جمع ہوتے ہیں۔ ترمذیؒ اور ابن ماجہ کی حدیث میں سے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بندہ حقیقی متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ابو عقیف نے پوچھا حضرت امتی کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو لوگ شرک سے اور بت پرستی سے بچیں اور باری تعالیٰ کی خالص عبادت کریں وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پوست ہو جانے کے آتے ہیں اس ہدایت پر تو سوائے رب تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ یعنی اے نبی! جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ﴾ تجھ پر ان کی ہدایت نہیں۔ فرماتا ہے ﴿مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ﴾ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ﴾ الخ یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیات بھی ہیں۔ اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَإِنَّمَا تُمَوِّذُ فَيَهْدِيهِمْ﴾ الخ یعنی ہم نے تمہارے ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر پسند کر لیا۔ فرماتا ہے ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصل معنی بری چیزوں سے بچ رہنے کے ہیں۔ اصل میں یہ وقوی ہے وقایت سے ماخوذ ہے۔ نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی ابن کعبؓ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں وار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے ہو ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن المیز شاعر کا قول ہے۔

﴿حَلَّ الذُّنُوبَ صَغِيرَهَا﴾ ﴿وَكَبِيرَهَا ذَاكَ النَّقَى﴾
 ﴿وَاصْنَعْ كَمَا شِ فَوْقَ أَرْضِ﴾ ﴿الشُّوكَ يَخْدِرُ مَا يَرَى﴾
 ﴿لَا تَخْقِرَنَّ صَغِيرَةً﴾ ﴿إِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحِصَى﴾

یعنی ”چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو“ یہی تقویٰ ہے ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو، دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں ”ابو درداء“ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کے پورا ہونے کا خواہاں ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہونا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ کا تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے اسے بجالائے اور اگر قسم دیدے تو پوری کر دے کھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کے معانی اور مفہوم: حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں ایمان کہتے ہیں تصدیق کو۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ زہریؓ فرماتے ہیں کہ ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انسؓ کہتے ہیں یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں یہ سب اقوال مل سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زبان سے دل سے اور عمل سے غیب پر ایمان لاتے ہیں اور رب تعالیٰ کا ڈر (اپنے دلوں میں) رکھتے ہیں۔ ایمان کا لفظ شامل ہے اللہ تعالیٰ پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ایمان لانے کو اور عمل کے ساتھ اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ کرنے کو۔ میں کہتا ہوں لغت میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو۔ قرآن کریم میں بھی اس معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا ﴿يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اسی طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو جیسے فرمایا ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ رحمہم اللہ علیہم اجماعاً کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور ابو عبیدہؒ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا اور ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور احادیث بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری کی شرح میں نقل کر دی ہیں فالحمد للہ۔

بعض لوگوں نے ایمان کے معنی اللہ کے ڈر اور خوف کے بھی کئے ہیں جیسے فرمان ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ جو لوگ اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ﴾ الخ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بغیر دیکھے ڈرائے اور جھکنے والادل لے کر آئے ہے۔ حقیقت میں باری تعالیٰ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے جیسے فرمایا ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ رب تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو ذی علم ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایمان دار ہونا ثابت کریں، لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو انکا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال سورہ منافقون میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ الخ یعنی منافق جب تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تیرے دل سے شہادت دیتے ہیں۔ کہ تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ حال ظہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں، در آں حالیکہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں غیب کا لفظ جو

یہاں ہے اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر قیامت پر جنت و دوزخ پر ملاقات الہی پر مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ قنَادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ مراد اس سے وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں مراد اس سے قرآن ہے۔ عطاءؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابو خالدؓ فرماتے ہیں مراد اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں ہیں زید بن اسلمؓ کہتے ہیں مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں اس لئے کہ یہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب کو شامل ہے اور سب پر ایمان لانا واجب ہے۔

ابن مسعودؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے دیکھنے والوں نے تو آپ ﷺ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن اللہ کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے اَلَمْ سے لے کر ﴿مُفْلِحُونَ﴾ تک آیات پڑھیں (ابن ابی حاتم - مردویہ) مستدرک حاکم حاکم اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابو جعد صحابیؓ سے ابن محرزؓ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا اچھا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سنا تا ہوں۔ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ ابو جعد انصاریؓ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے رجاہ بن حیوہؓ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں الوداع کرنے کے لئے ساتھ چلے جب جدا ہونے لگے تو فرمایا تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہیے۔ سنو! میں تمہیں ایک حدیث سنا تا ہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ضرور سناؤ۔ انہوں نے کہا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم دس آدمی تھے۔ ان میں حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپ نے فرمایا تم کیوں نہ کرتے؟ اللہ تعالیٰ کا رسول تم میں موجود ہے وحی الہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے دو پھٹوں کے درمیان کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہیں۔ اس حدیث میں وجاہہ کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو بخاری کی شرح میں خوب واضح کر دیا اس لئے کہ بعد والوں کی تعریف اسی بناء پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ ہی ہیں رضی اللہ عنہم۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے پوچھا تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہیں؟ انہوں نے کہا فرشتے فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لاتے وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ صحابہ نے کہا پھر انبیاء فرمایا انبیاء ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے کہا پھر ہم فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے حالانکہ میں تم میں موجود ہوں۔ سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں کتاب لکھی پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازیؓ نے انہیں منکر الحدیث بتایا ہے لیکن اسی مضمون کی ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابویعلیٰ تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں مروی۔ حضرت انسؓ بن مالک سے بھی اسی کے مثل مروی ہے واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتمؒ میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلمؓ فرماتی ہیں کہ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا۔ دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر کی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ کی طرف ادا کیں۔ جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۷۰﴾

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں

اقامت صلوٰۃ کیا ہے: ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض نماز بجالاتے ہیں رکوع سجدہ تلاوت خشوع اور توجہ کو قائم کرتے ہیں۔ قنادر کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا وضو اچھی طرح کرنا رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ مقاتلؓ کہتے ہیں کہ وقت کا خیال کرنا مکمل طہارت کرنا رکوع سجدہ پورا کرنا تلاوت اچھی طرح کرنا التحیات اور ورود شریف پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ﴿مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا ہے کہ اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ یہ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے حضرت ضحاکؓ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیات جو سورہ ہرات میں ہیں ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

قنادرؓ فرماتے ہیں یہ مال تمہارا۔ پاس اللہ کی امانت ہے عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے زکوٰۃ کو اہل و عیال کے خرچ کو اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہو ان سب کے دینے کو شامل ہے اس لئے پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا ہے اور عام تعریف کی ہے تو ہر طرح کے خرچ کو شامل ہوگی۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید اور اس کی ثنا اس کی بزرگی اس کی طرف جھکنے اس پر توکل کرنے اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال اور غلام ہیں پچھ دور والے اجنبی پس تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنا کیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد (ﷺ) کی رسالت کی گواہی دینا نماز قائم رکھنا زکوٰۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس بارے میں اور بہت سی احادیث ہیں۔ عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس کا استعمال نماز پر ہے جو رکوع سجدہ اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات اور اقسام کے ساتھ بجالی جاتی ہے۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں کہ نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جو وہ رگیں پیٹھ سے لے کر ریزھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعضوں نے کہا یہ ماخوذ ہے صلی سے جس کے معنی ہیں چپک جانا اور لازم ہو جانا جیسے قرآن میں ہے ﴿لَا يَضْلَاهَا﴾ الخ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب ﴿نصليہ﴾ کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر﴾ الخ

یعنی نماز ہر بے حیائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا دعائے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث انشاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْآخِرَةَ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۱۰﴾

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں

مؤمن کی صفات: ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تم سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کا انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث و قیامت، جنت و دوزخ، حساب و میزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی ان ہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں یعنی ایمان دار خواہ عرب مؤمن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہدؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انس اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں ہیں تو ایک، مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واو عطف کا ہو گا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہو گا جیسے ﴿مَسَّحَ اسْمَ﴾ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مؤمنوں کی اور ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ الخ سے اہل کتاب کے مؤمنوں کی صفتیں ہیں۔

سدیؒ نے ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے اور ابن جریرؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو اس سے پہلے تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس وحی پر جو ان کی طرف اتاری گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ﴾ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جب ان پر (یہ قرآن) پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور راہ اللہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ ابن جریرؒ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کے شروع میں مؤمنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں کی ہیں کافر اور منافق اسی طرح مؤمنوں کی بھی دو قسمیں کیں عربی مؤمن اور کتابی مؤمن۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ مجاہدؒ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۃ بقرہ کی پہلی چار آیات مؤمنوں کے اوصاف کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیات منافقوں کے حق میں ہیں عربی ہو یا نجی کتابی ہو یا غیر کتابی ہو انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے، ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور سابقہ انبیاء پر جو کتابیں اتری ہیں ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر چھٹی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں اسی طرح چھٹی

تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں اسی لئے ایمان والوں کو حکم الہی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ﴾ الخ یعنی اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب ان پر اتری ہے اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ﴾ الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ اختیار کرو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ ہمارا معبود ایک ہی ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے اے اہل کتاب! جو ہم نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ یہ اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور جگہ فرمایا اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل کو جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے قائم نہ رکھو۔ ایک اور جگہ تمام ایمان والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ﴿مَنْ الرُّسُولُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ﴾ الخ یعنی رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں تمام ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمانداروں میں ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کی کتابوں پر تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضور ﷺ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اس لئے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اور اس امت کے لوگ بھی سابقہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجمالی طور پر ہوتا ہے جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بیان کریں تو تم نہ اسے سچ کہو اور نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا ہے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بعض مواقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے ایمان کے زیادہ پورا زیادہ کمال والا زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے گو وہ بہ سب اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر زمان پر ایمان لانے کے دوہرا اجر پائے ہوئے ہوں لیکن یہ لوگ بسبب کمال ایمان اجر میں ان سے بھی بڑھ جاتے ہیں واللہ اعلم۔

أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۰﴾

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں

جنتی اور جہنمی کی پہچان: یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا نماز قائم رکھنا۔ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرنا حضور ﷺ پر جو اترا ہے اس پر ایمان لانا آپ ﷺ سے پہلے جو کتابیں اتری ان کو ماننا اور آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے والے نیک عمل کرنا برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ملا ہے اور بیان و بصیرت حاصل ہوا ہے اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح اور نجات ہے۔ ابن عباسؓ نے ہدایت کی تفسیر نور اور استقامت سے کی ہے اور فلاح کی تفسیر اپنی چاہت کو پالنے اور برائیوں سے بچ جانے سے کی ہے۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور اور دلیل اور ثابت قدمی اور سچائی اور توفیق حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات ثواب اور جنت کی بیشکلی کو پانے کے مستحق ہیں اور عذابوں سے دور ہیں۔ ابن جریرؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے ﴿أُولَئِكَ﴾ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گزر چکا اس اعتبار سے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾

الخ پہلے کی آیت سے جدا ہو گا اور مبتدا بن کر مرفوع ہو گا اور اس کی خبر ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ہوگی، لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں۔ ابن عباسؓ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ سے مراد عرب ایماندار ہیں اور اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایماندار ہیں پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیات عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم۔ مجاہدؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ سے یہی مروی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور قرآن کریم کی بعض آیات تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کر دیتی ہیں اور بعض آیات کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں پھر آپ نے ﴿الْم﴾ سے ﴿مُفْلِحُونَ﴾ تک پڑھ کر فرمایا یہ تو جنتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں۔ پھر ﴿إِنَّ الدِّينَ كَفَرُوا﴾ سے ﴿عَظِيمٌ﴾ تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ صحابہ نے کہا ہم ایسے نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (ابن ابی حاتم)

إِنَّ الدِّينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْتَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾

کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے

بد نصیب لوگ؛ یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپالینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے نہ تو انہیں آپ کا ڈرانا سود مند ہو۔ اور نہ ہی نہ ڈرانا یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہ کریں گے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿إِنَّ الدِّينَ حَقٌّ عَلَيْهِمْ كَلِمَتٌ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ الخ یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیات دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا ﴿وَلَنْ آتِيَنَّ الدِّينَ أَوْفُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ﴾ الخ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلہ کو نہیں مانیں گے یعنی ان بد نصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہونے کی ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبی! ان پر افسوس نہ کر تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچادینا ہے۔ ماننے والے نصیب دار ہیں وہ مالامال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی تیرا فرض ادا ہو گیا ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت کو قبول کر لیں، لیکن پروردگار نے فرمادیا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ کی نہیں یہ نعمت بٹ چکی ہے جس کے حصہ میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بد قسمت ہیں وہ ہرگز ہرگز آپ کی اطاعت کی طرف نہ جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں انہیں ڈراوے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی ہتھیٹا نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد ہے، تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کے اقراری ہیں تو بھلا وہ اے نبی! تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہؒ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿الَّذِينَ تَرَىٰ فِي الدِّينِ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾ الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کئے ہیں وہ زیادہ ظاہر ہیں اور دوسری آیات کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے دو پارہ نظر ڈالیں۔ پہلے جملے کی تاکید ہے ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام ﴿إِنَّ الدِّينَ

كَفَرُوا لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾ ہے اور ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ﴾ جملہ معتزضہ ہو جائے گا واللہ اعلم۔

خَمَّ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

مہر کس وجہ سے لگائی: سدیٰ فرماتے ہیں ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر کر دینا۔ قنادہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

مجاہد فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں پر چڑھتے جاتے اور اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں قرآن میں ران کا لفظ ہے ﴿طبع﴾ کا لفظ ہے اور اقبال کا لفظ ہے ﴿رَانَ طبع﴾ سے کم ہے اور طبع اقبال سے کم ہے اقبال سب سے زیادہ ہے۔ مجاہد نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل بہتیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہوں کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا پھنٹ گیا بند ہو گئی پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتی ہے پھر اس میں حق اثر نہیں کرتا اسے رین بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا تکبر ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان ہو رہا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہر ابن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف کان نہ لگایا۔

ابن جریر فرماتے ہیں لیکن یہ مطلب ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

زخشری نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بودی اور وہی ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر کر دے لیکن افسوس انہوں نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ یعنی جب ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور فرمایا ﴿وَنَقَلْبُ أَفْنَدْتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ﴾ الخ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا وہ سر سے ایمان ہی نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں جھنڈتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی آیات بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے ان کے حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے اور یہ سر اسر عدل و انصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے واللہ اعلم۔ قرطبی فرماتے ہیں امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر کرنا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کا بدلہ ہے۔ فرماتا ہے بل ﴿طبع اللہ علیہا بکفرہم﴾ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر مہر لگادی۔ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پٹ کرتا ہے۔ دماغ سے ﴿يَا مُقَلَّبُ الْقُلُوبِ ثَبَّتْ قُلُوبَنَا عَلَىٰ دِينِكَ﴾ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

حضرت حدیفہؓ وان حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بورے کا ایک ٹکڑا جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے اس میں ایک سفید

نقطہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اس دوسرے دل کی سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اب وہ لٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے الخ ابن جریر کا فیصلہ یہ ہے کہ حدیث میں آچکا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اگر وہ باز آگیا تو یہ کرلی رک گیا تو وہ نقطہ ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ گیا تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ الخ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر ”ران“ ہے ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی نسائی ابن جریر) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر خلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر الہی ہو جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ختم اللہ الخ میں ہے یہ نظیر ہے ہماری آنکھوں دیکھی چیزوں کی کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگادیں تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے گی نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکتی ہے نہ اس میں سے کوئی چیز نکل سکتی ہے۔ اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے بننے یا ٹوٹنے کے نہ ہدایت جائے نہ کفر آئے۔ ﴿سَمِعَهُمْ﴾ پر پورا وقف ہے اور ﴿عَلَىٰ انصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ الگ پورا جملہ ہے ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوۃ یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے ﴿فَإِن يَشَاءِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ دوسری جگہ ہے ﴿وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً﴾ ان آیات میں دل اور کان پر ختم (مہر) کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔ بعض نے یہاں غشاوۃ زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل ﴿جَعَلَ﴾ مقدر ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ﴿وَخُوذُ عَيْنٍ﴾ میں شروع سورت کی چار آیات میں مؤمنین کے اوصاف بیان ہوئے پھر ان دو آیات میں کفار کا حال بیان ہوا۔ اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کفار ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جایا کرتی ہیں اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے ہوا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۃ برات اتری اور انہی کا ذکر سورۃ نور وغیرہ میں کیا گیا تاکہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يَخْدَعُونَ

اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ ط

بعض لوگ کہتے تو ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

منافقت کی ابتداء اور اس کی اقسام دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی کے ظاہر کرنے اور برائی کے پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ ابن جریر فرماتے ہیں منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف اس کا باطن ظاہر کے خلاف اس کا آنا جانے کے خلاف اس کی موجودگی عدم موجودگی کے خلاف ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کا خلاف تھا۔ بعض لوگ

ایسے تھے جو زبردستی سے بظاہر کافروں کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے اور یہاں اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانے کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر کے دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب مشرف بہ اسلام ہو گئے، لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے ان میں سے صرف حضرت "عبداللہ بن سلام" نے اس سچے دین کو قبول کیا تھا۔ تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضور ﷺ نے ان یہودیوں سے اور عرب کے بعد بعض اور قبائل سے صلح کر لی تھی۔

اس جماعت کے قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے 'بنو قینقاع' 'بنو نضیر' اور 'بنو قریظہ'۔ بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہو گئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوئی، مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تو اس وقت یہ ناپاک گروہ قائم ہوا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے میں سے، لیکن اوس اور خزرج دونوں سے اپنا بڑا ماننے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ ہو چلا تھا کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف ہو گیا اور اس کی سرداری یوں ہی رہ گئی۔ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی، ادھر اسلام کی روز افزائی ترقی ادھر لڑائی میں کامیابی نے اسے محبوب الحواس کر دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا۔ فوراً بظاہر اسلام قبول کر لیتے اور بہ باہر کافر رہنے کی ٹھان لی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی سب کو یہی ہدایت کی اور اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان منافقین میں بحمد اللہ کئی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال مال و متاع کو اللہ کے نام پر قربان کر کے اللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دے کر آئے تھے ﴿فَرَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیات میں بیان ہے۔ ابو العالیہ "حسن" "قائدہ" اور سدیی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بد خصلتوں کا یہاں ذکر فرمایا تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آجائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بد اور نہایت خوفناک امر ہے جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر دل میں ان کے ایمان نہیں۔ اسی طرح سورہ منافقوں میں بھی کہا گیا ہے کہ ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ﴾ یعنی منافق تیرے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے، لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شان دار اور تاکید الی الفاظ کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلادیا اور فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔

اور یہاں بھی فرمایا ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی دراصل وہ ایمان دار نہیں وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا کارگیری خیال کرتے ہیں۔ جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے قرآن میں ہے ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُخَلِّفُونَ لَهُ﴾ یعنی قیامت والے دن جب کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار! یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کے مقابلے میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دے رہا ہے بعض قاریوں نے ﴿يُخَادِعُونَ﴾ پڑھا ہے اور بعض نے ﴿يُخَادِعُونَ﴾ اور دونوں قرأتوں کے معنی کا مطلب ایک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق

دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتے ہیں وہ تو صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے تو جو ابا کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خوف سے بچنا چاہتا ہے عربی زبان میں ﴿مُخَادِعٌ﴾ کہا جاتا ہے چونکہ منافق بھی قتل قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور باطن کے خلاف ظاہری الفاظ کہتے تھے اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔

ان کا یہ فعل گو کسی کو دنیا میں کچھ دھوکہ بھی دے۔ لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس میں بھلائی اور کامیابی سمجھتے ہیں اور دراصل یہ سب ہوگا ان کے لئے عذاب اور غضب الہی کا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں۔ پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا۔ وہ جس کام کو انجام کا اچھا سمجھتے ہیں وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان پر ناراض ہوگا۔ لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریجؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ دل میں کچھ عمل کچھ عقیدہ کچھ صبح کچھ شام کچھ۔ کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر جاتی ہے کبھی ادھر۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦١﴾

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے

شک و شبہ بذات خود بیماری ہے: بیماری سے مراد یہاں شک و شبہ ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ مجاہدؒ عکرمہؒ حسن بصریؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ عکرمہؒ اور طاؤسؒ نے اس کی تفسیر ریاء سے کی ہے اور ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی، انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ نے اور اضافہ کر دیا جیسے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ﴾ یعنی ایمان والوں کو ایمان میں زیادہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی ان کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مشابہ ہے۔ یہ تفسیر اچھی ہے۔ ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ یعنی ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ ﴿يَكْذِبُونَ﴾ کو ﴿يَكْذِبُونَ﴾ بھی قاریوں نے پڑھا ہے یہ دونوں بد خصلتیں ان میں تھیں جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود پھر بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہ ہے جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بناء پر انہیں قتل کیا گیا ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی۔ جب ان میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو ڈر ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مؤلفۃ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل ہو جاتے تھے ان کو مال عطا فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔ امام مالکؒ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ جیسے محمد بن جہمؒ قاضی اسماعیل اور ابہری نے نقل کیا ہے۔ امام مالکؒ سے بقول ابن ماشون ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم اپنے علم پر فیصلہ

نہیں کر سکتا۔ قرطبی فرماتے ہیں گو علماء میں تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بناء پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ امام شافعی نے ایک اور وجہ بیان کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا منافقین کو قتل کرنے سے باز رہنے کا سبب ان کا اپنے ایمان کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا تھا گو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں۔ لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کو ہٹا دیتا تھا۔ اس کی تائید میں بخاری و مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں ہے کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ **لا الہ الا اللہ** کہیں۔ جب وہ اسے کہہ دیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانیں اور مال بچا لیا اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہو گا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہو گا۔ لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے باوازد بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن وہاں سے جواب ملے گا کہ تھے تو سہی مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار ہی میں رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے پھیر میں پڑ گئے یہاں تک کہ امر الہی آپہنچا۔

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے لگے لپٹے رہیں گے لیکن بالآخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آچکا ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسول کی موجودگی میں ان کی شرارتیں نہیں چل سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ رکھ لیتا تھا لیکن حضور کے بعد اگر اللہ نہ کرے ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ امام مالک کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور ﷺ کے زمانے میں تھا لیکن آج کل تو وہ بے دینی اور زندقیت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندق کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ظاہر کرے تو اس کے قتل سے پہلے اس پر تو یہ پیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندق جو معلم نہ ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی کئی مرتبہ ہو اہو تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر بھی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ اسلام لانا اور یہ رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پالینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان سب باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفاسیر۔

چودہ آدمیوں کے نفاق کا تو آپ ﷺ کو قطعی علم تھا۔ یہ وہ بد باطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دغا بازی کریں۔ آپ ﷺ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں جب حضور اکرم ﷺ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں تو آپ ﷺ کی اونٹنی کو بد کا دیں وہ بھڑک کر بھاگے گی اور حضور گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کو بے نقاب کر دیا۔ حضور نے حضرت حذیفہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتا دیئے پھر بھی آپ ﷺ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے۔ ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے **وَمَنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ** یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں بھی ہیں تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا **لَنْ لَمْ يَنْتَه الْمُنَافِقُونَ** اگر یہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے

نکڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہیں؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكُمْ﴾ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھادیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کے انداز گفتگو سے ہی ان کو پہچان لو گے۔ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور اکرم ﷺ کے سامنے گواہی بھی دی تھی۔ باوجود اس کے جب یہ مرتا ہے تو حضور ﷺ اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں اور اس کے دفن میں اسی طرح شرکت کرتے ہیں جس طرح اور مسلمان صحابیوں کے جنازہ میں شرکت کرتے تھے۔ بلکہ حضرت عمر نے جب حضور کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (ﷺ) اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں۔ ایک صحیح روایت میں ہے کہ مجھے اختیار دیا گیا استغفار کرنے نہ کرنے کا تو میں نے کرنے کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی میں اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ استغفار کرتا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

الْأَنَّهُمْ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں (رکھتے)

فساد کے بانی منافقین: حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور نبی ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں کا ہی ہے۔ ان کا فساد کفر اور معصیت الہی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کرنے کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت الہی میں ہے۔ مجاہدؓ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت اور اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں یہ بد خصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور ﷺ کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں کہ ان منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا اسے کرتے تھے فرائض الہی ضائع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک و شبہ کرتے، اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے مومنوں کے پاس آکر اپنی ایمانداری کی ڈیگیں لیتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے موقع پا کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی امداد و اعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چال کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح جو قرار دیتے تھے۔

قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم نے ایسا کیا یعنی ان کفار سے دوستی کی تو زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے۔ اور جگہ فرمایا

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر مکافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر واضح جحمت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے۔ پھر فرمایا منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔

چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں پر حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے وہ ایمانداروں کو اپنی چکنی چیزیں باتوں سے دھوکہ دیدیتے ہیں اور ان کے بے حقیقت کلمات سے اور ان کی کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ پس یہ منافقین فساد کے بانی ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں کا مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر مکمل طور پر مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے تب تو دنیا کے امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات و فلاح بھی پالیتے۔ باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھوٹ بولتے کہ ہم تو صلح جو ہیں ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرتے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سراسر ان کی جہالت ہے جسے یہ صلح جانتے ہیں وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا امْنَتِ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا امْنَتِ السُّفَهَاءُ أَلَا نَعْلَمُ هُمُ

السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں۔

بیوقوف جاہل: مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کو موت کے بعد جی اٹھنے اور جنت اور دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے کو اللہ اور رسول ﷺ کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجالانے اور برائیوں سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ ملعون فرقہ ایسے ایمان کو بیوقوف کا ایمان بتاتا ہے۔ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہ اور ربیع بن انسؓ، عبدالرحمن بن زیدؓ وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے ﴿سُفَهَاءٌ﴾ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور علماء حکیم کی جاہل کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو ﴿سُفِيهٌ﴾ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَتَوَكَّلْ عَلَى السُّفَهَاءِ﴾ بیوقوفوں کو اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں ﴿سُفَهَاءٌ﴾ سے مراد عورتیں اور بچے ہیں ان منافقوں کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکید احصر کے ساتھ فرمایا بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت و ضلالت کو سمجھ سکتے ہیں اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھا پن اور پدایت سے دوری اور گیا ہوگی؟

وَإِذَا قَالُوا الَّذِينَ امْنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ

مُسْتَهْزِئُونَ ﴿۱۶﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۷﴾

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایماندار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھادیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ بدباطن مسلمانوں کے پاس آکر اپنا ایمان اور دوستی اور خیر خواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال و جان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور نصیحت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے اور جب اپنی جماعت (شیطانوں کی) میں ہوتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں۔ ﴿خَلُّوا﴾ کے معنی یہاں ہیں ﴿انصروا﴾ اور ﴿ذہبوا﴾ اور ﴿خلصوا﴾ اور ﴿مضوا﴾ کے معنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں۔ پس خلوا جو کہ الی کے ساتھ متعدی ہے یہ معنی میں لوٹ جانے کے ہے۔ فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿الی﴾ معنی میں مع کے ہے۔ مگر پہلا معنی ہی ٹھیک ہے۔ ابن جریر کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے شیاطین سے مراد رؤساء بڑے اور سردار ہیں جیسے علماء یہود اور سرداران کفار قریش و منافقین۔

ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ یہ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہدؓ کہتے ہیں شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہؓ فرماتے ہیں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔ ابو العالیہؓ سدیؓ ربیع بن انسؓ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ قرآن میں بھی ﴿شیاطین الانس والجن﴾ آیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ ابو ذرؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں ہم تو ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ ربیع بن انسؓ اور قتادہؓ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بہکنے دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ قیامت کے روز منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ٹھہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ ان کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ جس میں دروازہ ہوگا۔ اس طرف تو رحمت ہوگی اور دوسری طرف عذاب ہوگا۔ اور جگہ فرمان الہی ہے کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جائیں اس تاخیر میں وہ اپنی بد کرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ پس قرآن میں جہاں استہزاء، مسخریت یعنی مذاق، مکر، خدیعت یعنی دھوکے کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی مراد ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں ان کی بد کرداریوں اور ان کے کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آکر کہتا ہے کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الہی ہے ﴿وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ﴾ اور ﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کافر فریب ان ہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی دھوکے، مسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے۔ معنی دونوں لفظوں کے دونوں جگہ جدا جدا ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا﴾ یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے ﴿فَمَنْ اِغْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ﴾ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو، تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی برائی اور زیادتی ظلم ہے اور دوسری برائی اور زیادتی عدل ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے۔ ایک اور مطلب بھی سنیے ادنیٰ میں یہ منافق اپنی اس پلید پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے

تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن و امان مل گیا اب یہ مست بن گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں یہاں گوان کے مال اور ان کی جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذابوں کا شکار بنیں گے۔ ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت کچھ تائید کی ہے اس لئے کہ مکر و دھوکہ اور مذاق جو بلا وجہ ہو اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے ہاں انتقام، مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان سے بدلہ ہے اور ان کی سزا ہے۔ ﴿يَمْذُهُمْ﴾ کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے جیسے فرمایا ﴿اِيْحْسَبُونَ اَنَّآ نَمِذُهُمْ بِهٖ﴾ الخ یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال اولاد کا زیادہ ہونا ان کے لئے کوئی بھلی چیز ہے؟ نہیں نہیں انہیں صحیح شعور ہی نہیں ہے۔ اور فرمایا ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ادھر یہ گناہ کرتے ہیں ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں یہ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ عذاب ہی ہے۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ فَفَتَحْنَا عَلَيْهِمۡ اَبْوَابَ كُلِّ نَسِيٍّ﴾ یعنی جب ان لوگوں نے نصیحت بھلا دی ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترنے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اب گھبرا گئے ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لئے ہی ہیں۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لئے ان کو زیادتی دی جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَنَقَلَبۡ اٰفۡئِدَتَهُمْ﴾ ﴿طٰغِيَانِ﴾ کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو جیسے فرمایا ﴿اِنَّا وَاٰنَا طٰغَاۤءُ الْمَاۤءِ﴾ ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ ﴿عَمۡةٌ﴾ کہتے ہیں گمراہی کو۔ تو اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ ضلالت و کفر میں یہ ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا اب یہ اسی دلدل میں اترے جاتے ہیں اور اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور چھٹکارے کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئی ہیں۔ بھلا ایسے دلدل میں جو ہو اور پھر اندھا بہر اور بیوقوف ہو وہ کیسے نجات پاسکتا ہے۔ آنکھوں کے اندھے کے لئے عربی میں عمی کا لفظ آتا ہے اور دل کے اندھے کے لئے عم کا لیکن کبھی دل کے اندھے کے لئے عمی کا لفظ آتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَلٰكِن تَعْمٰی الْقُلُوْبُ الَّتٰی فٰى الصُّدُوْرِ﴾ لیکن دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رِبِحَتۡ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں مول لے لیا۔ پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے

ہدایت کے بدلہ میں گمراہی: ابن عباسؓ اور مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی۔ حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا۔ مجاہدؓ فرماتے ہیں ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہؓ فرماتے ہیں ہدایت پر گمراہی کو یہ پسند کرتے ہیں جیسے ثمود کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدٰىنٰهُمْ فَاٰتٰتَحُوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ یعنی باوجودیکہ ہم نے ثمودیوں کو راہ دکھادی مگر پھر بھی انہوں نے اس رہنمائی پر اندھے پن کو پسند کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ منافقین ہدایت سے ہٹ کر گمراہی پر آگئے اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی گویا ہدایت کو بیچ کر گمراہی لی۔ اب ایمان لا کر پھر کافر ہوئے ہوں خواہ سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہوا ہو اور ان منافقین میں دونوں قسم کے لوگ تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطٰبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے۔ پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ اور ایسے بھی منافق تھے جنہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا پس نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا نہ راہ ملی بلکہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں اور جماعت کے منبوط قلعہ سے نکل کر فرقت کے تنگ جیل خانہ میں اور امن کے وسیع میدان سے

نکل کر خوف کی اندھیر کو ٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنان جنگل میں آگئے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَ

تَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ ﴿۱۷﴾ صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آئی ہی تھیں جو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے بہرے گو نگے اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹتے۔

منافق شرک و کفر کے اندھیرے میں: مثال کو عربی میں مثیل بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع امثال آتی ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَبَلِّغْ الْأُمَمَاتِ﴾ یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافق جو گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں آگ جلائے اس سے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں پریشانی دور ہو اور فائدے کی امید بندھے کہ دفعتاً آگ بجھ جائے اور یک لخت اندھیرا چھا جائے نہ تو نگاہ کام کرے نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو کسی کی بات کونہ سن سکتا ہو گونگا ہو کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو۔ اب بھلا یہ کیسے راہ پاسکے گا ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت کو چھوڑ کر یہ راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ بصراحت موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سدیؒ سے یہی نقل کیا ہے پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے اس لئے کہ پہلے تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ بجھ گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی؟

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان باری تعالیٰ گزر چکا ہے ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کی کہتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں۔ لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اس آید مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے اس سے اس کا انکار نہیں ہوتا کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔ ممکن ہے ایمان لائے ہوں پھر اس سے ہٹ گئے اور اب دلوں پر مہر لگ گئی ہوں۔ دیکھئے اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا﴾ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے۔ یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا لیکن کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔

ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر آیا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورًا عَيْنُهُمْ﴾ تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف آنکھیں پھیر پھیر کر اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص جو سکرات موت میں ہو۔ اور اس آیت کو بھی دیکھئے ﴿مَا خَلَقْنَاكُمْ وَلَا نَبْنِيكُمْ إِلَّا عَلَىٰ قَدْرٍ وَأَحَدًا﴾ تم سب کا پیدا کرنا اور مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا دوبارہ زندہ کرنا تیسری جگہ توراہ کو سیکھ کر عمل عقیدہ اس کے مطابق نہ رکھنے والوں کی مثال میں کہا گیا ہے ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ گدھے کی مانند ہیں جو کتابیں لادے ہوئے ہے۔ ان سب آیات میں جماعت کی مثال ایک سے دی گئی ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیات میں منافقوں کی جماعت کی مثال ایک شخص سے دی گئی۔ بعض کہتے ہیں تقدیر کامیوں ہے ﴿مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ

قِصَّةِ الَّذِينَ اسْتَوْقَدُوا نَارًا ﴿ یعنی ان کے واقعہ کی مثال ان لوگوں کے واقعہ کی طرح ہے جو آگ روشن کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن جلاتا ہے ایک جماعت کے لئے جو اس کے ساتھ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں ﴿ اَلَّذِينَ ﴾ یہاں معنی میں ﴿ اَلَّذِينَ ﴾ کے ہے جیسے کہ شاعروں کے شعروں میں بھی آتا ہے۔ میں کہتا ہوں خود مثال میں بھی واحد کے صیغہ کے بعد ہی جمع کے صیغے بھی ہیں ﴿ بِنُورِهِمْ ﴾ اور ﴿ تَرَوْهُمُ ﴾ اور ﴿ لَا يُؤْجَعُونَ ﴾ ملاحظہ ہوں اور اس طرح کلام میں اعلیٰ فصاحت اور بہترین خوبی آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے گیا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جو نور نفع دینے والا تھا وہ تو ان سے ہٹا لیا اور جس طرح آگ کے بجھ جانے کے بعد تپش اور دھواں اور اندھیرا رہ جاتا ہے اسی طرح ان کے پاس نقصان پہنچانے والی چیز یعنی شک و کفر و نفاق رہ گیا نہ تو راہ راست کو خود دیکھ سکیں نہ دوسرے کی بھلی بات سن سکیں نہ کسی سے بھلائی کا سوال کر سکیں۔ اب پھر لوٹ کر ہدایت پر آنا محال ہو گیا۔ اس کی تائید میں مفسرین کے اقوال سنئے۔

ابن عباسؓ اور بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور آس پاس بھلائی برائی دیکھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے روشنی جاتی رہے اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک و کفر کی ظلمت میں تھے پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ دیکھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور حرام و حلال خیر و شر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت و کفر ہے۔ یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ایمانداری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو مثال میں آس پاس کی چیز کے روشن کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عطاء خراسانیؒ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کا اندھا پن اس پر غالب آ جاتا ہے۔ عکرمہؒ عبدالرحمنؒ حسنؒ سدیؒ اور ربیعؒ سے بھی یہی منقول ہے عبدالرحمن بن زیدؒ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگاٹھتے ہیں جس طرح آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن کفر پھر اس روشنی کو کھودیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ یہ سب اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ ایمان لاپچکے تھے پھر کفر کیا۔ اب ابن جریرؒ کی تائید میں جو تفسیر ہے اسے بھی سنئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پالیتے ہیں مسلمانوں میں نکاح و ورثہ اور تقسیم مال غنیمت ہونے لگتا ہے لیکن مرتے ہی یہ عزت چھن جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں جب منافق ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ پڑھتا ہے دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر جہاں شک کیا نور گیا جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں روشنی رہی جہاں جب بجھ گئیں تو روشنی ختم ہو گئی۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔ قتادہؒ کہتے ہیں ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا۔ امن و امان اور کھانا پینا بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک و نفاق اس سے یہ راحتیں چھین لیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا روشنی دور کر دیتا ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ کہنے سے منافق کو دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین و ورثہ کی تقسیم جان مال کی حفاظت وغیرہ مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جزا اور اس کے کاموں میں حقیقت نہیں ہوتی اس لئے موت کے وقت وہ سب منافع سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی جو بجھ جائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا مرنے کے بعد عذاب ہونا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھتے ہیں زبان سے کہتے ہیں اور

ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے ہدایت کا دیکھنا اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں موت کے وقت منافق کی بد اعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کوئی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو۔ وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے اندھے ہیں راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے نہ تو انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَبْعِهِمْ وَأَبْصَارُهُمْ إِنَّا لَنَعْلَمُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾

قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو، موت سے ڈر کر گڑا کے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بے کار کر دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

مومن کافر اور منافق: یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں۔ تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ صیب کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کئے لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برے۔ ظلمات سے مراد شک اور کفر و نفاق ہے اور رعد یعنی گرج جو اپنی خوفناک آواز سے دل ہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر خوف گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿يَخْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں لیکن دراصل وہ ڈر پوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً وہ اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ بجلی سے مثال دی ہے اس نور ایمان کی جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے تو وہ اس وقت اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن یہ انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ﴾ یعنی کیا تمہیں لشکر کی فرعون اور ثمود کی روایات نہیں پہنچیں۔ پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر جھٹلانے میں ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی اور ان منافقین کی بیٹائی کی کمزوری اور ان کا ضعف ایمان ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیات ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے

عیوب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مہبوت کر دیں گی جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی ایمان جب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر بھی جہاں شک و شبہ آیا کہ دل میں کدورت اور ظلمت بھری گئی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا کہ یہ اٹلے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد الہی ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملی تو مطمئن ہوئے اور اگر برائی پہنچی تو اسی وقت پھر گئے الخ۔ ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے واللہ اعلم۔ روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا۔ بعض کو کئی کئی میلوں تک کا بعض کو اس سے بھی زیادہ کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہو اور کبھی اندھیرا کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سی دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا۔ یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں فرمان ربانی ہے ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ذرا کو ہمیں بھی آ لینی دو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ الخ۔ اور مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ﴾ یعنی اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہو گا اور کہا جائے گا تمہیں آج کے دن جنتوں کی خوشخبریاں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ اور فرمایا جس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں جانب ہو گا وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ان آیات کے بعد اب اس مضمون کی احادیث بھی سن لیجئے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں بعض مومنوں کو مدینہ سے لے کر عدنان تک نور ملے گا بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوتی ہوگی (ابن جریر) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت کے برابر کسی کو قد آدم کے برابر کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو کبھی بجھ جاتا ہو کبھی روشن ہو جاتا ہو (ابن ابی حاتم) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں انہیں نور ملے گا ان کے اعمال کے مطابق جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ کے برابر ہو گا بعضوں کا کھجور کے برابر اور سب سے کم نور والا وہ ہو گا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہو گا کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا (ابن ابی حاتم) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب توحید والوں کو قیامت کے دن نور ملے گا جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موصوڈر کر کہیں گے ﴿رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورًا﴾ اے اللہ ہمارے نور کو پورا کر (ابن ابی حاتم) ضحاکؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوا خالص مومن وہ جن کا بیان اگلی چار آیات میں ہوا۔ خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیات میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے کبھی بجھ جاتا ہے۔ ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

اسی طرح سورۃ نور میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد پس روشنی پر روشنی نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ

سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ پاس آکر دیکھتا ہے لیکن کچھ بھی نہیں پاتا۔ پھر اور موقع پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو سخت جہالت میں گرفتار ہیں ان کی مثال میں فرمایا مانند سخت اندھیروں کے جو گہرے سمندر میں ہوں جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوں ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ کی طرف سے نورت ہو اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ پس کفار کی بھی دو قسمیں کیں ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے دوسرے ان کی تقلید کرنے والے جیسے سورۃ حج کے شروع میں ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ﴾ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں علم بغیر جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور جگہ فرمایا ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ﴾ بعض لوگ علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ سورۃ واقعہ کے شروع میں اور آخر میں سورۃ النساء میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں 'سابقین اور اصحاب یمن یعنی مقرب بارگاہ الہی اور اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیات سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو جماعتیں ہیں 'مقرب اور ابرار۔ اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں 'کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے۔ اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں خالص اور کچے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں ہیں جس میں تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے بات کرنے میں جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا امانت میں خیانت کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ منافق عملی ہو یا اعتقادی جیسے کہ آیت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے اس کا بیان پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل چار قسم کے ہیں ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں 'تیسرے وہ دل جو لٹے ہیں 'چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل تو مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور منافق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آجاتا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب و سزا کرے اگر چاہے تو معاف کر دے۔ یہاں قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب اور اپنی جبروت سے ڈرایا ہے اور کہہ دیا کہ وہ انہیں گھیر لینے پر قادر ہے۔ قدر کے معنی قادر کے ہیں جیسے عظیم کے معنی عالم کے ہیں۔ ابن جریرؓ فرماتے ہیں یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ "او" معنی میں "و" کے ہے یعنی اور جیسے فرمایا ﴿وَلَا تَطْعَمْنَهُمْ إِمَّا أَوْ كَفُورًا﴾ باللفظ "او" اختیار کے لئے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کرو خواہ وہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں او یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے جالس الحسن أو ابن مسيرين زخريؒ بھی یہی توجیہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جو کسی مثال چاہو بیان کرو دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی قسموں کے ہے ان کے احوال و صفات طرح طرح کے ہیں جیسے سورۃ برات میں ﴿وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ﴾ کر کے انکی بہت سی قسمیں بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کئے ہیں۔ تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے

احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں، واللہ اعلم۔ سورۃ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں ایک کفر کی طرف بلانے والے دوسرے مقلد فرمایا ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بَقِيعَةٍ﴾ پھر فرمایا ﴿أَوْ كظُلْمَاتٍ﴾ پس پہلی مثال یعنی ریت کے تودے کی کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں دوسری مثال مقلدوں کی ہے جو سخت جہالت میں مبتلا ہیں واللہ اعلم۔

بَيَاتُهَا النَّاسُ عَبْدٌ وَارَبُّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۱۱ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۱۲

اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا یہی تمہارا اچھاؤ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو

اللہ تعالیٰ کا تعارف: یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا اسی نے ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں اسی نے زمین کا فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑیں اور آسمان کو چھت بنایا جیسے دوسری آیت میں آیا کہ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَفْحًا مَحْفُوظًا﴾ یعنی آسمان کو محفوظ چھت بنایا باوجود اس کے وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ پانی آسمان سے اتارنے کا مطلب بادل سے نازل فرمانا ہے اس وقت جب کہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے قرآن مجید میں جا بجا اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں بیماری بیماری صورتیں عطا فرمائیں اور پاکیزہ روزیاں پہنچائیں یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے۔ پس سب کا خالق سب کا رازق سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی وجہ سے وہی مستحق ہے ہر قسم کی عبادت کا اور شریک نہ کئے جانے کا اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

جو اللہ اور رسول چاہے کہنا بھی شرک ہے: بخاری و مسلم میں حدیث ہے ابن مسعودؓ پوچھتے ہیں حضور ﷺ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خالق ہے شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذؓ والی حدیث میں ہے کہ کیا جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ اللہ اکیلا چاہے۔

طفیل بن خضرمہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی) فرماتے ہیں میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا میں نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں میں نے کہا افسوس تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد (ﷺ) چاہیں۔ پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس

گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا۔ پھر دربار نبوی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے بھی واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ حضور اکرم ﷺ اب کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض سے بیان بھی کیا میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا یاد رکھو اب ہرگز ہرگز "اللہ چاہے اور اس کا رسول" نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے (ابن مردویہ)۔

ایک شخص نے رسول ﷺ سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے یوں کہہ "جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے" (ابن مردویہ) یہ تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں توحید باری کے بچاؤ کے لئے یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں واللہ اعلم۔ تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند بن جاؤ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جو نہ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جو رات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو۔ انسان کا یہ کہنا کہ "قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپ کی حیات کی" یہ بھی شرک ہے۔ انسان کا یہ کہنا کہ "اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے" یہ بھی شرک ہے آدمی کا یہ قول کہ اگر بطن گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی یہ بھی شرک کا کلمہ ہے۔ کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ یہ بھی شرک ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا یہ سب کلمات شرک ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے تم اچھے لوگ ہو اگر تم شرک نہ کرتے تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں انذاد کے معنی شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں تم توراہ و انجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لا شریک ہے پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پانچ احکام: مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ قریب تھا کہ وہ اس میں ڈھیل کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر خود کار بند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ پس یا تو خود آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت کر گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ کیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے۔ پس حضرت یحییٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا۔ جب مسجد پر ہو گئی تو اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود عمل کر کے تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔

(۱) یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے غلام کام کاج کرے اور جو کچھ پائے اسے کسی اور کو دیدے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا تمہیں روزیاں دینے والا تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہی ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ نماز کو ادا کرو اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کے منہ کی طرف ہوتا ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔

(۳) یہ کہ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

(۴) یہ کہ صدقہ دیتے رہا کرو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور گردن مارنے کے لئے لے چلے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم زیادہ دے دلا کر اپنی جان چھڑائی

(۵) حکم اس کا یہ ہے کہ بکثرت اس کے نام کا ورد کرو اس کا ذکر کیا کرو۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن و امان پالیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری تعالیٰ نے مجھے دیا ہے 'مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا (اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمان حاکم وقت کے احکام) سنا اور ماننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا۔ جو شخص جماعت سے ایک ہاشت بھر نکل گیا اس نے اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکا ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور اپنے آپ مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں 'مسلمین مومنین اور عباد اللہ۔ یہ حدیث حسن ہے۔

اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں روزیاں دیتا ہے۔ پس عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہئے کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے ہر قسم کی عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔

امام رازیؒ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے اور فی الواقع یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود پر۔ زمین اور آسمان کی مختلف شکل و صورت 'مختلف رنگ' مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات ان میں سے ہر ایک کا نفع والا ہونا اور ان کے خالق کا وجود کا خاص حکمت کا حاصل ہونا اور اس کی عظیم الشان قدرت اور حکمت اور زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے۔

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ کے ہونے پر کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا: يَا سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيرِ. وَإِنَّ أَثَرَ الْأَقْدَامِ لَيَدُلُّ عَلَى الْمَسِيرِ. فَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ. وَأَرْضٌ ذَاتُ فَجَاجٍ. وَبِحَارٌ ذَاتُ أَمْوَاجٍ. أَلَا يَدُلُّ ذَلِكَ عَلَى وُجُودِ اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ؟ یعنی یعنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان کو زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان یہ راستوں والی زمین اور موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟

امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا آوازوں کا جداگانہ ہونا نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ "چھوڑو میں ابھی کسی اور سوچ میں ہوں لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ

برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گزر جاتی ہے، ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کیسی بات کرتے ہیں کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے ساز و سامان نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا "افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا اور آسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

امام شافعیؒ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیزے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے اور چرتے چگتے ہیں اسی کو کھا کر کیزے میں سے ریشم نکلتا ہے، مکھی شہد دیتی ہے ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں بیگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں وہی موجد اور صانع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں "سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں کانوں والا بولتا چلتا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے، کہو اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں" مطلب آپ کا یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو جو طرف سے بند ہے پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔

ابو نواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو کہا "آسمان سے بارش کا برسنا اور اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز کا قول ہے افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکی ذات کے جھٹلانے پر لوگ کیسی دلیری کر جاتے ہیں حالانکہ ہر ہر چیز اس پروردگار کی ہستی اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو ان کی بلندی ان کی وسعت ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظر ڈالو۔ ان کے چمکنے دکنے ان کے چلنے پھرنے اور ٹھہر جانے ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ پھر سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے جن کے رنگ جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ پھر قسم قسم کی اور مخلوقات پر نظر ڈالو پھر اوسر سے ادھر پھر جانے والی کھیتوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو کھیتوں اور باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول مزے مزے کے میووں پر غور کرو زمین ایک پانی ایک لیکن شکلیں صورتیں اور خوشبو میں رنگت ذائقہ اور فائدہ میں الگ الگ ہیں۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات باوازل بلند نہیں کہہ رہی ہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی؟ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ عزوجل نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں اس کی پرزور حکمتوں اس کی لاشائی رحمتوں اس کے بے نظیر انعاموں اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں۔

ہمارا اقرار ہے کہ اس کے سوا کوئی پالنے پوسنے والا نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے اور حفاظت کرنے والا نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہ اس کے سوا کوئی معبود لاشک باں دنیا کے لوگو! سن لو! میرا توکل اور بھروسہ اسی پر ہے میری اتابیت اور التجا اسی کی طرف ہے! میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے۔ میری تمناؤں کا مرکز میری امیدوں کا آسرا میرا مددگار اور بجاوہی ایک ہے اسی کے دست رحمت کو دیکھتا ہوں اور ہر وقت اسی کا نام لیتا ہوں۔

وَأِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۶﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۷﴾

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ! تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو اسے سچا مان کر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

نبوت کی تصدیق: توحید کے بیان کے بعد اب نبوت کی تصدیق ہو رہی ہے کفار کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن تو نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ جب تم اسے نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ ﴿شُہدَاء﴾ سے مراد مددگار اور رفیق ہیں جو ان کی مدد کیا کرتے تھے تو مطلب یہ ہوا کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو۔ پھر اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں داں فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی امداد لے لو۔

قرآن کریم کا اعجاز: قرآن کریم کے اس معجزے کا اظہار اور اس طرز کا کلام کئی جگہ ہے سورہ قصص میں ہے ﴿فَاتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ یعنی اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت و قرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا۔ سورہ سجان میں فرمایا ﴿فَلِئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِهِ﴾ یعنی اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کر کے یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی ان کے امکان میں نہیں سورہ ہود میں فرمایا ﴿إِنَّمَا يَقُولُونَ افْتَرَاهُ﴾ فُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ﴾ یعنی کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو خود اس پیغمبر ﷺ نے گھڑ لیا۔ تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ۔ سورہ یونس میں ہے ﴿وَمَا تَحَاٰنَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں بلکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب کی تفصیل ہے جس کے اللہ کی کلام ہونے میں کوئی شک نہیں جو رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ بتاتے ہیں؟ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر (اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے) ایک چھوٹی سی سورت جیسی کوئی ایک سورت تو بنا لاؤ تاکہ تمہارا سچ ظاہر ہو۔

یہ تمام آیات تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلے میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ منورہ میں بھی اس

مضمون کو دہرایا گیا جیسے اوپر کی آیت میں مثلہ کی ضمیر کو بعض نے تو قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس جیسی بنا لاؤ۔ بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ جیسا کوئی امتی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ باوجود کچھ پڑھا ہو انہ ہونے کے وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ عمر بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؓ، قتادہؓ، حسن بصریؓ اور اکثر محققین کا یہی قول ہے۔ ابن جریر طبریؒ، زحمریؒ، رازیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اس کی ترجیح کی بہت سی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اجتماعی اور انفرادی طور پر خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں خواہ اہل کتاب اور پڑھے لکھے لوگ ہوں۔ پھر اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا اس کی مثل نہ لاسکنے کی پیش گوئی کرنا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات۔ پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشینگوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں تھے میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا جو لوگ آپ کی اور آپ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے وہ درحقیقت اس سے عاجز آگئے نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے نہ دس سورتوں کا بلکہ نہ ایک سورہ کا۔

پس ایک معجزہ تو یہ کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے دوسرا معجزہ یہ کہ یہ پیشین گوئی بھی صحیح ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے گو سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کریں اور ایسا ہی ہوا تو اس زمانے میں کسی کی یہ جرات ہوئی نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا اور بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کو ایک نظر دیکھنے سے اس کے ظاہری اور باطنی لفظی و معنوی وہ وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں۔ خود رب العالمین فرماتا ہے ﴿الرَّحْمٰنُ كَتٰبًا اٰخِیْمًا اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فٰصِلٰتٌ﴾ یعنی اس کتاب کی آیات جو حکمت والے خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے محکم مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں۔ پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بے نظیر ہے جس کے مقابلے اور معارضے سے جس کی نظر اور مثل سے دنیا عاجز اور بے بس ہے۔

اس پاکیزہ کلام میں سابقہ خبریں جو دنیا پر پوشیدہ تھیں وہ ہو بہو بیان کی گئیں۔ آنے والے امور کے تذکرے ہوئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے تمام بھلائیوں کے احکام اس میں تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے۔ صحیح ہے ﴿وَقَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ تیرے رب کے کلام میں پورا پورا ہے۔ یہ پاکیزہ قرآن سارے کا سارا حق و صداقت، عدالت و ہدایت سے پر ہے نہ اس میں وہی تباہی باتیں نہ اس میں ہنسی مذاق کذب و افتراء ہے جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر و قیمت ہی اسی پر ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ ﴿اَعْدَبُ اَعْدَبُ﴾ جتنا جھوٹ زیادہ اتنا ہی مزے دار۔ تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پر زور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف توصیف میں ہوں گے یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑھی چیز ہی مدح و تعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش و زیبائش یا بہادری کے پر مبالغہ گیت یا لڑائیوں کی چال بازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں نہ دین کا نہ دنیا کا۔ صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے اور بس نہ تو اخلاق پر ان سے کوئی عمدہ اثر نہ اعمال پر پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لایعنی اور فضول بکواس کے۔

اس کے مقابلہ میں قرآن کریم پر نظر ڈالو تو تم دیکھو گے کہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت، دین و دنیا کے نفع اور خیر و برکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب و تہذیب الفاظ کی بندش عبارت کی روانی معانی کی نورانیت، مضمون کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے

اس کی خبروں کی حلاوت اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار اعلیٰ کمال کا نمونہ اور اسکی تفصیل معجزے کی جان ہے۔ اس کا کسی چیز کو ہر ناقذ مکر کا مزہ دیتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے بار بار پر سحر اور دل نہ اکتائے 'مزرے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں یہ قرآن کریم کا ہی خاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ اس مٹھاس کا مزہ کوئی ان سے پوچھے جنہیں عقل و حواس علم و فضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا ہو۔ اس کا عذابوں سے ڈرانا اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلادے انسانی دل تو چیز کیا ہیں۔ اس کے وعدے اور خوشخبریاں نعمتوں اور رحمتوں کا بیان دلوں کی پڑمردہ کلی کو کھلا دینے والا شوق و تمنا کے دے بچے جذبات کو ابھار دینے والا 'جنتوں اور رشتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے کر دینے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ﴾ کوئی کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چیکے چیکے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ﴾ اس بیشکلی والی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں اثر جائے۔ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے ﴿أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ اور فرمایا ﴿أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُخْصِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ﴾ کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمان والا اس پر قادر نہیں؟ اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر و توبیخ ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿فَكَلَّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ﴾ ایک ایک کو ہم نے اس کی بد کرداریوں میں پکڑ لیا۔ بطرز و عطا و نصیحت بیان ہوتا ہے ﴿أَفَرَأَيْتُ إِنْ مَسَّعْنَاهُمْ سِنِينَ﴾ یعنی اور ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ بھی دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ و جلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔ غرض کوئی کہاں تک بیان کرے جس مضمون کو کیا ات کمال تک پہنچا کر چھوڑا ہے اور طرح طرح کی فصاحت و بلاغت حلاوت و حکمت سے معمور کر دیا ہے۔ حکم احکام روک ٹوک کو دیکھئے ہر حکم اچھائی بھلائی نفع اور پاکیزگی کا جامع ہر ممانعت قباحت ردالت و ناسات اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعود وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سنو تو کان لگا دو کہ یا تو کسی اچھائی کا حکم ہوگا یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا۔ خود پروردگار عالم فرماتا ہے ﴿يَا مَعْزُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی بھلائیوں کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے خبیث چیزیں حرام کرتا ہے وہ جو جھل بیڑیاں جو پاؤں میں تمہیں وہ سخت طوق جو گلے میں تھے اتار پھینکتا ہے الخ۔ قیامت کے بیان کی آیات وہاں کے ہولناک منظر جنت و دوزخ کا بیان رحمتوں اور رحمتوں کا پورا پورا وصف اولیاء اللہ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں اللہ کے دشمنوں کے لئے طرح طرح کے عذاب کہیں بشارت ہے کہیں ڈراوا ہے کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے کہیں بد کاریوں سے ممانعت ہے کہیں دنیا کی طرف زہد کرنے کی کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیات ہیں جو ہر اور است و کھاتی بہترین رہنمائی کرتی ہیں اور "اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاتی ہیں اور دلوں کو جلا (فرحت) دیتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات زائل کرتی ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے تابعین بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے (اس لئے کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور ﷺ کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے) حضور ﷺ کا یہ فرمان کے میرا معجزہ وحی ہے

جو میں دیا گیا ہوں سے مطلب یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہوں اور یہ قرآن کریم مجھی کو ملا ہے جو اپنے معارضے اور مقابلہ سے تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ وہ اکثر علماء کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت آپ ﷺ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر علاوہ اس معجزے کے بھی اس قدر دلائل ہیں جو گئے بھی نہیں جاسکتے ' واللہ الحمد والمند۔ بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے طریقہ پر بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک وہ کہتے ہیں کہ یا تو یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے ' انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ وہ اس جیسا بنا سکے ' انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت و طاقت ہی نہیں۔ یا یہ کہ گو اس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں ' لیکن باوجود اس کے انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں ' وہ دین حق کو منانے کے لئے ہر وقت ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لئے تیار ہیں ' لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ قرآن کریم اللہ کی جانب سے ہے کہ باوجود قدرت و طاقت ہونے کے وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ گو یہ دوسری وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن کا معجزہ ہونا ثابت ہے جو بطریق تنزیل حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے۔

امام رازی نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ ﴿ وَفُؤَذِ ﴾ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے جیسے لکڑیاں وغیرہ۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے ﴿ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴾ ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں۔ اور جگہ فرمایا تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں تم سب اس میں وارد ہو گے اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے۔ دراصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ﴿ حَجَارَةٌ ﴾ کہتے ہیں پتھر کو۔ یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کی زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے۔ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم مستدرک) ابن عباس " ابن مسعود " اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے سدی نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کو بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن علی اور ابن جریر بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے مراد وہ پتھر ہیں جن کی تصویریں وغیرہ بنائی جاتی تھیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی جیسے اور جگہ ہے ﴿ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہو قرطبی اور رازی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر کو آگ لگنا کوئی نئی بات نہیں اس لئے مراد یہی اصنام و انداد بت اور جو پتھر کسی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجے جاتے ہوں ہے۔ لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں اس لئے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہوگی اس کا بھڑکنا اور جلنا اور سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ علاوہ اسکے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے۔ اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت میں مقصود آگ کی تیزی اور اسکی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اسکے بیان کے لئے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا ہی زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو۔ قرآن کریم میں ہے ﴿ تَلْكُمَا حَبْتٌ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴾ جہاں شعلے ہلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا۔ ایک حدیث میں ہر موذی آگ میں ہے ' لیکن یہ حدیث محفوظہ معروف نہیں۔ قرطبی فرماتے ہیں اس

کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذا دے جہنمی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ ﴿أَعْدَتْ﴾ یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو تیار کئے گئے ہیں کافروں کے لئے۔ ابن مسعود کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا آگ جلانے کے لئے ہے اور آگ کے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے لہذا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہو گیا۔ ابن عباس فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو کفر پر ہو اس کے لئے وہ آگ تیار ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ ﴿أَعْدَتْ﴾ کا لفظ ہے اور اس کی دلیل میں بہت سی احادیث بھی ہیں۔

ایک مطول حدیث میں ہے جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہو۔ دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دوسانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے کی اور گرمی میں دوسر سانس لینے کی اجازت دی گئی۔ تیسری حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی۔ حضور ﷺ سے پوچھا یہ کس چیز کی آواز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا آج وہ پہنچا۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا۔ پانچویں حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے شب معراج میں جہنم کو اور اس کے عذابوں کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح کی اور بہت سی صحیح متواتر احادیث مروی ہیں۔ معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے نہیں مانتے اور اس کے خلاف کہتے ہیں اور قاضی اندلس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اور سورہ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت اس کے مانند لاؤ یہ شامل ہے چھوٹی بڑی ہر سورت کو اس لئے کہ عربی کے قواعد کے مطابق جو اسم نکرہ ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کی تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ پس بڑی اور چھوٹی سورتوں ہر ایک میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

امام رازی "اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورہ کا لفظ سورہ کوثر اور سورہ العصر اور سورہ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ جیسی چھوٹی سورتوں کو بھی شامل ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کو بنا لینا ممکن ہے اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا نرمی ہٹ دھرمی اور بیجا طرفداری ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجز نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لئے پسند کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جاسکیں اور ان کا تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل اس لئے کہ باوجود ان جیسی سورتوں کے بنالانے پر انسانی قدرت ہونے کے پھر لوگوں کا نہ بنا سکتا باوجود سخت ترد شمنی اور ہر طرح کی زبردست کوشش کے اس بات پر دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے۔ یہ تو ہے کلام رازی کا۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر چھوٹی بڑی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی نظیر بنانے سے محض عاجز اور بالکل ناطاقت ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر اور عقل و ہوش سے صرف سورہ ﴿وَالْعَصْر﴾ کو سمجھ لیں تو سب کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمرو بن عاص جب وفد میں مسلمانہ کذاب کے پاس گئے اور ابھی یہ خود بھی مسلمان نہ ہوئے تو مسلمانہ نے ان سے پوچھا کہ مکہ سے تم آ رہے ہو بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ اس نے کہا ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے۔ پھر سورہ العصر پڑھ کر سنائی تو مسلمانہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا کہ مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے اس نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا ﴿يَا وَيْرِيَا وَيْرِيَا وَيْرِيَا اَنْتَ اَذْنَانٌ وَصَدْرٌ وَسَانْرِكٌ حَقْرٌ فَقْرٌ﴾ یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سواد و کانوں

اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ باقی تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ پھر فخر یہ کہنے لگا کہو اسے عمر و اکیسی کہی؟ اس نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو اسے تو تو خود جانتا ہے کہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں وہ حکمتوں سے بھرپور کلام۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَدَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
كُلَّ يَوْمٍ تَوَارَوْا مِنَهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأْتُوا بِهِ
مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْزَالٌ مُطَهَّرٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوش خبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دینے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم شکل لائے جائیں گے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ایمان والوں کے لئے خوشخبری اور جنت کی چند نعمتیں: چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان ہوا قرآن کے مثالی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں اور صحیح تر قول بھی یہی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر کا کفر کے ساتھ ایمان کا۔ نیلوں کے ساتھ بروں کا اور بروں کے ساتھ نیلوں کا ذکر ضرور آتا ہے۔ جس چیز کا بیان ہوتا ہے ساتھ ہی اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کو ذکر کر کے اسکی نظیر کو بھی کہیں بیان کیا گیا ہے۔ یہ معنی ہیں ﴿مُتَشَابِهٌ﴾ ہونے کے اور یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں اسے مثالی بھی کہا گیا ہے اور تشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں کے نیچے نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے بہنا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں، حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے تھے ہیں اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لؤلؤ اور جوہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔ حدیث میں ہے جنت کی نہریں مشک پھاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت عبد اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم یہ دیئے گئے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابن جریر بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی کل بھی یہی دیئے گئے تھے یہ اس لئے کہیں گے کہ ظاہری صورت و شکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے۔ یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا کھائیں گے پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے۔ فرشتے کہیں گے کہ کھائے اگرچہ شکل و صورت میں یکساں ہے لیکن مزہ اور ہی ہے۔ فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے اس کے نیلے مشک کے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لالا کر پیش کر رہے ہیں وہ گھارے ہیں وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے چکھ کر دیکھئے۔ کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائیں گے۔ دنیا کے میووں سے بھی نام اور شکل و صورت میں ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہوگا۔

ابن عباس کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں دنیا کی چیزیں اور کہاں جنت کے خوان نعمت؟ یہاں تو فقط

نام ہی ہے۔ عبدالرحمن کا قول ہے کہ دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تو لذت کچھ اور ہی ہوگی۔ وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی وہ گندگی ناپاکی حیض و نفاس پیشاب پاخانہ تھوک رینٹ مٹی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی۔ ایک قول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام بھی پہلے حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتے ہی یہ بلا آگئی۔ لیکن یہ قول سنداً غریب ہے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں۔ حاکم اس حدیث کو صحیح اور شرط شیخین پر بتاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں اس کے ایک راوی عبد الرزاق بن عمر برزعی ہیں جنہیں ابو حاتم نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ قتادہ کا قول ہے واللہ اعلم۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ یہ نہ نعمتیں فنا ہوں نہ نعمتوں والے فنا ہوں نہ نعمتیں ان سے چھینیں نہ یہ نعمتوں سے الگ کئے جائیں۔ نہ موت سے خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے۔ اللہ رب العالمین جو اواد کریم برور حیم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر کرے آمین۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا فُوقَهَا فَمَا الَّذِينَ آمَنُوا
فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ
بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٦٧﴾
الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ
يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٨﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی؟ اسی کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں: ابن عباسؓ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی آیات میں دو مثالیں منافقوں کی بیان ہوئیں یعنی آگ کی اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا۔ اس پر یہ دونوں آیات نازل ہوئیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں مکرزی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیات اتریں اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، لیکن اس سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی حالانکہ ایسا نہیں واللہ اعلم۔ اور بزرگوں سے بھی اسی طرح کا شان نزول مروی ہے۔ ربیع فرماتے ہیں کہ یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی بیان کی گئی ہے۔ مچھر جس وقت تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے جہاں موٹا تازہ ہو امر۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آجاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ جب یہ ہماری نصیحت

بھول جاتے ہیں ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں۔ اب دفعتاً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں (ابن جریر ابن ابی حاتم) ابن جریر نے پہلے قول کو پسند کیا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی سی مثال چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکھتا ہے نہ شرماتا ہے۔ لفظ ما یہاں پر کسی کے معنی بتانے کے لئے ہے اور ﴿بَعُوْضَةٌ﴾ کا زبردست کی بناء پر عربی کے قاعدہ کے مطابق ہے جو ادنیٰ چیز پر صادق آسکتا ہے۔ یا نکرہ موصوفہ ہے اور ﴿بَعُوْضَةٌ﴾ صفت ہے۔ ابن جریر ما کا موصول ہونا اور بعوض کا اسی کے اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں۔ اور کلام عرب میں یہ بکثرت شائع ہے کہ وہا اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیدیا کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی یہ نکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرف۔ جیسے حسان ابن ثابتؓ کے شعروں میں ہے۔

﴿يَكْفِيٰ بِنَا فَضْلًا عَلٰی مَنْ غَيْرِنَا﴾ ﴿حُبُّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اِيَّانَا﴾

ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حب نبی ﷺ سے پر ہیں

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿بَعُوْضَةٌ﴾ منصوب ہو حرف جار کی بناء پر اور اس سے پہلے بین کا لفظ مقدر مانا جائے۔ کسائی اور فراء اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ضحاک اور ابراہیم بن عبدہ ﴿بَعُوْضَةٌ﴾ پڑھتے ہیں۔ ابن جنی کہتے ہیں کہ یہ ما کا صلہ ہو گا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے ﴿تَمَامًا عَلٰی الَّذِيْ اَحْسَنَ﴾ میں ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز جیسے کسی شخص کی بخیلی وغیرہ کا ذکر کرے اور دوسرا کہے کہ وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہ یہی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے اگر دنیا کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک ایک ٹھہر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لئے کہ بھلا ٹھہر سے ہلکی اور چھوٹی چیز کیا ہوگی؟ قنادہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ کسی مسلمان کو کاٹنا جیسے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی یہ لفظ ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکھتا ہے اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے کوئی عار نہیں۔ ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے کان لگا کر سنو جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے عابد اور معبود دونوں ہی بے حد کمزور ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں مگڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے۔ اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال دی پاک درخت سے جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ تعالیٰ ہر وقت پھل دیتا ہو۔ ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لئے بیان فرماتا ہے۔ اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اوپر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے۔ اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں۔ اور جگہ دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک تو گونگا اور بالکل گراہا ہے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری جگہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟ اور جگہ ارشاد ہے اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں؟ اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں

(پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں بعض سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں جب میں قرآن میں کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ایمانداران پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں۔ ﴿انہ ۵﴾ کی تفسیر کا مرجع مثال ہے یعنی مومن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر باتیں بناتے ہیں جیسے سورہ مدثر میں ہے ﴿وما جعلنا أصحاب النار﴾ یعنی ہم نے آگ والے فرشتوں کی گنتی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے اہل کتاب یقین کرتے ہیں ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں بھی اسی ہدایت و ضلالت کو بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو توڑنے والے کون ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور راہ مومن پاتے ہیں وہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ باوجود اس علم کے کہ مثال حق ہے درست اور صحیح ہے پھر بھی اسے جھٹلاتے ہیں اور یہ اقرار کر کے ہدایت و ایمان کو بڑھالیتے ہیں۔ فاسقین سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں حضرت سعد کہتے ہیں مراد خوارج ہیں اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاص تک پہنچے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ تفسیر معنوی ہے یہ نہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں بلکہ یہ کہ یہ فرق بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علیؓ پر چڑھائی کی تھی یہ لوگ گو نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معنوی طور پر یہ بھی فاسقوں میں داخل ہیں انہیں خارجی اس لئے کہا گیا ہے کہ امام برحق کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تھے۔ لغت میں فسق کہتے ہیں اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں ﴿فَسَقَتْ﴾ چوہے کو بھی ﴿فَوَيْسِقَهُ﴾ کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیچ جانور فاسق ہیں۔ حرم میں اور باہر قتل کر دیئے جائیں، کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کالا کتا پس لفظ فسق کافر اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے۔ ایک آیت میں فاسق سے مراد کافر ہے واللہ اعلم۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں۔ اس کے فرمان کانتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سب اوصاف کفار کے ہیں۔

مومنوں کے اوصاف تو اس کے برخلاف ہوتے ہیں جیسے سورہ رعد میں بیان ہے کہ ﴿اَقْسَمُ يَعْلَمُ﴾ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا وہ حق ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے کہ جو اندھا ہو؟ نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور میثاق توڑتے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑتے ہیں اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حسب کی برائی سے کانپتے رہتے ہیں آگے چل کر فرمایا جو لوگ اللہ سے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیں اور جس چیز کے ملانے کا اللہ کا حکم ہو وہ اسے نہ ملائیں اور زمین میں فساد پھیلائیں ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے۔ یہاں عہد سے مراد وہ وصیت ہے جو اللہ نے بندوں کو کی تھی جو اس کے تمام احکام بجالانے اور تمام نافرمانیوں سے بچنے کو شامل ہے اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔

بعض کہتے ہیں توڑنے والے اہل کتاب کے کافر اور ان کے منافق ہیں اور عہد وہ ہے جو ان سے توراہ میں لیا گیا تھا۔ وہ اس

کی تمام باتوں پر عمل کریں اور محمد ﷺ کی اتباع کریں جب بھی آپ ﷺ تشریف لے آئیں آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کریں اور جو کچھ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے لے کر آئیں اس کی تصدیق کریں اور اس عہد کو توڑ دینا یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت اور اطاعت سے انکار کر دیا اور عہد کا علم ہونے کے باوجود اسے چھپایا اور دنیاوی مصلحتوں کی بناء پر اس کا خلاف کیا۔ امام ابن جریرؒ اس قول کو پسند کرتے ہیں اور مقاتل بن حیانؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص جماعت نہیں بلکہ شرک و کفر و نفاق والے سب کے سب مراد ہیں۔ عہد سے مراد اپنی توحید کا اور اپنے نبی کی نبوت کا اقرار کرنا ہے جس پر کھلی ہوئی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے موجود ہیں اور اس کا توڑ دینا توحید و سنت سے منہ موڑنا اور انکار کرنا ہے۔ یہ قول اچھا ہے زکریٰؑ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے کا اقرار ہے جو فطرت انسان میں داخل ہونے کے علاوہ روز میثاق میں بھی منوایا گیا ہے۔ فرمایا گیا تھا کہ ﴿الَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا تھا بے شک تو ہمارا رب ہے۔ پھر جو کتابیں دی گئیں۔ ان میں بھی اقرار کیا گیا ہے جیسے فرمایا ﴿اَوْفُوا بِعَهْدِي﴾ میرے عہد کو نبھاؤ میں بھی اپنے وعدے پورے کروں گا۔ بعض کہتے ہیں مراد وہ عہد ہے جو روحوں سے کیا گیا تھا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالا تھا۔ جیسے فرماتا ہے ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْكَ﴾ جب تیرے رب نے اولاد آدم سے وعدہ لیا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور ان سب نے اقرار کیا اور اس کا توڑنا اس کا چھوڑنا ہے یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر میں منقول ہیں۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں عہد اللہ تعالیٰ کو توڑنا جو منافقوں کا کام تھا وہ یہ چھ خصالتیں ہیں بات کرنے میں جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا امانت میں خیانت کرنا اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دینا اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے ملانے جانے کا حکم دیا ہے انہیں نہ ملانا زمین میں فساد پھیلانا یہ چھ خصالتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو پہلے تین کاموں کو چھوڑ کر بعد والے تین کام کرتے ہیں۔ سدیؒ فرماتے ہیں قرآن کے احکام کو پڑھنا جاننا سچ کہنا پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَعُوْا اَرْحَامَكُمْ﴾ قریب ہے کہ تم اگر لوگوں کو تو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو۔ ابن جریرؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے جس کے ملانے ادا کرنے کا حکم باری تھا انہوں نے اسے توڑا اور نہ کیا ﴿خَاسِرُوْنَ﴾ سے مراد آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں جیسے فرمان باری ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ ان لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل اسلام سے علاوہ دوسروں کو جہاں قرآن نے ﴿خَاسِرُوْنَ﴾ کہا ہے وہاں مراد کافر ہے اور اہل اسلام کے لئے جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں ﴿خَاسِرُوْنَ﴾ جمع ہے ﴿خَاسِرٌ﴾ کی چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیاوی لذتوں میں پڑ کر اپنے آپ کو رحمت ربانی سے دور کر لیا اس لئے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا ہے جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں نقصان ہو جائے اسی طرح یہ کافر و منافق ہیں کہ جب رحم و کرم کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی یعنی قیامت والے دن تو اس دن رحمت ربانی سے یہ محروم رہ جائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ مُمِيتَكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ

تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

عدم سے وجود میں لانے والا کون؟ اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ قدرتوں والا ہے وہی پیدا کرنے والا ہے اور اختیار والا ہے اس آیت میں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے وجود کا کیسے انکار کر سکتے ہو یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کیسے کر سکتے ہو؟ جب کہ تم کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ایک ہے جیسے اور جگہ فرمایا کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے؟ آیا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدُّخْرِ﴾ یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا کہ جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا اور بھی اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے ﴿رَبَّنَا آمَنَّا اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ﴾ اے اللہ تعالیٰ ادو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت ﴿وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ میں ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا یعنی موت ایک دن ضرور آئے گی پھر وہ تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے پھر دوسری دنیا میں مرنے کی اور قبروں کی طرف جانے کی پھر روز قیامت میں اٹھ کھڑے ہونے کی دو زندگیاں اور دو موتیں۔ ابوصالحؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔

عبدالرحمن بن زیدؒ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا پھر دنیوی موت ان پر آئی پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا۔ لیکن یہ قول غریب ہے پہلا قول ہی ٹھیک ہے۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿قُلْ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا الخ۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے قرآن نے مردہ کہا ہے فرماتا ہے ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرٌ اَحْيَاءُ﴾ وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں زمین کے بارے میں فرمایا ﴿وَ اَيُّةٌ اَلَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيِّتَةُ﴾ ان کے لئے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوَّاهُنَّ

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۹﴾

وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے زمین و آسمان وغیرہ کی تخلیق کتنے دنوں میں: اوپر کی آیت میں ان دلائل قدرت کا بیان یا جو خود انسان کے اندر ہیں۔ اس لئے اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روز مرہ آنکھوں کے سامنے ہیں ﴿اِسْتَوٰى﴾ یہاں قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ الٰہی ہے ﴿سَوَّاهُنَّ﴾ کے معنی درست کرنے اور ساتوں کو بنانے

۱۹

کے ہیں ﴿سَمَاءٌ﴾ اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ خَلْقَهُ﴾ کیا وہ بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورہ حم سجدہ (فصلت) کی آیت ﴿قُلْ إِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ﴾ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا کیا۔ تم اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہو؟ جو رب العالمین ہے جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیئے ہیں جس نے اس زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چار دن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں جس میں دریافت کرنے والوں کی تشخی ہے پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھوکے کی شکل میں تھے فرمایا کہ اے زمین و آسمان! خوشی یا ناخوشی سے آؤ۔ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو خوشی خوشی حاضر ہیں۔ دو دن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ بنایا یہ ہے اندازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی پھر ساتوں آسمانوں کو بنایا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جاتا ہے پھر اوپر کا مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿الَّذِينَ آمَنُوا خَلَقْنَا السَّمَاءَ﴾ تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی موائی بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیا پھر اس کے بعد زمین پھیلائی اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ﴿ثُمَّ﴾ صرف عطف خبر کے لئے ہے عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے شعر میں یہ موجود ہے کہ کہیں ﴿ثُمَّ﴾ صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت ﴿ثُمَّ﴾ میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلاؤ اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔ تو ٹھیک ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا تو دونوں آیات ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباس نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی پھر اسی کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ تو اور سو موار کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں زمین مچھلی پر ہے مچھلی وہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿ذَوَاتِ الْأَقْلَامِ﴾ مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتہ پتھر پر اور یہ پتھر وہ ہے جس کا ذکر لقمان نے کیا ہے۔ یہ پتھر ہو پر ہے مچھلی کے ہلنے سے زمین کا پٹنہ لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور زمین ٹھہر گئی یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ يَقْبَلَهُمْ﴾ زمین نہ ہلے اس لئے ہم نے اس میں پہاڑ جمادئے ہیں۔ پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی کل چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں اسی کا بیان ﴿قُلْ إِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ﴾ والی آیت میں ہے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا اسے آسمان بنایا پھر اسی میں سے سات آسمان بنائے جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں جمعہ کے دن کو اسی لئے جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں زمین و آسمان کی پیدائش جمع ہو گئی۔ ہر آسمان میں اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زیست دی اور انہیں شیطان سے حفاظت کا سبب بنایا ان تمام چیزوں کو پیدا کر کے پروردگار نے عرش عظیم پر قرار پڑا جیسے فرمایا ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا

کر کے پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔ اور جگہ فرمایا ﴿كَانَتْ رَتْقًا﴾ یعنی یہ دونوں دھواں سے تھے ہم نے انہیں پھاڑا اور پانی سے ہر چیز کی زندگی کی (تفسیر سدی) (یہ موقوف قول جس میں کئی قسم کا احتمال ہے بظاہر ایسی اہم بات میں حجت تامہ نہیں ہو سکتا واللہ اعلم) ابن جریر میں ہے حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی۔ دو دن میں زمینیں پیدا ہوئیں دو دن میں ان کی تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا جو کہ دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہوگی۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا اس سے جو دھواں اوپر چڑھا اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں اور زمینیں ایک کے نیچے ایک اس طرح سات ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے جیسے سورہ حم مجدہ کی آیت میں ہے۔ علماء بھی اس پر متفق ہیں۔ صرف قتادہ فرماتے ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ قرطبی اس میں توقف کرتے ہیں ﴿وَالنَّزْعَاتِ﴾ کی آیت کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن پھیلائی بعد میں گئی یہی جواب اگلے پچھلے علماء کا ہے۔ سورہ ﴿وَالنَّزْعَاتِ﴾ کی تفسیر میں بھی اس کا بیان آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حاصل امر یہ ہے کہ زمین کا پھیلا نا اور بچھانا بعد میں ہے اور ﴿وَدَحْلَهَا﴾ کا لفظ قرآن میں ہے اور اس کے بعد جو پانی چارہ پہاڑ وغیرہ کا ذکر ہے یہ گویا اس لفظ کی تشریح ہے جن جن چیزوں کی نشوونما کی قوت اس زمین میں رکھی تھی ان سب کو ظاہر کر دیا اور زمین کی پیداوار اور طرح طرح کی مختلف شکل اور مختلف قسموں کی نکل آئی اسی طرح آسمان میں بھی ٹھہرے رہنے والے چلنے والے ستارے وغیرہ بنائے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک۔ یہ حدیث غرائب مسلم میں ہے امام ابن مدینی امام بخاری وغیرہ نے اس میں کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کعب کا اپنا قول ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے کعب کا یہ کلام سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے۔ امام بیہقی بھی یہی کہتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٠﴾

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے

خلیفہ کے معانی اور مقاصد: اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے فرماتا ہے کہ اے نبی! تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابو عبیدہ تو کہتے ہیں کہ لفظ از یہاں زائد ہے لیکن ابن جریر وغیرہ مفسرین اس کا رد کرتے ہیں ﴿خَلِيفَةً﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان کے بعض بعض کے جانشین ہوں

گے یکے بعد دیگرے اور ایک دور کے بعد دوسرے دور میں یونہی قرونوں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جیسے اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ﴾ اور فرمایا ﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾ یعنی تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنایا۔ اور جگہ فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو اس زمین میں تمہارا خلیفہ بنا دیتے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوئے ایک شاذ قرأت میں ﴿خَلِيفَةَ﴾ بھی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن اس میں تامل ہے۔ تفسیر رازی وغیرہ میں اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ خاص حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت یہ اور بات ہے کہ اس کا ظلم فرشتوں کو کس طرح ہوا؟ یا تو کسی خاص طور سے انہیں یہ معلوم ہوگا یا بشری طبیعت کے اقتضا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ فرمایا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلہ کرنے والا مظالم کی روک تھام کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے چونکہ زمین کی پہلی مخلوق کو دیکھا تھا اسی پر اسے قیاس کیا ہوگا یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فرشتوں کی یہ غرض بطور اعتراض نہ تھی اور نہ ہی بنی آدم کے حسد کے طور پر تھی لیکن جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے ﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ﴾ یعنی جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے۔) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت کے معلوم کرنے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لئے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے تو اب بادل سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں۔ تسبیح و تقدیس و تحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فساد اور خونی بھی ہوں گے کس مصلحت پر پیدا کی جا رہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس فساد کے پھر بھی اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بناء پر میں پیدا کر رہا ہوں انہیں میں ہی جانتا ہوں تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے ان میں صدیق اور شہید ہوں گے ان میں عابد زائد اولیاء ابرار نیک کار مقرب بارگاہ علماء صلحاء متقی پرہیزگار خوف الہی اللہ تعالیٰ کی محبت رکھنے والے ہوں گے میرے احکام کی بسر و چشم تعمیل کرنے والے میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک کہنے والے ہوں گے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں اور اس وقت رات کے فرشتے آتے ہیں وہ پھر صبح کو جاتے ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں اس وقت اور جب جاتے ہیں صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں اور دربار الہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے یہی ہے وہ مصلحت الہی جسے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کے دیکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ پیش کئے جاتے ہیں۔ غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے تمہیں معلوم ہی نہیں، بعض کہتے ہیں یہ جواب ہے ان کے اس قول کا کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ بیان کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں یعنی تم جیسا سمجھ رہے ہو اور سب کو یکساں کر رہے ہو ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جو ابابا کہا گیا تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حسن "قوادہ" وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدی کہتے ہیں کہ مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہو سکتے ہیں اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ سے زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تو بیت اللہ کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے پھر اس میں ضعف ہے اور مدرج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے "واللہ اعلم۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے مراد عام ہے ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں گے "حسد" بغض، قتل و خون ریزی کریں۔ وہ خلیفہ ان میں وہ عدل و انصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا۔ تو اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو ان کے قائم مقام ہیں اللہ تعالیٰ کا اطاعت اور مخلوق میں عدل و انصاف کرنے میں، لیکن فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ والوں کو دوسرے زمانہ والوں کے بعد آنا ہے۔ خلیفہ فعلیہ کے وزن پر ہے جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں ﴿خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا﴾ (فلاں شخص فلاں کا خلیفہ ہوا) جیسے قرآن کریم میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اور اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کی آبادی کرنے والا۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ پہلے زمین میں جنات بستے تھے انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل و غارت کی پھر ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں اس وقت زمین تو تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کر لیا تھا کہ اولاد آدم علیہ السلام ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بدھ کے دن پیدا کئے گئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم پیدا ہوئے۔ حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم علیہ السلام ایسا ایسا کریں گے اس بناء پر انہوں نے سوال کیا۔

ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں کہ سب نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت و ماروت تھے۔ اسے ہر روز تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش وغیرہ امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی خبر کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابو جعفر نے اسے اہل کتاب یہود نصاریٰ سے لیا ہو۔ بہر حال یہ ایک فضول روایت ہے اور قابل تردید ہے واللہ اعلم۔ پھر اس میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا یہ قرآن کی رہانی عبارت کے بھی خلاف ہے یہ روایت بھی مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلاد یئے گئے یہ بھی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہوگی تو انہوں نے تعجب کے ساتھ مصلحت الہی معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا کہ کوئی مشورہ دیا انکار کیا اعتراض کیا ہو۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا نا ممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو ان پر یہ امتحان الہی آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے

نہیں چھوٹی زمین اور آسمان کا بھی امتحان ہوا تھا اور انہوں نے سر خم کر کے اطاعت الہی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، نماز پڑھنا، بے ادبی سے بچنا، بڑائی عظمت وغیرہ کرنا، نافرمانی نہ کرنا ﴿سُبْحٰنَ قُدُّوسٍ﴾ وغیرہ پڑھنا ہے قدوس کے معنی پاک کے ہیں پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے؟ آپ ﷺ جو اب فرماتے ہیں وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ﴾ (صحیح مسلم) حضور ﷺ نے معراج والی رات آسمانوں میں فرشتوں کی یہ تسبیح سنی ﴿سُبْحَانَ الْأَعْلَى الْأَعْلَى سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى﴾

قرطبیؒ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے ان کے جھگڑے چکائے، مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے، حدود قائم کرے، برائیوں کے کرنے سے لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے، وغیرہ وغیرہ وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پاسکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اس لئے خلیفہ کا مقرر کرنا جواب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن و حدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضور ﷺ نے خلافت کے لئے لیا تھا یا قرآن و حدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو، جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت، یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور ﷺ نے خلافت کے لئے کیا ہے یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے حضرت عمرؓ نے کیا تھا یا اہل حل و عقد (یعنی بااثر سرداران لشکر، علماء، صلحاء وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں یا ان میں سے کوئی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا امام الحرمینؓ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور و جبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ پھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔ امام شافعیؒ نے صنف لفظوں میں اس کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں، بعض کہتے ہیں شرط اور دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کا قول ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے ان دونوں کے علاوہ چار گواہ اور چاہئیں، جیسے کہ حضرت عمرؓ نے شوری کے چھ ارکان مقرر کئے تھے پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو اختیار دیا اور آپ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی اس استدلال میں کلام ہے واللہ اعلم۔

امام کا مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا، عقلمند ہونا، مسلمان ہونا، عادل ہونا، مجتہد ہونا، آنکھوں والا ہونا، صحیح سالم اعضاء والا ہونا، فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا، قریشی ہونا واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ دونوں شرطیں کئے رافضی لگاتے ہیں۔ امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہئے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے۔ کیونکہ حدیث میں آپکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو۔ اسی طرح امام خود اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے حضرت حسن بن علیؓ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہؓ کو سونپ دیا تھا، لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔

روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تمہارا کام جمع ہو اور کوئی آکر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے

جن میں سے ایک امام الحرمین ہیں۔ گرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں اطاعت کے لائق تھے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو اس لئے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمین نے استاذ ابواسحاق سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چو طرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو۔ امام الحرمین اس میں تردد میں ہیں خلفاء بنی عباس کا عراق میں اور خلفاء بنی فاطمہ کا مصر میں اور خاندان بنی امیہ کا مغرب میں میرے خیال سے یہی حال تھا۔ اس کی بسط و تفصیل انشاء اللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قَالَوَا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ الْغَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ

تَنكِتُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتادیے تو فرمایا کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔

فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ : یہاں اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن حکمت الہی جو آدم کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا جس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گزرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے ہوا تھا بعد میں بیان کیا تاکہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کو ملی کہ انہیں وہ علم ہے جس سے یہ فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے سب جانوروں کے زمین آسمان پہاڑ تری خشکی گھوڑے گدھے برتن بھانڈے چرند پرند فرشتے ستارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد لفظ ﴿عَرَضَهُمْ﴾ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کا ہی لایا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَاللَّهُ خَلَقَ مِثْلَ ذَٰلِكَ مِنْ مَّاءٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا ہے جن میں سے بعض تو

پیٹ کے بل گھسنے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس آیت میں ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں ﴿عَرَضْنَهَا﴾ بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں ﴿عَرَضَهَا﴾ بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ گوز کا نام بھی بتایا گیا تھا۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاریؒ یہ حدیث لائے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوتا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجتے چنانچہ یہ سب کے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے سب باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں تاکہ ہم اس سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ انہیں اپنا گناہ یاد آجائے گا تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرمناک ہوں گے اور فرمائیں گے تم خلیل الرحمن (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں توراہ عنایت فرمائی یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مار ڈالنا یاد آجائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول اور کلمت اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب یہاں آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں۔ تم محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دی جائے گی میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک اللہ کو منظور ہو گا سجدے میں پڑا رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی کہ مراثیئے سوال کیجئے پورا کیا جائے گا کہنے سنا جائے گا شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ اب میں اپنا سہرا اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا پھر شفاعت کروں گا پھر حد مقرر ہوگی۔ انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر جو تھی بار حاضر ہوں گا یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو اور جن کے لئے جہنم کی ہمیشگی واجب ہو گئی ہو (یعنی شرک و کفر کرنے والے) صحیح مسلم شریف نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث شفاعت موجود ہے۔

غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: یہاں حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ لو اگر تم اپنے اس قول میں کہ تم ساری مخلوق سے زیادہ علم والے ہو یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ بنائے گا سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہ بھی مروی ہے کہ اگر اپنی اس بات میں کہ بنی آدم فساد کریں گے اور خون بہائیں گے سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ لیکن بہترین قول پہلا ہی ہے۔ گویا اس میں انہیں ڈانٹا گیا کہ بتاؤ تمہارا قول کہ تم ہی خلافت زمین کے لائق ہو اور انسان نہیں تم ہی میرے استیع خواں اور اطاعت گزار ہو

اور انسان نہیں اُمر سچا ہے تو لو یہ چیزیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں انہی کے نام بتاؤ اور اگر تم نہیں بتا سکتے تو سمجھ لو کہ موجودہ چیزوں کے نام بھی تمہیں نہیں معلوم تو آئندہ آنے والی چیزوں کی نسبت تمہیں علم کیسے ہوگا؟ فرشتوں نے یہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بڑائی اور اپنے علم کی کمی بیان کرنی شروع کر دی اور کہہ دیا کہ جسے جتنا کچھ اے اللہ تو نے سکھا دیا اتنا ہی اسے علم ہے تمام چیزوں پر احاطہ رکھنے والا علم تو صرف تجھی کو ہے تو ہر چیز کا جاننے والا اور اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے جسے جو کچھ سکھائے وہ بھی حکمت سے اور جسے نہ سکھائے وہ بھی حکمت سے تو حکمتوں والا اور عدل والا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں سبحان اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے ہیں کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ تو ہم جانتے ہیں لیکن ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ﴾ کیا کلمہ ہے؟ تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو باری تعالیٰ نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا کہنا اسے محبوب ہے۔ حضرت میمونؓ فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نام بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرائیل علیہ السلام ہے تمہارا نام میکائیل ہے تم اسرافیل ہو یہاں تک کہ جیل کوے وغیرہ سب کے نام جب ان سے پوچھے گئے تو انہوں نے بتا دیئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت فرشتوں کو معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ میں ہر کھلے چھپے کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِنْ تَجْهَرُوا بِالْقَوْلِ فَوَاقِلَةٌ يَتْلُمُونَ السِّرَّ وَالْخَفِيَّ﴾ تم بلند آواز سے کہو (یا نہ کہو) اللہ تعالیٰ پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور جگہ ہے ﴿الَّذِينَ يَسْتَجِدُّوهُ﴾ کیوں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو تمہاری ہر پوشیدگی اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے میں جانتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اطمینان کے دل میں جو تکبر اور غرور تھا اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا قول کہ زمین میں اسے کیوں پیدا کرتا ہے جو فساد کرے اور خون بہائے۔ یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیرؓ مجاہدؓ سدیؓ ضحاکؓ اور ثوریؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریرؓ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابو العالیہؓ ربیع بن انسؓ حسن اور قتادہؓ کا قول ہے کہ ان کی چھپی ہوئی بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ پیدا کرے گا ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور کرم دونوں میں ان پر فوقیت حاصل ہے۔ عبدالرحمن بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت و دوزخ دونوں کو بھرنے ہے۔ لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں کی اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بزرگی کا اقرار کر لیا۔

ابن جریرؓ فرماتے ہیں سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر باطن کا علم مجھے ہے ان کے ظاہری قول کو اور اطمینان کے باطنی عجب و غرور کو بھی اللہ جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک اطمینان ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ لشکر ماہ ذوالحجہ آیا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ بنو تمم کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کے حجرے کے پیچھے سے پکارا تھا لیکن قرآن کریم میں اس کا بیان ان لفظوں میں ہے کہ ﴿إِنَّ الدِّينَ يُنَادِيكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ﴾ جو لوگ تمہیں اے نبی ﷺ اجروں کے پیچھے سے پکارتے

ہیں تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کالایا گیا۔ اسی طرح ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴾ میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کالایا گیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ابْنِ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

الْكَافِرِينَ ﴿۱۷﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کو ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان ظاہر کیا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اس کی دلالت میں بہت سی احادیث ہیں ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ میری ملاقات (حضرت) آدم علیہ السلام سے کرادے خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا۔ (آخر تک) پوری حدیث عنقریب بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا۔ جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے ابلیس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا اس قبیلے کے سوا باقی تمام کے تمام فرشتے نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ﴿ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴾ آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے اسے ﴿ مَارِجٍ ﴾ کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا روئے زمین پر پہلے جن بستے تھے انہوں نے فساد اور خونریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا ان کو جن کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندروں کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامن میں پہنچا دیا۔ اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ پھر ایسوں کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے۔ تمہیں خبر نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا کہ وہ بجتی مٹی تھی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑوں گا اور اگر اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔

حضرت آدم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات: پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی رہی خون گوشت بن گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو آدم علیہ السلام اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور جھٹ سے اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی اس لئے اٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿ وَكَانَ الْإِنْسَانُ غَافِلًا ﴾ یعنی انسان بے صبر اور جلد باز ہے تو خوشی میں صبر نہ رنج میں جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿۱۰﴾ بِرَحْمَتِكَ اللَّهُ ﴿۱۰﴾ پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا اس نے نہ مانا اور سجدہ سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں اس سے بڑی عمر والا ہوں اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے اس انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان اُجاور زمین سمندر پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں پر پیش کیا جو ابلیس کے ساتھ تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں اس کو زمین میں خلیفہ بناؤں۔ تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں کہ جو تو ہمیں معلوم کر اے جیسے تو نے ان کے نام صرف (حضرت) آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو۔ چنانچہ انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ میں ہر پوشیدگی کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ہر ظاہر کو یعنی ابلیس کا اندرونی کبر و غرور بھی میں جانتا تھا اور تم سب اس سے بے خبر تھے لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی خامیاں ہیں۔ ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔ اور ابن عباسؓ تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور اثر بھی اسی طرح کامروئی ہے اس میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبریل علیہ السلام گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے۔ وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لی چونکہ مٹی کارنگ کہیں سرخ تھا اور کہیں سفید کہیں سیاہ اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں۔ لیکن یہ روایت بھی بنی اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ غالباً اس میں بہت سی باتیں بعد کے لوگوں کی ملائی ہوئی ہیں۔ صحابی کا بیان ہے ہی نہیں اور اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض پہلی کتابوں سے لیا ہو گا واللہ اعلم۔

امام حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایات لائے ہیں اور ان کی سند کو شرط بخاری پر کہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن انہی جیسا اور انہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ﴿سُكَّانَ مِنَ الْجِنَّ﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعوت تھی اور اسکی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا۔ زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہ تھا اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم علیہ السلام کی اصل انس سے ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبد الرحمن بن زید بن اسلمؓ اور شہر بن حوشبؓ کا بھی یہی قول ہے سعد بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مراتب سے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انہیں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کو کہا انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلادینے لگے پھر وہ نئی مخلوق پیدا کی ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے تعمیل ارشاد

کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی تقریباً صحیح نہیں ہیں۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔ ﴿مُكَافِرِينَ﴾ سے مراد نافرمان ہے ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر و ضلالت پر تھی کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آگیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالاتا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت و اکرام تھا۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو تخت پر بٹھالیا اور وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا ابی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا سابقہ امتوں میں سجدہ جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضور ﷺ سے گزارش کی کہ حضور ﷺ! آپ ﷺ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔ امام رازیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بطور قبلہ کے ساتھ تھے جیسے قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِ الشَّمْسِ﴾ لیکن اس میں نظر ہے اور پہلے قول کا ہی زیادہ ظاہر ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے اکرام، بڑائی، احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی۔ امام رازیؒ نے بھی اسی قول کو قوی بتایا ہے اور اس کے سوا دونوں اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا شرف ظاہر نہیں ہوتا دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا نہ کہ زمین پر ماتھا کا کر حقیقی سجدہ کرنا۔ لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا اسی تکبر کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری تعالیٰ سے دھتکارا گیا۔ یہاں ﴿سَكَانَ صَارَ﴾ کے معنی میں بھی بتایا گیا ہے جیسے کہ ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُفْرَقِينَ﴾ اور ﴿فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا۔ ابن فورکؒ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

قرطبیؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرا متیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں اس لئے کہ ہم کسی بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا اسی شیطان کو دیکھنے والی چھوڑ کر فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق فاجر مشرک کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ نے اپنے دل میں ﴿فَازْتَقَبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ کی آیت پوشیدہ کر کے جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا چھپا رکھا ہے؟ تو اس نے کہا تھا دُخ بعض آیات میں ہے کہ غصہ کے وقت اس کا جسم اتنا پھول جاتا تھا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اسے مارا۔ دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں احادیث میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برساتا زمین سے پیداوار اگانا زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر زندہ کر دینا وغیرہ حضرت لیث بن سعدؓ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھنا جب تک کہ اس کے تمام اعمال و افعال قرآن و حدیث کے مطابق نہ پاؤ۔ اس سجدہ کا حکم زمین و آسمان کے

تمام فرشتوں کو تھا۔ گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا ابْلِيسَ﴾ یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ لہذا اول تو جمع کا عیندہ الٹا پھر ﴿کلہم﴾ سے تاکید کرنا پھر ﴿اجمعون﴾ پھر صرف ابلیس کا استثناء کرنا ان چاروں وجوہات کی بنا پر صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۰﴾ فَازْلِهْمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ
وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۱﴾

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

حضرت آدم کا اعزاز اور پیدائش حواء علیہم السلام: حضرت آدم علیہ السلام کی یہ ایک اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دیدی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں نبی بھی رسول بھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آسمانے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ عام مفسرین کا خیال ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا۔ لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی۔ سورہ اعراف میں اس کا بیان آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حوا پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ علماء سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ ابلیس کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ ڈال دی گئی اور ان کی بانیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا جب آنکھ کھول کر حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے انس و محبت دل میں پیدا ہو گئی پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگ کر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں تو جھٹ سے فرشتوں نے پوچھا فرمائیے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا حوا۔ انہوں نے کہا اس نام کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ وہیں اللہ تعالیٰ کی آواز آئی کہ اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں آرام و اطمینان سے رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو۔

ایک خاص درخت سے روکنا یہ امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ انگور کی ٹیل تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ گندم کا درخت تھا کسی نے سنبلا کہا ہے کسی نے کھجور بتائی ہے کسی نے انجیر کہا ہے۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق

نہیں۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشگی کی زندگی والے ہو جاتے تھے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا نہ قرآن سے تعین ثابت ہوتی ہے نہ کسی صحیح حدیث سے اور مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم کر لینے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں لہذا ہمیں اس میں محنت کی کیا ضرورت؟ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازیؒ وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے ﴿عَنْهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت کہا ہے اور بعض نے شجرہ ایک قرأت ﴿فَازَ الْهُمَا﴾ بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو یک سو اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ ہوئے کہ اسی درخت کی وجہ سے شیطان نے انہیں بہلایا۔

ارضی زندگی کا آغاز: لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے ﴿يُؤْفِكُ عَنْهُ﴾ میں اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس وہ پاک مکان وہ نفس روزی وغیرہ سب چھن گئے اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارے رزق وغیرہ ہیں قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور یہاں کا فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ کا اور ابلیس کا قصہ ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا کس طرح و سورہ ڈالا وغیرہ لمبے چوڑے قصے یہاں پر مفسرین نے نقل کئے ہیں لیکن وہ سب بنی اسرائیلی روایات کا ڈھیر ہیں۔ تاہم ہم انہیں سورہ اعراف میں بیان کریں گے۔ کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا۔ اپنے آپ کو بنگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے وہ ایک درخت میں اٹک گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں اے اللہ! میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھر تا ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! میرے پاس سے چلے جاؤ مجھے میری عزت کی قسم میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے اگر زمین بھر جائے اتنی مخلوق میں تم جیسی پیدا کروں اور پھر وہ میری نافرمانی کریں تو یقیناً میں انہیں بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچا دوں۔ یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ اعضاء بھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ساعت ایک سو تیس سال تھی۔ ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں کہ نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدم کا اخراج ہوا ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا۔ سدیؓ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے تھے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہند کے شہر ہنما میں اترے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے حسن بھریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اور مائی حواجدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دست میسان میں پھینکا گیا اور سانپ اصہبان میں۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدم صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے۔ اترنے کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترے۔ حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام طریقے سکھادیئے اور پھلوں کا توشہ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم پیدا کئے گئے اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کئی وجوہ سے ڈانٹ ڈپٹ ہے اول تو یہ سوچنا چاہئے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو گیا تم بھول گئے کہ

تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو محض ایک بلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا۔ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں دیکھیں کب صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ فتح موصلی کہتے ہیں ہم جنتی تھے ابلیس کی قید میں دنیا میں آپڑے اب سوائے غم ورنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید و بند اسی وقت ٹوٹے گی جب کہ ہم وہیں پہنچ جائیں جہاں سے نکالے گئے ہیں۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدم علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت اور چوری کے چنانچہ توراہ میں ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے دوسرے ڈالا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زمین سے ہی دوسرے ان کے دل میں ڈالا۔ قرطبی نے یہاں پر سانپوں کے بارے کی اور ان کے مار ڈالنے کے حکم کی احادیث بھی نقل کی ہیں جو بہت مفید اور باموقع ہیں۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٢٧﴾

(حضرت) آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے

معانی کے کلمات: جو کلمات حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے ان کا بیان خود قرآن میں موجود ہے ﴿قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ یعنی ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان والے ہو جائیں گے اکثر بزرگوں کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے احکام حج سیکھنا بھی مروی ہے۔ عبید بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ وہ کلمات یہ تھے کہ انہوں نے کہا اے اللہ! جو خطا میں نے کی آیا وہ میرے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی گئی تھی یا میں نے خود اس کی ایجاد کی؟ جواب ملا کہ ایجاد نہیں کی بلکہ پہلے ہی لکھ رکھی تھی۔ اسے سن کر آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! پھر مجھے بخشش اور معافی مل جائے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ میرے چھینکنے پر ﴿يُرْحَمُكَ اللَّهُ﴾ نہیں کہا؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں لے گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں تھی؟ جواب ملا کہ ہاں یہ سب میں نے کیا ہے۔ تو کہا پھر اے اللہ! میری توبہ قبول کر کے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہی وہ کلمات یعنی چند باتیں تھیں جو آپ ﷺ نے اللہ سے سیکھ لیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! اگر میں توبہ کروں اور رجوع کروں تو کیا جنت میں پھر بھی جا سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں یہی معنی ہیں اللہ سے کلمات کی تلقین حاصل کرنے کے۔ لیکن یہ حدیث علاوہ غریب ہونے کے منقطع بھی ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ کلمات کی تفسیر ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا﴾ الخ کو اور ان سب باتوں کو شامل ہے۔ حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں ﴿اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ. اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ. اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ. اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ قرآن کریم میں اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؟ اور جگہ ہے جو شخص کوئی برکام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر توبہ استغفار کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اور اسے اپنے رحم و کرم میں لے لے گا۔ اور ایک مقام پر فرمایا ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ان سب آیات میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول

کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ وہ اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑے رحم و کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس عام لطف و کرم۔ اس کے اس فضل و رحم کو دیکھو کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں کرتا۔ سچ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس سے زیادہ کوئی مہر و کرم کرنے والا نہ اس سے زیادہ کوئی خطا بخشنے والا اور رحم و بخشش عطا فرمانے والا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَمَا يَأْتِيَكُمْ مِنْ يَدِي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ

فِيهَا خَالِدُونَ ۝

ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں اور جو انکار کر کے ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

انبیاء کی پیروی سے ہی جنت ملے گی: جنت سے نکالتے ہوئے جو خبر حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا اور ابلیس کو دی گئی اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ کتابیں 'انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے' معجزات ظاہر کئے جائیں گے دلائل بیان فرمائے جائیں گے 'راہ حق واضح کر دی جائے گی۔ آنحضرت محمد ﷺ بھی آئیں گے آپ ﷺ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا اور جو اپنے زمانے کی کتابوں اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ دنیا کے مال و متاع نہ ہونے پر کوئی غم ہو گا۔ سورہ طہ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے نہ بد بخت و بے نصیب اور میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھے پن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی اور نہ ہی زندگی ملے گی ہاں جن موحد متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلہ ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت سے نکال لیے جائیں گے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے دوسری دفعہ جو جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر کیا گیا تو یہ اس لئے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنے تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول پر اتار دیا گیا تھا و بارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتار آیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أَوْفُوا

بِعَهْدِكُمْ وَآيَايَ فَارْهَبُون ۝ وَأَمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أُولَٰئِكَ

كَافِرِينَ ۝ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا زَوَّايَا فَاتَّقُون ۝

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا مجھ ہی سے ڈرو اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمایا ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیات کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ سے ڈرتے رہا کرو

بنی اسرائیل سے خطاب کہ کافر نہ بنو: ان آیات میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ کی تابعداری کرنے کا حکم ہو رہا ہے اور کس لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو اور تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہ چاہیے کہ سب سے پہلے انکار تمہی سے شروع ہو۔ اسرائیل نام تھا حضرت یعقوب علیہ السلام کا تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو تمہیں چاہئے کہ اپنے جد امجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم سخی کے لڑکے ہو سخاوت میں آگے بڑھو تم پہلو ان کی اولاد ہو دو شجاعت دو تم عالم کے بچے ہو علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اس طرز کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ﴿ذُرِّيَّةٌ مِنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ یعنی ہمارے شکر گزار بندے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالم گیر طوفان سے بچایا تھا یہ ان کی اولاد ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نہیں جانتے کہ اسرائیل نام تھا (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا؟ وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے تو حضور ﷺ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ۔ اسرائیل کے لغظی معنی عبد اللہ کے ہیں۔ ان نعمتوں کو یاد دلایا جا رہا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تمہیں 'مثلاً' پتھر میں سے نہروں کا جاری کرنا من و سلوی اتارنا، فرعونوں سے آزاد کرنا، انہی میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا، ان میں سلطنت اور بادشاہ عطا فرمانا وغیرہ میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی جو عہد میں نے تم سے لیا تھا کہ جب محمد (ﷺ) آئیں اور آپ ﷺ پر میری کتاب قرآن کریم اترے تو تم اس پر اور آپ ﷺ کی ذات پر ایمان لانا وہ تمہارے بوجھ ملے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں اس دین کے سخت احکام کے بدلے میں تمہیں اس آخر الزمان پیغمبر ﷺ کے ذریعہ تمہیں ایک آسان دین دوں گا۔ دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے ﴿وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ﴾ یعنی اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے زکوٰۃ دیتے رہو گے مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہت سی بہت سی نعمتوں کی جنت میں داخل کروں گا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر پیدا کروں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض کروں گا۔ اور ان کے تابعداروں کو بخشوں گا۔ انہیں جنت میں داخل کروں گا اور بڑا اجر دوں گا امام رازی نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی نقل کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بندوں کا عہد اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے عہد کو پورا کرنا ان سے خوش ہونا اور جنت عطا فرمانا ہے۔ اور مجھ سے ڈرو کہ ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آجائیں اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملا دیا۔ رغبت و ترہیت دونوں کو جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمد ﷺ کی دعوت دی گئی قرآن کریم کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے اس کے بتائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔

اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری اپنی کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے جسے لے کر وہ نبی آئے ہیں جو امی ہیں جو عربی ہیں جو بشیر ہیں جو نذیر ہیں 'سراج منیر ہیں' جن کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہے۔ جو توراہ و انجیل کی تصدیق کرنے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں۔ چونکہ تورات و انجیل میں بھی آپ ﷺ کا ذکر تھا تو آپ ﷺ کا تشریف لانا توراہ کی سچائی کی دلیل تھی اس لئے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں کی چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ باوجودیکہ تمہیں علم ہے پھر تم ہی اس کے پہلے منکر نہ بنو۔ بعض کہتے ہیں ﴿بہ﴾ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے۔ ﴿بما نزلت﴾ اور دونوں قول در حقیقت سچے

اور ایک ہی ہیں۔ قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسول کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے۔ پہلے کافر کا مطلب بنی اسرائیل کے پہلے کافر ہیں کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے تو اب بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا اس لئے انہیں اول کافر کہا گیا ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔ میری آیات کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول ﷺ کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ ساری کی ساری دنیا بھی مل جائے پھر بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی اور بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

دینی تعلیم پر اجرت لینا کیسا ہے؟ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے۔ اس طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر کے لی اور ایک سائپ کے کائے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب حضور ﷺ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذَ ثُمَّ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابَ اللَّهِ﴾ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لو ان سب میں زیادہ حقدار چیز کتاب اللہ ہے۔ دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ ﷺ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ﴿زَوَّجْتُهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اس مہر پر کہ جو قرآن تجھے یاد ہے تو اسے یاد کرادے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا۔ اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ کے دی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ ہدیہ لیکر اپنے ثواب کو ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جب کہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک و شبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں احادیث میں بیان ہو چکا واللہ اعلم۔

صرف اللہ ہی سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت و اطاعت میں لگا رہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔ غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آکر حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کو جو ان کی کتابوں میں ہے نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کے طمع پر آپ ﷺ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر حق کا اظہار کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

وَأَزْكُوا مَعَ الرَّكْعَيْنِ ۗ

حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ تمہیں تو خود اس کا علم ہے اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور

رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔

حق کو چھپانا یہود کی خصلت ہے: یہودیوں کی اس بد خصلت پر ان کو تنبیہ ہو رہی ہے کہ وہ باوجود جاننے کے کبھی تو حق و باطل کو گڈمڈ کر دیا کرتے تھے کبھی حق کو چھپایا کرتے تھے کبھی باطل کو ظاہر کیا کرتے تھے تو انہیں ان ناپاک عادتوں کو چھوڑنے کا کہا گیا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت و نصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں جو تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ۔ ﴿تَكْتُمُوا﴾ مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعودؓ کی قرأت میں ﴿تَكْتُمُونَ﴾ بھی ہے یہ حال ہو گا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ باوجود علم کے کہ اس کو چھپانے اور باطل کے ساتھ ملانے کا کیسا عذاب ہو گا پھر بھی افسوس کہ تم اس بد کرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔ پھر انہیں عظم دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھو اور آپ ﷺ کو زکوٰۃ بھی دیا کرو اور امت محمد ﷺ کے ساتھ رکوع و سجود میں شامل رہا کرو انہی میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ﷺ ہی کی امت بن جاؤ۔ اطاعت و اخلاص کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ دو سو درہم پر پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے۔ نماز و زکوٰۃ فرض و واجب ہیں ان کے بغیر اعمال غارت ہیں۔ زکوٰۃ سے بعض لوگوں نے قطرہ بھی مراد لیا ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان میں بہترین چیز نماز ہے۔ اس آیت سے اکثر علماء نے نماز باجماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبیؒ نے مسائل جماعت کو بسط سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟

جو دوسروں کو کہے اور خود نہ کرے: یعنی اے اہل کتاب! باوجود اس علم کے جو ”کہے اور نہ کرے“ اس پر کتنا عذاب ہے پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ۔ لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہو جانا چاہئے یہ بھی معنی ہیں کہ تم دوسروں کو تو اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے اس نبی ﷺ کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کے قبول کرنے کے لئے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر اور خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔

واعظمین اور مبلغین کے لئے ہدایات: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں انسان پورا سمجھ دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر انکی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔

اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفْكُمْ اِلٰى مَا اَنْهَيْتُمْ عَنْهُ﴾ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں روکوں اور خود کروں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے میری توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت

و رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ پس نیک کاموں کا حکم کرنا بھی واجب اور خود کرنا بھی واجب ہے ایک کے واجب نہ کرنے سے دوسرا واجب چھوڑنا نہیں۔ چاہئے علماء سلف و خلف کا بھی قول یہی ہے گو بعض لوگوں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ برائیاں کرنے والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے، لیکن یہ قول صحیح نہیں پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی درست نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے برائی سے روکے اور خود بھی کرے اور رے کے گردونوں چھوڑے گا تو دہرا گنہگار ہو گا اور ایک کے ترک پر اکہرا۔

طبرانی کی معجم کبیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قیچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے خطیب اور واعظ و عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے، باوجود علم کے سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جا رہے تھے یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن حبان، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ابو وائلؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمانؓ سے کچھ کہتے نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا میں ان کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان کہوں تب ہی کہتا ہو گا میں تو انہیں پوشیدہ طور سے ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی کام کو پھیلانا نہیں چاہتا اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے ارد گرد چکر کھاتا رہے گا اور جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت! آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں روکتا تھا۔ مسند احمد بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔

مسند کی ایک اور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگزر کرے گا جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عامی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے۔ عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ جاننے والے اور انجان برابر نہیں نصیحت صرف عقل مند لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ”جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن کر ہم تو جنتی ہو گئے یہ تم جہنم میں کیوں آ پڑے؟ وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔“

ابن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت میں لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اگر تم ان تین آیات کی نصیحت سے نذر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو ﴿اتمروا للناس بالبر وتسنوا لفسکم﴾ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھولے جا رہے ہو؟ دوسری آیت ﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان ﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے۔ کہو تم ان تینوں آیات سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو (تفسیر ابن مردودہ) ایک ضعیف حدیث طبرانی میں

ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو لوگوں کو کسی قول و فعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود بھی عمل کرنے لگ جائے۔ ابراہیم نخعی نے بھی ابن عباسؓ والی ان تینوں آیات کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝۱۵۱ الَّذِينَ يَظُنُّونَ
أَنَّهُم مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝۱۵۲

اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اسکی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

صبر کیا ہے؟ اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو، فرائض کو بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو۔ روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں روزہ آدھا صبر ہے صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا، نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں، مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے کرنے سے صبر اور یہ صبر پہلے صبر سے زیادہ اچھا ہے۔ سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر چیز کو اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا، ثواب کی طلب کرنا، اللہ تعالیٰ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا یہ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کام پر صبر کرو اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے۔ خود قرآن میں ہے ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ نماز کو قائم رکھو یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے فوراً نماز پر لگ جاتے۔ چنانچہ خندق کے موقع پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول (اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ) ساری رات نماز میں مشغول رہے اور صبح تک نماز اور دعا میں لگے رہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں آپ ﷺ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ ”درد شکم داری“ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو نماز شروع کرو اس میں شفا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثمؓ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ ﷺ انا للہ پڑھ کر راستے سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ غرض ان دونوں چیزوں صبر و صلوة سے اللہ کی رحمت میسر ہوتی ہے۔

انہا کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے تو صلوة یعنی نماز کو کہا ہے بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں وَلَا يُلْقَهَا كِي ضَمِيرٍ اَوْ اَرَانِي كِي اَبْدَلِي كَرْنِي كِي حَلَمِي مِي ﴿وَمَا يُلْقَاهَا﴾ کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام صبر و صلوة ہر شخص کے بس کی چیز نہیں یہ حصہ ڈر اور خوف رکھنے والی جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے سچے مومن کا اپنے

والے متواضع اطاعت کی طرف جھکنے والے وعدے و وعید کو سچا ماننے والے ہی اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں جیسے حدیث میں ایک سائل کے سوال پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا یہ بڑی چیز ہے لیکن جس پر اللہ کی مہربانی ہو آسان ہے۔ ابن جریر نے آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں کے خطاب میں رکھا ہے۔ لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گویہ بیان میں انہی کے ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے چل کر ﴿خَاشِعِينَ﴾ کی صفت ہے اس میں ظن معنی میں یقین کے ہے گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدقہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی۔ اور صارخ کا لفظ فریاد رس اور فریاد کن دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا﴾ یعنی گنہگار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں ایسی ہر جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے۔ ابو العالیہؒ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کے کرتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ سدقہ بن ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ ابن جریجؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قرآن میں اور جگہ ﴿إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَّةٍ﴾ یعنی مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دوچار ہونا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھے پر طرح طرح کے انعامات نہیں کیے تھے؟ کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا ہاں۔ پروردگار یہ سب کچھ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ یہ کہے گا ہاں اے اللہ! میں اسے نہیں مانتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بس تو جیسا مجھے بھول گیا تھا ایسا ہی آج میں تجھے بھلا دوں گا۔ اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہے۔ اس کی مزید تحقیق و تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ﴿لَسُوا اللّٰهُ فَاَنسَاهُمْ اَنفُسَهُمْ﴾ (سورہ حشر) کی تفسیر میں آگے آئے گی۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۙ

اے اولاد یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد پر انعامات: بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کو جو نعمتیں دی گئی تھیں۔ اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے ان پر کتابیں اتریں اور ان کے زمانے کے اور لوگوں پر انہیں مرتبہ دیا جیسے فرمایا ﴿وَلَقَدْ اخْتَرْنَا هُمْ عَلٰی عِلْمِ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی انہیں ان کے زمانے کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَإِذَا قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْبِيَاً وَجَعَلَكُمْ مَثَلًا وَّاَتَاكُمْ مَّالًا يُّؤْتِيْ اَحَدًا مِّن الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی ہے تم میں اس نے پیغمبر بنائے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانہ کو نہیں دیا تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانہ کے تمام دوسرے لوگ ہیں اس لئے کہ امت محمدیہ ﷺ ان سے یقیناً افضل ہے۔ اس امت کی نسبت فرمایا گیا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ہو تم بھلائیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

مسئد اور سنن میں مروی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو۔ اس قسم کی اور بہت سی احادیث کا ذکر انشاء اللہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ کی تفسیر میں آئے گا اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت مراد

ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ رازئی نے یہی کہا ہے مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام امتوں پر ہے اس لیے کہ انبیاء کرام انہی میں سے ہوتے چلے آئے۔ لیکن اس میں بھی غور و خوض کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس طرح کا عموم ان سے اگلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور حقیقت میں پہلے انبیاء ان میں سے نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو ان سب کے بعد تھے جو تمام مخلوق سے افضل تھے اور جو تمام اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی 'صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۸﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کے جائیں گے۔

حشر میں کوئی سفارش اور فدیہ وغیرہ نہیں ہوگا: نعمتوں کو بیان کر کے اب عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ جیسے فرمایا ﴿وَلَا تَنْزِلُ وَأُزْرَةُ وَزْرٌ أُخْرَى﴾ یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا۔ ایک مقام پر ہے۔ ﴿لِكُلِّ امْرِيءٍ مِّنْهُ يَوْمَئِذٍ بِغْنِيهِ﴾ یعنی اس دن ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہوا ہوگا۔ فرمایا اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ یعنی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہے ان کفار کو سفارش کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔ اور جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی دوست۔ ایک اور مقام پر ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر ہے کہ جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک اور مقام پر ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اسکے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اور جگہ ہے گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں ایک اور مقام پر ہے آج نہ تم سے بدلہ لیا جائے نہ کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اسی کی آگ تمہاری مولا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان بغیر صرف سفارش اور شفاعت کا آسرا بے کار محض ہے۔ قرآن کریم میں ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کر لو جس دن نہ خریدو فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت اور جگہ ہے ﴿لَا يَنْفَعُ فِيهِ وَلَا خِلَافٌ﴾ اس دن نہ بیع ہے نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے۔ حضرت علیؑ والی روایت میں شفاعت کے معنی نفل اور عدل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! عدل کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا فدیہ۔ ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہ ہوگا قرابتیں کٹ جائیں گی جاہ و حشم جاتا رہے گا کسی کے دل میں ان کی طرف سے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی ایک اور مقام پر ہے ﴿هُوَ يُجِيزُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں۔ اور جگہ ہے آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب کر سکے نہ اس کی سی قید و بند۔ اور جگہ ہے ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ بَلْ هُمْ يُسْتَسْلِمُونَ﴾ تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے! بلکہ وہ سب کے سب آج گردن جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔ آیت میں ہے ﴿فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الدِّينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرُ

بِنَا الْهَيْهَةَ ۞ الخ جن کی وہ اللہ کے سوا اللہ کی نزو کی کے لئے پوجا پاٹ کرتے تھے آج وہ معبودان عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ تو کم ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہو گئیں، رشوتیں کٹ گئیں، شفاعتیں مٹ گئیں، آپس کی امداد و نصرت ہٹ گئی۔ معاملہ اس عادل حاکم جبار و قہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے جس کے ہاں سفارشیوں کی سفارشیں اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ بھگتنا پڑے، ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروری اور رحم و کرم و انعام و اکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھادے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں ذرا ٹھہرا تا کہ ان سے ایک سوال کر لیا جائے کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد سے ہٹ کر اپنی فکر میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے گردن جھکائے اور تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمُ سَوَاءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ

يَسْتَعْبُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

اور جب ہم نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا پیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ انعام: ان آیات میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اے اولاد یعقوب! میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعونوں کے بدترین عذابوں سے چھڑکا دیا۔ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ، بھڑکی جو مصر کے ہر قبیلے کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی، جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں فرعون کا غرور ٹوٹے گا اور اسے خدائی دعوے کی بدترین سزا ملے گی اس لئے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ ہو سرکاری طور سے اس بات کا خیال رکھا جائے اگر لڑکا ہو تو فوراً مار ڈالا جائے اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے اور بنی اسرائیل سے سخت بیگاری جائے اور مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورہ ابراہیم میں ایک کا دوسرے پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح انشاء اللہ تعالیٰ سورہ ق کے شروع میں بیان کی جائے گی، اللہ تعالیٰ مضبوطی دے ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین۔ ﴿يَسُومُونَكُمُ﴾ کے معنی لگا دینے اور ہمیشگی کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیتے جاتے تھے۔ چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لئے فرعونوں کے عذاب کو تفسیر کے طور پر لڑکوں کے قتل کرنے سے بیان فرمایا۔ اور سورہ ابراہیم میں شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اس لئے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیت وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسری اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطیموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ یہ عملیق بن اوو بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی کنیت ابو مرہ تھی۔ اصل

میں اصطر کے فارسیوں کے اصل میں سے تھا اللہ کی پھینکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی۔ ﴿وَبَلَاءَ﴾ کے اصل معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر ابن عباسؓ مجاہدؓ ابو العالیہؓ سدیؓ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں امتحان اور آزمائش بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلوہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور ﴿أَبْلِيهِ اِبْلَاءَ وَبَلَاءَ﴾ کا لفظ بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لئے آتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش تھی یعنی اس عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں۔

قرطبیؒ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہو گا اور ﴿وَبَلَاءَ﴾ کے معنی برائی کے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے فرعونیوں سے بچالیا تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کھڑا کر دیا اور تمہیں اس میں سے پاراتا کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکروں سمیت ڈبو دیا۔ اس کی پوری تفصیل سورہ شعراء میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

عمرو بن میمون اودیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ مرغ جب بولے تب سب نکلو اور انہیں پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ لیکن اس رات قدرت الہی سے صبح تک مرغ نہ بولا مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس سے پہلے کہ اس کی بکلیجی سے میں فارغ ہوں اس سے پہلے چھ لاکھ قبیلوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے چنانچہ حاضر ہو گیا اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کروہ فر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا اب بنی اسرائیل پر دنیا جنگ ہو گئی پیچھے نہیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا امر رب آگے آگے ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ! رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو چھوٹا جانتے ہیں نہ رب تعالیٰ کو۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا یا کہا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ اپنی لکڑی دریا پر مارو۔ لکڑی لگتے ہی پانی نے راستہ دیدیا اور پہاڑوں کی طرح سخت ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گزر گئے انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونوں نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستے پر ڈال دیئے جب فرعون کا سارا لشکر دریا میں اتر گیا تو پانی کو مل جانے کا حکم ہوا اور چاروں طرف ریل پیل ہو گئی اور سارے کے سارے ذوب مرے بنی اسرائیل نے قدرت الہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں کنارے پر کھڑے کھڑے دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورہ کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ پوچھا کہ تم اس دن کاروزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں سے آزاد ہوئے اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکر یہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں۔ پس حضور ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری، مسلم، نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے پانی کو کھڑا کر دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے شیخ یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ
ظَالِمُونَ ﴿٥٦﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ
الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٨﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے بعد پتھر پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو اور ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔

چالیس دن کا وعدہ اور پتھر کی پوجا: یہاں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ جب تمہارے نبی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور پیچھے سے تم نے پتھر کی پوجا شروع کر دی پھر ان کے آنے پر تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کے باوجود بھی بخش دیا۔ اور جگہ قرآن میں ہے ﴿وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَّمْنَاهَا بِعَشْرِ﴾ یعنی ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ یہ واقعہ فرعونوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش تھا کتاب سے مراد توراہ ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل ہدایت و ضلالت میں فرق کرے یہ کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورۃ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ﴿مَنْ بَعْدَ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ﴾ بھی آیا ہے یعنی ہم نے سابقہ لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لئے بصیرت افزا اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤزائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ بعض نے کہا ہے کتاب پر فرقان کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا۔ دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دونوں سے بطور عطف کلام عرب میں آیا کرتی ہے۔ شعرا عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٩﴾

جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم پتھر کی پوجا کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اپنے آپس میں قتل کرو۔ تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔

یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ انہوں نے پتھر کی پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں کو گھیر لیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادام ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ و استغفار کرنے لگے تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورۃ

طہ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو بتا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الہی سنایا اور جن جن لوگوں نے پچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے اور قتل کرنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جب اندھیرا چھٹا انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں۔ اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔

یہ ایک سخت فرمان تھا جسے ان لوگوں نے پورا کیا اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جب اس طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنا شروع کی کہ اے اللہ اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرمایا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور روزیاں پارہے ہیں اب موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ وزاری موقوف ہوئی تلواریں نیزے چھریاں چلنی بند ہوئیں آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں بھائیوں میں قتل و خون موقوف ہوا اور رب تو اب درحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّيْقَةُ

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

(تم سے بھی یاد کرو کہ) تم نے (حضرت) موسیٰ سے کہا تھا کہ جب ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھے لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو لے کر اللہ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الہی سنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز بلند ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگے اور رو کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اے اللہ! بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑو۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ بھی دراصل پچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے انہیں سزا مل گئی پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کئے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

ایمان کے لئے شرائط اور اللہ تعالیٰ کا عذاب: محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں پچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی پچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہادی اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لئے چلے۔ ان سے کہا کہ تم توبہ کرو اور روزہ رکھو پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کر لو۔ جب بحکم الہی طور سینا پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آکر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ

اسی کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ جب کلام الہی شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کی کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھ آنے والے بھی اللہ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں۔ جب کلام الہی ختم ہوا تو ابرہٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس آئے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ! ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی کی وجہ سے ان پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے کہ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔ یو قوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اے اللہ ہماری توبہ ہے تو قبول فرما اور ہم پر فضل و کرم کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا۔ اب سب نے یک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی ان سے فرمایا گیا کہ جب تک وہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں میں ان کی توبہ قبول نہ فرماؤں گا۔ سدیٰ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑ چمکنے کے بعد کا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ خطاب گوعام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد یہی ستر شخص ہیں۔

رازی نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے قصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سوائے حضرت ہارون علیہ السلام کے اور ان کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری تعالیٰ کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری تعالیٰ کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ توراہ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت! ہمیں کیا خبر اللہ تعالیٰ خود آکر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ اس قول پر ان کے اوپر غضب الہی تعالیٰ نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے پھر زندہ کئے گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراہ کو تھام لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔

ماوردی نے کہا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی۔ اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں خود ان پر یہ واردات پیش آئی اب تصدیق ایک بے اختیار امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

قرطبی کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے۔ یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے۔ خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے خود ان کے ساتھ ایسے ایسے کام ہوئے کہ جو بالکل نادر خلاف قیاس اور زبردست

عجرات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے اسی طرح یہ بھی۔ ٹھیک قول یہی ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَضَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّانَ وَالسَّلْوَىٰ كُلُّوْا مِمَّنْ طَبِيتَ مَا
رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۷﴾

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلوی اتارا (اور بھدیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو اور انہوں نے ہم پر تو ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ : اوپر بیان ہوا تھا کہ فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں۔ اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں ﴿غَمَامٌ غَمَامَةٌ﴾ کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں۔ یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا۔ جو وادی تیبہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ربيع بن انسؓ ابو مجلزؓ ضحاکؓ اور سدیؓ نے بھی یہی کہا ہے حسنؓ اور قتادہؓ نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل معمول کے بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا۔ ابو حذیفہؓ کا قول بھی یہی ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾ الخ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ بادل میں آئے اور اس کے فرشتے۔ یہی وہ بادل ہے جس میں بدروالے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت خاص من و سلوی : جو من ان پر اترا وہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھالیا کرتے تھے وہ گوند کی قسم کا تھا کوئی کہتا ہے شبنم کی طرح کا تھا۔ قتادہؓ فرماتے ہیں اولوں کی طرح من ان کے گھروں میں اترا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک اترا رہتا تھا ہر شخص اپنے گھربار کے لئے اتنی مقدار میں لے لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو جائے اگر کوئی زیادہ لے تو خراب ہو جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دودھ کالے لیتے تھے۔ جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بزواں تھا۔ ربيع بن انسؓ کہتے ہیں من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے۔ شععیؓ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس من کا ستر واں حصہ ہے۔ شعروں میں بھی من شہد کے معنی میں آیا ہے یہ سب اقوال قریب قریب ہیں۔ غرضیکہ ایک چیز تھی انہیں بلا تکلیف و تکلف ملتی تھی اگر سرف اسے کھالیا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملائی جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دیا جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں من سے مراد یہی من مشہور نہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کھسی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ بھوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھسی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ بعض کہنے لگے کھسی کا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا کھسی تو من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ سلوی ایک قسم کا پرندہ ہے چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے سرخی مائل رنگ کا۔ جنوبی ہوائیں چلتی تھیں اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے اور اگر دوسرے دن کے لئے رکھتے تو خراب ہو

جاتا اور جمعہ کے دن دو دن کے لئے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہے اس دن عبادات میں مشغول رہنے کا اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے۔ ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہو گا؟ تب ان پر من و سلوی اتارا گیا۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کے لئے درخواست کی گئی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنی بکڑی مارو بکڑی لگتے ہی اس سے بارہ ٹشے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے بانٹ لیا۔ پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس پھیل میدان میں سایہ کے بغیر گزر مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا۔ رہ گیا لباس وہ قدرت الہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ ایک سال کے بچے کا لباس جوں جوں اس کا قد و قامت بڑھتا جاتا وہ پھٹتا نہ خرابی پڑتی نہ میلا ہوتا۔ ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن کریم میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور ﴿اذ استسقى﴾ وان آیت وغیرہ۔

ہذلی کہتے ہیں سلوی شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ مؤرج نے اور جوہری نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دو کا نام ہے نسائی یا کثائی کہتے ہیں سلوی واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاوی آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے۔ یعنی لفظ سلوی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لیے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر مظالم کرنا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بھی بہت ساری اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

صحابہ کرامؓ اور بنی اسرائیلؑ بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے کے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع رسول پر اور عبادت الہی پر جمے رہے۔ نہ معجزات طلب کئے نہ دنیا کی راحتیں مانگیں نہ اپنے عیش کے لئے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی۔ جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے جیاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب صحابہؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! اس کھانے میں برکت کی دعا کیجئے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کر کے حاضر کر دیا جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام تو شے دان بھر لیے۔ پانی کے قطرے قطرے سے جب ترسنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ کی دعا سے ایک بادل آیا اور ریل پیل کر دیا پیلا پلایا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لیے۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس ثابت قدمی اور العزمی کا مل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَاكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ

سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۵۹﴾

ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو با فراغت کھاؤ پو اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے ﴿حطۃ﴾ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے۔ اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر آئے اور انہیں ارض مقدس میں جانے کا حکم ہوا جو زمین ان کی موروثی تھی ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیبہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۃ مائدہ میں ذکر ہے۔ قریب سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدی "ربیع" قتادہ "ابو مسلم" وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لیے لکھدی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ریحاء ہے۔ بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تیبہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا فرمائی بلکہ سورج کو ان کے لیے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تاکہ فتح ہو جائے فتح کے بعد انہیں یہ حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ جو اس فتح کی شکرگزاری کے لئے ہوگا۔

ابن عباس نے سجدہ سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ سے مراد یہاں پر خشوع و خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحط تھا۔ رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکا شروع کیا کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کی بجائے اور اونچا کر لیا۔ ﴿حطۃ﴾ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں اس میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسن اور قتادہ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں اے اللہ! ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح بھی کہتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور مجھ سے بخشش طلب کی تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں بھی تمہاری خطاؤں سے درگزر کر لوں گا۔

فتح مکہ کے موقع پر فرمان الہی سورۃ ﴿اِذَا جَاءَ﴾ اُنخ نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آجائے مکہ ہو اور لوگ دین ربانی میں آجائیں تو اے نبی! تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد و ثنائیاں کرو اس سے استغفار کرو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر و استغفار کا ذکر ہے وہاں حضور ﷺ کے آخری وقت کی خبر بھی ہے۔ حضرت ابن عباس نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے پسند فرمایا تھا۔ جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور ﷺ شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ ﷺ پر عیاں تھے یہاں تک سر جھکائے ہوئے تھے کہ اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے خنجر کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو خنجر کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکر یہ کی بھی اور دونوں طرح کے قول محدثین کے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسری کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعت پڑھیں۔ دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدے کرتے ہوئے اور ﴿حطۃ﴾ کہتے ہوئے دروازے سے داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور ﴿حطۃ﴾ حَبَّةٌ فِی شَعْرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ نسائی، عبد الرزاق، ابو داؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سند صحیح ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے ذات الحفظ نامی گھاٹی کے قریب پہنچے

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس گھائی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور ﴿حِطَّة﴾ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں ﴿سِقْوَالِ السُّفْهَاءِ﴾ میں ﴿سُفْهَاءِ﴾ یعنی بیوقوفوں سے مراد یہ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیا تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ﴿حِطَّة﴾ کے بدلے انہوں نے ﴿حِنْطَةَ حَبَّةِ حَمْرَاءَ فِيهَا شَعِيرَةٌ﴾ کہا تھا ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے ﴿هَطَا سَمْعَانَا اِزْبَ مِزْبَا﴾۔ ابن عباسؓ بھی ان کی اس تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور ﴿حِطَّة﴾ کے بدلے ﴿حِنْطَةَ﴾ کہتے ہوئے داخل ہونے لگے۔ حضرت عطاءؓ مجاہدؓ عکرمہؓ 'ضحاک' 'حسن' 'قنادہ' 'ربیع' 'یحییٰ' نے بھی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اسے مذاق میں اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ فرماتا ہے کہ ہم نے ظالموں پر ان کی فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے ایک مرفوع حدیث میں ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے پہلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ انا۔ ابن جریر میں ہے کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے جس سے تم سے پہلے لوگ عذاب دیئے گئے تھے۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ

أَشْنَاءُ عَشْرَةَ عَبْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبًا ثُمَّ كَلَّمُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا

تَعْتَوْنَ فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۰﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو جس سے بارہ چشمے بہنے لگے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

احسانات کا مزید تذکرہ: یہ ایک اور نعمت یاد دلائی جا رہی ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر قبیلے کے لیے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کر دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بے محنت کی روزی کھاپی کر ہماری عبادت میں لگے رہو، نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھین جائیں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ ایک چار کونوں والا پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الہی اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہنے لگیں۔ یہ پتھر نیل کے سر جتنا تھا جو نیل پر لاد دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے رکھ دیتے اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے نہریں بہنے لگتیں۔ جب کوچ کرتے اٹھالیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا۔

بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا۔ دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا دس شاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا تھا انہوں نے لکڑی اور یہ پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الہی یہ پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بمشورہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اٹھالیا تھا جس سے یہ مجزہ آپ کا ظاہر ہوا۔

بن کعب اور ابن مسعود سے ﴿مِصْرَ﴾ کی قرأت بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿مِصْرَ﴾ مصر سے بھی مراد مخصوص شہر مصر لی جائے۔ اور یہ الف ﴿مِصْرَا﴾ کا ایسا ہی جیسا ﴿قَوَارِئِرًا قَوَارِئِرًا﴾ میں ہے۔ مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں پالو گے میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر اور سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا اس لیے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا واللہ اعلم۔

وَضُرِيتْ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُ وَبَغْضِبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ التَّيْبِيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوْا

يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے

شامت اعمال: مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان پر مسلط گئی اہانت و پستی ان پر ڈال دی گئی جزیہ ان سے وصول کیا گیا مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈالا گیا فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا بآء واکے معنی لوٹے اور رجوع کیا کے ہیں بآء کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر و عناد حق کی قبولیت سے انکار اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر اور انبیاء اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بناء پر تھا۔ اس سے زیادہ بڑا کفر اور کونسا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور اس کے انبیاء کو بلا وجہ قتل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔

مالک بن مرارہ رہادیؒ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں خوب صورت آدمی ہوں میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء علیہم السلام تک پہنچ گیا تھا اس لئے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؒ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو انبیاء کو قتل کر ڈالتے تھے پھر بازاروں میں جا کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (ابوداؤد طیالسی) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہو گا جسے نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا امام اور تصویریں بنانے والا۔ یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کئے ہوئے کاموں کو کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصْرٰى وَ الصّٰبِيْنَ مَنۢ مِّنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلۡ صٰلِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنۡدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۲﴾

مسلمان ہوں یہودی ہوں نصاری ہوں یا صابی ہوں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں۔ اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی۔

ہر نبی کا تابعدار ایمان دار اور صالح ہے۔ اور چونکہ نافرمانیوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تاقیامت ہے کہ نہ مستقبل کا خوف اور نہ یہاں نہ ملنے والی چیزوں کا افسوس اور نہ حسرت اور جگہ ہے ﴿آلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف و غم نہیں۔ اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں۔ یہی کہتے ہیں ﴿لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ تم ڈرو نہیں تم اداس نہ ہو تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن دینداروں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز و روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ ﷺ مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں حضرت سلمان کو اس سے بڑا رنج ہوا وہیں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراہ کو ماننا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آجائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر وہ اب بھی توراہ اور سنت موسیٰ علیہ السلام پر جمار ہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور تابعداری نہ کی تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانہ میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو پالے تو آپ ﷺ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے۔ اگر اب بھی اس نے انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑا اور آپ ﷺ کے طریقے پر عمل نہ کیا تو ہلاک ہوگا (ابن ابی حاتم) سدی اور سعید ابن جبیر بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا۔ لیکن جب دوسرا نبی آیا اور اس نے اس کا انکار کیا تو کافر ہو جائے گا۔ قرآن کی ایک آیت جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے ﴿مَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ یعنی جو شخص اسلام کے سوا اور دین ڈھونڈے اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ ان دونوں آیات میں یہی تطبیق ہے۔ کسی شخص کا کوئی عمل کوئی طریقہ مقبول نہیں تا وقتیکہ وہ شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آگئے۔ آپ ﷺ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کے لئے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اسکی شریعت کے مطابق عمل کرنا شرط ہے۔

یہود کون ہیں؟ لفظ یہود ہواۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودہ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے جس کے معنی توبہ کے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے ﴿إِنَّا هَذَا إِلَيْكَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں۔ پس انہیں ان انہی دو جوہات کی بنا پر یہود کہا گیا ہے توبہ کی وجہ سے اور آپس کی دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یہود کہ اولاد میں سے تھے اس لئے انہیں یہود کہا گیا ہے۔ یہود حضرت یعقوب کے بڑے لڑکے کا نام تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراہ پڑھتے وقت ہلتے تھے اس بنا پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی اور ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت

یعنی تائید اور مدد کی تھی۔ انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ یعنی اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا اس لئے انہیں نصاریٰ کہا گیا۔ قتادہؒ اور ابن جریرؒ کا بھی یہی قول ہے ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے واللہ اعلم۔
نصاریٰ ﴿نَصْرَانَةٌ﴾ کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاوی اور سکران کی جمع سکاری اس کا موث ﴿نَصْرَانَةٌ﴾ آتا ہے۔
اب جب کہ خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ آیا اور آپ ﷺ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر اور ان پر سب پر آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع واجب ہوئی اور آپ ﷺ کی امت کا نام مومن رکھا ان کے ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء علیہم السلام پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔

صابی کون ہیں؟ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لامذہب کے کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے اسی بناء پر ابو حنیفہؒ اور اسحاقؒ کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت حسنؒ اور حضرت حکمؒ فرماتے ہیں یہ گروہ مانند مجوسیوں کے ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ شیخ وقتہ نماز قبلہ کی جانب پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو زیاد اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابو الزنادؒ فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں بکوئی کے رہنے والے سب انبیاء کو مانتے ہیں ہر حال میں تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبدالرحمن بن زیدؒ کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بناء پر آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صابی کہتے تھے یعنی ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنے کی بناء پر ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ مجاہدؒ حسنؒ اور ابن ابی کحجؒ کا یہی فتویٰ ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔ ابو سعید اصطخری نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

رازیؒ فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی پر مشرکین اصحاب رسول اللہ ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی واللہ اعلم۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ طُحُّدُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٠١﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٠٢﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے

یاد کرو تا کہ تم سچ کہو۔ لیکن تم اس کے بعد بھی یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے۔

وعدہ توڑنے والے یہود: ان میں اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو ان کے عہد و پیمانہ یاد دلایا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرنے اور منوانے کے لئے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کھڑا کر دیا تھا۔ اور جب کہ وہ اب گر کر انہیں کچل ڈالے گا اس وقت ہم نے کہا ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تمام لو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو سچ جاؤ گے۔ طور سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورہ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم نے اس کی تفسیر کی ہے اور یہی ظاہر ہے۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر روئیدگی ہوتی ہو۔ حدیث فتون میں بروایت ابن عباس مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اس وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا کہ اب تو نہیں۔ سدی کہتے ہیں ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنگھیوں سے اوپر کود کھیتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ بنالیا۔ اسی وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا اس سے مراد تو توراہ ہے۔ قوت سے مراد اطاعت ہے۔ یعنی تورات پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ تم پر پہاڑ گر دیا جائے گا۔ اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو یعنی توراہ پڑھتے پڑھاتے رہو لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کی بھی کچھ پروا نہ کی اور عہد شکنی کی اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی اگر وہ تو یہ قبول نہ فرماتا اور انبیاء کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا اس وعدہ کو توڑنے کی بناء پر دنیا اور آخرت میں تم باہر ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۵﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِلْبَاقِينَ يَدِيهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۶﴾

یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ اسے ہم نے انگوں پچھلوں (پہلے اور بعد کے آنے والوں) کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا۔

یہود بندر کیوں بنا دیئے گئے؟ اس واقعہ کا بیان پوری تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف میں ہے جہاں فرمایا ہے ﴿وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقُرْآنِ آيَةَ النَّاسِ﴾ ان لوگوں کی پوری تفسیر بھی پوری بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ایلہ ہستی کے باشندے تھے ان پر ہفتہ کے دن کی تعظیم ضروری کی گئی تھی۔ دن کا شمار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے حیلہ کیا بڑھے کھود لئے رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے ہفتہ والے دن وہ آگئیں یہاں پھنس گئیں اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ مجاہد فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور قرآن کریم کے واضح الفاظ کے بھی خلاف ہے اس آیت پر پھر سورہ اعراف کی آیت ﴿وَاسْأَلْهُمْ﴾ اور ﴿وَجَعَلْنَا الْقُرْدَةَ﴾ الخ پر نظر ڈالو۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان کے جو ان بندر بن گئے اور بوڑھے ہو گئے۔ قنادہ فرماتے ہیں یہ تمام مرد و عورت دم والے بندر ہو گئے تھے آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے جو لوگ انہیں اس مکر و حیلہ سے روکتے تھے وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو

ہم پہلے ہی سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کی نسل نہیں ہوئی تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ تعالیٰ اپنے غضب و غصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے ہمیں نجات دے) (آمین) ﴿خَاسِبِينَ﴾ کا معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ابن عباسؓ وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت و ادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا اس دن کی عزت کے طور پر ان کا شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بناء پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آجایا کرتی تھیں اور اچھلتی کودتی رہتی تھیں باقی دنوں میں کوئی نظر بھی نہیں آتی تھی ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔

اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا تو اور والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے۔ ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آجاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور ہو گیا جو مصلحت وقت برتنے والے اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والے تھے وہ نہ تو ان کا پورا ساتھ دیتے نہ ان کا شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو منع کرنے والے جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔

بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ ساز فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور ایک دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گزر گئی ایک دن جب یہ مسلمان سو کر اٹھے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آرہی تھیں یہ لوگ حیران تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر ہو گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا دیکھا کہ وہ تمام لوگ عورتوں اور بچوں سمیت بندر بن گئے ہیں ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ تمام انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دماغ نکل ہوئی ہیں۔ بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو مصلحت پسند نہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہی لوگ باقی بچے جو منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیات وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ انکی صورتیں بدل دی گئیں تھیں سچ مچ بندر بنا دیئے گئے تھے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے جیسے مجاہدؒ کا قول ہے ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری

صورتیں بھی ان کی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

﴿فَجَعَلْنَا هَا﴾ میں ﴿ہَا﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿قِرَدَةً﴾ ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو عبرت کا سامان بنایا اس کا مرجع حیثان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع ﴿غَفْوَبَةً﴾ ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قِرْبَةٌ ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرت تک امر بنایا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قر یہ مراد ہے اور قر یہ سے مراد اہل قر یہ ہیں۔

﴿نَكَالٍ﴾ کہتے ہیں عذاب و سزا کو جیسے اور جگہ ہے ﴿فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى﴾ اس کو عبرت کا سبب بنایا آگے پیچھے والی بستیوں کے لئے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَى﴾ الخ ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تاکہ وہ لوگ لوٹ آئیں اور ارشاد ہے ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ﴾ الخ اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت ناک واقعہ دلیل بن جائے گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلوں پچھلوں کے لئے یہ ایک سبق ہے لیکن ظاہر ہے گزرے ہوئے اگلے لوگوں کے لئے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرت ناک ہو دلیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تو گزر چکے تو صحیح قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر کی واللہ اعلم۔ اور یہ بھی معنی بیان کئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے گناہوں کے لئے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی آس پاس کی بستیاں قرآن فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ﴾ الخ۔

امت محمدیہ ہشیار باش: الغرض یہ عذاب ان کے آنے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی لئے ﴿وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ یعنی یہ بعد کے آنے والے پر ہیز گاروں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ یہاں تک کہ امت محمدیہ ﷺ کے لئے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزا ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے اور ان کے مکرو فریب سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئی اب جو ایسا کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب ان پر بھی آجائیں۔ ایک صحیح حدیث امام ابو عبد اللہ ابن بطہ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ﴿لَا تَرْتَكِبُوا مَا رَتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللَّهِ بِأَذْنِي الْحَيْلِ﴾ یعنی تم وہ نہ کرو جو یہودیوں نے کیا حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں واللہ اعلم۔

وَرَادُ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا

هُزُؤًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿١٧﴾

(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جو اب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں

گائے ذبح کرنے کا قصہ: اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مال دار اور تو گمر تھا اس کی کوئی فریاد اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا بھتیجے نے جب دیکھا کہ بوڑھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کی دھن میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ تاکہ اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول

کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقع پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھانگ بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے۔ کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے اس چچا کی لاش کو بیجا کر اس قلعہ کے پھانگ کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائی دھائی مچادی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا اور ان قلعہ والوں پر تہمت رکھی اس نے دیت کاروپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا لیکن یہ سر ہو گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تہل گیا۔ یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ایک گائے ذبح کر لو۔ انہوں نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ کا گائے کے ذبیحہ کا حکم؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اٹھو بذات اللہ (مسائل شرعیہ کے موقع پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچی ہے جو ان عمر کی ہے۔ انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں بھلی لگتی ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت ہیں 'کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جتی' کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے 'یک رنگی ہے' کوئی داغ دھبہ نہیں جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔ اب نکلے ایسی گائے ڈھونڈنے کو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس سے ملی یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جب کہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی بیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار ملے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کروں گا۔ اس نے کہا نہیں ابھی قیمت دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں۔ اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو نہیں جگاؤں گا تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا۔ یونہی ادھر سے کئی ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو تو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں۔ لڑکا کہتا ہے کہ اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ جب میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کو جاننے اور انکی راحت رسانی کی کوشش کرنے اور انکا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔ جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے' پھر کہتے ہیں کہ تم نے لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا اس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آخر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی۔ یہ برکت اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جب کہ یہ بہت محتاج تھا اسکے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اسکی رائٹ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے میری لڑکی سے نکاح کر لے۔ بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ لگ گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا

اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی لیاقت اور مٹاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا۔ یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق یا تکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اسے بنی اسرائیل میری امت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردے کو زندہ کر دیا اور اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا قندوب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۗ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا

لَا يَكْرُهُ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۗ وَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۶۵﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا

مَا لَوْنُهَا ۗ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿۶۶﴾ قَالُوا

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۗ إِنَّ الْبَقْرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ

لَمُهْتَدُونَ ﴿۶۷﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ

مُسْلِمَةً ۗ لِأَشْيَةٍ فِيهَا قَالُوا لَئِن جِئْتَ بِالْحَقِّ فَدُبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۶۸﴾

انہوں نے کہا۔۔۔ موسیٰ ادا کیجئے کہ اللہ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے۔ آپ نے فرمایا۔ سنو وہ گائے نہ تو بالکل بوڑھی ہے نہ بچی۔ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہے۔ پس اب جو تمہیں حکم دیا گیا بجا آؤ وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہے۔ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتائے اس قسم کی گائیں تو بہت ساری ہیں پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے آپ نے فرمایا اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی زمین میں مل جوتے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں وہ تندرست اور بے داغ ہے انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا۔ تو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دیا۔

بنی اسرائیل کی سرکشی: بنی اسرائیل کی سرکشی سرتابی اور حکم الہی امر الہی میں کرید کا یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اگر آخر میں وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی یہ سختی نہ بنتی اور اظہار ان پر نہ ہوتا۔ پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا نہ تو وہ بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے بلکہ درمیانی عمر کی ہے پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد رنگ کی ہے اور چمکدار رنگ ہے جو دیکھنے والوں کے من بھائے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر وقت خوش و خرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے ﴿تَسُرُّ النَّاطِرِينَ﴾ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اس کی شوخی اور چمکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا۔ جب بن منہ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعاعیں اس سے اٹھ رہی ہیں تو راہ میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے لیکن شاید یہ عربی کرنے والوں کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا کہ اے اللہ کے نبی! کوئی اور نشانی بھی پوچھئے تاکہ شبہ مٹ جائے انشاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا۔ اگر یہ انشاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے کفایت ہو جاتی۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا کلام ہے، واللہ اعلم۔ اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں نہیں جتی، پانی نہیں سینچا، اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں، یک رنگی ہے، سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں، اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی۔ مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ﴿ذَلُولٌ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جو اتی اور نہ پانی پلاتی ہے نہ اس میں کوئی داغ دھبہ ہے۔ اب اتنی بڑی کدو کاوش کے بعد بادل ناخواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے اسی لئے فرمایا کہ ذبح کرنے کے قریب نہ تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے ٹولتے تھے کسی نے تو کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جائیں کون قاتل ہو۔ بعض کہتے ہیں اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی اور گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتوں میں اسرائیلی روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ بجا آوری حکم کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا واللہ اعلم۔ اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو بلا دیکھے ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا کہ اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے جیسے کہ حضرت امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام لیثؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے انگوں کا اور پچھلوں کا اور اسکی دلیل بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور حدیث میں نبی ﷺ نے دیت کے اونٹوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں قتل خطا میں اور اس قتل میں جو مشابہ عمد کے ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے کوئی اور امام ثوریؒ وغیرہ بیع سلم کے قاتل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف و احوال پوری طرح ضبط نہیں ہو سکتے، اسی طرح ابن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ اور عبدالرحمن بن سمرہؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأَتْكُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۶۷﴾

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

تَعْقِلُونَ ﴿۶۸﴾

جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا ہم نے کہا اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

صحیح بخاری میں ﴿ادارتم﴾ کے معنی تم نے اختلاف کیا کے ہیں۔ مجاہدؒ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے مسیب بن رافع کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿والله مخرج ما كنتم تكتمون﴾ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گائے کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی

نکلنے کے جسم پر لگاؤ وہ نکلنا کونسا تھا؟ اس کا بیان نہ تو قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے نہ معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں ہم بھی اس کی تلاش و تفتیش میں نہ پڑیں گو بعض نے کہا ہے کہ وہ عطر و ف کی ہڈی نرم تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا۔ کوئی کہتا ہے وہ نونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا۔ کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم رکھیں۔ اس نکلنے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی کو کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنائی۔ اس سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے ایک تو آیت ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا نَحْمٌ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ میں اور دوسرے اس قصے میں اور تیسرے ان کے قصے میں جو ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجازت بستی پر ان کا گزر ہوا تھا۔ چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد زندہ ہو جانے میں۔ پانچویں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت و ذیست سے تشبیہ دینے میں۔ ابوداؤد طیالسی کی ایک حدیث میں ہے کہ ابورزین عقیلی نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مردوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح جلائے گا؟ فرمایا کبھی تم اجازت زمین پر گزرے ہو؟ کہا ہاں فرمایا پھر کبھی اسے سر سبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں فرمایا اسی طرح موت کے بعد ذیست ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿وَأَيُّهَا لَّهُمُ الْأَرْضِ الْمَيْتَةُ﴾ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل چیل کر دیتے ہیں اور وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھاتے ہیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا پیدا کیا ہوا نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گزار ہی نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برا بیچھتھی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ اور امام مالک کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً "بچ" ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لونڈی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کڑے اتار لے گیا جب اس کا پتہ بنی علیہ السلام کو لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس لونڈی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔ لوگوں نے پوچھا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا؟ فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور اس سے باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔ اور امام مالک کے نزدیک جب یہ برا بیچھتھی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور ﴿قسامة﴾ کے لیکن جمہور اس کے مخالف ہیں اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبَكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان

سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔

پتھر دل لوگ کون ہیں؟ اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیح کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر جیسے بن گئے۔ اسی لیے ایمان والوں کو اس طرح سختی سے روکا گیا اور کہا گیا ہے ﴿لَا يَأْتِيَنَّكَ الْيَقِينُ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ جب ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل زمانہ گزرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقول کے بھتیجے نے بھی اپنے چچا کے دوبارہ مرنے کے بعد اس کی تکذیب کی اور کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل بھی پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی ہیں اور بنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے گو وہ بننے کے قابل نہ ہو بعض پتھر خوف اللہ سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے اور جگہ ہے ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو اللہ تعالیٰ علم و بردباری اور بخشش و غفو والا ہے۔ ابو علی جبائی نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں۔ رازیؒ بھی غیر درست بتاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح بھی نہیں کیونکہ اس میں دلیل کے بغیر لفظی معنی کو چھوڑنا لازم آتا ہے واللہ اعلم۔ نہریں بہہ نکلتا زیادہ رونا ہے پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے گر پڑنا دل سے ڈرنا ہے بعض کہتے ہیں یہ مجاز کہا گیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿يُرِيدُ أَنْ يَمْلَأَ مِنَ الْعَذَابِ﴾ یعنی دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ رازیؒ اور قرطبیؒ کہتے ہیں ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

دیکھئے اس کا فرمان ہے ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ﴾ الخ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اس کے اٹھائے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے۔ اوپر آیت گزر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ﴾ یعنی ستارے اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور فرمایا ﴿يَتَفَيَّأُ ظِلَالَهُ﴾ الخ۔ اور فرمایا ﴿قَالْنَا آتَيْنَا طَائِعِينَ﴾ یعنی زمین و آسمان نے کہا کہ ہم خوشی خوشی حاضر ہیں۔ اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ پھٹ جاتے ہیں اور جگہ فرمان ہے ﴿وَقَالُوا لَجَلُودُهُمْ﴾ یعنی گنہگار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کعبور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تباہ ہوا دیا گیا تو وہ تباہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں ﷺ مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت کے دن دے گا۔ اور اس طرح کی بہت سی آیات و احادیث ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ ”او“ کے بارے میں اس کی بابت قرطبیؒ اور رازیؒ تو کہتے ہیں کہ یہ تخمیر کے لیے

ہے۔ یعنی اس کے دلوں کو خواہ پتھر جیسے سخت سمجھ لو خواہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازی نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لیے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے بھی زیادہ سخت 'واللہ اعلم'۔ اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں وہ بھی سن لیجیے۔ اس پر تو اہل حق ہے کہ وہ شک کے لیے نہیں آیا تو یہ معنی میں واؤ کے ہے یعنی ان کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ جیسے ﴿لَا تُطْعَمُونَ مِنْهُمْ أَمْ أَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لِقَاءُ رَبِّهِمْ أَفَلَا يُرْجَوْنَ﴾ اور ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ۔ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم و یقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لیے ایسا کلام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَإِنَّا أَوْأَيْنَاكُمْ لَعَلَّيْهِ أَهْدَىٰ أَوْ فِئْتِ صِلَالٍ مُّبِينٍ﴾ یعنی ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہو تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لیے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت یعنی بعض ایسے اور بعض ایسے۔ اس قول کے مطابق یہ قول بھی ہے ﴿كَمْ مَثَلِ الذِّئْبِ اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ پھر فرمایا ﴿أَوْ كَصَيْبٍ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿كَسْرَابٍ﴾ الخ پھر فرمایا ﴿أَوْ كَظُلْمٍ﴾ الخ مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے واللہ اعلم۔

تفسیر ابن مردودہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو ایسے کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے۔ ہزار میں حضرت انسؓ سے مروی روایت ہے کہ چار چیزیں بد بختی اور شقاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنکھوں سے آنسوکانہ بہنا دل کا سخت ہونا امیدوں کا بڑھ جانا لاپٹی بن جانا۔

اَفْتَطْمَعُونَ اَنْ يُؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلِمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يَحْرِفُوْنَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۰ وَاِذَا قَالُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا ۝۷۱ وَ اِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْا اَتَمَدُّتُمْ نَوْمَكُمْ بِمَافَتَنَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيَّجَاجُوكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۲ اَوْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۳

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر عقل و علم والے ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمان داری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہیں جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتا ہے۔

کلام اللہ میں تحریف کرنا یہود کا طریقہ ہے: اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ناامیدی دلارہا ہے کہ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی بڑی پریشانیاں دیکھتے ہوئے اپنے دلوں کو سخت پتھر جیسے بنا لیا اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ﴾ الخ یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے کیونکہ یہ اللہ کے کلام میں رد و بدل کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پہاڑ پر جا کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بتی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کی دی۔

سدی فرماتے ہیں ان لوگوں نے توراہ میں تحریف کی تھی۔ یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بد خصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿فَاجْرُهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراہ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب سے دور کر دیا تھا۔ اسی طرح حلال کو حرام، حرام کو حلال، حق کو باطل، باطل کو حق کر دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینے اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی، ہاں کبھی کبھی جب رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا۔ ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا، امریدوں سے الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملتے کو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی ﷺ سچے ہیں، یہ برحق رسول ﷺ ہیں لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے کیوں عرب سے یہ باتیں کہتے ہو پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے اللہ کے ہاں بھی تمہیں لا جواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے۔ تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا جاؤ کہہ دو ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آنے تو پھر ویسے ہی رہے جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آکر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے ﴿وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكَتَابِ آمِنُوا بِالذِّكْرِ﴾ الخ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ ایمان والوں پر جو اتر رہا ہے اس پر دن کے ایک حصہ میں ایمان لاؤ پھر دوسرے میں کفر کرو تا کہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے گروہ کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سے پوچھتے کہ کیا تمہاری کتاب میں حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ نہیں؟ تو وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قریظ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا اے بند اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہماری گھر کی باتیں انہیں کس نہ بتادیں؟ خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے حجت ہو جائے گی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی تم یہ جو چکے چکے اپنے گروہ سے

کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور تم جو اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو تمہارے اس سے کام سے میں بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو اس تمہارے اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے حاصل ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيًّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۵﴾ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا
يَكْسِبُونَ ﴿۷۶﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور انکل ہی پر ہیں۔ ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح وناکما تے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور ایسوس ہے۔

امی کی تفصیل: امی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ﴿۷۵﴾ اُمِّيُونَ ﴿۷۵﴾ اس کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفتوں میں سے ایک صفت امی بھی آئی ہے اس لیے کہ آپ ﷺ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کہتا ہے ﴿۷۵﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ ﴿۷۵﴾ الخ تو اسے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا تھا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے نہ حساب سمیہ سمی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا اتنا پہلی بار تو آپ نے وہ لوگ ہاتھوں کی تمام انگلیوں کو تین بار نیچے کی طرف جھکایا یعنی تیس دن کا اور وہ بارہ بار ایسے ہی کیا لیکن تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ کر لیا یعنی اسی دن کا۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں ان پڑھ امی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کیا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے۔ لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے دوسرا یہ کہ اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ امانی کے معنی باتیں اور اقوال حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کذب کے آرزو کے جھوٹ باندھ لینے کے معنی بھی کئے گئے ہیں تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے ﴿۷۶﴾ الا اذا تصمى ﴿۷۶﴾ الخ یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں۔ شعر اور کے شعر وں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے۔ اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ (فضول) باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ڈکارتے تھے۔

ویل کیا چیز ہے؟ ویل ﴿۷۶﴾ کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ﴿۷۶﴾ ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے اس کی گہرائی اتنی ہے کہ متواتر چالیس سال گرتے چلے جانے کے بعد نیچے تہ تک پہنچیں گے۔ لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے منکر بھی اور ضعیف بھی۔ اور ایک حدیث غریب میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ﴿۷۶﴾ ویل ہے

ہے۔ یہودیوں نے توراہ کی تحریف کر دی اس میں کمی زیادتی کی۔ آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا توراہ اٹھائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے کو اور ان کی کمائی کو بربادی اور ہلاکت ہے۔ ﴿وویل﴾ کے معنی سخت عذاب سخت برائی ہلاکت افسوس درد دکھ رنج و ملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ﴿ویل وبع ویش ویه ویک ویب﴾ سب ایک ہی معنی میں ہیں گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں۔ لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدأ نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لیے اسے مبتدأ بنا دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز لکھا ہے لیکن ویلا کی قرأت نہیں۔ یہاں پر یہودیوں کے علماء کی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے گروہ کو خوش کر کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے پھیلا دیا پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تحریف شدہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھر وہ تھوڑے مول سے مراد تمام دنیا کا مال مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں اس کی قدر و قیمت کچھ نہیں۔ لیکن جنت کے مقابلہ میں وہ بے حد فقیر چیز ہے پھر فرمایا کہ ان کے اس نفع کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَمَّا نَارُ اللَّهِ فَمَا نَسِئُهَا إِلَّا تَعْلَمُونَ

فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا ہرگز نہیں بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو۔

جہنم کا عذاب چالیس دن؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہو گا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن اپنا آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ یہ دھوکا انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراہ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے آکر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا انہیں بلکہ تم ہی ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ کے خدمت میں بطور ہدیہ کے تھری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو۔ پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہو اوہی ہمارا باپ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ بتانا انہوں نے کہا اے ابو القاسم ﷺ اگر جھوٹ بھی کہیں گے تو آپ ﷺ کے سامنے نہ چل سکے گا ہم تو آزما چکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت۔ آپ ﷺ نے فرمایا دور ہو جاؤ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا اچھا بتاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضور فرمایا کیوں؟ کہا اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز نقصان نہ دے گا اور

اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد بخاری نسائی)۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ۝

یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

جنتی اور جہنمی کون؟ مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر برے ہیں جو نیکیوں سے خالی ہاتھ ہے وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ﴾ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں اور نہ اہل کتاب کے 'بہ برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی والا اپنی نیک کاری کا ثمرے کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور بھلے کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا نہ مردگانہ عورت کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابو وائل ابو العالیہ مجاہد انکرمہ حسن قتادہ ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدھی کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو پے درپے ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر قابض ہو جائے۔ ربیع بن خثیم کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو وہ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم جیسا عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان ہے اور تمہاری بد اعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال ہیں انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ والی جنتیں ملیں گی۔ اللہ کے عذاب اور ثواب دونوں پائیدار ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ
آتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا اسی طرح قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہا کرنا لیکن پھر تھوڑے سے لوگوں سے علاوہ تم سب پھر گئے اور نہ موڑ لیا۔

حقوق اللہ میں اہم بات اللہ کی عبادت ہے۔ بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ نہ صرف

ہو اسرائیل کو بلکہ تمام مخلوق کو یہی حکم ہوا ہے 'فرمان ہے ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ یعنی اور تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں سب لوگ میری ہی عبادت کیا کریں اور فرمایا ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اسکی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ پھر حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق چونکہ بہت بڑا ہے اسی لئے پہلے ان کا حق بیان ہوا۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان اور جگہ فرمایا ﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَكُونُوا تِيرَةً ﴾ ہے کہ اسکے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اکونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا پوچھا کہ اس کے بعد۔ فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے کہا حضور ﷺ! میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ تو پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر اور قریب والے کیساتھ پھر اور قریب والے کے ساتھ۔

ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرنا: آیت میں ﴿ لَا تَعْبُدُونَ ﴾ فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت ﴿ لَا تَعْبُدُوا ﴾ کے مبالغہ زیادہ ہے یہ خبر ہے معنی میں طلب کے۔ بعض لوگوں نے ﴿ ان لا تعبدوا ﴾ بھی پڑھا ہے۔ ابی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ وہ ﴿ لَا تَعْبُدُوا ﴾ پڑھتے تھے۔ یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سر پرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں اس کی مزید تشریح انشاء اللہ سورہ نساء کی اس معنی کی آیت میں آئے گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو 'برائی سے روکو۔ حضرت حسن فرماتے ہیں 'بھلائی کا حکم دو 'برائی سے روکو' 'برود باری' درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنا لو 'یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں 'اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات ہی کر لیا کرو (مسند احمد)۔

پس قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا 'پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا 'پھر اچھی باتیں کہنے کا 'پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا کہ نماز پڑھو زکوٰۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً فرمان بن گئے مگر تھوڑے سے اپنے وعدے پر قائم رہے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ فرمایا ﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو 'ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ 'قیموں اور مسکینوں کے ساتھ قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ 'اچھی پڑوسیوں کے ساتھ 'ساتھ والوں کے ساتھ 'مسافروں کے ساتھ 'لونڈی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک احسان اور بھلائی کیا کرو۔ یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت دوسری امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اسد بن وداعہ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ لیکن یہ اثر غریب ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ابتداً سلام علیک نہ کیا کرو 'واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ
ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ
فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَى
تُفْدُوهُمْ وَهُوَ مُحْرَمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفْتُوْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ
بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ
الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
اشْتَرَوْا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرو، کسی والوں کو جاؤ، ظمن نہ کرنا تم نے اس کا قرا لیا اور تم اس کے شام بنے۔ تین چھ آہن تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک نے جو جاؤ، ظمن بھی کیا اور برادری کے کاموں میں ان سے خلاف رو بروی کی طرح قتل کی جاں جب وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان سے یہ سے کہیں ان کا کانا تم سے تمہارا اس کا جو حیوں لیا اور آپس کے ہر ایمان تھے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو تم میں سے ہر ایمان لیا۔ اس سے ہوا کیا ہو کہ دنیا میں ہر ایمان اور قیامت کے دن سخت عداوتی مارا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی لادگی کو آخرت کے بدلے سول لیا ہے ان سے وعدہ نہ ملے ہوں گے اور نہ ان کی مدد لی جائے گی۔

بعض احکامات کا ماننا اور بعض کا انکار کیا یہی ایمان داری ہے؟ اس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کا آپس میں کبھی اتفاق نہ ہوتا تھا۔ ہمیشہ آپس میں جنگ و جدال رہتا تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر تو خزرج کے طرفدار اور ان کے بھائی بندے بنے تھے اور بنو قریظہ کا بھائی چارہ اس کے ساتھ تھا۔ جب اس اور خزرج میں جب کبھی جنگ ہوتی تو یہودیوں کے یہ تینوں کو وہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے بھی جاتے اور قتل کیا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے اور آپس نکالا بھی دیدیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے جب لڑائی ہو قوف ہوتی تو فریق مغلوب کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے سب کو قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ کہ میرے اس حکم کو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل بھی نہ کرو، گھروں سے نکالو اسے کیوں نہیں مانتے کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر نہ کرنا یہ کہاں کی ایمان داری سے انیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے مانند ایک جان کی ہیں۔

یہ حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایمان دار وہ سنی نسل رحیمی اور رحیمہ نام میں مثل ایک جسم کے ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے بخار چڑھ جاتا ہے، انہوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک لاشیٰ جسم کے لئے سارے جہان سے

مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے۔

عبدالخیر کہتے ہیں 'ہم سلمان بن ربیعہ کی ماتحتی میں نجد میں جہاد کر رہے تھے محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک یہودیہ لوٹدی کو سات سو میں خریدا۔ اس الجالوت کے پاس جب ہم پہنچے تو عبداللہ بن سلام اس کے پاس گئے اور فرمایا 'یہ لوٹدی تیری ہم مذہب ہے میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کرو' اس نے کہا بہت اچھا میں چودہ سو دیتا ہوں آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم میں نہیں بیچوں گا۔ اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا۔ آپ نے کہا سن! یا تو تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا۔ توراہ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھروں سے بے گھر بھی نہ کیا کرو۔ اب یا تو توراہ کو مان کر تو اسے خرید یا توراہ کا منکر بن۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا۔ آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس الجالوت کو فدیہ میں تھا 'یہ ان لوٹدیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہ نے اسے توراہ کی یہ آیت سنائی۔ غرض اس آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام ربانی کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے۔ امانت داری اور ایمان داری ان سے اٹھ چکی تھی۔ نبی ﷺ کی صفات آپ ﷺ کی نشانیاں آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق آپ کی جائے پیدائش 'جائے ہجرت وغیرہ سب چیزیں انکی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور بیشکی والے آخروی عذاب بھی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ
الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ
اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۱۷۰﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد اور رسول بھی بھیجے۔ اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی۔ لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تم نے جھٹ سے تکبر کیا، بعض کو تو جھٹلایا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔

انبیاء کے ساتھ بنی اسرائیل کا سلوک: بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراہ کی تحریف و تبدیلی کی 'حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی کی شریعت پر آنے والے انبیاء علیہم السلام آئے ان کی بھی مخالفت کی۔ چنانچہ فرمایا اِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا نُورٌ يَعْنِي هَمَّ نَا تَوْرَةَ نَازِلَ فَرَمَائِي جَس مِی ن ہدایت تھی اور نور تھا جس پر انبیاء خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو حکم دیتے رہے ان کے علماء اور درویش بھی اس کے ماننے کا حکم کرتے تھے۔ ان مراض پے در پے کیے بعد دیگرے انبیاء گرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراہ کے خلاف بھی تھے اسی لئے انہیں نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کر دینا، مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک مار کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑا دینا، بیماروں کو اپنے دم جھاڑنے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا، بعض غیب کی خبریں اللہ کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ پھر

آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو لگا دیا۔

لیکن بنی اسرائیل اپنی تکذیب اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے تھے کہیں مار ڈالتے تھے، محض اس بناء پر کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و احکام اس کی قبولیت سے مانع ہوتے تھے۔ اس لئے دشمنی پر اتر آتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، محمد بن کعب، اسمعیل بن خالد، سعدی، ربیع بن انس، عظیمہ عوفی اور قتادہ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبریل ہیں جیسے قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿لَنْزِلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ الخ یعنی اسے لے کر روح امین اترتے ہیں۔

صحیح بخاری میں تعلقاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت شاعر کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا وہ مشرکین کی جھوٹا جواب دیتے تھے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! حسان کی مدد روح القدس سے کر جیسے کہ یہ تیرے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔ صحیح کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں تو اس وقت بھی ان شعروں کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے بہتر شخص موجود تھے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ابوہریرہ! تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ حسان! تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے اے اللہ! تو حسان کی تائید روح القدس سے کر۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حسان! تم ان مشرکوں کی جھوٹا جواب دینا تمہارے ساتھ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر میں بھی جبریل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبریل علیہ السلام ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں ان سب نے کہا ہاں بے شک (ابن اسحاق)۔ ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کئے بغیر نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو۔ بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے۔ بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہے۔ کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت کسی نے کہا پاک کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے جیسے فرمایا ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ یعنی اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی۔ امام ابن جریر کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدس سے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿إِذَا أَيْدَتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب و حکمت تورات اور انجیل کے سکھانے کا بیان بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز اور روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ قدس سے مراد مقدس ہے جیسے ﴿هَاتِمٌ جَوْدٌ﴾ اور ﴿رَجُلٌ صَدُوقٌ﴾ میں۔ روح القدس کہنے میں اور ﴿روح منہ﴾ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے یہ اس لئے بھی کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح لی ہے کیونکہ ان کی روح انسانی پیچیدہ وغیرہ سے پاک صاف اور الگ تھلگ رہی تھی۔ پھر فرمایا کہ ایک فرشتے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقہ کو قتل کرتے ہو۔ جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں

مستقبل کا اس لئے کہ ان لوگوں کی حالت آیت کے نزول کے بعد بھی یہی رہی چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھلایا تھا اور اس وقت تو اس نے رگ کاٹ دی۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے ملعون کر دیا ہے ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے۔

غلف کے معانی و مفہوم: یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے جو اب ملا کہ یوں نہیں بلکہ اللہ کی لعنت کی مہر لگ گئی ہے ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ ﴿غُلْفٌ﴾ کو ﴿غُلْفٌ﴾ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ﴾ اکن یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں ان پر مہر لگی ہوئی ہے وہ اسے نہیں سمجھتے اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل والے ہوتے ہیں جن پر غضب الہی ہوتا ہے یہ دل کفار کے ہوتے ہیں۔ سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے ﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾ اس تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت، ثواب، عذاب وغیرہ کے قائل، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے، توراہ کو کتاب اللہ مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں، تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقع پر بالکل نہ ہونے کی صورت میں بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں واللہ اعلم۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ

يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى

الْكَافِرِينَ ۝

ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی جس کے پہلے یہ خود اس کے ساتھ کافر پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آجانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔

یہود کا انکار حسد کی وجہ سے ہے: جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ کی سچی کتاب لے کر اللہ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفات ہم توراہ میں پاتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمن سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے۔ لیکن جس وقت حضور ﷺ مبعوث ہوئے تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں، پہچان لیا دل سے قائل ہو گئے مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے حسد کر کے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں آ گئے۔ بلکہ وہ مشرکین

مدینہ جو ان سے یہ سنتے چلے آتے تھے انہیں ایمان نصیب ہو اور بالآخر حضور ﷺ کے ساتھ ہو کر وہ یہود پر غالب آگئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت بشر بن ہراءؓ حضرت داؤد بن سلمہؓ نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہماری شرک کی حالت میں ہم سے حضور ﷺ کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور جو اوصاف تم آپ کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ ﷺ میں موجود ہیں پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ ﷺ کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے سے مانتے تھے، منتظر تھے لیکن آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے خیال سے صاف انکار کر بیٹھے۔

بِسْمِ الشِّرْكَاءِ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يُنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوا وَبَغَضِبَّ عَلَى غَضِبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۰﴾

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا وہ ان کا کفر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں۔

یہودیوں کے حسد اور تکبر کی سزا: مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے جو حضور ﷺ کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا اور آپ ﷺ کی نصرت و امداد کی بجائے مخالفت اور دشمنی کی اور اس سے اپنے آپ کو جس غضب الہی کا سزاوار بنایا یہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سے حسد و بغض، تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں۔ چونکہ حضور ﷺ ان میں سے نہ تھے بلکہ آپ ﷺ عرب میں سے تھے اس لئے یہ منہ چڑھا کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حاکم نہیں۔ وہ رسالت کے حقدار کو خوب جانتا ہے، وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ پس ایک تو توراہ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب تھا اور اب دوسرا حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنے سے نازل ہوا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری نہ ماننے کا اور دوسرا غضب حضرت محمد ﷺ کی پیغمبری نہ ماننے کا یا پہلا غضب وہ جو پھنڑے کے پونے کی بابت تھا دوسرا غضب حضور ﷺ کی مخالفت کی بنا پر۔

چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی نبوت سے انکاری ہوئے تھے اور اس حسد و بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کیا تاکہ گناہ کا بدلہ پورا ہو جائے جیسے فرمان ہے۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَدِّ خُلُوقٍ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ میری عبادت سے جو بھی تکبر کرے گا وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چبوتھیوں کی طرح ہوگا۔ جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے بوس نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں کی آگ دوسری تمام قسم کی آگ سے تیز ہوگی اور جنہیں کالہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا
وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۱۰ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ
وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝۱۱۱

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں اچھا ان سے یہ تو دریافت کر کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟ تمہارے پاس تو موسیٰ علیہ السلام یہی دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی پھڑپھڑاؤ جاتے ہو ہی ظالم۔

خواہش کے بندے نفس کے غلام یعنی جب ان سے قرآن کریم پر اور نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراہ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کی تصدیق موجود ہے۔ جیسے فرمایا ﴿الَّذِينَ آمَنُوا هُمُ الْكُفْرَ يُعْرِفُونَ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾ یعنی اہل کتاب آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہو۔ پس آپ ﷺ کے انکار سے توراہ و انجیل پر بھی ان کا ایمان نہ رہا۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراہ و انجیل پر تو تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء جو ان کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے بغیر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے ماتحت ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے تم نے بڑے معجزات دیکھے طوفان، مٹیوں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ ان کی بددعا سے بطور معجزے کے ظاہر ہوئے لکڑی کا سانپ بن جانا ہاتھ کا روشن چاند بن جانا دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا بادلوں کا سایہ کرنا، من و سلوی اتارنا پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے ادھر تم نے پھڑے کو معبود بنا لیا اب بتاؤ کہ خود توراہ پر اور خود (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر بھی تمہارا ایمان کہاں رہا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلانے والی نہیں؟ ﴿مِن بَعْدِهِ﴾ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَرَأَىٰ سُلَيْمَانَ إِذْ يَخُوضُ فِي الْمَغْطِيبِ﴾ یعنی (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے پھڑے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے صریح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا ﴿وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيُّدِهِمْ﴾ الخ یعنی جب انہیں ہوش آیا نادوم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت کہا کہ اے اللہ! اگر تو ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری خطائے بخشے گا تو ہم انتہائی نقصان اٹھانے والے ہو جائیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۝۱۱۲ قَالُوا
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبْنَا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۝۱۱۳ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ مَا يُرْكُمُ بِهِ
إِيَّانَكُمْ أَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۱۴

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھا مو اور سنو۔ تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے دلوں میں انکے کفر کی وجہ سے پھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی ان سے کہہ دو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو۔

یہود کا سب سے بڑا کفر: اللہ تبارک و تعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں، مخالفتیں، سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ ظور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کیا لیکن جب وہ سنا گیا تو پھر منکر ہو گئے اس کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے۔ پچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے 'کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہر ا بنا دیتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ جس کے پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا، گو پچھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کسی طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے! بار بار کی عہد شکنیاں کئی مرتبہ کے کفر، کیا سب بھول گئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾
 وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَٰثِرُ
 أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِبُرْزُخٍ مِنْ الْعَذَابِ أَنْ يُعَٰثِرُوا اللَّهَ بَصِيرًا ﴿۱۸﴾ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

کہدو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو! لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ بلکہ اسے نبی تو انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائے گا! یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھڑا سکتا اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔

یہود کو مباہلہ کی دعوت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی ﷺ کی زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر دے، لیکن ساتھ ہی پیشینگوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہونے کے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور ﷺ کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے اگر یہ لوگ اس اعلان کے تحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے، روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے۔ اسی طرح جو نصرانی آپ ﷺ کے پاس آئے تھے وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کا نام و نشان بھی نہ پاتے۔ (مسند احمد)۔

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا ﴾ آخر تک پڑھیے ان کا دعویٰ تھا کہ ﴿ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُ ۖ ﴾ ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں یہ کہا کرتے تھے ﴿ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُوَ ذَا أَوْ نَصْرًا ﴾ جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ جائیں گے اس لئے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر ڈالے لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم

مع ۲ عند المتأخرين ۲ = (ج ۵) =

تھا یہ اسکے لئے تیار نہ ہوئے اور ان کا کذب سب پر کھل گیا۔ اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضور ﷺ کے پاس آئے بحث مباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ ﴿تَعَالُوا نَدْعُ ابْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ﴾ الخ آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولادوں اور بیویوں کو لیکر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے لیکن وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہرگز اس نبی ﷺ سے مباہلہ نہ کرو ورنہ فوراً برباد ہو جاؤ گے۔ چنانچہ مباہلہ سے انکار کر دیا اور جھک کر صلح کر لی اور دہ کر جزیرہ دینا منظور کر لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا۔

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا﴾ یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھادے اس کی پوری تفصیل اس آیت کے تحت بیان ہوگی انشاء اللہ۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لئے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لئے ہی ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اسکی موت کی دعا کریں اس اعلان کے سنتے ہی یہودی تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشینگوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز طلب موت نہیں کریں گے۔

اس مباہلہ کا نام اصطلاح میں تمنی رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کفار کے لئے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ یہ لمبی عمر بھی انہیں عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا اور انہیں تھا پھر ان کی سیاہ کاریاں بھی سامنے تھیں اسلئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے لیکن ایلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے اللہ تعالیٰ انکے اعمال سے بے خبر نہیں تمام بندوں کے تمام اچھے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدل دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرٰى لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

(اسے نبی ۱) تم کہدو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت و خوشخبری دینے والا ہے۔ (تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور اسکے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔

یہودیوں کی حضرت جبرائیل سے دشمنی: امام طبریؒ فرماتے ہیں اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن بعض تو کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور ﷺ سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں

حضرت عمرؓ سے ان کا جو مناظرہ حضور ﷺ کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

یہودیوں کے نبی ﷺ سے سوالات۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہی یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ ﷺ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہتر ہے جو چاہو پوچھو۔ مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں تو تم میری نبوت کا اقرار کرو گے اور میری فرمانبرداری میں لگ جاؤ گے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح اللہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتائیے کہ توراہ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! جب (حضرت) یعقوب عرق النسا کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذرمانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے گا تو میں اپنی سب سے زیادہ مرغوب چیز کھانے کی اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ علیہ السلام کے پسند خاطر تھا چھوڑ دیا تمہیں اللہ کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر توراہ اتاری بتاؤ یہ سچ ہے۔ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے بجا ارشاد ہوا۔

یہودیوں نے کہا کہ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ عورت اور مرد کے پانی کی کیا کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے ان میں سے جو بھی غالب آجائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شکل بھی اس کے مطابق ہوتی ہے جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو حکم ربانی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر آجائے حکم ربانی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں سچ بتاؤ میرا جواب سچ ہے؟ سب نے قسم کھا کر اقبال کیا کہ بے شک آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ آپ نے ان دو باتوں پر اللہ کو گواہ کیا۔

انہوں نے کہا اچھا اب یہ فرمائیے کہ توراہ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس نبی کی خاص نشانی کیا ہے اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے تمہیں اس رب کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو توراہ دی بتاؤ میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا کہ آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اس پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا ولی جبرئیل علیہ السلام ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس اللہ رب العزت کا پیغام لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے وہ سختی و خونریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں گے ہاں اگر آپ ﷺ کے پاس (حضرت) میکائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے جو رحمت و بارش پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں جو ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ ﷺ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ ”رعد“ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا: صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب یہ خبر سنی تو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور اکرم ﷺ! میں باتیں پوچھتا ہوں جن کا جواب نبیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں یہ فرمائیے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتائے ہیں، سنو! حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا: پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کبھی کی زیادتی ہے۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جواب سنتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ﴾ پھر کہنے لگے حضور اکرم ﷺ! یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں اگر انہیں پہلے سے میرا اسلام لانا معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے برا کہنے لگیں گے۔ آپ ﷺ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔ آپ ﷺ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ کہا بڑے بزدل اور باخبر آدمی ہیں بڑے بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا؟ وہ کہنے لگے ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ، أَعُوذُ بِاللَّهِ﴾ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اب تک چھپے ہوئے تھے باہر آگئے اور زور سے کلمہ پڑھنے لگے پھر یہ یہودی شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اور اس کے باپ دادا بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجے کا آدمی ہے اور خاندانی کمی نہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور اکرم ﷺ! اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

لفظ جبرائیل وغیرہ کے معانی: صحیح بخاری میں ہے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ﴿جبرائیل، میکائیل، اسرافیل﴾ کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرائیل وغیرہ کے معنی عبد اللہ ہوئے۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف معنی بھی کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور ان سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں جیسے عربی میں عبد اللہ، عبد الرحمن، عبد المالک، عبد القدوس، عبد السلام، عبد کافی، عبد الجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اسی طرح ایل ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے اسماء حسنی بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں اسی قاعدہ کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ۔

لوگوں کا پتھر کے پاس نماز پڑھنا اور جناب عمرؓ کا اظہار ناراضگی: اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی۔ شععیؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ روح میں آئے دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر پتھروں کے ایک تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور ﷺ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے پھر چلے جایا کرتے تھے اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہاں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے۔

حضرت عمرؓ کا یہودیوں سے مکالمہ: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراہ کی اور توراہ قرآن کی تصدیق کر رہی ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر رہی رہا تھا کہ راستے سے حضور اکرم ﷺ نکلے انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی وہ جارہے ہیں۔ میں نے کہا خیر میں جاتا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ واحد کی قسم رب کے حق یاد کرو اور رب کی نعمتوں پر نظر رکھ کر اللہ کی کتاب

تم میں موجود ہونے کا خیال رکھ کر اسی رب کی قسم کھا کر کہو کہ کیا تم حضور ﷺ کو رسول نہیں مانتے اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا ان سے کہا کہ اس نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے اس بڑے پادری نے کہا نیچے جناب آپ نے زبردست قسم دی ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور (ﷺ) اللہ کے سچے رسول ہیں۔

میں نے کہا افسوس جب جانتے ہو تو مانتے کیوں نہیں ہو۔ کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس وحی آسانی لے کر آئی والے جبرئیل ہیں وہ نہایت سخت تنگی شدت عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لیکر (حضرت) میکائیل علیہ السلام آتے جو رحمت و رافت تحفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا کچھ قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری تعالیٰ کے دائیں بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی جبرئیل کے دشمن سے میکائیل علیہ السلام دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا نہ ان میں سے کسی کا دشمن اللہ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آسکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف ہے۔ سو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہو تو ایسے کافر کا اللہ بھی دشمن ہے۔ اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔

حضور کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب! مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا حضور! سنا ہے۔ آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ ﷺ کو خبر کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ ﷺ کو خبر پہنچا دی۔ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں شععی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

فرشتوں میں بھی رسول ہیں: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں اللہ کے حکم سے نبی کریم ﷺ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں۔ کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام انبیاء کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کے ماننے والوں کو کافر بتاتا ہے فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيُنذِرُونَ﴾ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے دوسری آیت کے آخر تک۔ پس ان آیات میں صراحتاً ان لوگوں کو کافر کہا جو کسی رسول کو نہ مانیں اسی طرح جبرئیل علیہ السلام کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے قرآن فرماتا ہے ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ اور فرماتا ہے ﴿وَإِنَّهُ لَنْزِيلُ رَبِّكَ﴾ یعنی ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے یہ نازل کیا ہو رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کرو۔

صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کر نیو والا ہے۔ قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کے تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوشخبری دیتا ہے جیسے فرمایا ﴿هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشَفَاءٌ﴾ فرمایا ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ﴾

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ رسولوں میں انسانی رسول اور مکی رسول سب شامل ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ﴾ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے۔ جبرائیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصی طور پر نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے ایک کادشمن دوسرے کادشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کادشمن ہے۔

حضرت میکائیل علیہ السلام بھی کبھی کبھی انبیاء علیہ السلام کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی ﷺ کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جیسے حضرت میکائیل علیہ السلام روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ رات کو جب جاگتے تب یہ دعا پڑھتے ﴿اللَّهُمَّ رَبِّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. إِهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اے اللہ اے جبرائیل میکائیل اسرافیل کے رب اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے اے چھپے کھلے کے جاننے والے اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ لفظ جبرائیل وغیرہ کا تحقیق اور اسکے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عمیرؒ فرماتے ہیں فرشتوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام خادم اللہ ہے۔ ابو سلیمان دارانیؒ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ ایک روایت میری روایات کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے جبرائیل اور میکائیل کے الفاظ میں بہت سی لغات اور قرأتیں ہیں جن کی تفصیل لغت کی کتب میں موجود ہے ہم انہیں یہاں بیان کر کے کتاب کا حجم بڑھانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم مفاد ان پر موقوف نہیں اللہ تعالیٰ مدد کرے ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کادشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کادشمن ہے اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اسے عربی میں مضمہ کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کادشمن اللہ بھی اس کادشمن اور جس کادشمن خود اللہ ہو جائے اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں ایک حدیث میں ہے کہ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے جس کادشمن میں ہو جاؤں وہ برباد ہو کر رہتا ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱﴾ أَوْ كَلَّمَا عَهْدُوا عَهْدًا مُّبَدَّلًا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْكِتَابَ أَكْثَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَرَأَوْا ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَسُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرَةَ وَمَا

أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۖ وَمَا يَعْلَمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۖ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں اتاری ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔ جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے سلیمان نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔ پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد و عورت میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جسکے بدلے وہ اپنے آپ فروخت کر رہے ہیں کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔ اور اگر یہ لوگ ایماندار متقی بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا۔ اگر یہ جانتے ہوتے۔

یعنی اے محمد (ﷺ) ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ (ﷺ) کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں نازل فرمادی ہیں۔ یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ان کی تحریف و تبدیلی احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرمادئے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ خمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کی طرف مجبور ہو جاتا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو انکا حسد و بغض روک دے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک ای شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا اور حکمتوں والا کلام بن نہیں سکتا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابن صوریاء قبطی نے حضور (ﷺ) سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں نہ آپ کے پاس کوئی روشن دلائل ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزماں کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہو اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے۔ ”نہ“ کے معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو عہد باری تعالیٰ کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضور (ﷺ) کا ذکر موجود تھا۔ فرمایا ﴿يَجِدُونَ فِيهَا مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ هِيَ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ﴾ یعنی یہ لوگ توراہ و انجیل میں حضور کا ذکر موجود پاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق

کرنے والا ہمارا پیغمبر ان کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب سے بے پرواہی کر کے اس طرح اسے چھوڑ دیا گویا کوئی علم ہی نہیں بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ ﷺ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپ ﷺ کو شفا ملی۔ توراہ سے تو حضور ﷺ کا مقابلہ کر نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق کرنے والی تھی تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابیں لے لیں ان کے پیچھے لگ گئے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے 'نفسانی خواہشات تو سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز ﴿مَا تَقْلُو الشَّيَاطِينُ﴾ میں داخل ہے۔

یہود کا سلیمان علیہ السلام کو جادو گر کہنا جھوٹ ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ پاخانے جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادیہ کو وہ دے جاتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا وقت آیا تو اس وقت ایک شیطان جن آپ کی صورت میں آپ کی بیوی کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو انہوں نے دے دی اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے حکومت کرنے لگا۔ ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام لے گئے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ ان دنوں شیاطین نے جادو، نجوم، کہانت، شعر اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں۔ آپ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا آپ پھر سے تخت و تاج کے مالک ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جاسکتے تھے اس لیے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں، بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کارا ز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے انکاری ہو گئے اور آپ کو جادو گر کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری نازل ہوا کہ جادو گری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بری الذمہ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے۔ فرمایا عراق کے کس شہر سے؟ اس نے کہا کوفہ سے۔ پوچھا وہاں کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علیؓ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے۔ آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور نہ ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح کرتیں، سنو! شیاطین آسمانی باتیں چرایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلا کر تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں، وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی کا ذکر اس آیت ﴿وَاقْبَلُوا﴾ میں ہے۔

اس زمانے میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کر دیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اعظم، مشیر خاص اور ولی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی نہ تھے بلکہ جادو گر تھے۔ اس بناء پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ﷺ نے ایک سچے نبی ﷺ کی برأت کا اعلان کیا اور یہودیوں کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام انبیاء کے زمرے میں منکر بہت

بدکتے تھے اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کر لیا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبادتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر وغیرہ بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ یاد ہے کہ ﴿عَلِيٌّ﴾ یہاں پر ﴿فِي﴾ کے معنی میں ہے یا ﴿تَتَلَوْا﴾ مضمون ہے ﴿تَكْذِيبٌ﴾ کا اور یہی اولیٰ اور احسن ہے واللہ اعلم۔

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی تھا اور یہ بالکل سچ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو گروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤد اور جالوت کے قصے میں ہے ﴿مِنْ بَعْدِ مُوسَى﴾ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا ﴿الْمَاعِنَاتِ مِنَ الْمَسْحُورِينَ﴾ یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے ﴿وَمَا أَنْزَلَ﴾ الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر مانافیہ ہے یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف ﴿مَا كَفَرَ سُلَيْمٌ﴾ پر ہے۔ یہودیوں کا دوسرا عقاد کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں اس کی تردید ہے۔

ہاروت وماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے۔ تنزیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ﴿إِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ﴾ میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔ قرطبیؒ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے اس کے سوا کسی اور معنی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جادو اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں رُجیع بن انسؒ فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا اس بناء پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہو گا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیو! تمہارا خیال جبرئیل و میکائیل کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بائبل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سر در دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت وماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابزی اسے اس طرح پڑھتے تھے ﴿وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ﴾ یعنی داؤد و سلیمان دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا۔ یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس کا زبردست رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں ﴿مَا﴾ معنی میں ﴿الَّذِي﴾ کے ہے اور ہاروت وماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے انہیں جادو کی تعلیم کی اجازت دی ہے لہذا ہاروت وماروت اس فرمان باری کو پورا کر رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں ﴿مَلَائِكِينَ﴾ یعنی بادشاہوں کی قرأت پر ﴿انزال خلق﴾ کے معنی میں ہو گا جیسے فرمایا ﴿وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ﴾ اور فرمایا ﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ﴾ اور کہا ﴿وَيُنزَلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾ یعنی ہم نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کیے لوہا بنایا۔ آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں ان سب کے علاج بھی پیدا کئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے۔ یہاں سب جگہ انزال خلق یعنی پیدائش کے معنی میں ہے ایجاباً یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون تفصیل کے ساتھ ہے جو ابھی بیان ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ﴾ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت کعب احبارؓ حضرت سدیؓ اور کلبیؓ یہی فرماتے ہیں۔

اب اس حدیث کو سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر بد لوگ ہیں کیسے نافرمان سرکش ہیں ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کر لو میں ان میں انسانی خواہشات کو پیدا کرتا ہوں اور انہیں میں بھیجتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت وماروت کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو میں اپنے انبیاء کی معرفت اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں، لیکن تم سے بلا واسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، زمانہ کرنا، شراب نہ پینا۔ اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کیلئے حسین و جمیل عورت کی صورت میں انکے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ دیوانے ہو گئے۔ اور اس سے زنا کرنا چاہا۔ اس نے کہا اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا، وہ چلی گئی، پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی ہوں۔ انہوں نے اسے بھی نہ مانا۔ اور پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو۔ انہوں نے اسے ہانکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے وہ تمام کام تم نے کر ڈالے یہ نادم ہوئے، پھر انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کئے۔ صحیح ابن حبان، مسند احمد، ابن مردویہ، ابن جریر، عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمیٰ حدّٰہ کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

ابن مردویہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک رات کو دوران سفر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت نافعؓ سے پوچھا کہ کیا زہرہ ستارہ نکلا؟ اس نے کہا نہیں۔ دو تین مرتبہ کے سوال کے بعد کہا اب زہرہ طلوع ہوا، تو فرمانے لگے اسے نہ خوشی ہونہ بھلائی ملے۔ حضرت نافعؓ نے کہا حضرت ایک ستارہ جو حکم اللہ سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا سن میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، پھر اسکے بعد مندرجہ بالا حدیث (باختلاف الفاظ) سنائی، لیکن یہ بھی غریب ہے حضرت کعبؓ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے اور ممکن ہے کہ وہ اسراہیلی روایت ہو، واللہ اعلم۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے بھی اس قسم کی روایات بہت کچھ منقول ہیں۔ بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو، انہوں نے سکھا دی، یہ پڑھ کر چڑھ گئی۔ اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی۔ بعض مرفوع روایات میں بھی یہی ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اسکے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں ان سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں۔ ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا کیونکہ یہ فنا ہو جانے والا ہے اور آخرت کے عذاب دائمی ہیں۔ چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل اور مال حرام سے ممانعت بھی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ فیصلہ انصاف کے ساتھ کریں۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا، پھر دو

کی آزمائش ہوئی۔ ابن عباس فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دیناوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف فیصلہ کر دو تو پھر میں تیار ہوں ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی لیکن اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہی ستارے کی صورت میں مسح کر دی گئی۔ عبد اللہ بن عمر جب بھی ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ پڑھ سکے، سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

مجاہد فرماتے ہیں پہلے پہل چند دنوں تک تو یہ فرشتے ثابت قدم رہے صبح سے شام تک عدل کے ساتھ فیصلے کرتے رہتے شام کو آسمان پر چڑھ جاتے پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا گیا تھا۔ الغرض ہاروت و ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے، جیسے مجاہد سدی، حسن بصری، قتادہ ابو العالیہ، زہری، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان وغیرہ۔ مہم اللہ! جمعین اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دار و مدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے۔ کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد، ابن حبان، بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ مل ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے۔ پھر ظاہر سے ہٹا کر بے جا تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی واللہ اعلم۔ (فتح البیان)۔

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو متہ الجندل کی ایک عورت حضور ﷺ کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصے بعد آپ ﷺ کی تلاش میں آئی اور آپ ﷺ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پٹنے لگی، میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ ایک بڑھیا سے میں نے یہ ذکر کیا۔ اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر، وہ خود بخود تیرے پاس آجائے گا میں تیار ہو گئی، وہ رات کے وقت دوکتے لے کر میرے پاس آئی، ایک پر وہ خود سوار ہوئی دوسرے پر میں بیٹھ گئی، تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے کہا ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔ میں نے ان سے کہا۔ انہوں نے کہا سن ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ اس کا سیکھنا کفر ہے۔

میں نے کہا میں تو سیکھوں گی۔ انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب گر کے آیا۔ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی، میں واپس گئی اور کہا میں فارغ ہو آئی۔ انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی تک کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر۔ میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے انہوں نے پھر کہا جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ چلا واپس آئی۔ پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑا سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ میں واپس چلی آئی ان سے ذکر کیا، انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا اب چلی جا۔ میں

آئی اور اس بڑھیا سے کہا کہ انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا بس تجھے سب کچھ آگیا اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا آگ جاؤ فوراً آگ گیا میں نے کہا تجھ میں بالی پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئی۔ میں نے کہا سوکھ جاؤ بالی سوکھ گئی۔ میں نے کہا آگ آگ دانہ ہو جا۔ وہ بھی ہو گیا۔ پھر میں نے کہا سوکھ جاؤ تو سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا "آنا بن جا" تو آنا بن گیا۔ میں نے کہا "روٹی پک جا" تو روٹی پک گئی۔ یہ دیکھتے ہی میرا دل نامدم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المؤمنین! قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ میں یونہی روٹی چینی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ حضور ﷺ سے کہوں لیکن افسوس بد قسمتی سے آپ ﷺ کو بھی میں نے نہ پایا اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر پھر اسے بین و پکا شروع کی اور اس قدر روٹی کہ ہر ایک کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حیران تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں۔ آخر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اب سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو تو یہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزار بن کر رہو۔

اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں بھی تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے و قیاس سے گھڑ گھڑا کر بتا دیتے ہیں بالکل نہیں رکتے۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عین چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ﴾ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا ﴿يُخِيلُ إِلَيْهِمْ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهُمْ تَسْمَعُونَ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دیناوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ بابل کی سر زمین پر جا رہے تھے عصر کی نماز کا وقت آگیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا میرے حبیب ﷺ نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے یہ زمین ملعون ہے۔ ابو داؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور ابو داؤد نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموش رہیں تو وہ حدیث ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سر زمین پر نماز مکروہ ہے جیسے کہ شہودیوں کی سر زمین کی بابت حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی منزلوں میں نہ جاؤ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف ربانی سے روتے ہوئے جاؤ۔ بیت داں لوگوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحرِ غربی اوقیانوس سے ستر درجہ اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استواء تینتیس درجہ ہے واللہ اعلم۔ چونکہ ہاروت و ماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر، کفر و ایمان کا علم دے رکھا ہے اس لئے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں اور ہر طرح روکتے ہیں جب نہیں مانتا تو وہ کلمات اس سے کہہ دیتے ہیں اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جادو آجاتا ہے شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے۔ ایمان کے نکل جانے کے بعد غضب الہی اس کے رونگٹے رونگٹے میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن حکیم میں مذکور ہے ﴿أَنْ هِيَ الْآفِتْنَةُ﴾ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے جو شخص کسی کا بن یا جادو گر کے پاس جائے اور اسکی بات کو سچ سمجھے اس نے (حضرت) محمد (ﷺ) پر اتاری ہوئی وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار)۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تائید میں اور احادیث بھی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت و ماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس سے بڑے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض

اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیج دیتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کر لیا۔ شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں کیا یہ تو معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا اسے اپنے پاس بٹھالیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادو گر بھی اپنے جادو سے یہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات و اطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آجائے وغیرہ وغیرہ آہستہ آہستہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جائے۔ ”مرء“ کہتے ہیں آدمی کو اس کا مذکر مونث اور شقیہ تو ہے جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی ان کے اپنے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وہ سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان کی کوئی قدر و وقعت اللہ کے پاس ہے نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی محسوس کرتے اور ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پاسکتے ہیں۔ بزرگان دین نے اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جادو گر کافر ہے کیونکہ آیت میں ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَ اتَّقَوْا﴾ فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے، بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادو گر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

بجالہ بن عبید کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادو گر مرد عورت کو قتل کر دو۔ چنانچہ ہم نے تین جادو گروں کی گردن ماری۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں تین صحابہؓ سے جادو گر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جادو گر کی حد تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اسماعیل بن مسلم ضعیف ہیں صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن ظہرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہی حدیث مرفوع مروی ہے واللہ اعلم۔

ولید ابن عقبہ کے پاس ایک جادو گر تھا جو اپنے مرتبہ دکھایا کرتا تھا بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم جمعین میں سے ایک بزرگ صحابی نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑادی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود زندہ ہو کر دکھا پھر قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی ﴿اَفْتَاتُوْنَ السَّحْرَ وَ اَنْتُمْ تَنْصُرُوْنَ﴾ کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابی نے ولید کی اجازت اسکے قتل میں نہیں لی تھی اس لئے اس نے ناراض ہو کر انہیں گرفتار کر کے پھر چھوڑ دیا۔ امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے فرمان اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو۔

جادو کے منکر: معتزلہ جادو کے وجود کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں جادو کوئی چیز نہیں بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو وہ کافر ہے، لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں یہ مانتے ہیں کہ جادو گرا اپنے جادو کے زور سے ہو اڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر وغیرہ کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، آسمان کو اڑتاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے۔ فلسفے اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو تاروں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت ﴿وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ﴾ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت ﷺ پر جادو کیا جانا اور آپ ﷺ پر اس کا اثر ہونا ہے، تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں۔

کیا جادو کا علم سیکھنا جائز ہے؟ رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں۔ محققین کا یہی قول ہے اسلئے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہو گا تو اس سے معجزے اور جادو میں پوری طرح فرق واضح ہو جائے گا اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہو۔ رازی کا یہ قول بالکل غلط ہے اگر عقلاً وہ اسے برائہ بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برائہ بتاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتانے کے لئے کافی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے جو شخص کسی جادو گریا کا ہن کے پاس جائے وہ کافر ہو۔ سنن میں حدیث ہے کہ جس نے گرہ دی اور اس میں پھونکا اس نے جادو کیا۔ پس رازی کا یہ قول غلط ہے ان کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے یہ بھی ٹھیک نہیں آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ آئمہ اسلام میں سے کس نے یہ کہا ہے پھر ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ﴾ کی آیت کو پیش کرنا بھی سوائے جرات کے اور کچھ نہیں کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے، آیت میں شرعی علم والے علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ پھر ان کا یہ قول کہ اسی سے معجزے کا علم حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل وہی محض غلط اور فاسد ہے اس لئے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس معجزے کے ماننے کے لئے جادو کا علم جاننے پر موقوف نہیں، وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ بھی اسے معجزہ مان گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، آئمہ المسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کبھی ایک بھی جادو جانتا تو کیا جادو کے پاس تک نہیں پھٹکا نہ سیکھنا نہ سکھایا نہ کیا نہ کر لیا بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے۔ پھر یہ دعویٰ کرنا کہ معجزہ کا جانا واجب اور جادو اور معجزے کا فرق جادو کے جاننے پر موقوف لہذا جادو کا سیکھنا واجب یہ کس قدر مہمل دعویٰ ہے۔

جادو کی اقسام: اب جادو کی قسمیں سنئے جنہیں ابو عبد اللہ رازی نے بیان کیا ہے۔

(۱) ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہیں کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقررہ الفاظ پڑھا کرتے ہیں اور انہی کی پرستش کرتے ہیں اسی قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہیں ہدایت کی۔ رازی نے اس فن میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ﴿السرا المكتوم فی مخاطبة الشمس و النجوم﴾ رکھا ہے، ملاحظہ ہو ابن خلدون وغیرہ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ پھر اس سے تو پتہ کر لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صرف معلوم کرانے کے لئے اور اپنے اس علم کو ظاہر کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی نہ کہ ان کا اعتقاد بھی یہی ہو جو کہ سراسر کفر ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے طور طریقے لکھے ہیں۔

(۲) دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ والے لوگوں کا ہے، وہم اور خیال کو بڑا اثر موتا ہے، دیکھئے اگر تنگ بل زمین پر رکھ دیا جائے

تو اس پر انسان باسانی چلا جائے گا لیکن یہی تنگ پل اگر کسی دریا پر ہو تو نہیں گزر سکے گا اس لئے کہ اس وقت خیال ہوتا ہے کہ اب گر اور اب گرا تو واہمہ کی کمزوری کے باعث جتنی جگہ پر زمین میں چل پھر سکتا تھا اتنی جگہ پر ایسے ڈر کے وقت نہیں چل سکتا۔ حکیموں اور طبیبوں نے بھی معروف (جس شخص کو نکسیر کی بیماری ہو) کو سرخ چیزوں کے دیکھنے سے روک دیا ہے اور مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ عقلمند لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگتی ہے صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر ہوتی اب اگر نفس قوی ہے تو ظاہری سہاروں اور ظاہری کاموں کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اتنا قوی نہیں تو پھر ان آلات کی بھی ضرورت پڑتی ہے جس قدر نفس کی قوت بڑھتی جائے گی وہ روحانیات میں ترقی کرتا جائے گا اور تاثیر میں بڑھتا جائے گا اور جس قدر یہ قوت کم ہوتی جائے گی اسی قدر یہ کم ہوتا چلا جائے گا یہ کیفیت غذا کی کمی لوگوں کے میل جول کے ترک وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے کبھی تو اسے حاصل کر کے انسان نیکی کے کام شریعت کے مطابق اس سے لیتا ہے اس حال کو شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں جادو نہیں کہتے اور کبھی اس حال سے باطل میں اور خلاف شرع کاموں میں مدد لیتا ہے اور دین سے دور ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کے یہ خلاف شرع کاموں سے کسی کو دھوکا کھا کر انہیں ولی نہ سمجھ لینا چاہئے کیونکہ شریعت کجخلاف چلنے والا ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ صحیح احادیث میں دجال کے بارے میں کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کر کے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ وہ ملعون و مردود ہے۔

(۳) تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے۔ معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں۔

(۴) چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبدہ بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف کچھ کچھ دکھائی دینے لگتا ہے تم نے دیکھا ہو گا کہ شعبدہ باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جمادیتے ہیں اور اسکی باتوں کی طرف متوجہ ہو کر ہمہ تن اس میں مصروف ہو جاتے ہیں تو وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادو گروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا اسی لئے قرآن میں ہے ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُواهُمْ﴾ لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں ڈر بٹھا دیا۔ اور جگہ ہے ﴿يُخَيِّلُ إِلَيْهِ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ سب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں حالانکہ درحقیقت ایسا نہ تھا واللہ اعلم۔

(۵) بعض چیزوں کی ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا مثلاً گھوڑے کی شکل بنادی اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے جہاں ایک ساعت گزری اور اس ناقوس میں سے آواز نکلی حالانکہ کوئی اسے نہیں چھیڑتا۔ اسی طرح انسانی صورت اس کا ری گری سے بنائی کہ گویا اصلی انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے۔ فرعون کے جادو گروں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زہیق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے۔ گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی وزنی چیزیں کھنچی آتی ہیں سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کارگیری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں جو انہیں جانتا ہو وہ ان فنون سے یہ کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پراسرار طریقہ سے گرجے کی قدلیں جلا دیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دیں اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا۔ بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب و ترہیب کی حدیثیں گھڑی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو

کوئی حرج نہیں، لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے۔ اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرند کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اسکے گھونسلے میں لالا کر رکھ جاتے ہیں۔ اس پادری نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی اسے لاکر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تاکہ ہوا اس سے جائے اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لالا کر رکھ جاتے۔ اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت ان ہی کی ہے۔ لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں میں یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر نذر نیاز چڑھانے لگے اور یہ کرامت دور دراز تک مشہور ہو گئی حالانکہ نہ کوئی کرامت تھی نہ معجزہ، صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لئے پوشیدہ طور پر کر رکھا تھا اور وہ لعنتی فرقہ اس پر رکھا ہوا تھا۔

(۶) بعض دواؤں کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں۔ مقناطیس ہی کو دیکھو لوہا کس طرح اس کی طرف چلا آتا ہے اکثر صوفی اور فقیر اور رویش انہی حیلہ سازیوں کو کرامت کے طور پر لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

(۷) دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہے منوالینا ہے، مثلاً اس سے کہہ دیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اس کو ایک قسم کا خوف اور ڈر، ہیبت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو حواس کو ضعیف بنا دے گا۔ اب اس وقت وہ جو چاہے گا کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے گا اسی کو تنہا کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان کو معلوم ہو سکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل قیافے سے کم عقل شخص کو پہچان کر ہی کرتا ہے۔

(۸) آٹھویں قسم چغلی کرنا جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا، یہ پھغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے بدکانے اور ان کے درمیان عداوت و دشمنی ڈالنے کے لئے ہو تو شرعاً حرام ہے، جب اصلاح کے طور پر اور آپس میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لئے کوئی ایسی ظاہری بات کہہ دی جائے جس سے یہ دونوں آپس میں صلح کر لیں یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے نل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے ان میں بد دلی پھیل جائے اور مخالفت و پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے، حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لئے ادھر ادھر لے جاتا ہے اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے اور جیسے حضرت نعیم بن مسعود نے جنگ احزاب کے موقع پر عرب کے کافروں اور یہود کے کافروں کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوادی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی، یہ کام بڑے عالی دماغ زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یاد رہے کہ امام رازی نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں کی ہیں یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر میں انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں، اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے اور اسی لئے صبح کے اول وقت کو سحر کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی نالی ہے۔ ابو جہل نے بدر کے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام خوف کے مارے پھول گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے ﴿سَحَرُوا وَاغْنَى النَّاسَ﴾ یعنی لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام مخفی کر کے انجام دیا۔

ابو عبد اللہ قرطبی کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے گو معتزلہ اور ابواسحاق اسرافیلی شافعی اس کے قائل نہیں۔ اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے کہ اس میں بھی ایک خاص اثر ہوتا ہے کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطان کاموں سے بھی لوگ کرتے ہیں کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کے کہ بعض بیان جادو ہے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپ ﷺ نے فرمایا ہو اور ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبھی میرے پاس تم مقدمہ لیکر آتے ہو اور ایک شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعوے کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔

وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ نے اپنی کتاب الاشراف علی مذاہب الاشراف میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو کی حقیقت ہے لیکن ابو حنیفہ اس کے قائل نہیں جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کافر بتاتے ہیں امام ابو حنیفہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور اسے نفع دینے والا سمجھے وہ کافر ہے اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں جادو گر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بائبل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اگر یہ نہ ہو اور جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا قول یہ بھی ہے کہ جادو گر جب جادو کرے اور جادو کو استعمال میں لائے اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں جب تک بار بار نہ کرے یا کسی معین شخص کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے۔ تینوں امام رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعی کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے۔ امام مالک امام ابو حنیفہ اور ایک مشہور قول میں امام احمد کا فرمان ہے کہ جادو گر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے کیونکہ اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعی کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ ایک روایت میں امام احمد کا یہی قول بھی ہے۔ اہل کتاب کا جادو گر بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن امام مالک شافعی احمد بن حنبل کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ لبید ابن اعصم یہودی نے حضرت محمد ﷺ پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا۔ اگر کوئی مسلمان عورت جادو گرئی ہو اسکے بارے میں امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے واللہ اعلم۔

حضرت زہری کا قول ہے کہ مسلمان جادو گر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر اگر وہ توبہ کر لے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے اس جادو گر کو جسکے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں آئمہ اربعہ وغیرہ کا فہم ہے کیونکہ قرآن میں ہے ﴿فَلَا تَكْفُرُوا﴾

امام مالک فرماتے ہیں جب اس پر غصہ پالیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں جیسے زندیق ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہوگی اگر اسکے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہر صورت مارا جائے گا امام شافعی فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ مار ڈالنے کے لئے میں نے اس پر جادو کیا ہے تو قتل غلطی سے (جرم نہ) لائی جائے۔

جادو گر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن مسیبؓ نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری میں ہے۔ عامر شعمیؓ بھی اس میں کوئی ہرج نہیں بتاتے، لیکن حسن بصریؓ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ ﷺ کیوں جادو کھلواتے نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دیدی اور میں لوگوں پر برائی کھلوانے سے ڈرتا ہوں۔ حضرت وہبؓ فرماتے ہیں پیری کے سات پتے لے کر سل بنے پر مالیدہ بنا کر پانی ملا لیا جائے پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کر دیا جائے انشاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو۔ جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز ﴿قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کی سورتیں ہیں حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ
 أَلِيمٌ ﴿١٠١﴾ يَا يَهُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْبَشَرِ كَيْفَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ
 مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٢﴾

اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھتے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے اس حسد سے کیا ہوا) اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مسلمانوں کا غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے، یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برالیتے تھے جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سنے تو کہتے تھے راعنا اور مراد اس سے رعوت اور سرکشی لیتے تھے، جیسے اور جگہ بیان ہے مِنْ الَّذِينَ هَادُوا اِخ یعنی یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں اپنی زبانوں کو موڑ توڑ کر دین میں طعنہ زنی کے لئے ﴿رَاعِنَا﴾ کہتے ہیں اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سنے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے ان میں ایمان بہت ہی کم ہے۔

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو ﴿السَّلَامُ عَلَيْكُمْ﴾ کہتے ہیں اور ﴿سَامٌ﴾ کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں ﴿وَعَلَيْكُمْ﴾ کہا کرو، ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔ الغرض قول و فعل میں ان سے مشابہت کرنی منع ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے رکھی ہے ذلت اور پستی اس کے لئے ہے جو میرے احکام کا خلاف کرے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ ابو داؤد میں بھی یہ مشابہت والا حصہ مروی ہے۔ اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال و افعال، لباس، عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت ڈراوا اور حرمت ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سنا تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو

جایا کرو یا تو کسی برہمنی سے ممانعت ہوگی۔ یا کسی یحییٰ کا حکم ہوگا۔ حضرت خیمہ فرماتے ہیں توراہ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ﴿يَا أَيُّهَا الْمَسَائِكِين﴾ فرمایا ہے تین امت محمدیہ کو ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ ﴿وَرَاعِنَا﴾ کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں جیسے ﴿عَاطِنَا﴾ مجاہد فرماتے ہیں اس کے معنی مخالفت کے ہیں یعنی خلاف نہ کہا کرو ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری سنتے اور ہم آپ کی۔ انصار نے بھی یہی لفظ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا جس سے قرآن کریم نے انہیں روک دیا۔ حسن فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں مذاق کی بات کو یعنی تم حضور ﷺ کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو۔ ابو صخر کہتے ہیں جب حضور ﷺ جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی تو وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبی کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی۔ سدی کہتے ہیں رفاعہ بن زید یہودی حضور ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں یہی لفظ بولنے شروع کر دیئے جس پر انہیں روک دیا گیا۔ جیسے سورہ نساء میں بھی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا۔ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ انور کو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ ان بد باطن لوگوں کے حدود بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں جو اس کامل نبی ﷺ کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں ان سے کہہ دو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے۔

مَا نُنسخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۷﴾

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا مالک اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

ناسخ اور منسوخ کی بحث: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں نسخ کے معنی بدل کے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں منانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتی ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ ابن مسعود کے شاگرد اور ابو العالیہ اور محمد بن کعب قرظی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں۔ عطاء فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنی ہیں۔ سدی کہتے ہیں اٹھالینے کے معنی ہیں جیسے آیت ﴿الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا ذَاتَا فَاذْجُمُوهُمَا الْبَتَّةُ﴾ یعنی زانی مرد اور عورت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت ﴿لَوْ كَانَ لَابْنِ آدَمَ وَآدِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا يَتَعَمَلُهُمَا تَالِئًا﴾ یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے ٹل جائیں تو پھر بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں حلال کو حرام، حرام کو حلال، جائز کو ناجائز، ناجائز کو جائز وغیرہ۔ حکم کرنا روکنا اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے۔ ہاں جو خبریں دی گئی ہیں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں رد و بدل اور ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔

نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے اسے نسخ کہتے ہیں خواہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ہیں۔ نسخ کے معنی کسی شرعی حکم کا بعد والی دلیل کی وجہ سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے

بھاری ہوتی ہے کبھی بھاری کے بدلے ہلکی۔ اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا۔ رہے نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرائط وغیرہ کے لئے اس فن کی کتابوں کو دیکھنا چاہئے۔ تفسیر ان احکام کے بیان کرنے کی جگہ نہیں۔ طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو آدمیوں نے نبی ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی اسے وہ پڑھتے رہے ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن قوت حافظہ نے ساتھ نہ دیا گھبرا کر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی دلوں میں سے نکال لی گئی تم غم نہ کرو بے فکر ہو جاؤ۔

زہری نون خفیض پیش کے ساتھ پڑھتے تھے اسکے ایک راوی سلیمان بن ارقم ضعیف ہیں۔ ابو ہریرہ نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے جیسے قرطبی کا بیان ہے ﴿نَسَّهَا﴾ کو ﴿نَسَّهَا﴾ بھی پڑھا گیا ہے ﴿نَسَّهَا﴾ کے معنی منوخر کرنے پیچھے ہٹانے کے ہیں۔ ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں منسوخ نہیں کرتے۔ ابن مسعود کے شاگرد کہتے ہیں یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ عبد بن عمیر مجاہد اور عطاء سے مروی ہے ہم اسے منوخر کرتے ہیں اور پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ عطیہ عوفی سدی اور ربیع کہتے ہیں یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ ضحاک فرماتے ہیں یعنی نسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں ﴿نَسَّهَا﴾ پڑھا اور اس کے معنی منوخر ہونے کے بیان کئے۔ ﴿نَسَّهَا﴾ جب پڑھیں تو یہ مطلب ہو گا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھالینا چاہتا تھا وہ نبی ﷺ کو بھلا دیتا تھا اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ سعد بن ابی وقاصؓ ﴿نَسَّهَا﴾ پڑھتے تھے تو ان سے قاسم بن ربیع نے کہا کہ سعید بن مسیب تو ﴿نَسَّهَا﴾ پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿سَنَقِرْ لَكَ فَلَا تَنْسَى﴾ ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا۔ اور فرماتا ہے ﴿وَإِذْ نُنزِّلُ آيَاتِنَا عَلَيْكَ فَنُتَوِّدُهَا وَنُنزِّلُهَا عَلَيْكَ فَنُتَوِّدُهَا وَنُنزِّلُهَا عَلَيْكَ فَنُتَوِّدُهَا﴾ جب بھول جا اپنے رب کو یاد کر۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ علیؓ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے اور ابی سب سے زیادہ قاری قرآن ہیں اور ہم ابی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ابی کہتے ہیں میں نے تو جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اسے نہیں چھوڑوں گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿مَا نَنْسَخْ﴾ یعنی ہم جو منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا یا اس سے بہتر ہوتا ہے (بخاری و مسند احمد)۔ یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا ہے لیکن مصلحت الہی اس کچھلی چیز میں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حاکم مطلق اور مختار کل ہے مخلوق میں ہیر پھیر کرنے والا پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح جسے چاہتا ہے بناتا ہے جسے چاہے نیک بنختی دے جسے چاہے بد بنختی دے جسے چاہے تندرستی دے جسے چاہے بیماری دے تو فقیہ دے جسے چاہے بے نصیب کر دے بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے جسے چاہے حلال کرے جسے چاہے حرام فرمادے جسے چاہے رخصت دے جسے چاہے روک دے وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کسے تابع رہیں کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو ہٹا دیا اب آزمائش ہو جاتی ہے نیک لوگ تو اس وقت بھی اطاعت کے لئے کمر بستہ تھے اور اب بھی ہیں لیکن بد باطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول ﷺ کی پیروی کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہئے جو حکم دے بجالانا چاہئے جس سے روکے رک جانا چاہئے

اس مقام میں بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ بعض تو کہتے تھے اس میں محال عقلی لازم آتا ہے اور بعض محال نقلی بھی مانتے تھے۔ اس آیت میں گو خطاب فخر عالم ﷺ کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا

ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراہ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی صرف عند تکبر کی بناء پر منکر ہو گئے تھے۔ ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لئے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں باختیار ہے اسی طرح حکموں میں بھی باختیار ہے جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے اس حکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے جو کہ پہلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا پھر اسے حرام کر دیا۔ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تو اس وقت تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہو گئی۔ وہ بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراہ میں اور اس سے بعد حرام ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربانی کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ کچھڑا پونے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن ابھی بہت سے باقی ہیں جو منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودی بھی ان کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے آپ ﷺ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں ہے اور بات ہے کہ کوئی کہے وہ اگلی شریعتیں صرف آپ ﷺ کے آنے تک ہی تھیں اس لئے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے۔ بہر صورت رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ آپ ﷺ آخری کتاب کو اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں پس اس آیت میں اللہ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورہ آل عمران میں بھی بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے فرمان ہے کل الطعام یعنی کل کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی مزید تفسیر وہ ہیں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے بلکہ واقع بھی ہے اور اسی پر پروردگار کی حکمت بالغہ ہے ابو مسلم اصہبانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے۔ جہاں جہاں نسخ قرآن میں موجود ہے اس کے جواب میں گو ابو مسلم نے بہت محنت کی لیکن محض بے سود ہے۔ جس عورت کا خاوند مر جائے پہلے اس کی عدت ایک سال تھی پھر چار مہینے دس دن کر دی گئی اور دونوں آیات قرآن پاک میں موجود ہیں قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبہ اللہ ہوا۔ دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضماند کور ہے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ بٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو کر دودو کے مقابلے میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیات کلام اللہ میں موجود ہیں۔ پہلے حکم تھا کہ نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیات قرآن کریم میں موجود ہیں وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم۔

أَمْ تَرْيَدُونَ أَنْ نَسْأَلُكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ

الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢٥﴾

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھا گیا تھا (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔

غیر ضروری اور زیادہ سوالات باعث ہلاکت و تباہی ہیں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو، یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے جیسے۔ ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ﴾ اے ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسی پوچھ گچھ جاری رکھو گے تو یہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا بخرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حضور ﷺ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص پر ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول کو اس سے اور مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بد خصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرتے تھے جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجا لاؤ اور اگر منع کروں تو رک جا یا کرو۔ یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے کہا حضور (ﷺ) ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر سال نہیں۔ لیکن اگر میں ہاں کہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو نہ بجا لا سکتے۔ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور ﷺ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آجائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں میں کوئی سوال حضور ﷺ سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گزر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور ﷺ سے سوال کر بیٹھے پھر ہم بھی سن لیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں انہوں نے حضور ﷺ سے صرف بارہ مسائل ہی پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن میں مذکور ہیں جیسے شراب وغیرہ کا سوال، حرمت والے مہینوں کی بابت سوال، قیاموں کی بابت سوال وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر ”ام یا تو بل“ کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے یہ حکم مومن کا فرسب کو ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے انہوں نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند آواز سے ہلاک کر دیا۔ رافع بن حریمہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ ﷺ کو مان لیں اس پر یہ آیت اتری۔

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ اکاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو

جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا تھا۔ آپ ﷺ نے سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ نہیں اے اللہ! نہیں ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا سنو بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا اب یا تو دنیاوی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی کو منظور کرے۔ لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا** یعنی جس سے کوئی براکام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخصس برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر نہ بھی لے تو اس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں اب بناؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ تم میں تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو یا جو دانتے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہو نیوالا ہی تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قریش نے حضور ﷺ سے کہا اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا لیکن مائدہ (آسمانی دسترخوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہو گا اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا۔ مراد یہ ہے کہ تکبر مناد سہ لشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسمانی کو سختی سے بدلے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت و ضلالت میں گھر جاتا ہے اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی جیسے اور جگہ ہے **لَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ إِلَّا مَدِينًا** بدلو! کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرار گاہ ہے۔

وَدَكْشِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۗ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا ۚ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ تم نمازیں قائم رکھو زکوٰۃ دیتے رہا کرو۔ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے سب کچھ اللہ کے پاس پاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

قومی عصبیت بد بختی کا باعث ہے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جی بنی اخطب اور ابویاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں سے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہری کہتے ہیں اسکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضور ﷺ کی جھوکیا کرتا تھا۔ گوانکی کتاب میں حضور کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضور کی صفات جانتے تھے اور آپ ﷺ کو اچھی طرح پہچانتے

تھے پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے۔ ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بناء پر کہ عرب میں آپ ﷺ کیوں مبعوث ہوئے کفر و انکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگزر کرتے رہو اور اللہ کے حکم اور اسکے فیصلے کا انتظار کرو جیسے اور جگہ فرمایا تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننا پڑیں گی۔ بالآخر حکم نازل فرما دیا کہ ان مشرکوں سے اب دب کر نہ رہو ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر کرتے تھے اور ان کی ایذا اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیات اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں ڈھیر ہو گئیں۔ پھر مومنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی حفاظت کرو یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہاں میں دے گا اس سے کوئی چھوٹا بڑا ظاہر پوشیدہ اچھا برا عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ ﴿مُبْصِرٌ﴾ کے بدلے ﴿بَصِيرٌ﴾ کہا جیسے ﴿مُبْدِعٌ﴾ کے بدلے ﴿بَدِيعٌ﴾ اور ﴿مُؤَلِّمٌ﴾ کے بدلے ﴿الِيمٌ﴾۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت میں ﴿سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصْرِيًّا تِلْكَ اٰمَانِيَهُمْ قُلْ هَاتُوْا

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهًا لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ

اَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ

النَّصْرِيُّ عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصْرِيُّ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ

يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۳﴾

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا یہ صرف ان کی امنگیں ہیں ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔ سنو جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہو گا نہ غم اور اسی۔ یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی نہیں حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا۔

ہر عمل کی قبولیت کے لئے اتباع سنت شرط ہے۔ یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورہ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم

اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح پہلے گزرا کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے۔ جس کے جواب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں ان کے ایک دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے رب کی طرف متوجہ کر دیئے ہیں الغرض اخلاص اور سنت کے مطابق ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ﴾ سے مراد خلوص اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ سے مراد اتباع سنت ہے۔ نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک کہ سنت کی تابعداری نہ ہو۔ حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے (مسلم)۔

پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے ﴿وَقَدْ مَنَّآ لَى مَا عَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ نَبْءًا مَّنشُورًا﴾ یعنی انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے سب رد کر دیئے۔ اور جگہ ہے کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں۔ جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ اور جگہ ہے قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہوگی جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور عابد مراد لئے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو ظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو مقصود رب کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے۔ ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق رب کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔ اور فرمایا ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ﴾ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا﴾ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزو مند ہو اسے نیک عمل کرنا چاہئے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا۔ آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا۔

نجران کے نصرائیوں کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں توراہ میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں توراہ کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرائی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا اس میں بھی اشارہ انہیں کی طرف ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب لوگ مراد ہیں۔ امام ابن جریرؒ اس سے عام مراد لیتے ہیں جو سب کو شامل ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ تعالیٰ کرے گا جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہوگا۔ اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے سورہ حج میں ارشاد ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَفْصَلُ بَيْنَهُمْ﴾ (پوری آیت) یعنی مومنوں اور یہودیوں اور نصائیوں اور نصرائیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر حق کے ساتھ فیصلے کرے گا وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهِ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۱﴾

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر گئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہئے ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے مکافات عمل: اس آیت کی تفسیر میں وہ قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا اور مدد کی تھی۔ بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کے شہ دینے پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا۔ اور مشرکین نے بھی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ والے سال کعبۃ اللہ سے روکا تھا یہاں تک کہ ذی طوای میں آپ ﷺ کو قربانی کا فریضہ ادا کرنا پڑا اور مشرکین سے صلح کر کے آپ ﷺ وہیں سے واپس آگئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ اور اس کے اجازت کی کوشش انکی یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج و عمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو انہوں نے روک دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن زیدؒ اور حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے یاد رہے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی تو محض بے دین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام کے دین پر تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اوپر یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بد خصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو مسجد حرام سے روکا مکہ سے نکالا پھر حج و عمرہ سے بھی روک دیا۔

ابن جریرؒ کا یہ کہنا کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت رکھ دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے ﴿وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ یعنی یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں مشرکوں سے اللہ تعالیٰ کی مسجد آباد نہیں ہو سکتی جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔ مساجد کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز و زکوٰۃ کے پابند اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنے والے ہیں اور یہی لوگ راہ راست والے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ان لوگوں نے کفر بھی کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانیوں کو ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا۔ اگر ہمیں ان مومن مردوں غور توں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی شغفانی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے جنہیں تم جانتے بھی نہیں تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دیدیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان نہ

تیس دیئے جائیں اس لئے ہم نے سر دست یہ حکم نہیں دیا۔ لیکن اگر یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں۔ پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مساجد کی آبادی حقیقی معنی میں ہے وہ ہی روک دیئے گئے تو مساجد کے اجازت میں کونسی کمی رہ گئی؟ مساجد کی آبادی صرف ظاہری زیب و زینت رنگ و روغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ ہونا اس میں شریعت کا قائم رہنا انہیں شرک و ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا یہ ان کی حقیقی آبادی ہے۔

پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خوف ہو کر یہ مسجد میں آئیں مطلب یہ ہے کہ اسے مسلمانوں انہیں بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو جب ہم تمہیں غالب کر دیں تو اس وقت یہی کرنا۔ چنانچہ مکہ فتح ہوا آپ ﷺ نے اگلے سال ۵ھ میں اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے اور بیت اللہ کا طواف کوئی نہگا کر نہ کرے۔ جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے وہ قائم ہے۔ یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا** یعنی مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو۔ اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ چاہے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کانپتے ہوئے اور خوفزدہ مسجد میں آئیں لیکن اس کے برعکس ان یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غالب دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کپکپانے لگیں گے چنانچہ یہی ہوا اور حضور ﷺ نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں اور یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ الحمد للہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسول اکرم ﷺ پر عمل بھی کر دکھایا۔ اس سے مساجد کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی بالخصوص اس جگہ کی اور اس مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن و انس کے رسول حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان گنہگاروں پر دنیا کی رسوائی بھی آئی اور جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو روکا جلا وطن کیا اسی طرح اس کا پورا بدلہ انہیں ملا یہ بھی روکے گئے اور جلا وطن کئے گئے اور ابھی آخر وہی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ کی حرمت توڑی وہاں بت رکھ دیئے غیر اللہ سے دعائیں اور مناجات شروع کر دیں ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ اور اگر اس سے مراد نصرانی لئے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ وہ بھی بیت المقدس کی مسجد میں ڈرتے ہوئے جاتے ہیں انہوں نے بھی بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی بالخصوص اس صحرا (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح جب یہودیوں نے بے حرمتی کی اور نصرانیوں سے بھی بڑھ گئے تو ان پر ذلت بھی اس سے زیادہ نازل ہوئی۔ دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدی کے زمانے کی رسوائی بھی ہے اور جزیرہ کی ادائگی بھی ہے۔ حدیث میں ایک دعا وارد ہوئی ہے **اللَّهُمَّ احْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنَ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ** اللہ تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔ یہ حدیث حسن ہے مسند احمد میں موجود ہے صحاح ستہ میں نہیں اس کے راوی بشیر بن ارطاة صحابی ہیں ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے۔ اور دوسری وہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقع پر وہیں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا وَجْهَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۱۱۵)

اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے تم جدھر بھی منہ کرو اور ہر ہی اللہ تعالیٰ کا منہ ہے اللہ تعالیٰ کشادگی اور سمائی والا بڑے علم والا ہے۔

قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کب بنا: اس آیت میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ان صحابہ کو تسلی دی جا رہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے اور اپنی مسجد سے روکے گئے تھے حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو کعبۃ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ یا ستر ماہ تک تو ادھر ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ

نے کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب ناسخ و منسوخ میں حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ کا حکم ایسی قبلہ کا ہے ﴿لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ﴾ والی آیت نازل ہوئی حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے پھر آیت ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ اٹھ نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنا شروع کی۔

مدینہ میں جب حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہ یہودیوں بہت خوش ہونے لگے جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ ہوا اور آپ ﷺ اپنی چاہت اور دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دینے کے تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ ﴿مَشْرِقُ وَمَغْرِبُ﴾ مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اٹھ پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو پھر جانا چاہئے ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق و مغرب میں تم جہاں کہیں بھی ہو۔ منہ کعبہ کی طرف کرو۔ بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق و مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو سب جہتیں اللہ ہی کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں جیسے فرمایا ﴿وَلَا اِذْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا﴾ تھوڑے بہت جو بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم نہ ہو تو صحیح ہے کوئی اللہ کے علم سے خالی نہیں اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں حاضر ہو۔ نیز مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور رہروی اور خوف کے وقت کے لئے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہوا اکیا کرو۔

سواری پر اور تاریکی میں نماز پڑھنے کی تفصیل: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ انکی اونٹنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا نماز پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آیت کا ذکر کئے بغیر یہ حدیث مسلم ترمذی نسائی ابن ابی حاتم ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عمر سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے لگھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو۔ حضرت نافع کا بیان ہے کہ (حضرت) عبداللہ بن عمرؓ میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ امام شافعی کا مشہور فرمان اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ سفر خواہ پر امن ہو خواہ خوف نہ ہو اور طرائق کا ہو سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں۔ امام مالک اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسف اور ابو سعید اصطخری بغیر ان کے بھی اسے جائز کہتے ہیں حضرت انسؓ سے بھی یہ روایت ہے امام ابو جعفر طبریؒ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے اندازے سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی اس نماز کو ادا شدہ بتایا گیا۔ حضرت ربیعہؓ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے ایک جگہ پڑاؤ کیا رات اندھیری تھی لوگوں نے پتھر لے لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی ہم نے حضور ﷺ سے ذکر کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے امام صاحب نے اسے حسن کہا ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھناٹو پ اندھیرا چھلایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیے تھے تاکہ صبح کی روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز

قبلہ کی طرف ادا ہوئی ہے یا نہیں، صبح معلوم ہوا کہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضور ﷺ نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے بھی اور اسی ضعف ہیں یہ روایت دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انکے ساتھ حضور اکرم ﷺ تھے یہ سند بھی ضعیف ہے۔ ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ احادیث ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا بیان: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے جب نبی ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی اور فرمایا ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا نصرانی تھا اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ یعنی بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اس چیز پر جو اے مسلمانو! تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، لیکن یہ روایت غریب ہے واللہ اعلم۔ اس کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لئے نماز پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے مسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ انکے جنازے کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہیے۔

اور اس کے نہ ماننے والے اس کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا زمین آپ کے لئے لپیٹ لی گئی تھی دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہاں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ ابن عربی اسی جواب کو پسند کرتے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو، ابن عربی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز کی شریعت نہ ہو۔ یہ جواب بہت اچھا ہے تیسری یہ کہ آپ نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی تاکہ لوگوں کو رغبت ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بناء پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ یہی ہے کہ جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہئے کیونکہ گو حضور ﷺ نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا ہو لیکن پھر بھی صحابہ کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔ اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ ہی ہو جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں وہ تو اس صورت میں بھی قائل ہیں اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو شریعت بھی اسلام تھی نہ کہ اور۔ تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور بر تقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تاکہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو واللہ اعلم۔ (مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اہل مدینہ، اہل شام، اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے ایک اور سند سے بھی نقل کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابوطالب، حضرت عبد اللہ بن عباس سے بھی مروی ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عمر سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے، ملاحظہ ہو دارقطنی، بیہقی وغیرہ امام ابن جریر فرماتے ہیں یہ مطلب بھی اس آیت کا ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگنے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو میرا منہ بھی اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ جب

یہ آیت ﴿ اذْغُولِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا) اترتی تو لوگوں نے کہا کس طرف دعا کریں؟ اس کے جواب میں یہ آیت ﴿ فَاَيِنَّمَا تُوَلُّوْا ﴾ نازل ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب اور گنجائش والا اور علم والا ہے جس کی کفایت سخاوت اور فضل و کرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ۗ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ کُلُّ لَہٗ
قَانِتُوْنَ ﴿۱۱﴾ ۗ بِدِیْعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ

فَیَکُوْنُ ﴿۱۱﴾

یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے وہ زمین و آسمان کا ابتدا پیدا کرنے والا ہے وہ جس کام کو کرنا چاہے اہمیت ہے کہ ہو جائے وہ وہ ہیں ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ اور بے نیاز ہے: یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود و مشرکین کے رد میں بھی جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ تعالیٰ مالک ہے ان کا پیدا کرنے والا انہیں روزیاں دینے والا ان کے اندازے مقرر کرنے والا انہیں قبضہ میں رکھنے والا ان میں رد و بدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو سکتا ہے نہ عزیر علیہ السلام اور نہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے مشرکین عرب کا خیال تھا اس لئے کہ دو برابر کے مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اسکی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے۔

تم رخصت کی اولاد بتاتے ہو یہ کتنی بے ہودہ اور لغو بات تم کہتے ہو یہ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہو جانا اور اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ممکن ہے تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ملکیت ہے زمین و آسمان کی کل ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت کے دن تنہا تنہا پیش ہونے والا ہے پس غلام اولاد نہیں بن سکتا ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں۔ اور سورہ اخلاص میں اس کی نفی فرمائی ارشاد ہوا ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۗ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۗ لَمْ یَلِدْ وَّلَمْ یُوَلَّدْ ۗ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۗ ﴾ کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے اللہ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد ہے نہ ماں باپ اس کا ہم جنس کوئی نہیں۔ ان آیات اور ان جیسی اور آیات میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح و تقدیس بیان کی اپنا بے نظیر بے مثل اور لا شریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کا بطلان کیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے پھر اس کی اولاد اور بیٹیاں کہاں سے ہوگی؟

سورہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے یہ نہیں چاہئے تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد

پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو۔ یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں لوگ اس کی اولادیں بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا ہے۔ پھر فرمایا ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے اس کی غلامی کی اقراری ہے اس کے لئے اخلاص کرنے والی ہے اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں عبادت گزار ہے جس کو کہے یوں ہو اس طرح بن اوہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے اسی طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے کفار بھی گونہ چاہیں لیکن ان کے سامنے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں۔ قرآن نے اور جگہ فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ﴾ آسمان وزمین کی کل چیزیں خوشی و ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں ان کے سینے صبح و شام جھکتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے وہاں مراد اطاعت ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ممکن ہے صحابی کا یا اور کسی کا کلام ہو اس سند سے اور آیات کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضعیف ہے کوئی شخص اس سے دھوکے میں نہ پڑے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا وہ آسمان وزمین کو بغیر کسی سابقہ نقشے کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے۔ لغت میں بدعت کے معنی تو پیدا کرنے یا بنانے کے ہیں۔ حدیث میں ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ تو ہوتی شرعی بدعت کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغت ہوتا ہے شرعاً مراد نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کر کے پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا چھی بدعت ہے۔ ﴿بَدِيعٌ مَّبْدَعٌ﴾ سے پھیرا گیا ہے جیسے ﴿مَوْلَمٌ﴾ سے ﴿الِيمٌ﴾ اور ﴿مَسْمَعٌ﴾ سے ﴿سَمِيعٌ﴾ معنی مبدع کے انشاء اور نوپید کرنے والے کے ہیں بغیر مثال کے اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے۔ بدعتی کو اس لے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین الہی میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عربی زبان میں مبتدع کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے ہر چیز اس کی اطاعت گزار کی اقراری ہے سب کا پیدا کرنے والا بنانے والا موجود کرنے والا بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا ایک وہی رب العالمین ہے اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں۔ جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم انہیں خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا مان لو۔ پھر فرمایا کہ اس اللہ کی قدرت و سلطنت سہوت و شوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہے اسے کہ دیتا ہے کہ اس طرح اور ایسی ہو جاوے اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا ارَدْنَا اَنْ نَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ اور ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلِمَةً بِالْبَصْرِ﴾ شاعر کہتا ہے

﴿اِذَا مَا ارَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ قَوْلُهُ فَيَكُوْنُ﴾

مطلب سب کا یہ ہے کہ ادھر اللہ کا ارادہ کسی چیز کا ہو اور اس نے کہا ہو جاوے وہ ہو گیا۔ اس کے ارادہ سے مراد جدا نہیں پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایے سے یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری جگہ صاف صاف فرمایا ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے جنہیں مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جاوے ہو گئے۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۸﴾

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اسی طرح ایسی ہی بات ان کے
انگلوں نے بھی کہی تھی ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں۔

رافع بن حریمہ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم خود بھی تو اس
سے اس کا کلام سنیں اس پر یہ آیت اتری۔ مجاہد کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریر فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم
ہوتا ہے اس لئے کہ آیت انہیں کے بیان کے دوران میں ہے، لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا
تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری تعالیٰ ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ اور یہی بات ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ بعض مفسرین کہتے
ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا اور پھر یہ جو فرمایا کہ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن کریم میں
اور جگہ ہے ﴿وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلَ اللَّهِ﴾ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے
تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا جاتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَقَالُوا
لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ﴾ یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لئے ہماری ان زمینوں میں
چشمے جاری نہ کر دیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا﴾ یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں
اتارے جاتے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟ الخ اور جگہ فرمایا ﴿بَلْ يُرِيدُ كَلِمًا فَرِيًّا مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ہر شخص چاہتا
ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

یہ آیات صاف بتاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضور ﷺ سے صرف تکبر و عناد کی بناء پر ایسی ایسی چیزیں طلب کیں اسی
طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا اور ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی فضول سوالات کئے تھے ارشاد ہوتا ہے ﴿يَسْئَلُكَ أَهْلُ
الْكِتَابِ﴾ الخ اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اس سے
بھی بڑا سوال کیا تھا ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو آمنے سامنے دکھا۔ اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہاے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان
نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے یعنی ان مشرکین کے دل
کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا لوگوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادو گر اور دیوانہ کہا تھا انہوں نے بھی ان کی موافقت کی پھر فرمایا ہم نے یقین
والوں کے لئے اپنی آیات بیان کر دیں جن سے رسول کی تصدیق عیاں ہے کسی اور چیز کی طلب کی حاجت باقی نہیں رہی یہی نشانیاں ایمان
لانے کے لئے کافی ہیں ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہو انہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ
الْعَذَابُ مِنْ رَبِّكَ لَا يَنْصَرُونَ﴾ انہوں نے ایمان نہ لائیں گے ان کے پاس تمام آیات آجائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ
دیکھ لیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۹﴾

ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈر اور اذیت والے بھیجا ہے جہنمیوں کے بارے میں تجھ سے نہیں پوچھا جائے گا۔

آپ کا کام نصیحت کرنا ہے احتساب ہم کریں گے۔ حدیث میں خوشخبری جنت کی اور ذرا دہرا جہنم سے۔ ﴿لَا تُسْئَلُ﴾ کی دوسری قرأت ﴿مَأْتَسَلُ﴾ بھی ہے اور ابن مسعود کی قرأت میں ﴿لَنْ تُسْئَلُ﴾ بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا جیسے فرمایا ﴿فَأَسْأَلُكَ الْبَلْعُ وَعَلَيْهَا الْحَسَابُ﴾ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔ اور فرمایا ﴿فَذَكَرْنَا أَنْتَ مَذْكُورٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيَّرٍ﴾ تو نصیحت کرتا رہ تو صرف نصیحت کر نیوالا ہے ان پر وارو نہ نہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿فَنَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ﴾ ہم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں تم ان پر جبر کر نیوالے نہیں ہو تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنا دو جو قیامت سے ڈرتے ہوں۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ایک قرأت میں اس کی ﴿وَلَا تُسْئَلُ﴾ بھی ہے یعنی ان جہنمیوں کے بارے میں اسے نبی ﷺ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔

عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا اس پر یہ فرمان نازل ہوا پھر آخری دم تک آپ ﷺ نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا۔ ابن جریر نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن جبیدہ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کا حال اتنا بد اور برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو۔

رسول اکرم ﷺ کے والدین کا تذکرہ: قرطبی نے تذکرہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کے والدین زندہ کئے گئے اور ایمان لے آئے۔ اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے کسی کے سوال پر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں اس کا جواب بھی وہاں ہے لیکن یاد رہے کہ آپ ﷺ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہیں واللہ اعلم۔

ابن جریر کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن پوچھا کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضور ﷺ اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں۔ پہلی ہی قرأت ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہہ دیا؟ ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپ ﷺ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہو گئی تو آپ ﷺ اس سے ہٹ گئے اور بیزار مئی ظاہر فرمائی اور صاف بتا دیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اسکی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے حضرت عطاء بن یسار نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت و ثنا توراہ میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ ﷺ کی قرآن میں ہیں وہی توراہ میں بھی ہیں توراہ میں ہے کہ اسے نبی اہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پر ہوں کا پچاؤ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ﷺ ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بد زبان ہے نہ سخت گو نہ بد خلق نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے۔ بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ میڑھے دین کو ان کی وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کا اقرار نہ کر لیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں۔ بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی۔

ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد ہے عطاء کہتے ہیں کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعب سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ
 اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ
 مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكُتُبَ يَتْلُونَهَا حَقًّا تِلَاوَتِهِ أَوْلِيكَ
 يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے پھر ان کی خواہش کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے پاس نہ تو نیر کوئی دانی ہو گا اور نہ مددگار جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔

آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا پر چل۔ انہیں دعوت رسالت پہنچادے دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس پر قائم رہ۔ حدیث میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہیگی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے خبردار کیا کہ ہرگز ان کی رضا مندی اور ان سے صلح جوئی کے لئے اپنے دین میں سست نہ ہونا ان کی طرف نہ جھکنا نہ ان کا کہا ماننا فقہا کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کافر آپس میں ایک دوسروں کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول ہے۔ اور دوسری روایت میں امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے واللہ اعلم۔

حق تلاوت کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ قنادرؒ کہتے ہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت سوال جنت ہو اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حلال و حرام کو جاننا کلمات کو ان کی جگہ رکھنا ہیر پھیر نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں واضح آیات پر عمل کرنا متشابہ آیات پر ایمان لانا مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس کو مطلب حق اتباع بجالانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے ﴿وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا﴾ میں ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسکے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔ پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کو سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں وہ قرآن پر ایمان لائے

پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿لَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ﴾ اور فرمایا ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ مِنَ الذِّكْرِ إِلَّا تَعْلِيمٌ﴾ اور یہ توراہ و انجیل پر اور اللہ کی انکی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا۔ فرمایا اے اہل کتاب! جب تک تم توراہ اور انجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس کا قائم نہ کر لو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو ان کا قائم کرنا لازم ہے کہ اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضور ﷺ کا ذکر آپ ﷺ کی صفت آپ ﷺ کی تابعداری کا حکم آپ ﷺ کی ہر کالی کی رغبت سب کچھ موجود ہے۔

اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی امی ﷺ کی تابعداری کرتے ہیں جس رسول کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب توراہ و انجیل میں بھی وہ لکھا دیکھتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ﴾ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور سچ ہے۔ اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دئی ہے وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کر کے کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں۔ انہیں ان کے صبر کا دہرا اجر دیا جائے گا یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿قُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ﴾ یعنی پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں توراہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر تو صرف تبلیغ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا اس کے ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں جیسے فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اسکی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جو بھی مجھے نے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔

يَبْنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَىٰ

الْعَالَمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١٢٧﴾

اے اولاد یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اس دن سے ڈر جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا نہ کسی شخص سے کوئی نفع یہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی نہ انکی مدد کی جائے گی۔

خبردار: پہلے بھی تقریباً اس موضوع کی آیت لڈر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے یہاں صرف تاکید کے طور پر ذکر کی گئی اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلانی گئی جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ آپ ﷺ کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچا زاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی ان میں سے خاتم النبیین ﷺ کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت ہو رہی ہے۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِي ط قَالَ لَا يَنْالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾

جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا، عرض کرنے لگے میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔

توحید میں دنیا کا امام: اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے احکام الہی کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جواں مردی دکھائی۔ فرماتے ہیں اسے نبی اتم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعوے دار ہیں ذرا ابراہیم (علیہ السلام) کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے واقعات تو سناؤ تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین ضیف پر اسوہ ابراہیمی پر کون قائم ہے؟ وہ تو آپ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿وَ اِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى﴾ ابراہیم وہ ہیں جنہوں نے پوری طرح وفاداری دکھائی۔ اور جگہ فرمایا ﴿ان اِبْرَاهِيمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ﴾۔ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے پیشوا اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار مخلص اور شکر گزار نعمت تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک کار بنایا تھا۔ پھر ہم نے تیری طرف اسے نبی اوحیٰ کی کہ تو بھی ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی اور نہ مشرک تھے۔ بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہو اور یہ نبی ابتداء اور ایمان والے ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے۔ ابتداء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔

کلمات کیا ہیں؟ کلمات سے مراد شریعت کا حکم اور ممانعت وغیرہ ہے کلمات سے مراد کلمات تقدیر یہ بھی ہوتی ہے جیسے حضرت مزیم علیہ السلام کی بابت ارشاد ہے ﴿صَدَقْتَ بِكَلِمَتٍ رَبِّهَا﴾ یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور اس کے لکھے ہوئے کی بھی وہ بڑی فرمانبردار تھیں۔ اور کلمات سے مراد کلمات شریعیہ بھی ہوتی ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل سے۔ غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا۔ ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج، مونچھوں کو کم کرنا، کئی کرنا، ناک صاف کرنا، مسواک کرنا، سر کے بال منڈوانا یا رکھنا تو مانگ، نکالنا، ناخن لینا، زیناف کے بال لینا، نختہ کرنا، بغل کے بال لینا، پیشاب پاخانہ کے بعد استنجا کرنا، جمعہ کے دن غسل کرنا، طواف کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، زمی جمار کرنا، طواف افاضہ کرنا۔

مکمل اسلام: حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد پورا اسلام ہے۔ جس کے تمیں حصے ہیں دس کا بیان سورہ برات میں ہے ﴿التَّائِبُونَ﴾ سے ﴿مُؤْمِنِينَ﴾ تک یعنی توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، اللہ کی راہ میں پھرنا، زکوٰۃ کرنا، سجدہ کرنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرنا، ایمان لانا، دس کا بیان سورہ مؤمنون کے شروع اور سورہ معارج میں ﴿قَدْ اَفْلَحَ يُحَافِظُونَ﴾ یعنی نماز کو خشوع خضوع سے ادا کرنا، لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا، زکوٰۃ دیتے رہنا، شرک گماہ کی حفاظت کرنا، امانت داری کرنا، وعدہ وفائی کرنا، نماز پر بیٹگی اور حفاظت کرنا، قیامت کو سچا جاننا، عذابوں سے ڈرتے رہنا، سچی شہادت پر قائم رہنا، باقی اور دس کا بیان سورہ احزاب میں ﴿انَّ الْمُسْلِمِينَ﴾ سے ﴿عَظِيمًا﴾ تک ہے یعنی اسلام لانا، ایمان، قرآن پڑھنا، سچ بولنا، صبر کرنا، عاجزی کرنا، خیرات دینا، روزہ رکھنا، بدکاری سے بچنا، اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا، ان تمیں احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

کلمات ابراہیمی میں سے اپنی قوم سے علیحدگی کرنا، بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرتا، پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبت

آکے اس پر صبر و سہار کرنا چھوڑنا چھوڑ کر جنت کرنا مہمانداری کرنا جانی اور مالی مصیبت اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کرنا یہاں تک کہ بچہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے یہ کل احکام خلیل الرحمن علیہ السلام بجالائے۔ سورج چاند ستاروں سے بھی آپنی آزمائش ہوئی امامت کے ساتھ بیت اللہ بنانے کا حکم کے ساتھ احکام حج کے ساتھ مقام ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل میں تمہیں آزماتا ہوں دیکھتا ہوں کیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا مجھے لوگوں کا امام بنانے کا کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنانے یہاں کے لوگوں کو امن دے ہمیں مسلمان فرمانبردار بنانے ہماری اولاد میں اپنی اطاعت گزار ایک جماعت رکھ یہاں کے لوگوں کو بچوں کی روزیاں دے یہ تمام باتیں اللہ عزوجل نے پوری کر دیں اور یہ سب نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی کہہنا تھا کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ کلمات سے مراد آیات بھی ہیں۔

موطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے سب سے پہلے مہمان نوازی کرنیوالے سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے سب سے پہلے مونچھیں ہلکی کرنے والے سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔ سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ! یہ کیا ہے؟ جواب ملا وقار و عزت ہے۔ کہنے لگے پھر تو اے اللہ! اسے اور زیادہ کر۔ سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے سب سے پہلے تلوار چلانے والے سب سے پہلے مسواک کرنیوالے سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے سب سے پہلے پانچواں پہننے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے بھی بنایا تھا اور اگر لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ مختلف صحابہ و تابعین وغیرہ سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ انہوں نے کہا تھا ہم نے نقل کر دیا اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تمہیں کسی خاص تخصیص کی کوئی قوی وجہ ہمیں نہیں ملی واللہ اعلم۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں 'مونچھیں کم کرنا' 'داڑھی بڑھانا' 'مسواک کرنا' 'ناک میں پانی دینا' 'ناخن لینا' 'پوریاں دھونی' 'بغل کے بال لینا' 'زیر ناف کے بال لینا' 'استنجا کرنا'۔ راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا۔ شاید کلی کرنا بھی بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں 'ختنہ کرنا' 'موئے زہار لینا' 'مونچھیں کم کرنا' 'ناخن لینا' 'بغل کے بال لینا'۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وفا کرنے والا اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَ حِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَ حِينَ تُظْهِرُونَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ﴾ ایک روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے لیکن یہ دونوں احادیث ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعیف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کی روایت ضعیف کا ذکر کئے بغیر بیان کرنی جائز نہیں 'متن بھی ضعیف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امامت کی خوشخبری سنکر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول تو کیجاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر دیجاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہونگے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا وہ امام نہ بنائے جائیں گے۔ انکی اقتدا اور پیروی کی جائیگی۔ سورہ عنکبوت کی آیت اس مطلب کو اور واضح کر دیتی ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی وہاں ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ یعنی ہم نے انکی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء اور رسول آئے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں سے تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب آپ ہی کی اولاد میں ہوئیں 'صلوات اللہ وسلامہ

عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں ظالم کو امام نہیں بناؤں گا۔ ظالم سے مراد بعض نے مشرک بھی لی ہے۔ عہد سے مراد امر ہے ابن عباس فرماتے ہیں ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہئے گو وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہو حضرت خلیل علیہ السلام کی دعائیں کی اولاد کے نیکیوں کے حق میں قبول ہوئی ہے۔ یہ بھی معنی کئے گئے ہیں کہ ظالم کا کوئی عہد نہیں کہ اسکی اطاعت کی جائے۔ اس کا عہد توڑ دیا جائے پورا نہ کیا جائے۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا وعدہ اس سے کچھ نہیں دینا میں تو خیر کھاپی رہا ہے اور عیش و عشرت کر رہا ہے۔ عہد سے مراد دین بھی ہے یعنی تیری تمام اولاد پندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴾ یعنی انکی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی۔ اور اطاعت کے معنی بھی کئے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہے۔ اور عہد کے معنی نبوت کے بھی آئے ہیں۔ ابن خویر مند امام لکھی فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مستحق نہ گواہ اور نہ راوی۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى

ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب کی اور امن و امان کی جگہ بنا لی۔ تم مقام ابراہیم کو قبلہ مقرر کر لو۔

بیت اللہ امن و امان کی جگہ: ﴿ مَثَابَةٌ ﴾ سے مراد بار بار تہنُّج کر کے گوجائیں لیکن سب کے دل میں لگن لگی رہتی ہے ہر جگہ سے لوگ بھاگے دوڑے اسکی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں یہی جمع ہونے کی جگہ ہے یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی اسکے آس پاس لوٹ مارتی رہتی لیکن یہاں امن و امان رہتا۔ کسی کو کوئی گالی بھی نہ دیتا یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی تھیک رو حیں اس کی طرف مشتاق رہتی ہیں گو ہر سال زیارت کریں لیکن تاہم خیال ادھر ہی رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے آپ ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ ﴿ فَاجْعَلْ أَفْنَدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوَى إِلَيْهِمْ ﴾ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا۔ سورہ مائدہ میں ہے ﴿ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گر ادیا جائے۔ اس گھر کے شرف کو دیکھ کر پھر اسکے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے شرف کو خیال دیکھیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَإِذَا بُوِئِنَا لِأَبْرَاهِيمَ ﴾ ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیم کو دی (اور کہہ دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور جگہ ہے ﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ ﴾ اللہ کا پہلا گھر مکہ ہے جو برکت و ہدایت والا نشانوں والا ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام کیا ہے؟ مقام ابراہیم والا امن و امان والا مقام ابراہیم سے مراد کل حرم ہے اور خاص مقام ابراہیم بھی ہے اور پورا حج بھی ہے مثلاً عرفات مشعر الحرام منیٰ رمی رجمارہ صفارہ کا طواف۔ مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبانے کیلئے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا لیکن حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں یہ غلط ہے دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر گھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بناتے تھے۔ حضرت جابر کی لمبی حدیث ہے کہ جب نبی ﷺ نے طواف کر لیا تو حضرت عمر نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فاروق کے سوال پر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ یہ حکم نازل ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمر نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی ہے۔

حضرت عمر کی فضیلت: صحیح بخاری میں حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی جو اللہ

تعالیٰ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا۔ میں نے کہا حضور اکاش ہم مقام ابراہیم کو قبل بنا لیتے تو حکم ﴿ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾ نازل ہوا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اکاش آپ ﷺ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں اسپر پردے کی آیت اتری۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضور ﷺ اپنی بیویوں سے تنہا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گئی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی کو دے گا اس پر بھی فرمان باری نازل ہوا کہ ﴿ عَسَىٰ رَبُّهُ ﴾ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کی موافقت مروی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور عبد اللہ ابن ابی بن سلول منافق جب مر گیا اور حضور ﷺ اس کے جنازے کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے کہا تھا کہ کیا آپ اس منافق کا فر کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے مجھے ڈانٹ دیا اس پر آیت ﴿ وَلَا تَصَلِّ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْهُمْ ﴾ نازل ہوئی اور آپ کو ایسوں کے جنازے سے روک دیا گیا۔

مقام ابراہیم کی مزید تفصیل ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دہلی چال چلے اور چار چکر چل کر گئے۔ پھر مقام ابراہیم کے پیچھے آ کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپ ﷺ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی عمارت بنا رہے تھے حضرت اسمعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سر کاتے جاتے تھے جہاں دیوار اوپنی کرنی ہوتی تھی وہاں لے جاتے تھے اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں۔ اس کا پورا بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے جو عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے۔ ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے۔

﴿ وَمَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ ﴾ عَلَى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلٍ ﴿

یعنی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ تازہ ہیں جن میں جوتی نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی ہاتھ دیکھا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہ کے پیروں کی انگلیاں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے تھرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الہی بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان دہ ہیں۔ وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ سے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے۔ خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہو گا اور اسی جگہ وہ پتھر رکھا رہا۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسے پیچھے بٹا دیا۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں۔ پھر ایک مرتبہ پانی کے بہاؤ میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا۔ خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا۔ حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ جب یہ اصلی جگہ سے ہٹا گیا اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے اسے اس جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے پیچھے رکھا واللہ اعلم۔

وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهْرًا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ

وَالرَّكْعَ السُّجُودِ ﴿۱۵﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِعْهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶﴾ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۸﴾

ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں کو تکفیر کرنا اور رزق سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک صاف رکھو۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہے پروردگار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں بچھڑوں کی روزیاں دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دے گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا اور یہ بچھڑنے کی جگہ بری ہے۔ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) گعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھانے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما تو سننے والا اور جاننے والا ہے اسے ہمارے رب انہیں اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔

احکام بیت اللہ اور مساجد: یہاں عہد سے مراد حکم ہے پاک رکھنا گندی اور نجس اور برقی چیزوں سے عہد کا تعدیہ "الی" سے ہوا تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا کہ میں پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے بچانا غیر اللہ کی عبادت وہاں نہ ہونے دینا لغو کاموں، فضول، بکواس، جھوٹی باتوں، شرک و کفر، کسی مزارق سے اسے محفوظ رکھنا بھی شامل ہے۔ طواف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں اس تقدیر پر ﴿عَاكِفِينَ﴾ کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہیے کہ لوگوں کو بیت اللہ میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کسی وقت جنسی ہو جائیں ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہیے۔ ابن عمرؓ انہیں بھی ﴿عَاكِفِينَ﴾ کہتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سویا کرتے تھے وہ جوان اور کنوارے تھے۔ ﴿رُفِعَ السُّجُودُ﴾ سے مراد نماز کی ہے۔ یہ پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی دوسرے اس لیے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں یہ بات رکھیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ﴿وَإِذَا بَوَّأْنَا﴾ الخ اس آیت میں یہی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لئے نماز افضل ہے اسکی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

مقصود اس سے مشرکین کو تنبیہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کی لئے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنی اور خالص اللہ کے پجاریوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح نا انصافی ہے اس لئے اور جگہ قرآن میں فرمایا کہ ایسے ظالموں کو ہم درد ناک عذاب چکھائیں گے۔ مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی بھی اس میں تردید ہو گئی کہ جب وہ ابراہیم و اسماعیل

علیہ السلام کی افضلیت بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں جب وہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھرانہ نہیں کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جب وہ اسکے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت رب کے لئے بنایا گیا ہے حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر باوجود ان نبیوں کی تابعداری کے دعویٰ کے کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں کیوں بیت اللہ میں حاضر نہیں دیتے۔ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس بیت اللہ کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مساجد کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے۔ اور جگہ قرآن میں ہے ﴿فِي بُيُوتِ الَّذِينَ أُذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعُوا وَنُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْعُدْوَةِ وَالْأَصَالِ﴾ اللہ تعالیٰ نے مساجد کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے ان میں ان کا نام ذکر کیا جائے ان میں صبح شام اس کی تسبیح اسکے نیک بندے کرتے ہیں۔

حدیث میں بھی ہے کہ مسجد میں جس کام کیلئے ہیں اسی کیلئے ہیں اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مساجد کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے (امام ابن کثیر نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے) بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبہ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سند غریب ہے بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا حرا طور سینا طور زیتا جبل لبنان اور جودہ ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سند غریب ہے۔ بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم کرتا ہوں اس کا شکار نہ گھسیا جائے یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لیکر خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا کرتے تھے حضور ﷺ اسے لیکر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ہماری ناپ تول میں برکت دے اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی تھی میں بھی تجھ سے مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ کیلئے کی تھی بلکہ ایسی ہی ایک اور بھی پھر آپ ﷺ کسی چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ کی حرمت: انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ابو طلحہ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کوئی بچہ میری خدمت کیلئے لے آؤ ابو طلحہ مجھے لے چلے میں اب سفر و حضر میں حاضر خدمت رہنے لگا ایک مرتبہ آپ باہر سے آرہے تھے جب احد پہاڑ نظر پڑا تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ! میں اسکے دو کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ ان کے مد اور صالح میں اور ناپ میں برکت دے دوسری روایت میں ہے۔ یا اللہ! جتنی برکت توتے مکہ میں دی ہے اس سے دوگنی برکت مدینہ میں دے۔ اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا یہاں کے درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں۔ اسی مضمون کی دوسری بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں بھی مثل مکہ کے حرم ہے۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ مکرمہ کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور امن ہے بعض کہتے ہیں خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا رہے گا۔ اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے سنو! اسکے کانٹے نہ کاٹے جائیں اس کا شکار نہ بھگایا جائے اس میں کسی کی لڑی پڑی چیز نہ اٹھائی جائے ہاں جو اس کے مالک تک پہنچانا چاہے۔ اس کے لئے اٹھانا جائز ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے دوسری روایت میں ہے کہ

یہ حدیث آپ نے خطبہ کے دوران بیان فرمائی تھی اور حضرت عباسؓ کے سوال پر آپ ﷺ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت ابن شریح عدویؒ نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن! فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور ﷺ کو اس وقت دیکھا آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس ساعت یہاں جہاد حلال تھا پھر اس شہر کی حرمت آگئی ہے جیسے کل تھی خیر دار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے۔ لیکن عمرو نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں حرم نافرمان کو اور خون کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا (بخاری و مسلم)۔

کوئی ان دونوں احادیث میں تعارض نہ سمجھے، تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ نے کی جس طرح آنحضرت ﷺ نبی تو اس وقت سے تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم النبیین ﷺ لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ ﷺ کی نبوت کی دعا کی کہ ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ الخ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و واضح ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی ابتداء نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ بن مریم کی بشارت اور میری ماں کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان میں سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

اس بات کا بیان کہ آیا مکہ افضل ہے مدینہ سے جیسا کہ جمہور کا قول ہے یا مدینہ افضل ہے مکہ سے جیسے کہ امام مالکؒ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نذر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے جیسے کہ فرمایا ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا اور جگہ ارشاد ہے ﴿أُولَئِكَ يَرْوُونَ﴾ الخ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا لوگ اسکے پاس سے اچک لئے جاتے ہیں اور یہاں وہ پر امن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیات بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی احادیث بھی اوپر گزر چکی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم)۔ آپ ﷺ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بناء سے پہلے تھی اس لئے کہا کہ اے اللہ! اس جگہ کو امن والا شہر بنا۔ سورہ ابراہیم میں یہی دعوان لفظوں میں ہے ﴿رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا﴾ شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی جب بیت اللہ تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے اسی لئے اس دعا کے آخر میں انکی پیدائش کا شکر یہ بھی ادا کیا۔

کافروں کے لئے صرف دنیاوی فائدہ ہے: ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بعضوں نے اسے بھی دعا میں داخل کیا ہے تو اس تقدیر پر مطلب یہ ہو گا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر اس میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے بھی مخالف ہیں اور اسے کلام اللہ ماننے پر یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لئے گیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان من چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرمان ہوں گے تو اب مارے ذر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والوں کی روزی کی طلب بھی صرف ایمان دار اولاد کے لئے کی

مگر ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی میں دیتا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿كَلَّا نُمَدُّهُوْءًا لَّا وَهْوَ لَآءٌ مِّنْ عَطَاءِ رَبِّكَ﴾ الخ یعنی ہم انہیں اور ان کو فائدہ دیں گے تیرے رب کی عطاوار کی ہوئی نہیں۔ اور جگہ ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا کا کچھ فائدہ گواٹھالیں لیکن ہماری طرف آکر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے ننگلین نہ کرے ہماری طرف یہ لوٹیں گے اور ان کے اعمال پر ہم انہیں سببہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر سخت عذاب کی طرف بیقرار کریں گے۔ اور جگہ ہے ﴿لَوْ لَا اَنَّ يٰسْكُوْنَ النَّاسُ﴾ الخ اگر یہ خط نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کو چھتیں اور میٹرھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت مین پر تیکے لگائے بیٹھے رہے اور سونا بھی دیتے لیکن یہ سب دنیاوی فوائد میں آخرت کا بھلا گھر تو صرف پر ہیہ گھروں کے لئے ہے۔

یہی اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے یہاں عیش کر لیں پھر وہاں سخت پکڑ ہوگی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَكَاتِبٍ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ الخ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر پکڑ لیا انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر انہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَكَذٰلِكَ اٰخٰذُ رَبِّكَ﴾ الخ اس جملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں شامل کرنا شاذ قرأت کی بنا پر ہے جو سات قرأت کی قرأت کے خلاف ہے اور ترکیب سیاق و سباق بظاہر اس کا انکار کرتی ہے واللہ اعلم اس لئے کہ ﴿قَالَ﴾ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اس شاذ قرأت کی بناء پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہوتے ہیں جو نظم کلام سے بظاہر مخالف ہے واللہ اعلم۔

قواعد جمع ہے ﴿قَاعِدَةٌ﴾ کی ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی اپنی امت کو بناء ابراہیمی کی خبر دو ایک قرأت میں ﴿وَاسْمِعِلْ﴾ کے بعد ﴿وَيَقُولَانِ﴾ بھی ہے اسی کی دلالت میں آگے لفظ ﴿مُسْلِمَيْنِ﴾ بھی ہے دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہو نیک کا کھکے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت وہیبؓ جب اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو بہت روتے اور فرماتے آہ خلیل الرحمن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر الہی کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اس کا گھرا سکے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خطرہ ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گرنے جائے سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے ﴿يُؤْتُوْنَ مَا اتُوْا وَّقَلُوْنَ لَهُمْ وَّجِلَّةٌ﴾ وہ نیک کام کرتے ہیں صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف الہی سے کانپتے رہتے ہیں (کہ ایسا نہ ہو قبول نہ ہوں)۔ حضرت عائشہؓ کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت مآب ﷺ سے بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھاتے تھے اور وہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسماعیل کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت سارہؓ کو ان کا نقش قدم نہ ملے۔ انہیں اور ان کے جگر کے نوز۔ اپنے انکو تے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جب کہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

یہ بھی ہے زندگی: اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک نیک تھا اور سنسان بیابان پڑا ہوا تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا یہاں لا آرماء بنے جو ہما گریہاں تھوڑی سی کھوڑیں اور ایک مشکیزہ پانی کا گڑھ کر آپ چلے گئے۔ جب خلیل اللہ واپس جانے کے لئے چلے تو حضرت باجرہ آوازیں دینے لگیں کہ اے خلیل اللہ اب ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں اکیلا و تنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی موسم و

ہمد م نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

حضرت ہاجرہ کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل! آپ ہمیں کسے سوئپ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کو۔ کہاے خلیل اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ کو تسکین ہو گئی اور فرمانے لگیں پھر تشریف لے جائیے وہ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اسی کا بھر وسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہ پیچھے نہیں ہیں اور یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا: رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴿۱﴾ اے اللہ! میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے ہرگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکر گزار کریں آپ تو یہ دعا کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر اپنی بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے چل دیئے۔

ادھر مائی صاحبہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لیں وہ تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا اب نہ کھانے کو کچھ ہے اور نہ پینے کو پانی کا ایک قطرہ خود بھی بھوک پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اسے معصوم نبی زادن کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا۔ مامتا بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے، معلوم ہے کہ کسی انسان کا گزر اس بھیا تک جنگل میں نہیں، میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں، کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آسکتا۔

صفا اور مروہ کی سعی کی ابتداء: آخر اس ننھی سی جان کا یہ اتر حال دیکھنا نہ جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آجائے، لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں، تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مروہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں، اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح ان دونوں پہاڑیوں کا درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں ہر چکر کے بعد آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت لچھ بہ لچھ بگڑتی جا رہی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں صفا و مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہی ہے۔) ساتویں مرتبہ جو مائی صاحبہ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کانوں میں پڑتی ہے تو آپ خاموش ہو کر احتیاط سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اب کی مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور (اب جہاں زمزم ہے) وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پاتی ہیں۔

صبر کا پھل میٹھا ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں کہ میں ہاجرہ ہوں، میں (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے کی ماں ہو۔ جبرائیل (ابراہیم علیہ السلام) تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سوئپ گئے ہیں؟ آپ فرماتیں ہیں اللہ کو۔ فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا اے نبی شخص آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی، وہیں زمین میں سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا، مشک پر کر کے پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہ کر نکل نہ جائے اس پاس باڑباندھنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہ السلام پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ

ہو تا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا۔ اب حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور بچے کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے کہا کہ تم بے فکر رہو اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا۔ حضرت ہاجرہ نے اب یہیں رہائش اختیار کر لی 'زمزم کا پانی' نہیں اور بچے سے دل بہلاتیں 'بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی ادھر ادھر سے پانی گزر جاتا اور یہاں امن رہتا۔ کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ کداء کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزر اور مکہ مکرمہ کے نیچے کے حصہ میں پڑا تو کیا ان کی نظریں ایک آبی پرندہ پر پڑیں آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا ہماری آمد و رفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی یہ تو خشک جنگل اور چھیل میدان ہے یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجے انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسماعیل سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں پانی کی جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں حضرت ہاجرہ تو چاہتی ہی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ اس قافلہ نے یہیں پڑاؤ کر لیا۔

حضرت اسماعیل کا پہلا نکاح: حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہیں سے عربی زبان بھی سیکھی مائی ہاجرہ کا انتقال یہیں ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا۔ ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ ملے اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے؟ بڑی تنگی اور سختی ہے فرمایا اچھا جب تمہارا خاوند آئے انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا۔ پوچھا کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل و شبابت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے آپ کی نسبت پوچھا میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گزر ان کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہے۔ پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرمائے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے ہیں کہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں آپ فرمانے لگے بیوی سنو! یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو الگ کر دوں (چونکہ تم نے ناشکری کی) جاؤ میں نے طلاق دی۔ انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام باجائزات الہی یہاں آئے اس مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیح سے ملاقات نہ ہوئی بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے روزی کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں آپ آئیے تشریف رکھیے جو کچھ حاضر ہے وہ تناول فرمائیے آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ گزر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا کہ الحمد للہ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل اللہ کشادگی اور راحت ہے اللہ کا بڑا شکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمہارا؟ خاوند کیا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی۔ آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔ (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر انانج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو (حضرت) خلیل (علیہ السلام) ان کے لئے انانج کی برکت کی دعا بھی کرتے اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گزارہ کر سکتے ہیں دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔) آپ نے فرمایا اچھا میں جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں ازاں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے سارا واقعہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے

مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گزار ہو)۔

بیت اللہ کی تعمیر: پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا حضرت اسماعیل علیہ السلام باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور باادب ملے۔ جب باپ بیٹا مل کر فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم نے فرمایا اے اسماعیل! مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے 'آپ نے فرمایا ابا جان جو حکم ہوا ہو اس کی تعمیل کیجئے۔ کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے۔ میں حاضر ہوں کہا اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے کہنے لگے بہت بہتر۔ اب باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی نیور کھی اور دیواریں اونچی کرینی شروع کیں 'حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لانا لگا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چنتے جاتے تھے 'جب دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبے کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعانا لگتے جاتے تھے کہ ہاری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرمانا تو سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصلاً ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے بدلے جو ذبیح ہوا تھا اس کے سینگ بھی کعبتہ اللہ میں تھے۔

اوپر کی لمبی روایت 'حضرت علیؑ سے بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم اجاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو 'کئی زیادتی نہ ہو۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے۔ لیکن پہلی ہی روایت ٹھیک ہے اور اسی طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بناء پہلے رکھ دی تھی لیکن بنایا بعد میں اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علیؑ سے بناء بیت اللہ کی شروع کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ۔ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام گھبراے کہ مجھے کہاں بنانا چاہئے کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہئے (وغیرہ) اس پر سیکھنا نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے وہاں تم میرا گھر بناؤ۔ آپ نے بنانا شروع کیا جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ لے 'آپ پتھر ڈھونڈ لائے تو دیکھا کہ ابا جان اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں 'پوچھا یہ کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبرائیل آسمان سے لے آئے۔ حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی یہیں سے زمین پھیلانی گئی۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کعبتہ اللہ بنانے کے لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ارمینیا سے تشریف لائے تھے۔ حضرت سعدیؓ فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبرائیل علیہ السلام ہند سے لائے تھے اس وقت وہ سفید چمکدار یا قوت تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا پورے لوگوں کے خطا کار ہاتھوں سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بنیادیں پہلے سے موجود تھیں انہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر شروع کی۔ عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے تھے اس وقت ان کا قدم لہا تھا زمین پر آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے 'جب قدم گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہو گئیں تو گھبرا کر لگے 'حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ۔ آدم علیہ السلام چلے جہاں جہاں آدم علیہ السلام کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک یا قوت اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا 'حضرت آدم علیہ السلام یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے گھبراہٹ جاتی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانہ میں یہ پتھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا۔ حضرت آدم علیہ

السلام نے یہ گھر حراء طور زیتا طور سینا اور جو دی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا۔ لیکن ان تمام روایات میں تضاد ہے 'واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بنانے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے تھے تو اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا دور پر عمالیت کی آبادی تھی یہاں آپ اپنے بیٹے اسماعیل اور اپنی بیوی حاجرہ کو ایک چھپرے تلے بٹھا گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار درکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں۔ پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیے گواہی دیں گے۔ پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں۔ ذوالقرنین خوش ہو گئے اور کہنے لگے میں نے مان لیا۔ ارزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبح اللہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قواعد بنیان اور اساس کو کہتے ہیں یہ قاعده کی جمع سے قرآن میں اور جگہ والقواعد من النساء اس کا مفرد بھی قاعد ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیم علیہ السلام سے گھٹا دیا میں نے کہا آپ ﷺ سے بڑھا کر اصلی بنا کر دیں۔ فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب کا نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا۔ حضرت ابن عمر کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس کے دو ستونوں کو چھوتے نہ تھے۔ صحیح مسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اے عائشہ اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔ صحیح بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کے لئے۔ چنانچہ ابن زبیر نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بنا ابراہیمی پر بناتا۔ اور روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے۔

قریش مکہ کا بیت اللہ کی تعمیر میں کمی کرنا: نبی ﷺ کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو۔ اس بناء میں خود حضور ﷺ بھی شریک تھے پینتیس سال آپ کی عمر تھی اور پھر آپ ﷺ بھی اٹھاتے تھے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب رسول مقبول ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی اس وقت قریش نے کعبہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں چھت نہ تھی دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے درمیان میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ مال "دویک" نامی آدمی سے برآمد ہوا تھا جو خزانہ قبیلہ بنی یلیع بن عمرو کا مولیٰ تھا ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لئے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آگئی تھی یہ لکڑیاں چھت میں کام آسکتی تھیں اس لئے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی کو جو قبیلہ یلیع میں سے تھا چھت کا کام سونپا۔

یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بہت بڑا اژدھا تھا جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا۔ یہ سانپ ہر روز اس کنویں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا وہ اسے پکڑ کر لے اڑا۔ قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی ہمارے پاس موجود ہے سانپ کو بھی

اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کا اتارا جو اسکے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا۔ اس نے تمام قریش کو خطاب کر کے کہا 'سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال ہی خرچ کرے' اس میں زنا کاری کا رویہ سودی بیوپار کا رویہ ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا۔ اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں 'حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنو مخزوم بنائیں قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبۃ کا پچھلا حصہ بنو تمیم اور بنو سہم بنائیں 'حطیم کے پاس کا حصہ بنو عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزی اور بنو عدی بن کعب بنائیں۔ یہ معاملہ طے پا جانے کے بعد بیت اللہ کی پہلی عمارت گرانے کا مسئلہ پیش آیا کہ انہیں جدا کر کے۔ لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ اسے گرا کر شروع کرے۔

آخر ولید بن مغیرہ نے کہا لو میں شروع کرتا ہوں۔ کدال لے کے اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے 'اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں' یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا۔ قریشیوں نے کہا بس اب چھوڑ دو اور رات بھر انتظار کرو اگر اس شخص پر کوئی وبال آجائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانہا کو ناپسند نہیں پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں شروع ہو جانا۔ چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی اب سارے آگے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا۔ یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے' یہاں سبز رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر اگلی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس ارادے سے بار رہے اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دیا۔

نبوت سے پہلے اعزاز اور حجر اسود نصب کرنے کا قصہ : پھر ہر قبیلے نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بنی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے۔ اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آگئی قبیلے آپس میں ہجج گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بنو عبد دار اور بنو عدی نے ایک برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے اسی طرح چار پانچ دن گزر گئے۔ پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں 'تو ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ عمر اور عقلمند تھے کہا سنو! گو! تم اپنا منصف کسی کو بناؤ وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو' لیکن پھر منصف بنانے میں اختلاف ہو گا اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ آئے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے ہم آپ کے حکم پر رضامند ہیں یہ تو امین ہیں یہ تو محمد (ﷺ) ہیں۔ پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ وہ لے آئے۔ آپ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا۔ پھر فرمایا ہر قبیلے کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اونچا کیا۔ جب اسکے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے

ہاتھوں اپنے گھر میں اس مبارک پتھر و نصب فرمایا (حضور پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ ﷺ کو "امین" کہا کرتے تھے)۔ اب پتھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا قبائلی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا پتھر چاروں طرف چڑھنے لگا۔ ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔

کعبہ کی یہی عمارت رہی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیرؓ کو مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور ﷺ کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا، مطہم اندر شمال گردیا، مشرق مغرب دو دروازے رکھے ایک اندر آنے کا اور دوسرا باہر جانے کا اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا۔ آپ کی عمارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے اب حجاج نے عبد الملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پتھر توڑ کر پہلے کی طرح بنالیا۔

صحیح مسلم شریف میں سے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جبکہ شامیوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور جو ہوتا تھا وہ ہو اس وقت حضرت عبداللہؓ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا، موسم حج کے موقع پر لوگ جمع ہوئے انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اس کے بعد آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کعبہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بناؤں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اسکی اصلاح کر لوں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی مرمت کر دیں باقی سب پرانا ہی رہنے دیں آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو کیا وہ خوش نہ ہو گا کہ اسے نئے سرے سے بنائے پتھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو۔ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا پتھر جو سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑ دیجائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کیا جائے چنانچہ یہ حکم دیدیا۔ لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا اسپر عذاب نازل ہو گا، لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور ان نے ایک پتھر توڑا جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو پتھر سب نے گرا کر شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔

اب بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا وہ کہتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے بناتا ایک آنے کا اور ایک جانے کا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے میرے پاس کافی روپیہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضور ﷺ کی تمنا پوری نہ کروں۔ اس چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم میں سے اندر لے لیا اور اب جو کھدائی کی ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھی لی اور اسی پر دیوار حجازی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ کا تھا اب اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو طول چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے عبد الملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ مکرمہ کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے۔ لیکن عبد الملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو گرا کر پتھر عبد الملک کے کہنے کے مطابق بنادیا، لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بناء کو باقی رکھا جاتا اس لئے کہ حضور ﷺ کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

عبدالملک بن مروان کا افسوس کرنا: لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی اس لئے اس نے اسے تڑوا دیا جب اسے حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم اسے یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑواتے چنانچہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبداللہ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث نہ سنی ہوگی۔ حارث نے کہا ضرور سنی تھی خود میں نے بھی مائی صاحبہؓ سے سنا ہے۔ پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہ! تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب کا نہ ہوتا تو میں نے سرے سے انکی کئی کو پورا کر دیتا لیکن آج میں تجھے اصلی نبوتادوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اسکی اصلیت پر بنانا چاہے تو آپ ﷺ نے حضرت صدیقہؓ کو حطیم میں قریب سات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اسکے دو دروازے کر دیتا ایک اندر آئیگا اور ایک جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا ایک مشرق رخ رکھتا دوسرا مغرب رخ جانتی بھی ہو کہ تمہاری قوم نے وہ دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے آپ نے فرمایا حضور مجھے خبر نہیں۔ فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لئے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں داخل نہ ہونے دیں جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دیدیتے وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔ عبدالملک نے کہا اے حارث! تم نے خود اس حدیث کو (حضرت) عائشہؓ سے سنا ہے انہوں نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہؓ کو کوس کر کہا کہ وہ (حضرت) عائشہؓ پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارثؓ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے میں نے بھی (حضرت) عائشہؓ سے یہ سنا ہے۔ اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیرؓ کے بنائے ہوئے کے مطابق بنا دوں۔ امام مالکؒ نے فرمایا آپ ایسا نہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ کعبہ بھی بادشاہوں کھلونا بن جائے جو آنے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے۔ چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کریگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دیا اسکا غلاف لے جائیگا اور اسکا خزانہ بھی وہ لے لے گا ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجار ہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے۔ غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جسکے دیکھنے سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے) یا جوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم یا جوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ کا حج و عمرہ کرو گے۔

حضرت خلیل اللہ و ذبیح اللہ کی دعائیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ السلام اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنانے یعنی مخلص بنانے مطیع بنانے موحد بنا شرک سے بچا یا کاری سے محفوظ رکھ خشوع و خضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیعؓ فرماتے ہیں مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا ﴿قَدْ فَعَلْتُ﴾ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی پھر اپنی اولاد کیلئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل بھی آپ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی قرآن میں ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم

میں ایک جماعت حق و عدل پر تھی۔ لیکن روایتی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کیلئے یہ دعا ہے گو عام طور پر دوسروں کو بھی شامل ہو اس لئے کہ اسکے بعد دوسری دعائیں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾ لیکن اس سے آپ کی رسالت خاص نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے عرب عجم سب کیلئے جیسے فرمایا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ لہذا کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہئے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمایا اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں ﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری صدقہ عالم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم)۔ پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام حج و ذبح وغیرہ سکھا۔ کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لے کر صفا پر آتے ہیں اور پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں پھر منیٰ کی طرف لے چلے عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر کہہ کر اسے کنکر مارو ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ و سہمی کے پاس جا ہڑا ہوا یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث نا امید ہو کر چلا گیا اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقع نہ ملا اور مایوس ہو گیا یہاں سے آپ کو مشعر الحرام میں لائے پھر عرفات میں پہنچایا پھر تین مرتبہ پوچھا کہو سمجھ لیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَيُذَكِّرُهُمْ أَنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۹﴾

اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیات پڑھے انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے یقیناً تو غالب والا اور حکمت والا ہے۔

دعائے ابراہیمی کا ظہور: اہل حرم کے لئے یہ اور دعا ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین ﷺ اس وقت سے ہوں جب کہ آدم علیہ السلام بھی منیٰ کی صورت میں تھے میں تمہیں ابتدائی امر بتاؤں میں اپنے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ابو امامہ ؓ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنے ابتدائی حالات تو ہمیں بتائیے۔ آپ نے فرمایا میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔ مطالب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوں گی۔ آپ ﷺ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی سے مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ بطن

آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہوگا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کے خاتم حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا نام بھی بتا دیا اور فرمایا لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلی کتاب توراہ کی تصدیق میں کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے (ﷺ) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، خواب میں نور سے شام کے مہلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائیگا۔

بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائیگا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید مینارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری و مسلم میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔ صحیح بخاری میں اتنا اضافہ اور ہے کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابو العالیہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے جواب میں کہا گیا کہ یہ بھی مقبول ہے اور یہ پیغمبر آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔ حسن اور قتادہ اور مقاتل بن حیان اور ابومالک وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی طاعت و اخلاص سکھانا، بھلائیوں کرنا، برائیوں سے بچانا، اطاعت الہی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی جو ہر چیز پر غالب ہے، وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں، وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت و عدل علم کے ساتھ رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ قِلَّةٍ اِبْرَاهِمَ الْاَمِنْ سَفِيهَ نَفْسِهٖ وَلَقَدْ اَصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا
وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمُ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ وَّضٰى بِهَا اِبْرٰهٖمُ بَنِيهٖ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمْ
الدِّيْنَ فَلَا تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے ہے جب کبھی بھی انہیں انکے رب نے کہا مان لے انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی مان لی اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمایا ہے، خیر دار تم مسلمان ہی مرنے۔

دین ابراہیمی کے دعویٰ دار مشرکین کا ذکر: ان آیات میں بھی مشرکین کا رد ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیروکار بتاتے تھے حالانکہ وہ مکمل طور پر مشرک تھے اور حضرت خلیل اللہ تو موجدوں کے امام تھے توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے، عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اور ان سب سے بیزار تھے اسی پر قوم سے الگ ہوئے، وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی، پر وہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ ﴿ اِنِّىْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ الخ میں بیزار ہوں اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو، میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ اور جگہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں، میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں، وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔ اور جگہ ہے ﴿ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ ﴾ الخ ابراہیم (علیہ السلام) اپنے والد کے لئے بھی صرف ایک وعدے کی بناء پر استغفار کرتے تھے لیکن

جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔ اور جگہ ہے ابراہیم علیہ السلام مخلص اور مطیع امت تھے مشرک ہرگز نہ تھے رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے دنیا کے اچھے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہوں گے۔ ان آیات کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ہدایت کیلئے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی، خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا تھا، آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہو گئے ان کے مسلک و ملت کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہو گا؟ اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے اچھے اور جگہ ہے ﴿هَا تَكُنْ اٰبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا﴾ الخ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ موصد مسلمان اور مخلص تھے ان کے قریب وہی ہیں جو ان کی مائیں اور یہ نبی اور ایماندار اللہ بھی مومنوں کا ولی ہے۔ جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا، اسی ملت و حدانیت کی وصیت ابراہیم و یعقوب نے اپنی اولاد کو کی۔ ﴿ہا﴾ کی مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد ﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ہے دیکھتے ان کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت و عزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عاقل رہے اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِىْ عَقْبِهِ﴾ ہم نے اسے ان کی اولاد میں بھی باقی رکھا۔ بعض سلف نے ﴿وَيَعْقُوبُ﴾ بھی پڑھا تو ”بذیہ“ پر عطف ہو گا اور مطلب یہ ہو گا کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیری کہتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن یہ صرف دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں، واللہ اعلم۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن کی آیت میں ہے ﴿فَبَشِّرْنَا هَا بِاِسْحٰقَ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يٰعَقُوبُ﴾ یعنی ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی۔ اور اس کا نصب نقص کا بنا کر بھی پڑھا گیا ہے، پس اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورہ عنکبوت میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق حضرت یعقوب عطا فرمائے اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب دی۔ اور آیت میں ہے ہم نے اسے اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام زائد عطا فرمایا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی تھے۔ اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔

حضرت ابو ذرؓ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ اکونسی مسجد پہلے تعمیر کی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام۔ پوچھا پھر؟ فرمایا مسجد بیت المقدس۔ میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا چالیس سال الخ۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان کے فاصلے کا یہ بیان ہے حالانکہ یہ قول بالکل مخالف ہے ان دونوں انبیاء کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان علیہ السلام الرحمن تو اس کی مرمت کرائی تھی اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی جس کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ وصیت اس امر کی ہوئی ہے کہ زندگی میں احسان والے رہو تاکہ موت بھی اس پر آئے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی: عموماً انسان زندگی میں جس چیز پر رہتا ہے اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتا ہے اسی پر اٹھے گا

بھی اللہ کی عادت اسی طرح ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے اور جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے یا برے ظاہری طور پر ہوتے ہیں حقیقی طور پر نہیں چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہے۔ قرآن کہتا ہے سخاوت، تقویٰ اور ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی تصدیق کرنے والے کے لئے ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بخل و بے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنِّي
بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا
وَاحِدًا وَنَحْنُ لَكَ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۱﴾ بِرَّكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا
كَسَبْتُمْ وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾

کیا (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے مبعود کی اور آپ کے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے مبعود کی جو مبعود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ جماعت تو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال سے تم نہ پوچھتے جاؤ گے۔

ازل سے لے کر ابد تک صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے: مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے۔ دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ (حضرت) یعقوب (علیہ السلام) نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت بھی اللہ تعالیٰ و وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی۔ ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے مبعود برحق کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے لڑکے اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تغلیب کے آگیا ہے کیونکہ آپ حضرت یعقوب کے چچا ہیں (علیہم السلام) اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔

اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری میں موجود ہے 'ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا مذہب بھی یہی ہے 'حسن بصریؒ' طاؤسؒ اور عطاءؒ بھی یہی کہتے ہیں 'امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے سلف و خلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ 'امام مالکؒ' 'امام شافعیؒ' اور ایک مشہور روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ دو بھائیوں بہنوں کو بھی وارث کہتے ہی 'حضرت عمرؓ' 'حضرت عثمانؓ' 'حضرت علیؓ' حضرت ابن مسعودؓ 'حضرت زید بن ثابتؓ' اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے 'قاضی ابو یوسفؒ' اور محمد بن حسن بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی مبعود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم

اس کی اطاعت گزاری 'فرمانبرداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہا کریں گے' جیسے اور جگہ ہے 'وَلَا اسْلَمَ بِمَا خَلَّزِمِينَ وَآسَمِينَ كِمْ' چیز خوشی اور ناخوشی سے اسکی مطیع ہے اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء علیہ السلام کا دین یہی اسلام رہا ہے اگرچہ احکام میں جدائی رہی ہے جیسے فرمایا 'وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ'۔ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیات بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہم علاقائی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ امت ہے جو گزر چکی تمہیں ان کی طرف کی نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے اور تمہاری کرنی تم جو کچھ کرو گے وہ تمہارے ساتھ تم ان کے کاموں کے بارہ میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث مبارکہ میں ہے جس کا عمل دیر لگائے اس کا نسب جلدی نہ کرے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الشَّاكِرُونَ
وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۱﴾

یہ کہتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) مشرک نہ تھے۔

عبداللہ بن صوریاء نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہم ہیں تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے قبیح ہیں جو استقامت والے اخلاص والے حج والے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے اللہ کی فرمانبرداری کرنیوالے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے 'لا الہ الا اللہ' کی شہادت دینے والے ماں بیٹی خالہ چھو پھٹی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے 'یہ سب معنی حنیف کے مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾

(اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم (علیہ السلام) اسماعیل (علیہ السلام) اسحاق (علیہ السلام) یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء علیہ السلام دیئے گئے ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرمان بردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد ﷺ پر اترا اس پر تفصیل وار ایمان لائیں اور جو آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر اترا اس میں بھی اجمالاً ایمان لائیں ان اگلے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوں کا مجمل ذکر کر دیا ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر

جائیں جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے کسی کو مانتے تھے کسی سے انکاری تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نصرانی حضرت محمد ﷺ کو 'حجازی عرب موسیٰ' عیسیٰ اور محمد ﷺ تینوں کو نہیں مانتے تھے ان سب کو فتویٰ ملا کہ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا﴾ یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اہل کتاب توراہ کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سناتے تھے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو مہم دیا کرو کہ اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ نبی ﷺ صبح کو دو سنتوں میں پہلی رکعت یہ آیت ﴿إِنَّمَا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ پوری آیت اور دوسری رکعت میں آل عمران آیت ﴿إِنَّمَا بِاللّٰهِ وَ أَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

اسباط کی تشریح: اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو کہتے ہیں جو بارہ تھے جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے۔ بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ زخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل سے بنی اسرائیل ہیں ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اذْجَعَلْ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ اَلْحَ اللّٰهُ تَعَالٰى كِي نَعْمَتٌ كُوِيَادُ كُرُو كِه اِس نَعْمَتِ مِيں اَنْبِيَاءُ اُوْر بَادِ شَاهُ بِنَايے۔ اُوْر جُگہ ہے ﴿وَقَطَعْنَا هُمْ اَشْجَارَهُمْ اَسْبَاطًا﴾ ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔ ﴿سَبْطٌ﴾ کہتے ہیں تابع کو یہ بھی ایک کے چچھے ایک تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ ماخوذ ہے ﴿سَبْطٌ﴾ سے ﴿سَبْطٌ﴾ کہتے ہیں درخت کو یعنی یہ مثل درخت کے ہیں جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کل انبیاء علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے 'نوح' 'ہود' 'صالح' 'شعیب' 'ابراہیم' 'اسحاق' 'یعقوب' 'اسماعیل' 'محمد' علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ ہمیں توراہ اور انجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لئے صرف قرآن و حدیث ہی ہے ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں توراہ زبور انجیل پر ایمان رکھو لیکن (عمل کے لئے) قرآن کافی ہے۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ
فَسَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۷﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ
صِبْغَةً نَّحْنُ لَكَ عِبْدُونَ ﴿۱۸﴾

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں توراہ پائیں اور اگر نہ موڑیں تو خلاف میں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب کفایت کرے گا وہ خوب سننے جاننے والا ہے رنگ دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہو گا تم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

نجات پانے کے لئے شرط: یعنی اے ایماندار صحابو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت و نجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے پھر بھی باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف پر ہیں اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تجھے کفایت کرے گا وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن ابی نعیم کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمانؓ کی تلاوت والا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ انکی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑا تھا ﴿فَسَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافعؓ نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ رنگ سے مراد دین ہے اور اس کا زبر بطور اغراء کے ہے جیسے

فطرۃ اللہ میں 'مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو اس پر چٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں یہ بدل ہے ﴿مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ﴾ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ یہودیہ کہتے ہیں یہ مصدر موكد ہے ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ﴾۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ آواز آتی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں۔ یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔

قُلْ اَتُحَاجُّوْنَكَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلِنَا اَعْمَالُنَاوْ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۰۱ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعٖلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَاَلْسَبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصْرٰى قُلْ اَنْتُمْ اَعْلَمُوْا اَمْرَ اللّٰهِ وَمَنْ اٰظَلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۲ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۳

کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہم تو اسی کے لئے خلوص کرنے والے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں یہ امت ہے جو گزر چکی جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے تم ان کے اعمال سے سوال نہ کئے جاؤ گے۔

حقیقی دین دین اسلام ہے: مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی ﷺ کو دے رہا ہے کہ تم ان کو کہو کہ ہم سے اللہ کی توحید، اخلاص، اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ﴾ الخ یعنی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَاِنْ حَاجُّوْكَ﴾ یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے "میں ﷺ نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے الخ"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا ﴿اَتُحَاجُّوْنِيْ فِى اللّٰهِ﴾ اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَالِى الدِّى حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ فِى رَبِّهٖ﴾ تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیم (علیہ السلام) سے اسکے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہم تم سے بیزار تم ہم سے اللہ ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یک سوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تم اسے یہودیو اور اسے نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو کیا تمہارا علم اللہ سے بڑھ گیا اللہ نے

توصاف فرمادیا ﴿ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ خالص مسلمان تھے۔ ان کا اللہ کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے، لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔ پھر فرمایا تمہارے اعمال اللہ پر پوشیدہ نہیں اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہ تنبیہ کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی تم جب تک ان کے نقش قدم پر نہ چلو، صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے، ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بد اعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔ ”جو کرے وہی بھرے“۔ تم نے جب ایک نبی کی تکذیب کی تو گویا تمام انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا بالخصوص اے وہ لوگو! جو نبی آخر الزمان ﷺ کا مبارک زمانہ میں ہو تم تو بڑے ہی وبال میں آگئے، تم نے اس نبی ﷺ کو جھٹلایا جو سید الانبیاء ﷺ ہیں جو ختم المرسلین ہیں جو رسول رب العالمین ﷺ ہیں۔ جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے، جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار درود و سلام آپ ﷺ پر نازل ہوں اور آپ ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ تفسیر ابن کثیر اردو کا پہلا پارہ ختم ہوا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ
 الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۱۱۰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ
 أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝۱۱۱ وَمَا
 جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى
 عَقْبَيْهِ ۝۱۱۲ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۝۱۱۳ وَمَا كَانَ اللَّهُ
 لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۝۱۱۴ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱۵

مفکرین نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ تو کہہ دے (اسے نبی) کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔ ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں، جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابع کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر جاتا ہے، گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

قبلہ کی تبدیلی : کہا جاتا ہے کہ یہ "یوقوف" لوگوں سے عرب کے مشرکین مراد ہیں ایک قول ہے کہ علماء یہود مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منافقین مراد ہیں صحیح بخاری میں حضرت برہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ یاسر ۱۰ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، آپ کی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ خانہ کعبہ ہو۔ چنانچہ حکم ملنے کے بعد آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلی نماز عصر کی پڑھی۔ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک شخص ایک مسجد کے پاس سے گزرا وہاں لوگ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا "اللہ کی قسم میں نے مکہ کی طرف رخ کر کے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے" یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے اور ایسے لوگ جو تبدیلی قبلہ سے قبل انتقال کر گئے اور بہت سے تھے جو شہید ہوئے۔ لوگوں کو معلوم نہ تھا ان کی نمازوں کے بارے میں کیا کہیں؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ﴾ نازل فرمائی "یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے ایمان ضائع نہ کرے گا" صحیح مسلم میں یہ روایت دوسری طرح سے ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر آسمان کی جانب نظریں اٹھا کر حکم کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿قَدْ تَوَرَى تَقَلَّبُ﴾ الخ اور کعبۃ اللہ قبلہ مقرر ہوا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کاش ہم کو ان لوگوں کا حال معلوم ہوتا جو سمت قبلہ بدلنے سے قبل وفات پا گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ نازل فرمائی۔

اہل کتاب میں سے بعض یوقوفوں نے اس تبدیلی قبلہ پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾ نازل فرمائی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تھا۔ اس سے یہودی بہت خوش تھے مگر آپ قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے چنانچہ جب قبلہ کی تبدیلیاں کا حکم ہوا تو یہودیوں نے حسد کی بنا پر اعتراضات کئے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرق اور مغرب سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ الخ اس بارے میں

دیگر کافی احادیث بھی مروی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ مکہ میں دو رکعتوں کے درمیان صحیحہ بیت المقدس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان دونوں کو جمع کرنا ناممکن ہو گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کو اس بات کا حکم قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا یا کسی دوسرے ذریعہ سے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے کئی ماہ بعد تک آپ اسی پر عامل رہے اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ سے تبدیلی قبلہ کے خواستگار تھے بالآخر دعا قبول کی گئی بیت اللہ کی طرف پہلی نماز عصر پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ نماز ظہر تھی۔

حضرت ابو سعید ابن المعلى نے کہا کہ میں نے اور میرے ساتھی نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے اور دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ کی طرف پڑھیں اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلہ والی مسجد ہے۔ حضرت نوید بنت مسلم فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جو ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز ہی میں گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آگئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لازم ہونا اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے۔ گو وہ حکم پہلے ہی نازل ہو چکا ہو کیونکہ اس لئے کہ ان حضرات کی عصر مغرب اور عشا کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا واللہ اعلم۔

اب باطل پرست کمزور عقیدے والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے، کبھی اسے قبلہ کہتا ہے کبھی اسے انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرنا اسی طرف اس کا منہ ہے، بھلائی کچھ اسی میں نہیں آگئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو اوب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے۔ جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں اطاعت کے معنی اس کی حکم برداری کے ہیں اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا منہ پھیر لیں گے۔ امت محمدیہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں ظلیل الرحمن کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی اللہ وحدہ ہوا شریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور جسے تمام ترفیضیات حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بڑا حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھنگ گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے۔ اور بڑا حسد ان کو ہماری آئین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔

پھر فرمایا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو اور تم دوسری امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں۔ وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوات وسطے یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بہتر افضل اور اعلیٰ ہے اس لئے انہیں شریعت بھی کامل ملی راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا۔ جیسے فرمان ہے۔ ﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ﴾ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تمہارے باپ ابراہیم کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوح کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں یا اللہ پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا نوح (علیہ السلام) نے میری باتیں تمہیں پہنچائیں تھیں؟ وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ذرا نہ تھا والا نہیں آیا۔ نوح سے کہا جائے گا کہ تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو۔ وہ کہیں گے کہ ہاں محمد (ﷺ) اور آپ ﷺ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب اس آیت ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ حَكْمًا﴾ کا ہے۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں۔ اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا (بخاری ترمذی نسائی ابن ماجہ)۔ مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے۔ نبی سے پوچھا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اور آپ کی امت۔ پس محمد (ﷺ) اور آپ کی امت بلائی جائے گی ان سے یہی سوال ہو گا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ حَكْمًا﴾ کا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطا بمعنی ﴿عَدْلًا﴾ آیا ہے۔ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے۔ تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔

واجب ہو گئی؟ مستدرک حاکم میں ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگ کہنے لگے حضور! یہ بڑا نیک آدمی بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور! پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن ظاہر میں تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی۔ پھر ہوا حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے۔ لوگ کہنے لگے حضرت! یہ بڑا آدمی تھا بڑا بد زبان اور کج خلق تھا۔ آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے یہ کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی۔ محمد بن کعبؓ اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول ﷺ سچے ہیں دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ حَكْمًا﴾ میں ہے ابو الاسودؓ فرماتے ہیں میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی۔ لوگ بکثرت مر رہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہو گئی۔ میں نے کہا میرا مومنین! کیا واجب ہو گئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار آدمی دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ ہم نے کہا حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہوں؟ آپ نے فرمایا دو بھی۔ ہم نے ایک کی بابت سوال نہ کیا۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور! کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ پہلا قبلہ صرف امتحان کے طور پر تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ کام فی

الحقیقت بہت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بچے ہیں جو کہ حضور ﷺ کے فرمائیں سچ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے منائے جو چاہے باقی رکھے اس کا ہر کام ہر حکم حکمت سے پر ہے اور ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔

قبلہ کی تبدیلی امتحان کیلئے تھی ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا اور انہیں نیا ورد اٹھا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَ إِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً﴾ جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمان داروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور اللہ کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَ شَفَاءٌ وَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِى آذَانِهِمْ وَ قُرْ وَ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ یعنی ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے لئے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھا پن ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَ لَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لئے سہرا شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔ اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اسی میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرمان برداری ثابت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر کتنا شفیق و مہربان ہے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارا ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں ر دو کہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی۔ انہیں وہ قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف و رحیم ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملتا تو قیدیوں میں سے جس بچے کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھالیا سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا بتاؤ کیا تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچے کو آگ میں ڈالے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچے پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

لَيَعْلَمُونَ أَنَّ الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَاللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۱﴾

ہم نے تیرے چہرے کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ اسی طرف پھیرا کرو۔ اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں۔

قبلہ ابراہیمی رسول اللہ ﷺ کی چاہت تھی؛ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قرآن میں پہلا نسخ قبلہ کا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم کیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالآخر آیت ﴿قَدْ نَرَىٰ نُوحًا نَازِلًا﴾ نازل ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے؟ جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو اور ہر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ پہلا قبلہ بطور امتحان کے تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ میں کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ جہت کعبہ کی ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر آئمہ کرام کا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مراد اس کی طرف ہے۔ ابو العالیہ مجاہدؒ، مکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، زجاج بن انسؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کا اور مسجد قبلہ ہے اہل حرم کا اور حرم قبلہ سے تمام زمین والوں کا خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابو نعیم میں بروایت براءؓ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند یہ امر تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ وہ سکر جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے اضافے کے ساتھ مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ میں بھی بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿قَدْ نَرَىٰ نُوحًا نَازِلًا﴾ تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں اس سے پہلے ہی ہم نے اس نئے حکم میں تعمیل کریں اور اول فرماں بردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضور ﷺ بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمرؓ مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں بروایت نویلہ بنت مسلمؓ موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے اور رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آکر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی۔ اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے ابن مردویہ میں بروایت عمارہ ابن اوسؓ مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ملی اور ہم سب مرد عورت بچے اسی حالت میں اس قبلہ کی طرف گھوم گئے۔

مسافر، لاعلم اور میدان جنگ کے سپاہی کی نماز: پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال جنوب میں

نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کرو۔ ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جارہی ہو ادھر ہی نفل ادا کرے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونا کافی ہے۔ اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف ہو سکے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں اور وہ اندازہ سے جس طرف زیادہ دل جھکے نماز ادا کر لے پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

نماز کی حالت میں نظر کہاں رکھیں؟ مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز کی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے شافعی احمد اور ابوحنیفہ کا مذہب ہے اس لئے کہ آیت کے لفظ یہ ہیں کہ منہ سجدہ حرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر ہانا چاہے گا تو قدرے جھکنے پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع و خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی آئی ہے۔ اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر، عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ مگر اللہ بھی ان کے ان کہ تو توں سے بے خبر نہیں۔

وَلٰئِن اٰتٰیْتَ الدّٰیْنِ اَوْ تَوَالِیْكَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتٰبِعٍ قِبْلَتِهِمْ
وَمَا بَعْضُهُمْ بِتٰبِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۗ وَلٰئِن اَتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذَا لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۙ

تو اگرچہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دیدے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلے کو ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجودیکہ تیرے پاس علم آچکا پھر بھی انکی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے۔

حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنا ظلم ہے: یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت اور سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ شان رسول ﷺ کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الدّٰیْنِ حَقٌّ عَلَیْهِمْ كَلِمَةٌ رَّبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَاِنْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوْا الْعَذَابَ الالِیْمَ﴾ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گوان کے پاس تمام آیات آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ پھر اپنے نبی کی استقامت بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر اڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آجائیں اور ان کی راہ لگ جائیں وہ ہمارے تابع فرمان اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی (ﷺ) کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا

دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۰﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُبْتَرِينَ ﴿۱۳۱﴾

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا۔

حق اور یہودی علماء کا کردار: ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حمایت کو اس طرح جانتے ہی جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو کامل یقین کے وقت عرب بولا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور! آپ بھی گواہ رہئے۔ آپ نے فرمایا یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتادی یعنی حضرت جبرئیلؑ حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے آپ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں ہیں وہ آپ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ یہ یک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں۔ پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہر گز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۗ اِنَّ مَا تَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللهُ جَمِيعًا اِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۳۱﴾

ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہدایت والا قبلہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابو لعلیہؓ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مولاہا کی دوسری قرأت ﴿مَوْلَاهَا﴾ ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرَعَةً﴾ یعنی ہر شخص کو اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں۔ گو تم ادھر ادھر ہو جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے

اسی زمین سے جمع کرے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ^{۱۹} وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ
حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَإِنَّمَا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ^{۲۰}

تو جہاں سے نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خیر نہیں اور جس جگہ سے تو نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ۔

یہودیوں کے بے جا اعتراضات کی پرواہ نہ کرو: یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی حکم پہلی ہی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کے لئے ہے دوسرا دیگر شہر والوں کیلئے تیسرا مسافروں کیلئے۔ بعض کہتے ہیں تینوں احکامات کا تعلق اگلی کچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو آں حضور ﷺ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کے کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو گا تو اس حکم سے وہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی اساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور کم شرف مانتے تھے اور اب حضور ﷺ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی۔ رازی وغیرہ نے یہاں کے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا تاکہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ اس امت کی صفت کعبہ کی طرف نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے آپ کو دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں یہودی کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف پلٹے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب آپ نے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کے اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور حجت باز جو مشرکین اعتراضات کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے

لیکن ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا تو گویا انہیں جو اب مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا منبع ہے۔ پہلے ہم نے اپنے کمال حکمت سے اپنے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالاتے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالاتے۔ پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (ﷺ واسحابہ واتباءہ وسلم)۔ پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو۔ ان باعیوں کی سرکشی سے تم خون نہ کرو ان کے بجا اعتراضات کی مطلق پروا نہ کرو! ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو! صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری ہر شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں۔ اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئی تم اس سے نہ بنو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا اشرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۷۹﴾ فَادْكُرُونِي أذْكُرْكُمْ وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا

تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۰﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔

موضوعوں پر ہمیشہ بہا نعمت کا ذکر: یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے۔ پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہالت چھائی ہوئی تھی جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پر تو بھی نہیں پڑا تھا وہ دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے۔ وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے۔ دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے۔ اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے۔ ﴿الْم تَرَىٰ إِلَىٰ الْدِينِ بَدَلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ یہاں عربی سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے یہ احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اللہ تیرا شکر کس طرح ادا کروں۔ ارشاد ہوتا ہے مجھے یاد رکھ بھول نہیں۔ یاد رکھنا شکر ہے اور بھولنا کفر ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے اور اسے جو اس کا شکر کرے اسکو کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگ سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی

جائے اس کا ذکر کیا جائے، غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہوگا؟ فرمایا برائی سے حسن بصریؒ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے خسرواری احکام، بجالات میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل فرماؤں گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر تو اسے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھوں گا اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ اور جگہ ہے ﴿لَنْ شُكِرْتُمْ لَا زِيَدَتِكُمْ﴾ یعنی تیرے رب کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصینؓ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ٥٠ وَلَا تَقُولُوا الْمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ ٥١

اے ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

بہترین وسیلہ، صبر اور نماز ہے: شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو بھلائی میں ہوگا تو یہ موقع شکر ہے یا برائی میں ہوگا تو یہ موقع صبر کا ہے۔ حدیث میں ہے 'مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے رنج پہنچتا ہے صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں نالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے جیسے اس سے پہلے گزر چکا کہ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَأِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا خوف رکھنے والوں پر بہت آسان ہے۔ حدیث میں ہے جب کوئی کام حضور ﷺ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔ صبر کی دو قسمیں ہیں 'حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر۔ یہ صبر پہلے صبر سے بڑا ہے۔ تیسری قسم صبر کی مصیبت درد اور دکھ پر یہ بھی واجب ہے جیسے بیویوں سے استغفار کرنا واجب ہے۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرماں برداری میں استقلال سے لگے رہنا گو نفس پر شاق گزرے طبیعت کے خلاف پڑے حتیٰ نہ چاہے ایک صبر تو یہ ہے دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ کے کاموں سے رک جانا گو طبعی میان اس طرف ہو خواہش نفس اکسار ہی ہو۔ امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ وہ بغیر

حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا۔ کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے۔ پوچھیں گے آخر آپ لوگ کون ہیں۔ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں اللہ کی فرماں برداری میں لگے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے 'مرتے دم تک اس پر اور اس پر صبر کیا اور جئے رہے۔ فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے بے شک تمہارا ایسی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے یہی قرآن فرماتا ہے ﴿يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں جان کر ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استتعال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

شہیداء کی زندگی: پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ روزیاں پارہے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ شہیدوں کی روہیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چلتی پھرتی ہیں پھر ان قدیلوں میں آکر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اے اللہ ہمیں تو تو نے وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں نہیں چھوڑا جاتا تو کہا اے اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنہ درجہ پائیں رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی شرافت کرامت عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالْثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا
إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥٠ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ٥١

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے دشمن کے ڈر سے بھوک پیاس سے مال جاں اور بچلوں کی کمی سے صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدے۔ انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

آزمائش شرط ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کر لیتا ہے، کبھی ترقی اور بھلائی سے اور کبھی تنزل

اور برائی سے جیسے فرماتا ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ﴾ یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں گے۔ اور جگہ ہے ﴿فَإِذَا قَهَّهَا اللَّهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ﴾ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف کچھ بھوک کچھ مال کی کمی کچھ جانوں کی یعنی اپنوں اور فیروں کی خویش و اقارب کی موت کبھی بچلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزما تا ہے اور صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر سے جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے بھوک سے مراد روزوں کی بھوک ہے۔ مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں بچلوں سے مراد اولاد ہے۔ لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

صابر کون لوگ ہیں: اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں قدر ہے وہ کون لوگ ہیں؟ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت ﴿إِنَّا لِلَّهِ﴾ اٹخ پڑھ لیا کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی ملکیت ہیں اور جو انہیں نقصان پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے۔ اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں بالآخر انہیں جانا ہے۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز ہے یعنی ہدایت، ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

مصیبت کے وقت کی تیر بہدف دعا: مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میرے خاندان (حضرت) ابو سلمہ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے ﴿اللَّهُمَّ اجْرِنِي فِيْ مُصِيبَتِيْ وَ اخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا﴾ یعنی اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب (حضرت) ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھوئے کھال رکھ دی اور حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا آپ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا حضور! یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ آپ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے ہر زد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں تیسرے ہاں بچوں والی ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو! ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کردے گا اور عمر کے لحاظ سے میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے ہاں بچے میرے ہی ہاں بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا پھر حضور! مجھے کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا فالحمد لله صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔

مسند احمد میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ ﴿إِنَّا لِلَّهِ﴾ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔ ابن ماجہ میں ہے حضرت ابوسنان فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی اس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ابو طلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ

کر مجھے نکالا اور کہا سنو! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے جب بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا تو اس کا رد عمل کیا تھا؟ ملک الموت کہتے ہیں اے اللہ اس نے تیری تعریف کی اور انا اللہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَبَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اور اپنی خوشی سے بھلائی کر نیوالوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔

صفا اور مروہ کا طواف اور اس کا طریقہ: حضرت عائشہؓ سے حضرت عمروہؓ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آپ نے فرمایا، بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے۔ اگر یہ بیان مد نظر ہوتا تو **أَنَّ لَا يَطَّوَّفُ بِهِمَا** ہوتا۔ سنو آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل کے پاس منابت تھا اسلام سے پہلے انصار سے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لیکر پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف میں حرج سمجھتا تھا اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور ﷺ سے صفا اور مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں پھر حضور ﷺ نے صفا اور مروہ کا طواف کیا اس لئے مستنون ہوا اور کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اسے ترک کر دے۔ (بخاری و مسلم)۔ ابو بکر بن عبد الرحمنؓ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ علمی بات ہے میں نے تو اس سے پہلے یہ سنی ہی نہ تھی۔ بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا اور مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے اسکے شان نزول یہ دونوں ہوں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفا اور مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگوں نے حضور ﷺ سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری۔ اساف بت صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے۔ ان بدکاروں نے کعب میں زنا کیا اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ قریش نے انہی کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ عبرت ہو لیکن کچھ زمانے کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا و مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔

صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آل حضرت ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کر چکے تو رکن کو چوڑ کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔ یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیب بنت تجرأہؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کر رہے تھے۔ لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کی ہم معنی ایک اور روایت بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان

لوگوں کی جو صفا اور مردہ کی سعی کوچ کارکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کارکن نہیں کہتے اگر محمد آیا ہو اور کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑیگا۔ امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، شعیبؒ، ابن سیرینؒ یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ اور عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ امام مالکؒ سے عقبہ میں بھی روایت ہے ان کی دلیل ہے ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے خود صفا مر وہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو۔ پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا ہے وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی۔ غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا اور مردہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام میں سے ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوری حج کے لئے سکھایا تھا۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کا اصل سبب حضرت ہاجرہؑ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ انہیں ان کے چھوٹے بیٹے سمیت یہاں چھوڑ کے چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بیٹے کی جان پر آجی تھی۔ تب مالی صاحب نہایت بے قراری بے بسی ڈر خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پاک پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا نم و ہم رنج و کرب تکلیف و دکھ دور ہوا۔

طواف کے دوران: یہاں طواف کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت خشوع و خضوع سے یہاں طواف کرے اور اپنی فقیری حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے حال کی بدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی نیکی فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و مغفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہؑ کی تکالیف کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی سے نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات چکروں کے آٹھ یا نو چکر لگائے یا نفلی حج و عمرے میں بھی صفا مر وہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدر دان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔
فالحمد والشکر للہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ
لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ ٥٠ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ٥١ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَمَا تَوْأَمَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ٥٢

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَخَفُّ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ﴿۱۷﴾

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنیوالوں کی لعنت ہے مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں (تو) میں انکی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم و کرم کرنیوالا ہوں۔ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکانہ کیا جائیگا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔

ان آیات میں ان لوگوں کیلئے زبردست دھمکی ہے جو اللہ تعالیٰ کی باتیں اور شرعی مسائل چھپایا کرتے ہیں۔ اہل کتاب نے نعت نبی ﷺ کو چھپایا تھا جس پر ارشاد ہوا کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں رب کی باتیں پھیلانے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی اسی طرح ان لوگوں پر جو حق بات کو جانتے ہوئے گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں ہر چیز لعنت بھیجتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔

حق بات کو چھپانے والے ملعون ہیں اگر وہ توبہ نہ کریں: حضرت براہ بن عازبؓ فرماتے ہیں ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکا سنتے ہیں سوائے جن وانس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔ حضرت عطارؓ فرماتے ہیں لا عنون سے مراد تمام جانور اور تمام جن وانس ہیں۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کی شومی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے اور مامون لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں ہے کہ علم چھپانے والے کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور تمام لعنت کرنے والے یعنی ہر بازبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرآن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کر دیں تو ان لوگوں کی توبہ وہ رب تو اب رحیم قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہ تھی لیکن نبی التوبہ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور عذاب میں بھی ہمیشہ یہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو نہ کبھی موقوف ہو بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب ہوتے رہیں گے ﴿نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ حضرت ابو العالیہ اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کو روک لیا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ۔

کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطابؓ اور آپ کے بعد کے آئمہ کرام سب کے

سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے۔ لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے دلیل ہے کسی معین کافر پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ اور دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابو بکر ابن عربی مانگی۔ لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔ بعض نے اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے واللہ اعلم۔

وَالْهَكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنا والا اور بڑا مہربان ہے۔

اکیلا معبود: یعنی الوہیت میں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس جیسا کوئی ہے اور واحد اور احد ہے اور فرد اور حمد ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ رحمن اور رحیم ہے۔ سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اسم اعظم ان دونوں میں ہے۔ ایک یہ آیت اور دوسری آیت ﴿الْمَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے اسے بھی توجہ سے سنیے۔ فرماتا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسْكِرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

آسمان اور زمین کی پیدائش رات دن کا بھر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر سردی زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر بھیجنا، عقلمندوں کے لئے قدرت الہی کی نشانیاں ہیں۔

واضح اور پختہ دلائل: مطلب یہ ہے کہ اس رب کی ربوبیت اور اس کی توحید پر ایک دلیل تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے اور روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو۔ پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے پکھی ہوئی ہے جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بفلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں، جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ بیل بوئے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس پر تم رہتے سبتے ہو اور اپنی مرضی سے مطابق آرام وہ مکان بنا کر بستے ہو اور جس سے صد با طرح کا نفع اٹھاتے ہو پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی دن آیا دن گیارا آگئی نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر نہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی دن بڑے کبھی راتیں کبھی دن کا کچھ نہ رات میں

جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آجائے پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود قسمیں اور تہارے مال و اسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ جن کے ذریعہ مختلف ممالک سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہو یہاں کہ چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا ہر طرف ریل پیل کر دینا زمین میں مختلف قسم کے چھوڑے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا ان سب کی حفاظت کرنا ان کے لئے روزی پہنچانا ان کے لئے سونے بیٹھے چرنے چکنے کی جگہ تیار کرنا ہواؤں کو پروا دیکھنا کبھی ٹھنڈی کبھی گرم کبھی زیادہ بادلوں کو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کرنا انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقلمند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھے لیتے یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بے کار نہیں بنایا تیرا ہی ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا یہ پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرئیل آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو۔ آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اے اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب کہ آج نہیں توکل، کل تمہیں تو پر سوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت ﴿وَاللَّهُمَّ﴾ الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے کہ ایک اللہ تمام جہاں کا بندوبست کیسے کریگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے۔ بعض میں ہے کہ اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نشان ہائے قدرت ان پر ظاہر کئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِتْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يُرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ
 جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ اذ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا
 وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا
 كَرَّةٌ فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ
 عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے ایمان والے اللہ کی محبت میں۔ بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ مشرک لوگ جانتے کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب نہیں (تو ہر گز شرک نہ کرتے)۔ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو (اپنی آنکھوں) دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے کاش ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں انکے اعمال دکھائے گا ان پر حسرت و افسوس ہے یہ ہر گز جہنم سے نہ نکلیں گے۔

اللہ تعالیٰ جیسی محبت دوسروں سے؟ اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی جماتے ہیں جیسے اللہ کی ہونی چاہئے۔ حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے وہ شریک اور ساتھی سے پاک ہے۔ بخاری و مسلم میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! سب سے برا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا ہی اکیلے نے کیا ہے۔ پھر فرمایا ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ ان کے دل عظمت الہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت کریں نہ دوسروں سے ایسی محبت کریں نہ کسی اور کی طرف التجا کریں نہ دوسروں کی طرف جھکیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر بوجہ شرک کے ظلم کرتے ہیں عذابوں کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ عذابوں کو دیکھ لیتے تو یقین ہو جاتا کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے۔ دوسرا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہر گز نہ اڑتے۔

اس دن جن جن کو ان لوگوں نے اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا اولیٰ ہے یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے تھے انہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی طرح جنات بھی ان سے بیزار ہیں ان کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے کہ جن جن کی لوگ عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن ﴿سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ انکی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے ﴿إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا﴾ تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہو گا۔ اسی طرح اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ﴾ الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہونگے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہونگے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار بن جاتے۔ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفریہ احکام تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا۔ اب سب کو اندرونی ندامت ہو گی اور ان کی گردنوں میں ان کے اعمال کے طوق ہوں گے۔ اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا ﴿إِنَّ اللَّهَ وَعَدْلُكُمْ وَعَدْلُ الْحَقِّ﴾ یعنی اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں نے تمہیں جو سب بابت دکھار کھا تھا وہ محض دھوکا تھا۔ تم پر میرا کوئی زور تو تھا نہیں مگر میں نے تمہیں کہا تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری فریاد رسی کروں نہ تم میری۔ میں تمہارے اگلے شرک سے انکاری ہوں جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ پھر وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی۔ دوستیاں کٹ جائیں گی اور رشتے ٹوٹ

جاگے۔

بلاد لیل باتیں ماننے والے اور بے وجہ اعتقاد رکھنے والے اور پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت سے کہیں گے کہ اگر اب ہمیں دنیا میں ایک بار لوٹ جانے کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ ان کی طرف التفات کریں نہ ان کی باتیں مانیں نہ انہیں اللہ کا شریک سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ درحقیقت اگر بالفرض یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہ ہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا ﴿لَوْ رُدُّوْا لَآرْتَدُّوْا اِلٰہَہُمْ غٰثِرًا وَ لَآ یُذٰکِرُوْنَ﴾ اسی لئے یہاں فرمایا انہیں اللہ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا ان پر حسرت و افسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ ضائع ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَ قَدْ مٰنَا اِلٰی مَا عَمَلُوْا﴾ اور جگہ ہے ﴿اَعْمٰلُہُمْ کَرَمٰدٍ﴾ اور جگہ ہے ﴿اَعْمٰلُہُمْ کَسْرٰبٍ﴾ یعنی انکے اعمال برباد ہیں ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑادیں انکے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودہ ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۗ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ
 اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۹۱﴾ اِنَّمَا یُؤْمِرُکُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَآءِ ۗ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰہِ
 مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں سے کھاؤ پیا اور شیطانی راہ نہ چلو وہ تو تمہارا اکلاد دشمن ہے۔ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جنکا تمہیں علم نہیں۔

رزق حلال کھاؤ: اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے۔ فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھلاؤ کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو۔ میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موصد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔

حضور ﷺ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔ آپ نے فرمایا اے سعد پاک چیزوں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی شومی کی وجہ سے چالیس دن کی اسکی عبادت قبول نہیں ہوگی جو گوشت پوست حرام سے پلاوہ جنمی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا اکلاد دشمن ہے جیسے اور جگہ ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو اس کی اور اس کے گروہ کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں۔ ایک اور جگہ فرمایا ﴿اَفْتَتَّخِذُوْنَہٗ وَ ذُرِیَّتَہٗ اَوْلِیَآءَ﴾ کیا تم شیطان اور اس کی اولاد کو اپنا دوست جانتے ہو حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے۔ ظالموں کے لئے برابر ہے۔

خطوات الشیطان کیا ہے: ﴿حُطُوتِ الشَّيْطَانِ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا بہکاوا ہوتا ہے۔ شععی فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروقؓ کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص بھیڑ ذبح کر دے یہ نذر لڑکے کا ذبح کرنا خطوات الشیطان سے ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ایک دن بکری کے کھر کو نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ہٹ گردور جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کھاؤ۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھاؤ۔

ابو رافعؓ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ اب میں حضرت ابن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا یہ شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں زینب بنت سلمہؓ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ نھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا۔ یہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ عاصم اور ابن عمرؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی دم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے کے برابر دیدے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زنا کاری اور اس سے بڑھ کر اللہ پر ان باتوں کے جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ پس ہر کافر اور بدعتی اس میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ
كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۷۶﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّبْ
يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمُّكُمْ عُمًى فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۷۷﴾

اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا گو ان کے باپ دادا بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔ اور کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے گوئیں اور اندھے ہیں انہیں عقل نہیں۔

گمراہی اور جہالت: یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتاری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے کھنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے نہیں سمجھ سکتے صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کی راہ چلنے سے اندھی ہے عقل و فہم سے

دور ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿صَمَّ وَ بُكْمٌ فِي الظُّلْمِ﴾ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گوئے اور اندھیرے میں ہیں۔ جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۳۱﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَن اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۲﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں ہی کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (انکے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

رزق حلال اور حرام کیا ہے؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو حلال کا لقمہ دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور حرام کا لقمہ عدم قبولیت کا سبب مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے۔ اس نے رسولوں اور ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ اور فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ پھر آپ نے فرمایا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پرانگندہ بالوں والا اور غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کی ہیں اس لئے اس کی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد پھر حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہوئے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو یا کہیں سے گر کر مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود مر جائے ہیں تاہم حلال ہیں۔ قرآن کہتا ہے ﴿أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ﴾ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ عبر نامی جانور کا مرنا ہوا ملنا اور صحابہ کا اس کو کھانا پھر حضور ﷺ کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب حدیث میں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں 'مچھلی اور مڈی' کبھی اور تلی'۔ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل سے آئے گا انشاء اللہ

مسئلہ: مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے۔ امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت کے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے اسی طرح مردار کی کھین شیردانی بھی۔ مشہور مذہب ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہ کا مجوسیوں کا پیئر کھانا گوان پر بطور اعتراض کے وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز جب زیادہ میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے گھی پیئر اور گور خمر کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں

حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو۔ سور کی چربی کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ پس جب گوشت حرام ہو تو چربی بھی حرام ہوتی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا اقتضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں کافر لوگ اپنے معبودان باطلہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گزیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے سوال ہوتا ہے کہ عجمی جو اپنے تہوار اور عید کے موقع پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں۔ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جب کہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھالینا مباح کیا ہے ارشاد فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ بائیں سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ تو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخش کرنے والا مہربان ہے۔ باغ اور عادی کی تفسیر میں مجاہدؒ فرماتے ہیں: اکویار ہرن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا مراد ہے ایسے لوگوں کیلئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں۔ غیر باغ کی تفسیر مقاتل بن حیانؒ یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو اسے بھون بھان کر لذت بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسرا صرف جان بچانے کے لئے کھائے اور اگر ساتھ لینا چاہے اتنا لے لے کہ زندہ رہ سکے اور حلال چیز کے ملنے تک باقی نہ رہے جب حلال چیز مل گئی تو اسے پھینک دے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار کر دیا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ایک شخص بھوک کی شدت سے بس ہو گیا اور اسے ایک مردار جانور نظر آگیا اور ساتھ ہی کسی دوسرے کی حلال چیز بھی نظر آگئی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا ہی تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھالینا چاہئے مراد اسے کھائے پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہ چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والوں کے قول کی تائید میں یہ حدیث جو ابن ماجہ میں ہے۔

حضرت عباد بن شریح بن حبیل غزیؒ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ ہالیں توڑ کر چھیل کر چبانے لگا اور تھوڑی سی ہالیں اپنی چادر میں باند کر چل پڑا۔ کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا ان کے لئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بے چارہ بھوکا تھا نا ان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دیدو (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجتمند شخص یہیں کچھ کھالے لیکن ساتھ لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں الخ۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔ مسروقؒ فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ

کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت میں ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہے۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ
مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۗ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ١٧٥ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالََةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۗ
فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ١٧٦ إِنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ
اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ١٧٧

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کریگا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے یہ لوگ عذاب کی آگ کو کیسے برداشت کر نیوالے ہیں۔ ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپا لیا اس کتاب میں اختلاف کر نیوالے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں۔

بدترین علماء حق چھپانے والے: یعنی جو یہود نبی ﷺ کی صفات کو جو توراہ میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور ہدیے سمیٹتے رہتے ہیں اور اس دنیائے فانی کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضور ﷺ کی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی جو تورات میں ہیں لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے۔ اس خوف سے ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس لئے دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی۔ آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا اور فنا و فنا وہ جہنمیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہے تھے ظاہر ہو گئیں علاوہ ازیں خود حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادات نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی ایسی پوشیدگیاں جگہ جگہ بیان کی گئیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ یہ مال جو اللہ کی باتوں کو چھپا کر تم کماتے ہو یہ دراصل آگ کے انگارے ہیں جنہیں تم پیٹ میں بھر رہے ہو۔

یتیموں کا مال کھانے والے؟: قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھا جائیں یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہی جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات چیت بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اس لئے کہ ان کے اس کمر تو ت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے رحمت کی نظر ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابض نہ

ہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تمہارے ہی رہیں گے۔

حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں، بوڑھارانی، جھوٹا، شاہ، متکبر، فقیر، پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی۔ انہیں چاہیے تھا کہ توراہ میں جو خبریں حضور ﷺ کی نسبت تھیں انہیں ان پر ہوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپایا اور خود بھی آپ کے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی، پس اظہار پر جو نعمتیں اور مغفرتیں انہیں ملنے والی تھیں ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لے لئے۔

پھر فرماتا ہے انہیں وودردناک اور توبہ تکمیل عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ بنا دیا جو یہ اللہ کی نافرمانی میں مشغول ہو گئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق یوں ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں و وحی کیلئے سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو ختم کرنے کے لئے اتری تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی، ظاہر کرنے کی جو باتیں چھپائیں، اللہ سے نبی کی دشمنی کی، آپ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرتے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ
وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے قربت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگدستی دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

بھلائی، نیکی کیا ہے؟ اس آیت میں صحیح عقیدہ اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے جب حضور ﷺ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا حضور نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا سن! نیکی کی محبت اور برائی کی عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہدؒ حضرت ابو ذرؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں، حالانکہ ابو ذرؓ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابو ذرؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سن! ایک شخص نے یہی سوال حضور ﷺ سے کیا آپ نے اسی

آیت کی تلاوت فرمائی۔ وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے ابن مردیہ)۔ یہ روایت بھی منقطع ہے اب اس آیت کی تفسیر سنئے! مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کر لو۔ اصل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہے۔ اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاءُهَا﴾ یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض مزید احکام بھی نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف ایمان کا کلام ہے اور حقیقت ایمان کا عمل ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں تمام بھلائیوں کا عامل ہو۔ حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا اس نے کامل اسلام لے لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی۔ اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں یہ مانتا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت کو شامل ہے وہ مانتا ہے اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

بہترین صدقہ: صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام پر دے کہ تجھے مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ﴾ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو۔ لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے اصل میں یہ فرمان حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ ہر میں فرمایا ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ﴾ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر یہ۔ اور جگہ فرمایا ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا حُبَبْتُمْ﴾ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام پر نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پاسکتے۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دینی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے دوسروں کو دیدی اور اپنی حاجتمندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذوی القربی: ﴿ذَوِي الْقُرْبَىٰ﴾ میں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دینے کے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں۔ حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکبر الثواب ہے اور قرابتدار مسکین کو دینا دوہر الثواب ہے ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا تمہاری بخشش

اور خیر اتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کنی جگہ ہے۔

یتیمی: یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور کوئی ان کا کمانے والا نہ ہو، خود انہیں اپنی رزوی حاصل کرنے کی قوت اور طاقت ہو۔ حدیث میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

مساکین: مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو جو ان کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے کو کافی ہو سکے، ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں۔ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دودھ کھجوریں یا ایک ایک دودھ لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ انکی ضروریات پوری ہو سکیں اور نہ وہ اپنی حالت ایسی بنا لیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور لوگ انہیں کچھ دیدیں۔

ابن السبیل: ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ ختم ہو چکا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ آسانی سے اپنے وطن پہنچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت اللہ میں سفر کر رہا ہو اسے جانے آنے کا خرچ دینا۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔

سائلین: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہئے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداؤد)

رقاب: فی الرقاب سے مراد غلاموں کی آزادی ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو لکھد یا ہو کہ اتنا ہم تمہیں دیدیں تو ہم آزاد ہیں، لیکن اب ان بیچاروں کے پاس مالکوں کو دینے کیلئے کچھ بھی نہیں تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا الرقاب کی باقی تفسیر سوراہ برآۃ میں عربی کی تفسیر میں بیان ہوگی انشاء اللہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے سوا اللہ تعالیٰ کا کچھ اور حق بھی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اس حدیث کا ایک راوی ابو حمزہ میمون اعمور ضعیف ہے۔

نماز اور زکوٰۃ: پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع سجود اطمینان اور آرام خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح کہ ادائیگی کا شریعت میں حکم ہے اور زکوٰۃ بھی ادا کرے، یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو وہی باتوں اور ذلیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا۔ ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا﴾ یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی سے آلودہ کرنے والا تباہ ہو گیا۔ موسیٰ نے فرعون سے بھی یہی فرمایا تھا کہ ﴿هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكِيَ﴾ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ یعنی ان مشرکوں کیلئے ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے پس یہاں مندرجہ بالا آیت میں زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو اگر ایسا ہو تو پھر باقی اور احکام نطفی صدقہ کے سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے جیسے اور جگہ ہے ﴿يُوفُونَ بَعْدَ اللَّهِ﴾ الخ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

وعدہ توڑنا نفاق کی خصلت ہے جیسے حدیث میں ہے 'منافق کی تین نشانیاں ہیں' بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔ ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت لڑائی کے موقع پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و سہار کرنے والے اور لوہے کی لائٹھی کی طرح ہم

جانے والے۔ ﴿صَابِرِينَ﴾ کا نصب بطور مدح کے ہے۔ ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گزار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرْبِ بِالْحَرْبِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ
إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ
فَلَعَذَابُ الْيَوْمِ ۗ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷﴾

ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے 'آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے' جس کسی کو اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے 'تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد پھر جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا۔ غفلت و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) بچے رہو گے۔

قصاص کی تفصیل: یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو 'آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام' عورت کے بدلے عورت اس کے بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو و سق کھجور بطور دیت میں لی جاتی تھی اور جب بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کو قتل کر دیتا تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا جاتا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل یعنی دو سو و سق کھجور لی جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں اس آیت کا شان نزول اس طرح بیان ہوا کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے انکا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ ﴿النَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مارا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے۔ جس پر ﴿النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ﴾ نازل ہوئی۔

پس آزاد لوگ سب برابر ہیں جان کے بدلے جان لی جائیگی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جبکہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائیگا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے ارادہ سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ امام مالک بھی اس آیت کو ﴿النَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ 'ثوری' ابن ابی لیلہ اور داؤد کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا

جائے گا۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت ابراہیم نخعیؓ حضرت قتادہؓ اور حضرت حکمؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاریؒ علی بن مدینیؒ ابراہیم نخعیؒ اور ایک روایت کی رو سے حضرت ثوریؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اسکے بدلے اسکی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کی ناک کانٹے ہم بھی اسکی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے نخصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا۔ لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بدلے کا حکم نہیں آیا۔

مسئلہ: مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہیں کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاریؒ کی یہ حدیث ہے کہ ﴿لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ﴾ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

مسئلہ: حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاءؒ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں ﴿النَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ موجود ہے علاوہ ازیں حدیث میں بھی ہے ﴿الْمُسْلِمُونَ تَسْكَافًا دِمَاءَهُمْ﴾ یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاص کر اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: چاروں آئمہ اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی لوگوں نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہو تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں سات آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمر نے ان ساتوں کو ایک کے بدلے میں قتل کر دیا اور فرمایا اگر صنعا بستی کے سب لوگ اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔ آپ کے اس فرمان کا خلاف آپ کے زمانے میں کسی صحابیؓ نے نہیں کیا۔ پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا، لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت معاذؓ حضرت زبیرؓ عبد الملک بن مروان زہریؒ ابن سیرینؒ حبیب بن ابی ثابتؓ سے بھی یہ قول مروی ہے۔ ابن المنذرؒ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے۔ پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہو تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کو چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل پر مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے ادا کر دے جیل و حجت نہ کرے۔ مسئلہ: امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کو قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن قتادہؒ زہریؒ ابن شبرمہؒ لیثؒ اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علماء دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی

عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینے کی اجازت گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں: قصاص، دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لئے سخت دردناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت بھی لے لی اور پھر قتل کے درجے ہو اور غیر۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہی جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لے کر گذر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو ان میں سے کسی ایک چیز پر رضامندی کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت لے لی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل ہی کراؤں گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اسے غفلت و قصاص میں نسل انسانی کی بقا ہے اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہو تو دوسرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سب زیست ہے۔ قاتل کو خود خیال ہو گا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو وہ آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفسی للقتل، قتل، قتل کو روک دیتا ہے، لیکن قرآن میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن و امان سکون و سلامتی رہے گی تقویٰ تمام نیکیوں کے کرنے اور تمام برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۗ ۝۸۱ ۖ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ

فَأَثَمَهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۗ ۝۸۲ ۖ فَمَنْ خَافَ مِنْ

مُؤْصٍ جَنَفًا أَوْ أَثِمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۗ ۝۸۳

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑے تو اپنے ماں باپ اور قریب داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پر بیزاروں پر یہ حق اور ثابت ہے اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اسکا گناہ بدلنے والے پر ہی ہو گا اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ ہاں جو شخص وصیت کر بیوالے کے ایک طرف مائل ہو جائے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس کی اصلاح کر دے اس پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وصیت کی تفصیل: اس آیت میں ماں باپ اور قریب داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے صحیح اقوال کے مطابق میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا پھر وارث اپنا مقررہ حصہ

بغیر وصیت کے لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباس سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں جب اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد)۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا باقی اقرباء کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی پھر میراث کی آیات نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت للرجال نصیب الخ ہے۔ حضرت ابن عمر حضرت ابو موسیٰ سید ابن مسیب حسن مجاہد عطاء سعید بن جبیر محمد بن سیرین مکرمہ زید بن اسلم ربیع بن انس قتادہ سعدی مقاتل بن حیان طاؤس ابراہیم نخعی شریح صخاک اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ابو مسلم اسفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے لیکن جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ ابن عباس حسن مسروق طاؤس صخاک مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد (رحمہم اللہ) کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیر ربیع ابن انس قتادہ اور مقاتل بن حیان بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر بعد کے فقہاء کی اصلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے رہی جو وارث نہیں اور جو وارث ہیں ان کے حق میں نہ رہی۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا۔

لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور حیاق کلام سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی۔ جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے پس والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث میں آپکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب اور فرض ہے ذوی الفروض اور عصباء کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم بکلیت اٹھ گیا باقی رہ گئے وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے اور دوسرا یہ کہ حدیث میں صاف آپکا ہے۔

ایک حدیث: میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو کہ وہ راتیں بھی بغیر وصیت لکھے گزار دے راوی حدیث حضرت عمر کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک کرنے کے بارے میں بہت سی آیات اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک و صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔

﴿خیر﴾ سے مراد یہاں مال ہے اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے۔ بعض مفسرین کا تو یہ قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ زیادہ وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی۔ بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت جب تک زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؑ سے ذکر ہوتا ہے ایک قریشی مر گیا ہے اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں ہیں اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔

آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان تولا حیرا فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ ایک بیمار کی بیمار پر ہی کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اپنی اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساتھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی دینار بتاتے ہیں قنادہ ایک ہزار بتاتے ہیں۔

﴿مَعْرُوفٌ﴾ سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے وصیت جائز کرے ناجائز نہیں اور وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے اسراف اور فضول خرچی بھی نہ کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا نہیں۔ کہا ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا خیر تہائی مال کی وصیت کر دو گویا بھی بہت ہے تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انھیں فقیر اور تنگ دست چھوڑ کر جاؤ کہ اور وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا میں۔

صحیح بخاری میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ آن حضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حذلقہ کے دادا حنیفہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جو ان کے ہاں پلتے تھے سوا تینوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذرا معاملہ حضور ﷺ تک پہنچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں نہیں صدقہ میں پانچ دوس دو پندرہ دو بیس دو تیس دو پینتیس دو اگر اس پر بھی نہ مانو تو پھر زیادہ سے زیادہ چالیس دو الخ۔ پھر فرماتا ہے جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپالے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے وصیت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گا اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی نہ اس سے کوئی آواز پوشدہ ہے نہ کوئی راز۔ جنف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں۔ مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوادینا مثلاً کہدیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ بغیر کسی ارادہ کے ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے رد و بدل میں کوئی گناہ نہیں وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الہی سے بچ جائے اور حقداروں کو حق بھی مل جائے تاکہ شرعی وصیت پوری ہو جائے ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت خطا کاری کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ سے بھی مروی ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔ ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث میں بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے۔ لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے صحیح حدیث وہ ہے جو مسند عبد الرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی ستر سال نیک لوگوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بد اعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگرچہ ہو تو قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو ﴿تِلْكَ خُذُوذُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُواَهَا﴾ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی

(موز کردہ) حد دو ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۱﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا
فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۗ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۷۲﴾

ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم سچ جاؤ۔ کتنی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دونوں میں اس کتنی کو پورا کر لے طاقت رکھتے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے، لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم با علم ہو۔

فرضیت روزہ اور اس کا مقصد: اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو۔ روزہ کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاهر ہو جاتا ہے رُدی اخلاط اور وہی اخلاق سے انسان سچ جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزوں کا حکم تھا۔ اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنكُم شُرْعَةً وَ مَنهَا جَا﴾ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو۔ یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے اگلوں پر تھے روزے سے بدن کی پاکیزگی ہے اور شیطانی کاموں سے بچنا بھی ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اے جو انو اتم میں سے جس میں نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ اس کے لئے یہ خصی ہونا ہے۔ پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند ہی دن ہیں تاکہ کوئی آکٹانہ جائے اور ادائیگی سے قاصر نہ ہو بلکہ ذوق و شوق سے اللہ کے اس فریضہ کو بجالائے۔ پہلا تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم ہوا پھر اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے انشاء اللہ۔

حضرت معاذ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباسؓ عطاء قتادہ اور ضحاک کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا پھر حضور ﷺ کی امت کے لئے اس کو بدل دیا اور ان پر اس مبارک مہینہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے اگلی امتوں پر فرض تھے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عموماً رتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد دوسرے دنوں میں جب کہ وہ عذر رہتے جائیں قضا کر لیں۔ ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے اور فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا، گو

روزہ رکھنا یہ دینے سے زیادہ بہتر تھا۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ مجاہد طاؤسؓ اور مقاتلؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

نماز کی تبدیلی کی تین حالتیں: مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ نماز اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔ پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ: سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آکر حضور ﷺ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر قد نوری الخ والی آیت اتری اور مکہ کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔

دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک آدمی دوسرے کو بلا تا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز ہو گئے پھر ایک انصاری حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے۔ ﴿اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ دو مرتبہ غرض یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں ﴿قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ﴾ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آکر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آچکے تھے۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں، وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا حضرت معاذؓ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حضور ﷺ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز رہ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لوں گا۔ چنانچہ انہیں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی گئی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا معاذؓ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے، تم بھی اب یونہی کیا کرو، یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔

روزوں کی تبدیلی: پہلی تبدیلی نبی ﷺ جب مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔

دوسری تبدیلی ابتداء یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے روزہ نہ رکھے اور فدیہ دیدے۔ پھر یہ آیت اتری ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو، وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقيم ہو، مسافر نہ ہو، تندرست ہو، بیمار نہ ہو، اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا۔ ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا معذور جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہوا سے بھی رخصت دی گئی۔

تیسری تبدیلی یہ کہ ابتدا میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا سو گیا تو پھر گورات ہی کو جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔

پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آگئی دوسرے دن کچھ کھائے پئے بغیر روزہ رکھا، لیکن حالت بہت نازک ہو گئی حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا، ادھر حضرت عمرؓ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا اور حضور ﷺ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا، جس پر یہ آیت ﴿أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الرَّفْقُ إِلَى نِسَائِكُمْ﴾ سے ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الْاَيْلِ﴾ تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے

پینے اور اپنی بیوی سے جماع کرنے کی رخصت ہی تھی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا جب رمضان کی فریضت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ یہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔

انتہائی بوڑھا حاملہ یا دودھ پلانے والی کیا کرے؟ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ﴾ کا مطلب حضرت معاذؓ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور جردن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دیدیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي﴾ اتری اور یہ آیت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ﴾ منسوخ ہو گئی۔ حضرت ابن عمرؓ بھی اس کو منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوزحامر داور بوزھمی عورت جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ابن ابی لیلہ کہتے ہیں کہ عطاء کے پاس میں رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اب یہ حکم صرف بہت زیادہ کمزور بوڑھے بڑے کے لئے ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور سندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہو گا یا اسے بوزھمی بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو کیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہذا یہ مثل بچے کے ہے اور اس پر کفارہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے اور اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو وہ فدیہ دیدے جیسے حضرت انس بن مالکؓ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری وقتوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلایا۔

اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت جب اسے اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہوانگے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دیدیں اور جب خوف بٹ جائے تو قضا بھی کر لیں۔ بعض کہتے ہیں صرف فدیہ کافی ہے قضا نہ کریں بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ دیں نہ قضا کریں۔ (امام ابن کثیرؒ نے) اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے ﴿فَالْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کر لیں فدیہ نہ دیں۔) (مترجم)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى
وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۰﴾

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانی ہے تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں متیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں: ماہ رمضان کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراہ چھٹی تاریخ انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ کو نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارہویں کو اور انجیل اٹھارویں کو۔ سابقہ تمام صحائف اور توراہ انجیل اور زبور وغیرہ جس جس پیغمبر پر نازل ہوئیں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمان دنیا تک تو ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب ہے ﴿ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اَوِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ اور ﴿ اَنْزَلَ فِيهِ الْقُرْآنَ ﴾ کا قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو 'لیلۃ القدر' (لیلۃ القدر) لیلۃ مبارک کہ بھی کہا ہے ابن عباس وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں جا کر مکمل ہوا تو پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا ابن مردویہ وغیرہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آدھے رمضان میں قرآن کریم آسمان دنیا کی طرف اترا بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترا تا ہاں اور بیس سال میں اس کا نزول مکمل ہوا۔ اس میں بہت سی آیات کفار کے جواب میں بھی اتریں کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارے کا سارا کیوں نہیں اترا جس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿ لَنْ نُنزِلَهُ بِفَوْزَاكَ وَرَدُّنَا لَكَ تَرْوِيلًا ﴾ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں وغیرہ۔

پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راستے پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں جدائی کرنے والا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو حضرت مجاہد اور محمد بن کعب سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سند اوہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اس کے سب اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ۔

بیمار اور مسافر کے لئے رخصت: غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند نظر آجائے تو کوئی شخص اپنے گھر میں ہو سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنا لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی وہ ختم ہو گئی۔ اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کی رخصت کا بیان کیا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں بعد میں قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے رہ جائیں بعد میں قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچالینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے۔

(۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور رمضان المبارک کا چاند نظر آجائے پھر رمضان میں سفر کرنا پڑے تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیوں کہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن میں موجود ہے۔ ہاں ان لوگوں کا بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آجائے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ابو محمد ابن حزم نے اپنی کتاب (المحلی) میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے 'واللہ اعلم۔ نبی ﷺ نے رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے روزے سے تھے 'لذید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (بخاری و مسلم) صحابہ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے 'فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اٰخَرَ' لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے بعض روزے سے ہوتے تھے بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے۔ پس وہ ایک دوسرے پر کوئی قدغن نہیں لگاتے تھے۔ اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے۔

مسئلہ: ایک جماعت علماء کا خیال ہے (جس میں حضرت امام شافعی بھی ہیں) کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضور ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جو روزہ توڑے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو سلمی نے کہا یا رسول اللہ روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں 'فرمایا اگر چاہو رکھو اور چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزے سے تکلیف کا ڈر ہو تو افطار کرنا افضل ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا گیا ہے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور ایہ روزے سے ہے آپ ﷺ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم)۔ یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمر اور حضرت جابر وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔

روزے کے بارے میں چند متفرق مسائل: چوتھا مسئلہ آیا قضا روزوں کے لئے متواتر روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو کوئی حرج تو نہیں 'ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے۔ جدا جدا نہیں بلکہ لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ جبکہ بعض اور لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ قضا روزے متواتر رکھنے ضروری نہیں جس طرح چاہے رکھ سکتا ہے 'چاہے متواتر رکھے یا وقفہ دے کر جمہور سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے اور دیگر دلائل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ رمضان میں متواتر روزے رکھنا اس لئے ہے کہ وہ مہینہ ہی ادا نیکی کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ کفایت پوری کرتی ہے خواہ کوئی دن ہو اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے ابو عمروؓ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لارہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ یا رسول اللہ! کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا دین آسانوں والا ہے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو آسانی کرو، سختی نہ کرو تسکین دو، نفرت نہ دلاؤ۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا، نفرت نہ دلانا، آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسنید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایک طرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

مجن بن ادراع فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ اسے غور سے دیکھتے رہے، پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو، لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے، آپ نے فرمایا اسے نہ سناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ بن جائے۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انھیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت، نعمت، ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے۔ جیسے حج کے موقع پر فرمایا ﴿فَإِذَا قُضِيَتْ مِنْكُمْ مَنَاسِكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔ ایک جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے۔ اور جگہ فرمایا ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اٹھ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے سورج کے غروب سے پہلے رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و شہاد اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی الصہبانی ظاہری کا مذہب ہے کہ اس آیت کی رو سے عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس امر میں صیغہ امر کا ہے ﴿وَلْتَكْبِرُوا لِلَّهِ﴾ جبکہ احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں۔ باقی بزرگان دین اسے مستحب بتاتے ہیں، گو بعض تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجالا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے احرام کردہ کاموں سے بچ کر اس کی حدوں کی حفاظت کر کے تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ (یہاں تک تفسیر ابن کثیر کے پہلے جزو کا ترجمہ ہے۔)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر ابن کثیر کے دوسرے جزو کا ترجمہ یہاں سے شروع ہوتا ہے واللہ المستعان

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ
فَلِيسْتَ جِيبُوا إِلَيَّ وَلِيُؤْنِسُنِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں پس لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی انکی بھلائی کا باعث ہے۔

دعا کرنے کے آداب اور قبولیت کی شرائط ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔ ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر)۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿أَذْعُوْنَ لِكُمْ﴾ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے اس پر یہ آیت اتری (ابن جریر)۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، ہر اونچائی پر چڑھتے وقت ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر داوی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آکر فرمائے لگے 'لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکارے جسے تم پکارتے ہو وہ تو تم سے تمہاری ساریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے، اے عبد اللہ بن قیس سن جنت کا خزانہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ ہے (مسند احمد)۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں' جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں (مسند احمد)۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ملتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (رواہ الامام احمد)۔ اس مضمون کی آیت قرآن کریم میں بھی ہے فرمان ہے ﴿إِنَّ لِلَّهِ مَعَ الدِّينِ اتَّقُوا وَالدِّينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ جو تقویٰ اور احسان و خلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام سے فرمایا جاتا ہے ﴿إِنِّي مَعَكُمْ مَسْمُوعٌ وَ أَرْمِي﴾ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ ہاری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو بے کار نہیں کرتا، ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے، نہ سنے۔ اس میں دعا کرنے کی رغبت دلائی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ رحم المرحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)۔ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے تاتے ٹوٹتے ہوں، تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے (۱) اس کی دعا اس وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے (۲) اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے (۳) اس کی وجہ سے کوئی آبیواہی بلا اور مصیبت کو نال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور! پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کونسی کمی ہے؟ (مسند احمد)۔ عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی مل جاتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد)۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا (موطائک)۔ بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ قبول نہ ہونے کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے، یہ جلدی کرنا ہے۔ ابو جعفر طبری کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل مثل بریموں کے ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنا لے ہوتے ہیں۔ اے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے

دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو، سنو غفلت کرنے والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ (مسند احمد)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے دعا کی اسے اللہ عائشہ کے اس سوال کا کیا جواب ہے اجبر میں علیہ اسلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ)۔ یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا اللہ اتونے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے اس حاضریوں 'الہی میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں اسے لا شریک اللہ میں حاضر ہوں 'حمد و نعمت اور بادشاہی تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو نزل الی کتابے مثل اور ایک ہی ہے تو پاک ہے اہل و عیال سے دور ہے نہ تیرا ہم سر کوئی نہ تیری برابری کرنے والا کوئی نہ تجھ جیسا کوئی 'میرے گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا تیری ملاقات حق جنت و دوزخ قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ)۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے 'اسے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان تقسیم ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر تیرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کو پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا' درمیان کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں ایک کام (دعا کرنا) تیرا اور ایک کام (قبول کرنا) میرا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان لانے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابو داؤد طیالسی)۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابہ کی یہ دعا منقول ہے۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي﴾ یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرمادے۔ اور حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی عادل بادشاہ روزے دار شخص اور مظلوم اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ دیر سے کروں (مسند ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ)۔

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ
لَهُنَّ عِلْمٌ اللَّهُ أَنْتُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ
بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ
الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ مِنْ الْفَجْرِ ثُمَّ اتَمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الْبَيْتِ وَلَا
تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ

يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمبارے لئے حلال کیا گیا وہ تمبار الیام ہیں اور تم ان کے لباس ہو تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا ہے اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے وہ نذر فرمایا اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا نفید دھماکا سیاہ دھماگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اتکاف میں ہو یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تم ان کے قریب بھی نہ بٹھکو اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں سے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں۔

رمضان المبارک میں کھانا پینا اور جماع ابتدا سے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر رخصت کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔

﴿رفث﴾ سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباسؓ عطاء مجاہد سعید بن جبیر طاؤس سالم بن عبد اللہ عمر و بن دینار حسن قتادہ زہری ضحاک ابراہیم نخعی اسدی عطاء خراسانی مقاتل ابن حیان رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انس لخاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے جس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھانا پینا اور جماع نہیں کر سکتا تھا بلکہ یہ رات اور دوسرا دن گزار کر بعد از مغرب کھانا پینا حلال ہوتا تھا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاری دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جو اب ملا کچھ نہیں میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں تو وہ تیس اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس کیا کہ اب یہ رات دوسرا دن بھوکے پیوں سے کیسے گزرے گا۔ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیس بھوک کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ حضور ﷺ کے پاس اس کا ذکر ہوا تو اس وقت یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ رمضان بھر عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ قصور ایسے بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کر لی تھی پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئی اور یہ رحمت کی آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آکر یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے بیدار ہو کر کھاپی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدی میں اپنا یہ قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا مجھے نیند آگئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اس رات آپ دیر تک مجلس نبی میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا۔

﴿ما کتب اللہ﴾ سے مراد اولاد ہے۔ بعض نے کہا ہے جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے۔ قتادہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سب ہی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صحیح صادق تک اس کی اجازت ہے۔

سحری و افطاری اور انکے متعلقہ مسائل: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں پہلے من الفجر کا لفظ نہیں اترتا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوتی کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اتر اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات دن ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے کہ میں نے بھی دو دھاگے سیاہ اور سفید اپنے تئیکے کے نیچے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوتی تب تک کھانا پیتا رہا۔ صبح کو نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپ فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مطلب حضور ﷺ کے اس قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے تو اگر تیرے تئیکے کے نیچے یہ دونوں (تاریکی اور سفیدی) آجاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک ہے۔ صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے، لیکن یہ معنی غلط ہیں بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہوگی، واللہ اعلم بخاری میں حضرت عدی کا اسی طرح کا سوال اور آپ کا اسی طرح کا جواب تفصیلاً یہی ہے۔

آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا استہاب بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا سے پسند ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا برکت ہے۔ اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد)۔ اسی طرح اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے ایسے وقت کہ فارغ ہونے کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحر میں تاخیر کرے تب تک بھلائی میں رہے گی۔ (مسند احمد)۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے اس کا نام غداء مبارک رکھا ہے۔

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا۔ لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابو نجرود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقت کو پہنچ جائیں مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب آجائے۔ یہی مراد اس حدیث میں بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا صبح ہو گئی، کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت حذیفہ حضرت ابو ہریرہ حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب ہی سحری کھانا مروی ہے جیسے محمد بن علی بن حسین ابو مجاز ابراہیم نخعی ابو لطفی ابو وائل وغیرہ شاگردان ابن مسعود اور عطاء اور حسن اور حاکم بن عیینہ اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اور ابو لشعثاء جابر بن زید اور یہی مذہب ہے اعمش اور جابر بن راشد کا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ہم نے ان سب کی اسناد اپنی مستقل کتاب "کتاب الصیام" میں بیان کر دی ہیں واللہ اعلم۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب

ہوتے ہی افطار کرنا، لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا، کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں محیط کا لفظ موجود ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (حضرت) بلالؓ کی اذان سکرتم سحری سے رک نہ جایا کرو، وہ رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو، جب تک (حضرت) عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کی اذان نہ سن لو، وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمانوں کے کنارے میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رو، بلکہ کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے۔ ایک اور حدیث میں صبح کا ذب اور اذان بلالؓ کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں صبح کا ذب کو سفیدی صبح کے ستون کی مانند بتایا گیا ہے۔ دوسری روایت میں اس پہلی اذان کی جس کے مؤذن حضرت بلالؓ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سونے والوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں کو لوٹانے کے لئے ہوتی ہے۔ فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی)۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ فجر دو ہیں ایک تو بھیرے کی دم کی طرح کے اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں، لیکن وہ فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاءؓ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا وقت ہونا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے، لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کے لئے نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے یہ منقول ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: چونکہ جماع اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق مقرر کیا ہے اس سے اس مسئلہ پر استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی انھاوہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے اس پر کوئی حرج نہیں۔ چاروں آئمہ اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرام کا یہی مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت جماع کرتے، صبح کے وقت جنبی اٹھتے پھر غسل کر کے روزے سے رہتے۔ آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے نہ قضا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں صبح نماز کے وقت آجانے تک جنبی ہوتا ہوں تو کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ہم تو آپ جیسے نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ مجھے تو امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرط تشخیص پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی ﷺ سے سنن نسائی میں یہ حدیث بروایت ابو ہریرہؓ ہے وہ اسامہ بن زیدؓ سے اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں کرتے اسی لئے بعض علماء کا تو قول ہے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے کہ وہ مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ سالم عطاءؓ

بشام بن عروہ اور حسن بصریؒ یہی مذہب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور صبح صادق ہونے پر آنکھ کھلی تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث کا یہی مطلب ہے۔ اور اگر اس نے عدا غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عروہ طاؤسؓ اور حسنؓ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم نخعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ خواجہ حسن بصریؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث حضرت عائشہؓ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا یہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔ ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس کی تاریخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ اس آیت کے بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث میں لائق کمال کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث سے جواز صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔ بخاری و مسلم میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ادھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے۔ بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے۔ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہؓ کی بیوی حضرت لیلیٰؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دور روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ اور بھی بہت سے حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا روزے سے روزہ ملاؤ۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! خود آپ تو ملتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں میں رات گزارتا ہوں میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا پھر چاند نظر آ گیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نظر نہ آتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملانے جاتا۔ گویا آپ ﷺ ان کی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بغیر افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امت کو منع ہے اور آپ ﷺ کی ذات اس سے مخصوص تھی آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آپ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عرب شاعر کا شعر ہے۔

عَنِ الشَّرَابِ تَلْهِيهَا عَنِ الزَّادِ ﴿٢﴾

﴿٢﴾ لَهَا أَحَادِيثُ مِنْ ذِكْرِكَ تَشْعَلُهَا

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دچکسی ہے کہ کھانے پینے سے ایک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص

دوسری سحری تک رک رہنا چاہیے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سال نہ کرو جو کرنا ہی چاہیے تو سحری تک کر لے لوگوں نے کہا آپ تو دو سال کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والے پلا دیتا ہے (بخاری و مسلم)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں آپ سحری کھا رہے تھے۔ فرمایا آؤ تم بھی کھا لو۔ اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں آپ نے فرمایا کم روزہ کس طرح رکھتی ہو؟ انھوں نے بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کاملا ہو اور روزہ کیوں نہیں رکھتیں (ابن جریر)۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کاروزہ رکھتے تھے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبادت کے طور نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا واللہ اعلم۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے سمجھا ہو کہ حضور ﷺ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا نہ کہ ناجائز بتانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے عامرؓ اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے پہل غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں۔ مروی ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے اس اثنا میں دن کو یارات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے۔ ابو العالیہؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کاروزہ فرض کر دیا وہی رات تو جو چاہے کھالے جو نہ چاہے نہ کھائے۔

اعتکاف کے چند مسائل: پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہو خواہ رمضان میں ہو خواہ دوسرے مہینوں میں اس پر دن کے وقت اور رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک کہ اعتکاف پورا نہ ہو جائے۔ حضرت نجاکؓ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر یہ کام حرام کیا گیا۔ مجاہد اور قتادہؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ پس علماء کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب یا پاناخانہ یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کیلئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پر سی کے لئے بھی جانا جائز نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے۔ اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے ان سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب <کتاب الصیام> کے آخر میں بیان کیا ہے ﴿ وَالْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ﴾

چونکہ قرآن میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں۔ آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔ آپ کے بعد امہات المؤمنینؓ آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری و مسلم)۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیؓ نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کے اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضور ﷺ انکو گھر تک چھوڑتے کیلئے ساتھ چل

پڑے راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ سنو یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپ نے فرمایا شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اس اپنے واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہ حضور ﷺ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں 'واللہ اعلم۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس کنارہ وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں میری طرف سر جھکا دیا کرتے تھے میں آپ کے سر میں منگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے علاوہ گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پر سی کر لیا کرتی ہوں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اس میں جو کام جائز اور جو ناجائز ہیں وہ غرض یہ سب ہماری حد بندیاں ہیں خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا ان سے تجاوز کرنا ان کے آگے بڑھنا۔ بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول ﷺ کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کے کہتے ہیں؟ اور اسی بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهِ آيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرْؤُفٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اللہ تعالیٰ تم پر رحمت و رافت نازل کرنے والا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيْقًا مِّنْ

اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

ایک دوسرے کے مال پر ناجائز قبضہ حرام ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو شخص کسی دوسرے کے مال پر ناحق قبضہ کرے اور جو اصل حقدار ہے اس کے پاس کوئی شہادت یا دلیل نہ ہو کہ یہ مال میرا ہے اور ناحق قبضہ کرنے والا اس کا انکار کر دے کہ یہ مال اس (اصل مالک کا) کا ہے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ (ناحق قبضہ کرنے والا) جانتا ہو کہ اس پر اس کا (اصل مالک) حق ہے اور یہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے آپ کو گنہگاروں میں شامل کر رہا ہے۔ حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، عبد الرحمن بن زید بن اسلم بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑالے کر آتے ہیں شاید ایک (شخص) دوسرے سے زیادہ

حجت باز ہو میں اس کی چکنی چپڑنی تقریباً ستر اس کے حق میں فیصلہ کروں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ بخلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوادوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھالے یا نہ اٹھائے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ 'حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کی شرعی حیثیت کو بدل نہیں سکتا۔ فی الواقع جو حرام ہو وہ قاضی کے فیصلے سے حلال اور اور حلال حرام نہیں ہو سکتا۔ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہری ہوتا ہے باطن میں نافذ نہیں ہوتا اگر وہ فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر اور نہ عالم کو تو اجر ملیگا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر حق کو ناحق اور ناحق کو حق بنا لینے والا رب کا بھرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھاتے کیلئے جھوٹے مقدمات بنا کر 'جھوٹے گواہ گزار کر' ناجائز طریقوں سے حکام کو چکر دے کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مانو نہ سمجھ لو یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غالب دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں سے اسے بدلہ دلوائے۔

**يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا
الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَاتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۹﴾**

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں میں حج کے موسم کیلئے ہے (احرام کی حالت میں) اور گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

ماہ و سال چاند کے تعین کیلئے ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے حج کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبد الرزاق میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے اسے دیکھ کر روزے رکھو اسے دیکھ کر عید مناؤ۔ اگر ابرو باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو اس روایت کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو داؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ دراصل

یہ بھی جاہلیت کے زمانہ کے قریشیوں نے اپنے لئے ایک امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے تمس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آسکتے تھے لیکن باقی کے سب لوگ اس طرح نہیں جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک باغ میں تھے وہاں سے آپ اس کے دروازے میں سے نکلے آپ کے ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامرؓ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے اس پر لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضور ﷺ کو جس طرح کرتے دیکھا، کیا مانا کہ آپ تمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے پھر سفر اچھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے مٹایا۔ عطاءؒ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جو اسلام نے اٹھا دیا۔ پھر فرمایا اللہ کے حکموں کو بجالانا اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا اس کا ذر دل میں رکھنا، یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹﴾ وَاَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُم
 وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ
 فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۲۰﴾ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ
 غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ
 انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۲۲﴾

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہ ہی ہے۔ اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔

جہاد کا حکم اور اسکی شرائط: حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے۔ حضور ﷺ اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں اور جو آپ سے نہ لڑیں خود آپ ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برات نازل ہوئی۔ بلکہ عبدالرحمن ابن زید بن اسلمؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ﴾ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤا انہیں قتل کرو۔ لیکن اس میں نظر ہے اس لئے کہ یہ تو صرف مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ان دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَمَا قَاتَلْتُمْ ﴾ یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے تمام کے تمام مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا ارادہ تمہارے قتل کا اور تمہیں جلا وطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی ارادہ ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا تجاویز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ناک کان وغیرہ نہ کاٹو خیانت اور چوری نہ کرو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو ان بوڑھے کمزور اور ناتواں لوگوں کو بھی نہ مارو جو نہ لڑنے کے قابل ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں درویشوں اور تارک الدنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو خیانت نہ کرو بد عہدی سے بچو ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو بچوں اور زہاد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو کفار سے لڑو ظلم و زیادتی نہ کرو دھوکہ بازی نہ کرو دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو درویشوں کو قتل نہ کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی حضور ﷺ نے اسے بہت برا منایا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمایا دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک 'تین پانچ سات نو' گیارہ مثالیں دیں ایک تو ظاہر کر دی باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان زور آوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب لوگوں نے ان پر ظلم و زیادتی شروع کر دی جس کے باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا۔ یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آگئی تو انہوں نے ظلم و زیادتی شروع کر دی 'فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے۔ چونکہ جہاد کے احکام میں بظاہر قتل و خون ہوتا ہے اس لئے یہ بھی فرمادیا کہ اگر قتل و خون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ کفر و شرک ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے۔ ابوالمالک فرماتے ہیں تمہاری یہ خطا کاریاں اور بد کاریاں قتل سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے بخاری و مسلم میں ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں یہ شہر حرمت والا ہے آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانہ سے لیکر قیامت تک باحرمت ہی ہے صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (ﷺ) کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمہیں اس کی کوئی اجازت نہیں۔ مراد آپ کے اس فرمان سے فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضور ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا دیا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے اور جو مسجد میں

چلا جائے امن میں ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی ان سے یہیں لڑو تا کہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحابؓ سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے اور ان کے ساتھیوں نے مل ملا کر یورش کی تھی اور آپ نے درخت تلے اپنے اصحابؓ سے بیعت لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا۔ چنانچہ اس نعمت کا بیان اس آیت ﴿ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ﴾ میں ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آجائیں اور اسلام کی طرف جھکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا۔ گو کہ انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو لیکن پھر بھی وہ باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرمادے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین دوسرے تمام ادیان پر غالب اور بلند ہو جائے۔ جیسے بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے تو بتائیے کہ ان میں کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر نیوالا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو اس کے دین کا بول بالا ہو۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ کہیں جب وہ اسے کہے لیں تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچالیں گے، مگر اسلامی احکام میں اور ان کا باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آجائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہو گا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ یعنی مجاہد کے اس قول کے معنی یہ ہوئے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ و جدال ہو۔

یہاں لفظ ﴿ عَذْوَانِ ﴾ جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے ھیتتا وہ زیادتی نہیں۔ جیسے فرمایا ﴿ فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ﴾ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو۔ اور جگہ ہے۔ ﴿ فَجَزَاءُ سِنَةٌ سِنَةٌ مَثَلُهَا ﴾ یعنی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿ فَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ﴾ یعنی اگر تم سزا اور عذاب دو تو اتنا ہی دو جتنا تم پر کیا گیا ہے۔ پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا کو بدلہ کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا و عذاب نہیں۔ عکرمہ اور قتادہ کا بیان ہے اصل ظالم وہی ہے جو ﴿ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ﴾ کا انکاری ہو۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس دو شخص آئے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر لوگوں نے چڑھائی کر رکھی تھی اور آکر کہا کہ لوگ تو مر کٹ رہے ہیں آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ فرمان جناب باری کا نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن آپ نے اللہ کی راہ کا جہاد کیوں چھوڑ رکھا ہے اور کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں۔

آپ نے فرمایا بھتیجے سنو! اسلام کی بناء پانچ ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا پانچ وقت کی نماز ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا زکوٰۃ دینا بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس نے کہا کیا قرآن کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمانداروں کی دو جماعتیں اگر آپس میں

جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرو اور اگر پھر بھی ایک کرو دو دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمان بردار بن جائے اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تا وقتیکہ قتل نہ ہو یا تم سے صلح نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہم نے حضور ﷺ کے زمانہ اس کی تعمیل کر لی جب تک اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر قتل آڑتا تھا یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنسا جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہو گئے اور قتل بردار ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا تو پھر فرمائیے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا عثمانؓ کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا گو تم اس معافی سے برمانو اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ

فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ

الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹﴾

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادا کرنے کی جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

حرمت والے مہینے اور بیعت رضوان: ذوالقعدہ سے ۶ھ میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لئے اپنے صحابہ کرامؓ سمیت مکہ کی طرف چل پڑے، لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں۔ چونکہ ذوالقعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور ﷺ کا پیغام لے کر مکہ میں گئے تھے تو آپ نے اپنے چودہ موصحابؓ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا۔ اسی طرح آپ جب کہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا بالآخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد یہ محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذی القعدہ میں ہوا یہ ۸ھ کا واقعہ ہے اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے۔ پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو، یعنی مشرکین میں بھی عدل کا خیال رکھو۔ یہاں بھی زیادتی کے بدلہ کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے ایک مقام پر عذاب و سزا کے بدلہ کو بھی سزا کے لفظ سے ہی تعبیر کیا گیا ہے اور برائی کے بدلے کو بھی برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت مکہ میں اتنی جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت و شان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی لیکن ابن جریر نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیز گاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے

ساتھ دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۵﴾

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک و احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

جہاد اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے حضرت ابو عمرانؓ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور ﷺ کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہو گیا اور مسلمان غالب آگئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا ہم آپ کی خدمت میں گئے رہے آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے اب بھم اللہ اسلام پھیل گیا مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا لڑائی ختم ہو گئی ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خیر گیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی پس جہاد کو چھوڑ کر ہال بچوں اور بیوپار و تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں خود کو ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد ترمذی 'نسائی' وغیرہ)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبیدتھے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا جہاد شمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہ مجھے گھیرے میں لے لیں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا ہوں گا؟ آپ نے جواب دیا نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ الْإِنْفُسَ﴾ اے نبی اللہ کی راہ میں لڑتا رہو تو اپنی جان کا ہی مالک ہے اسی کو تکلیف دے۔ یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ)۔ ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور از دشمنوں قبیلہ کا ایک آدمی جرأت کر کے دشمنوں میں گھس گیا ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ شکایت کی چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا یہ اپنی جانوں کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت ضحاکؓ بن ابو حبیہ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؓ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا

ہے۔ اور بعض مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائے پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں ہلاک ہونا ہے ﴿تَهْلِكَةُ﴾ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبی وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے اب یا تو وہ بھوکوں میں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدال چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکویہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے۔ پس احسان اعلیٰ و رحیم کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو اگر تم روک لے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈو اور جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اسکے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے خواہ صدقہ دیدے خواہ قربانی کرے ہاں امن کی حالت میں جو شخص عمرہ سے لے کر حج تک تمتع کرے تو اس کو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے توجج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں یہ پورے دس ہو گئے یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے۔

حج اور عمرہ کا پورا کرنا کیا ہے؟ اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا پھر جہاد کا بیان ہوا اب حج کا ذکر ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے۔ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرہ کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے گو عمرہ کے واجب اور مستحب ہونے میں علماء کے دو اقوال ہیں جنہیں ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے ﴿فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ﴾ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو تمہارا یہ سفر حج و عمرہ کی غرض سے ہو میقات پہنچ کر بلیک پکارنا شروع کر دو تمہارا ارادہ تجارت یا کسی اور غرض دنیوی کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آگیا کہ آؤ حج و عمرہ بھی کر لیں تاکہ اس طرح حج و عمرہ بھی ہو جائے لیکن یہ پورا کرنا نہیں پورا کرنا یہ ہے کہ

صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلے۔ حضرت مکحولؓ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے۔
 حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرہ کو حج کے مہینوں میں نہ کرے اس لئے
 کہ قرآن شریف میں ہے ﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ﴾ حج کے مہینے مقرر ہیں، قاسم بن محمدؓ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا
 پورا ہونا نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے۔ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے۔ لیکن اس قول میں نظر ہے اس لئے کہ یہ
 ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے، ایک سنہ ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں دوسرا
 ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء، تیسرا ذوالقعدہ ۸ھ میں عمرۃ البعرا، چوتھا ذوالقعدہ ۱۰ھ میں حج کے ساتھ۔ ان چار عمروں کے سوا ہجرت
 کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا ہاں آپ نے ام ہانیؓ سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ یہ
 آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان مائی صاحبہ نے آپ کیساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکیں جیسے
 کہ بخاری میں یہ پورا واقعہ موجود ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ مائی صاحبہ کے لئے ہی مخصوص حکم ہے، واللہ اعلم۔
 حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہی کہ حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں۔ حج اس وقت پورا ہوتا ہے
 جب کہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو نکل مارے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑے اب حج ادا ہو گیا۔ ابن عباسؓ
 فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے۔ حضرت عبداللہؓ کی قرأت یہ ہے ﴿وَأَقِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ﴾
 عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا ابن عباسؓ کی قرأت بھی یہی تھی
 حضرت علقمہؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابراہیمؑ سے مروی ہے ﴿وَأَقِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ﴾ شععی کی قرأت میں والعمرة ہے
 وہ فرماتے ہیں عمرہ واجب نہیں گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے۔ بہت سی احادیث میں کئی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ اور
 صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج و عمرہ دونوں کو جمع کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے اصحابؓ
 سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے۔ ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے
 لئے داخل ہو گیا۔ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص آں حضرت ﷺ کے پاس آیا اور زعفران کی
 خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے اس پر یہ آیت اتری۔ حضور ﷺ نے پوچھا وہ
 سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ موجود ہوں۔ فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار دے اور خوب اچھی طرح غسل کر لے اور جو اپنے
 حج میں کرتا ہے وہی عمرہ میں بھی کر۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر
 نہیں۔ ایک روایت میں ان کا نام یعلیٰ بن امیہؓ آیا ہے دوسری روایت میں صفوان بن امیہؓ ہے، واللہ اعلم۔

احرام والا، بیماری یا دشمن کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو کیا کرے؟ پھر فرمایا اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی
 میسر ہو کر ڈالو، مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت سنہ ۶ھ میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ جانے
 سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور آپ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں۔ چنانچہ ستر
 اونٹ ذبح کئے گئے سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ پہلی مرتبہ حضور ﷺ کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار
 تھا کہ شاید کوئی ناخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپ ﷺ باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے، بعض نے سر منڈوایا
 بعض نے بال کتروائے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضور! بال کتروانے
 والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں ہی کے لئے دعا کی۔ تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی۔
 سات سات شخص ایک اونٹ میں شریک تھے۔ کل تعداد صحابہؓ کی چودہ سو تھی۔ حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حد حرم

سے باہر تھا۔ گویا بھی مروی ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن کھیر لے یا کسی بیمار ذبیحہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوا لے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ طاؤس زہری اور زید بن اسلمؓ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گا وہ اگلے سال حج کر لے۔ اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے ذکر کیا انھوں نے بھی فرمایا حج ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ابن زبیرؓ علقمہؓ سعید بن مسیبؓ عمرو بن زبیرؓ مجاہدؓ نخعیؓ عطاء مقاتل بن حیانؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ سفیان ثوری ہر معیبت و ایذا کو ایسا ہی بتاتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبد المطلبؓ کی صاحبزادی شامہؓ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں آپ نے فرمایا حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کے وہی جگہ ہوگی جہاں میں مرض سے رگ جاؤں۔ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء کو احرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے۔ امام تہمتیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا فالحمد للہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اونٹ گائے بکری بھینریا ان کے ترہوں ان آٹھوں قسموں میں جسے چاہے ذبح کرے۔ ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے۔ غالباً ان کی دلیل حدیبیہ کا واقعہ ہو گا۔ اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میں اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری۔ حضرت عروہؓ فرماتے ہیں مہنگے ستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے یہ دلیل ہے کہ قرآن نے آسانی ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے۔ اور قربانی کے جانور اونٹ گائے بکریاں اور بھینریاں ہیں جیسے ترجمان قرآن رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے تم اپنے سروں کو منڈواؤ۔ اس کا عطف ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ﴾ الخ پر ہے نہ کہ ﴿فَاِنْ اُخْصِرْتُمْ﴾ پر۔ ابن جریر سے یہاں کہہ ہو گیا ہے وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والے سال جب کہ مشرکین حائل ہو گئے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوا لے اور قربانیاں بھی کر دیں لیکن امن کی حالت میں جب کہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرہ کے تمام احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو یا ان میں سے ایک کا کرنے والا ہو یا اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو یا خواہ تمتع کی نیت کی ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ تو احرام سے ہی ہیں۔ آپ فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوا لیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار

سکتا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فد یہ دیدے۔

صحیح بخاری میں ہے عبد اللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں (حضرت) کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضور ﷺ کے پاس لے گئے جو میں میرے منہ پر چل رہی تھیں، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا میں نہیں خیال کرتا تھا کہ تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہو گی، کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ذبح کر ڈالو میں نے کہا حضور! میں تو مثل اس آدمی ہوں، آپ نے فرمایا اچھا جاؤ اپنا سر منڈو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سو اچھٹانک) اناق دے دینا۔ ہاں یہ آیت میرے بارے میں اتنی ہی ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا جو حضور ﷺ نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا، ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں۔ ابن مردودہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوایا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے ﴿نُسُكٌ﴾ یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین ہیں اور صدقہ اگر دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے۔ حضرت علیؓ محمد بن کعب علقمہ، ابراہیم، مجاہد، عطاء، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب ابن عجرہؓ کو تینوں مسئلے بتا کر فرمادیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کر لو کافی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جہاں دو تین طریقے لفظ "او" کے ساتھ بیان ہوئے ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔ حضرت مجاہد، عکرمہ، عطاء، طاؤس، حسن حمید، اعرج، ابراہیم نخعی اور ضحاکؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ آئمہ اربعہ اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے، اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے روزے تین ہیں، صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع (یعنی آٹھ سیر سے آدھی چھٹانک کم) ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کرے اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے۔ پروردگار رحمن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینا تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا اور حضور ﷺ کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا پھر تین روزے رکھنے کا۔ سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور بر محل ہیں ﴿فالحمد لله﴾

سعید بن جبیرؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خرید اجائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈو اور تین میں سے ایک فد یہ ادا کر دے، روزے دس ہیں، صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسنؓ اور عکرمہؓ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتاتے ہیں، لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور کھانا چھ مسکینوں کا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ بکری کی قربانی کرے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے۔ طاؤسؓ فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ ہی میں کرے ہاں روزے جہاں چاہے رکھ لے۔ ایک اور روایت میں ہے ابواسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ حج کو نکلے آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ بھی تھے، میں ابن جعفر کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سر ہانے بندھی ہوئی ہے، میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے۔ ابن جعفر انہیں دیکھ کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک

ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسینؑ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ سر منڈو الو پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا۔ تو اگر اس اونٹ کا قربان کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فد یہ کے لئے تھا تو ظاہر کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔

حج تمتع کرنے والوں کیلئے احکام: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج تمتع کرنے والا شخص بھی قربانی کرے خواہ حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھا لیا ہو۔ اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں مشہور بھی یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے جیسے کہ اس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں آپ قادر تھے اور یہ بات تمام راوی کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپ کے ساتھ تھے۔ پس اس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردویہ)۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے۔

عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور ﷺ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمرؓ ہیں۔ حضرت امام الحدیثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے۔ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرہ کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے ﴿وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ لیکن یاد رہے کہ یہ ممانعت حضرت عمرؓ کی بطور حرام کہنے کے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ لوگ بکثرت بیت اللہ کا قصد حج و عمرہ کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپؐ سے صراحتاً مروی ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص نہ پائے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے یہ پورے دس دن ہو جائیں گے۔ یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں اور باقی سات بعد میں علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے۔ حضرت عطاء کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤسؓ مجاہد وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول سوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں۔ حضرت شعبیؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر عرفہ سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا ایک عرفہ کا۔ حضرت علیؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آجائیں تو حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے (بخاری)۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے۔ حضرت علیؓ حضرت عکرمہؓ حسن بصریؓ اور عروہ بن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فی الحج عام ہے اور ان دنوں کو بھی شامل ہے۔ امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں پھر سات روزے لوٹنے وقت اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ جاؤ پس لوٹنے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہد اور عطاءؓ یہی کہتے ہیں۔ یا مروی ہے کہ وطن میں پہنچ جانا ہے یہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریرؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجت الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی ذوالحلیفہ سے آپ نے قربانی ساتھ لے لی تھی 'عمرہ کی پھر حج کی تہلیل کی۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا' بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ رکھ لی تھی 'بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ کا طواف کر کے 'صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام کھول ڈالے 'سر کے بال منڈوا لے یا کتر والے 'پھر حج کا احرام باندھے۔ اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے ان (بخاری و مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔

پھر فرمایا یہ پورے دس ہیں۔ یہ فرمان تاکید کیلئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا ہاتھ سے لکھا۔ اور قرآن میں بھی ہے ﴿وَلَا طَائِرُ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَا تُحِطُّهُ بِمِيزَانِكَ﴾ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا نہیں۔ اور جگہ ہے ہم نے موسیٰ کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور مزید دس کے ساتھ پورا کیا اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا۔ پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام و کمال کرنے کا۔ ﴿كَامِلَةٌ﴾ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔

حج تمتع کا حکم کن کیلئے ہے: اس کے بعد فرماتا ہے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے تمتع باہر والوں کے لئے ہے تم کو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا' طاؤس کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن عطا فرماتے ہیں کہ میقات یعنی جو لوگ احرام باندھنے کے مقامات سے نزدیک ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں۔ مکحول بھی فرماتے ہیں۔ تو عرفات 'مزدلفہ' عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

زہری فرماتے ہیں مکہ سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے اور لوگ نہیں کر سکتے۔ عطاء دودن بھی فرماتے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں کی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لئے یہی حکم ہے اس لئے کہ سب حاضر کہے جائیں گے ان کے علاوہ تمام مسافر ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے' واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اس کے احکام میں بجا لاؤ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اپنے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

الْحَجُّ أَشْكَرُ مَعْلُومَاتٍ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ
فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمَهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَ
اتَّقُوا يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿١٧﴾

حج کے مہینے مقرر ہیں جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا ہے تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر تو شہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اسے فکرت و اجماع سے ڈرتے رہا کرو۔

احرام کے مسائل اور سفر خرچ کی تلقین: عربی دان حضرات کہتے ہیں کہ اس ہجرت کا مطلب یہ ہے۔ کہ حج حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر رہیں۔ پس حج کے مہینوں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے۔ امام مالک امام ابو حنیفہ امام احمد اسحاق ابراہیم نخعی ثوری لیث رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ﴾ الخ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو "نسک" کہا گیا ہے اور عمرہ کا احرام ہجرت میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا حج ہوگا۔

جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا۔ بلکہ اگر دوسرے مہینہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے۔ لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس حضرت جابر عطاء اور مجاہد کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل ﴿الْحَجُّ اشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ﴾ ہے جبکہ عربی دان حضرات کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے ہیں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے جو احرام حج کا باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریج سے سنا انہیں عمرو بن عطاء نے کہا ان سے سزا نے ذکر کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿الْحَجُّ اشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ﴾ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔ ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے۔ ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا یہ فرمان کہ سنت یوں ہے "نعم میں مرفوع حدیث کے ہوتا ہے۔

پس یہ حکم رسول ہوگا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوائے حج کے مہینوں کے لائق نہیں اس کی اسناد بھی اچھی ہیں لیکن شافعی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبد اللہ بن عباس کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے "واللہ اعلم۔ ﴿اشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ﴾ سے مراد حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں شوال ذوالقعدہ اور ذی الحجہ کے ہیں۔ (بخاری) یہ روایت ابن جریر اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور امام حاکم اسے صحیح بتلاتے ہیں۔ حضرت عمر حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت عبد اللہ بن زبیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضوان علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ حضرت عطاء حضرت مجاہد حضرت ابراہیم نخعی حضرت شعبی حضرت حسن حضرت ابن سیرین حضرت مکحول حضرت قتادہ حضرت ضحاک بن مزاحم حضرت ربیع بن انس حضرت مقاتل رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں اور امام شافعی امام ابو حنیفہ امام احمد بن حنبل ابو یوسف اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر بھی اس کو پسند فرماتے ہیں۔

اشہر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔ پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا سا ہی ہوتا ہے مگر تغلیبا "ایسا بول دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی تغلیبا "تیسرے مہینے کا ذکر ہے۔ قرآن میں بھی ہے ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِى يَوْمَيْنِ﴾ حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے۔ امام مالک امام شافعی کا پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے۔ ابن عمر ابن شہاب عطاء جابر بن عبد اللہ طاؤس مجاہد عمرو بن ربیع اور قتادہ سے بھی مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث

میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے کیوں کہ اس کا راوی حصین بن مخرق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں واللہ اعلم۔

امام مالک کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینہ میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں۔ امام ابن جریر بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منی کے دن گذرتے ہی جاتا رہا۔ محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو۔ قاسم بن محمد سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں جانتے۔ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے واللہ اعلم۔ (اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ میں چار عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کر لے یعنی حج کا احرام باندھ لے اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔

فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاء فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے۔ ابراہیمؓ اور ضحاکؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکارنے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں۔ اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفت سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ﴾ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام کام بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا بوسہ لینا ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا گو کہ بعض نے مردوں کے مجموعوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفت میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفت ہے۔ رفت کا اولیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے فحش باتیں کرنا دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر کرنا اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے چھیڑ چھاڑ مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفت میں داخل ہیں اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔

مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی شکار، گالی گلوچ وغیرہ بد زبانی ہے جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔ اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿أَوْ فَسَقًا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ بد القاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے۔ قرآن فرماتا ہے ﴿لَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اسی طرح حرم میں بھی اس کی حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظَلَمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ﴾ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اسے ہم الٹا ک عذاب چکھائیں گے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا بال مندوانا یا کتر وانا ناخن لینا وغیرہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص اس بیت اللہ کا حج کرے نہ رفت کرے نہ فسق و گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیرا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان میں جھگڑانا نہ کرو۔ اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں ان میں کمی زیادتی نہ کرو۔ موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم میں اور جگہ فرمادی گئی ہے۔ اسی طرح قریش مشرک حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ہاتھوں وقت حج ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہ میں بیان کر دی ہیں اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے بس یہ جھگڑے اب ختم کر دو واللہ اعلم۔

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ نہ کسی کو گالیاں دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ذانت ڈیٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں ہاں مارے نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماءؓ اپنے والد حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں حضرت ابو بکرؓ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابو بکرؓ کے خادم کے پاس تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ اس کا انتظار کر رہے تھے تھوڑی دیر میں وہ آگیا اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت کل رات گم ہو گیا آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا۔ نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جارہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضرت ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے۔ بس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کے ہاتھ سے ایذا نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی بر اکام کر دے نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ سفر حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے جس پر یہ حکم ہوا۔ حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عیینہؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بخاری نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یعنی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھتا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو آنا ستو وغیرہ توشے میں لے لو۔ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمرؓ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی فرماتا ہے کہ آخرت کے توشے کی بھی تیاری کر لو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف الہی لے کر جاؤ۔ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ پر بیزار گاری کا لباس بہتر ہے یعنی خشوع و خضوع و طاعت و تقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو بلکہ یہ لباس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے۔ ایک حدیث میں

بھی ہے کہ دنیا میں اگر خرچ کرو گے تو آخرت میں پاؤ گے یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی)۔ اس حکم کو سکر ایک مسکین صحابی نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں آپ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ خوف الہی ہے (ابن ابی حاتم)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمند و ابجھ سے ڈرتے رہا کرو یعنی میرے عذابوں سے میری پکڑدھکڑ سے میری گرفت سے میری سزاؤں سے ڈرو۔ تب کر میرے احکام کی تعمیل کرو میرے ارشاد کا خلاف نہ کرو تاکہ نجات پاسکو یہ ہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ
فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ
لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿۹۵﴾

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو اس کا ذکر اس طرح کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔

کیا حج کرنے والا تجارت بھی کر سکتا ہے؟ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ بجنہ اور ذوالحجاز نام کے بازار تھے۔ اسلام کے بعد صحابہ کرام حج کے دنوں میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے، جس پر انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کوئی گناہ کا کام نہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آن حضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کو خرید و فروخت حلال ہے۔ ابن عباسؓ کی قرأت میں ﴿مِنْ رَبِّكُمْ﴾ کے بعد ﴿فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ﴾ کا لفظ بھی آیا ہے۔ ابن زبیرؓ سے بھی یہ مروی ہے اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابو امامہ تمیمیؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطان کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سنو ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبریل آیت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ اٹخ لے کر اترے اور حضور ﷺ نے اس شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا۔ مسند عبد الرزاق اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا۔

میدان عرفات مزدلفہ میں دخول اور خرچ کی تفصیل: عرفات کو منصرف پڑھا گیا ہے حالانکہ غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی اسم علم اور تانیث اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مؤمنات ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا۔ عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بہترین کام ہے۔ مسند احمد

وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے تین مرتبہ حضور ﷺ نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پایا۔ مئی کے تین دنوں میں جلدی یادیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لیکر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ نبی ﷺ حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرتے رہتے تھے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے کہ دس تاریخ کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج پایا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے، تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں طمی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی، واللہ ہر پہاڑ پر ٹھہرتا ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو، پس اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا (مسند احمد و سنن)۔ امام ترمذی اسے صحیح کہتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیجا اور انہوں نے آپ کو حج کرایا، جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ ﴿عَرَفْتُ﴾ کیا تم نے پہچان لیا، حضرت خلیل اللہ نے جواب دیا ﴿عَرَفْتُ﴾ میں نے جان لیا، کیونکہ اس سے پہلے یہاں آچکے تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گا۔ حضرت عطاء، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو مجلز سے بھی یہی مروی ہے، واللہ اعلم۔ عرفات کا نام مشعر الحرام، مشعر الاقصیٰ اور ”اللال“ بھی ہے اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہی جس کے درمیان جبل الرحمتہ ہے۔ ابوطالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے۔ اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے اور جب دھوپ پہاڑ کی چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی تھی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا، تو وہ وہاں سے چل پڑتے۔ لیکن حضور ﷺ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا، پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں قیام کیا اور صبح سویرے بالکل اول وقت رات کے اندھیرے اور صبح کی چاندنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز فجر ادا کی اور جب چاند صاف ہو گیا تو فجر کی نماز کے گویا آخری وقت میں آپ نے یہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد امان بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے، دیکھو مشرک و بت پرستی والے تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے، تو لوٹ جاتے تھے سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی، لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس چلیں گے، اور مشعر الحرام سے وہ سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی دھوپ چڑھ جاتی تھی کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح نمایاں ہو جائے جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں، لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے پہلے ہی پہل چل دینگے، ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و متبرک)۔ امام حاکم نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتایا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت مسور نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے، لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں۔

حضرت معرور بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا، گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے، آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم نے لوٹنے کو صاف پایا۔ صحیح مسلم کی حضرت جابر کی روایت کردہ ایک طویل حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ غروب ہونے تک

عرفات میں ٹھہرے جب سورج غروب ہو گیا اور قدرے زردی ظاہر ہو گئی تو آپ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے حضرت اسامہؓ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل کھینچ لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو! آہستہ آہستہ اطمینان، سکون، نرمی اور دل جمعی کیساتھ چلو۔ جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کر دیا کرتے تاکہ جانور پہ آسانی اور چڑھ جائے۔ مزدلفہ میں آکر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز (اکٹھی) ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں، مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے، پھر لیٹ گئے، صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی، پھر قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے، قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب روشنی ہو گئی۔ طلوع آفتاب سے سورج نکلنے سے پہلے ہی آپ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت اسامہؓ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں سے چلے تو کس چال چلتے تھے؟ فرمایا درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے۔ ہاں جب راستے میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو۔ یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمونؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مشعر الحرام کے بارے میں پوچھا تو آپ حاموش رہے، جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے یہ ہے مشعر الحرام۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ کا تمام علاقہ پہاڑ اور اس کے اطراف و اکناف مشعر الحرام ہے، آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں، تو فرمایا یہ لوگ یہاں کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی یہ سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے۔ حضرت عطاءؓ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑ دیئے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا، وادی محسر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قرح سے ورے ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے۔ مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے۔

سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی مثلاً قتال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے، بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرسؓ سے اس معنی کی مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرے تو قربانی دینی پڑے گی۔ امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرے تو کچھ حرج نہیں۔ پس یہ تین اقوال ہوئے۔ ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے، واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں، واللہ اعلم مترجم)۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہاں وادی محسر نہیں۔ مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں۔ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان ابن موسیٰ اشدق نے جبیر بن مطعم کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں، واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج و ضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور ظلیل اللہ کی اس سنت کو واضح کر دیا حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے، یعنی اس ہدایت سے پہلے یا اس قرآن سے پہلے، یا اس رسول (ﷺ) سے پہلے، فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی۔ فالحمد للہ۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩﴾

پھر تم اس جگہ سے لوگو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔

واپس لوٹنے کی جگہ: ”ثم“ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرمادیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے۔ البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ طریقہ اپنالیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حرم رکھتے تھے باقی تمام عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے واپس لوٹتے تھے۔ اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ عطاء مجاہد قتادہ اور سدئی وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اس پر اجماع بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میرا انت عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا میں کہنے لگا کیا بات ہے کہ یہ تمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آکر ٹھہرے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جہار کے لئے مٹی کو جانا ہے (واللہ اعلم) اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیلؑ ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد امام ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔

استغفار اور دعائے سید الاستغفار: پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ الحمد لله اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم)۔ یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریر)۔ آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے ﴿اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ حَلَفْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا سَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ﴾ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اسے رات کے وقت پڑھے اگر اس رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہوگا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری)۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھائیے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۗ وَمِنْهُمْ مَنِ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۗ

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ پس بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمایا اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکے لئے انکے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے

ارکان حج کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو: یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ اور ساتھ ہی ذکر کا طریقہ بتا دیا کہ اس طرح ذکر اللہ کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقع پر تھے کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں عظمتیں اور عزتیں بیان کیا کرو۔ اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو اسی لئے ﴿اَوْ اَشِدَّ﴾ پر زبر تیز کی بنا پر لائی گئی ہے، یعنی اس طرح اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

﴿اَوْ﴾ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے ﴿اَوْ اَشِدَّ فُسُوۡةً﴾ اور ﴿اَوْ اَشِدَّ خَشِيۡةً﴾ اور ﴿اَوْ اَذْنٰی﴾ ان تمام مقامات میں لفظ ﴿اَوْ﴾ ہر گز ہر گز شک کے لئے نہیں ہے بلکہ فجر عنہ کی تحقیق کے لئے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دین و دنیا کی تمام بھلائوں کی حامل دعاء: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقع قبولیت کا ہے ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلبی کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ بعض اعرابی یہاں آ کر صرف یہی دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ اس سال بارشیں اچھی برسائے اچھے پیدا ہوں اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائوں کی ہوتی تھیں اس لئے ان کی تعریفیں کی گئی۔ اس دعائیں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے، اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی، گھریا، بیوی بچے، روزی علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی غلام، عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آگئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا گھبراہٹ سے نجات پانا نامہ اعمال کا دائم ہاتھ میں ملنا سرخ رو ہونا، اور عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب اس میں آئے گا پھر اس کے بعد جہنم کے عذاب سے نجات چاہتا ہے، اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے۔ مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ۔ قاسم فرماتے ہیں جسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے، اس حدیث میں ﴿رَبَّنَا﴾ سے پہلے ﴿اللّٰهُمَّ﴾ بھی ہے۔ حضرت قتادہ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے، تو آپ نے جواب میں یہی دعائیں (احمد)۔ حضرت انسؓ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے تو اس دعا کو نہ چھوڑتے چنانچہ حضرت ثابتؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں آپ نے یہی ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا﴾ الخ پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم نکلے کرانا چاہتے ہو اس دعائیں تو تمام بھلائیاں آگئیں (ابن ابی حاتم)

آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے، صرف ہڈیوں کا

ڈھانچہ رہ گیا ہے، آپ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے، اس نے کہا ہاں، میری یہ دعا تھی کہ اے اللہ جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال، آپ نے فرمایا سبحان اللہ، کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے تو نے یہ دعا پڑھ کر دَبْنَا اَتْنَا ﴿﴾ (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دیدی (احمد)۔ رکن بنی حج اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ وغیرہ)۔ لیکن اس کی سند میں ضعف ہے، واللہ اعلم۔

آپ فرماتے ہیں جب کبھی رکن کے پاس سے گذرنا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتے ہیں اور وہ آمین کہہ رہا ہے، تم جب کبھی یہاں سے گذرو تو دَبْنَا اَتْنَا اَلْحُجَّ پڑھا کرو (ابن مردودہ)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کے ساتھ ملازمت کر لی ہے اس اجرت پر کہ وہ مجھے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقع پر وہ مجھے رخصت دیں کہ حج ادا کر لوں، اور اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کہ اس طرح میرا حج ہو جائے گا، آپ نے فرمایا ہاں بلکہ تو، تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ﴾ (مستدرک حاکم)۔

اٰذْكُرُوْا اللّٰهَ فِيْ اَيّٰمٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۗ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ۗ وَمَنْ

تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ۗ لِمَنْ اتَّقٰهُ وَاتَّقٰوْا اللّٰهَ ۗ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اللہ تعالیٰ کی یاد، ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو، دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، پر ہیزگاروں کے لئے یہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

ایام تشریق اللہ کا ذکر اور کھانے پینے کے دن ہیں: ایام معدودات سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد ﴿ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ﴾ کہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عرفہ کا دن قربانی کا دن، اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عمید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد)۔ اور حدیث میں ہے ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں (احمد)۔ پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ، عرفات کل ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ منی کے دن تین ہیں، دو دن کی جلدی کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں، حضور ﷺ نے عبد اللہ بن حذافہ کو بھیجا کہ وہ منی میں گھوم کر منادی کر دیں کہ، ان دنوں میں روزہ نہ رکھے، یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ ایک اور مرسل روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی کرنے والے شبر بن حکیم تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں گھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی دس سے تیرہ تک۔ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو موسیٰؓ عطاءؓ مجاہدؓ عکرمہؓ سعید بن جبیرؓ ابومالکؓ ابراہیمؓ نخعیؓ یحییٰ بن ابی کثیرؓ حسنؓ قتادہؓ سعدیؓ زہریؓ ربیع بن انسؓ اشحاکؓ مقاتل بن حیانؓ عطاءؓ خرسانیؓ امام مالکؓ رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے۔ مگر مشہور قول پہلا ہی

ہے اور ریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت اسی پر ہے، کیونکہ دو دن کی جلدی اور دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعی کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر بھی ذکر اللہ مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عملدرآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک، اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے، لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں واللہ اعلم۔

حضرت عمر اپنے خیمے میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر باہر والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا۔ اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارتے وقت تکبیر اور ذکر اللہ کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداؤد وغیرہ ہم میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا مروہ کی سعی، شیطانوں کو کنکریاں مارتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اسکے سامنے جمع ہونا ہے اسی لئے تمہیں زمین میں پھیلا یا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہوگا، پس جہاں کہیں بھی ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ
 وَهُوَ الَّذِي الْخَصَامُ ۖ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ
 وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ
 فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۖ وَلَبِئْسَ الْهَادِيَ ۖ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ
 مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۖ

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر رب کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر اور آمادہ کر دیتا ہے ایسے کو جہنم ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ دالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرتا ہے۔

منافقوں کا طریق کار اور انکی نشانیاں: حدیثی کہتے ہیں کہ یہ آیت انفس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیب اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں بیان کی تھیں جو جمع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں ﴿مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ اور منافقین کی مذمت کے بارے میں ﴿مَنْ يُعْجِبُ قَوْلَهُ﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے۔

قائدہ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ حضرت نوف بکائی جو توراہ و انجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں 'مرد قوم ہے کہ بعض لوگ دین کے میلے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصر) سے زیادہ کڑوے ہیں 'لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔

قرظی لکھتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف اور قرآن میں بھی موجود ہے پڑھیں آیت ۱۰۷ ص الناس من يُعْجَبُكَ ﴿۱﴾ الخ حضرت سعید نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعب نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن حنیف کی قرأت میں ﴿يُشْهَدُ اللَّهُ﴾ ہے معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ الخ یعنی منافق تیرے پاس آکر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں رب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن رب کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ لیکن جوہر کی قرأت ﴿يُشْهَدُ اللَّهُ﴾ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو یہ اپنی خباثت کو چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ﴾ الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ ابن عباس نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہ ہی ان کے دل میں ہے، صحیح معانی آیت کے یہی ہیں۔ عبدالرحمن بن زید اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں

﴿اللَّهُ﴾ کے معنی لغت میں ہیں سخت میڑھا جیسے اور جگہ ہے ﴿وَتُنذِرُ بِهِ قَوْمًا لُدًّا﴾ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی جہت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے۔ سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افراتفر اور بہتان بازی کرتا اور گالیاں بکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں 'جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے یوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے۔ ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑا ہو، اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں۔ قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

سعی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿ثُمَّ اَذْبَرِيسَعِي﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿فَاسْعُوا اِلَى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد و ارادہ کرو 'یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں، کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون و وقار کے ساتھ آؤ۔

منافقوں کا مزید تذکرہ: غرض یہ ہے کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا، کھیتی باڑی زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ و تذکیر کے ذریعے سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِذْ اتَّسَلَى عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ نَعْرِفُ فِى وُجُوْهِ الدّٰىنِ كَفَرُوْا الْمُنْكَرُ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی

جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر چھینٹے ہیں سنو اس سے بڑھ کر سنو کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ ان کیلئے جہنم ہی کافی ہے یعنی سزا میں اور وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کی شان: منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ یہ آیت حضرت صہیب بن سنان روئی کے حق میں نازل ہوئی یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لیکر نہیں جانے دیں گے، اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، آپ نے سب مال چھوڑ دیا اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت انزی۔ حضرت عمر بن خطاب اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارک بادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا بڑے نفع کی تجارت کی، آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے آخر بتاؤ تو سہی کہ یہ مبارک بادیاں کیا ہیں؟ ان بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضور ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔

قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب تم مکہ میں آئے تو ہمارے پاس مال نہ تھا، یہ سب مال یہیں کمایا، اب اس مال کو لے کر جم جانے نہ دیں گے، چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لیکر خدمت رسول ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے ان کو گھیر لیا، آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں، میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا، اس کے بعد تلوار سے میں تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں، جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو پھر جو چاہو کر لو اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا تمام مال دے دیتا ہوں یہ سب لے لو اور مجھے جانے دو چنانچہ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے سے پہلے ہی وہاں بڑا ریوہتی یہ آیت نازل ہو چکی تھی، آپ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارکباد دی۔

اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان میں ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دیدی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہو گا۔ تم اے ایمان دارو اس خرید فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ حضرت ہشام بن عامر نے جب کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اس آیت ﴿مَنْ يَشْرِي﴾ کی تلاوت کر کے سنا دی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۸۹﴾ فَإِنْ زَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۹۰﴾

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں

آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا اسلام ہے: اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ تمام احکام کو بجا لائیں تمام ممنوعات سے قیاً جائیں کامل شریعت پر عمل کریں۔ ﴿سَلِّم﴾ سے مراد اسلام ہے اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ ﴿تَكْفُفُ﴾ کے معنی سب کے سب پورے پورے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام اسد بن عبید ثعلبہ وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضور ﷺ سے گزارش کی کہ ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت و عورتوں کے وقت توراہ پر عمل کرنے کی اجازت دینی جائے جس میں یہ آیت اتری، کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو، لیکن اس میں حضرت عبداللہ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا وہ اعلیٰ درجہ کے عالم تھے اور پورے مسلمان تھے انہی کامل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کے بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں ارووں کے ساتھ دیں۔

بعض مفسرین نے کافہ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے تمام احکام کو مانو۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراہ کے بعض احکام پر جسے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پورنی طرح اسلام میں آ جاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو توراہ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو شیطان کی نہ مانو، وہ تو برائیوں اور بد کاریوں کو اور رب پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا اھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ رب بھی بدلہ لینے میں غالب ہے نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے، نہ اس پر کوئی غالب آسکے، وہ اپنے احکام کے جاری کرنے میں حکمتوں والا ہے وہ غالب ہے اپنی پکڑ میں، وہ حکیم ہے اپنے امر میں، وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے، اور عذرو حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ

الْأَمْرُ وَالِإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۚ

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ انکے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

شافع محشر کا تذکرہ: اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کئے کو بھگت لے گا جیسے، اور جگہ ارشاد ہے ﴿كَلَّا إِذَا دُخِيتِ الْأَرْضُ﴾ الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اتر جائیں گے اور تیرا رب خود آجائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ آجائیں گے اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ الخ یعنی کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں، یا خود اللہ تعالیٰ آجائے، یا اس کی بعض نشانیاں آجائیں، اگر یہ ہو گیا تو پھر نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے۔ امام ابن جریر نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ جب لوگ گھبراہٹیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت

طلب کریں گے۔ حضرت آدم سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے آپ جواب دیں گے میں تیار ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں، پھر آپ جائیں گے اور عرش تے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا، آسمان دنیا ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آجائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آجائیں گے۔ اسی طرح ساتوں آسمان ٹپ ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تعالیٰ تشریف لائے گا۔

فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے، ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی ﴿سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْجَبْرُوتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ سُبْحَانَ الَّذِي يُمِيتُ الْخَلَائِقَ وَلَا يَمُوتُ سُبْحَانَ رَبِّ الْمَلِكَةِ وَالرُّوحِ سُبْحَانَ قُدُّوسٍ سُبْحَانَ رَبَّنَا أَلَا عُلَىٰ﴾ سُبْحَانَ ذِي السُّلْطَانِ وَالْعِظْمَةِ سُبْحَانَهُ أَبَدًا أَبَدًا ﴿ حافظ ابو بکر ابن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے واللہ اعلم۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام کو اس دن جمع کرے گا جس کا وقت مقرر ہے وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے، آنکھیں پھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوں گی، ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا، اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے گری پر نزل فرمائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نزل فرمائے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کی چمکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے جس سے دل ہل جائیں۔ زہیر بن محمدؓ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یا قوت کا جزا ہو اور جو ہر روز برجد ایسی آوازیں آرہی ہوں گی ہوگا۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ کہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیبہ میں تھا۔

ابو العالیہؓ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ آئیگا جس میں چاہے چنانچہ بعض قرآنوں میں یوں بھی ہے ﴿يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ وَالْمَلَكُوتُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ﴾ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَيَوْمَ تَشْقُقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنَزَلَ الْمَلَكُوتُ تَنْزِيلًا﴾ یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَ
يَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ
مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو تو، کہ ہم نے انھیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے۔ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زیست دار کی گئی وہ ایمان داروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہو گئے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

بنی اسرائیل کی احسان فراموشیاں اور صدقہ کرنے کا صلہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ کے علیہ اسلام کے ہاتھوں کی لکڑی ان کے ہاتھ کی روشنی ان کے لئے دریا کو چیر دینا ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا من و سلوی اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خود مختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی (حضرت) موسیٰ کی نبوت کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان لانے کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ رہیں گے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ﴿الَّذِينَ يَدَّبُّوْنَ الْعِزَّةَ لَوْ اَنْعَمَ اللّٰهُ كُفْرًا﴾ الخ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو جلاست سے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرار گاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیاوی زندگی پر دیوانے بنے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے۔ بلکہ جو ایماندار اس دنیا کے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی میں اپنے مال اٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی، اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آجائے گی۔ روزی دینا جسے اللہ جتنی چاہے دیدے، جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے۔ حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے ﴿وَمَا الْفُقَرَاءُ مِنْ شَيْءٍ فَهُمْ يَخْلَفُوْا﴾ تو جو کچھ خرچ کرو رہا اس کا بدلہ دے گا۔

صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے اے اللہ تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو برکت عنایت فرما دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کے مال کو برباد کر۔ اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے، میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھا لیا وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو نے دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جسے کا گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اَخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنٰتُ بَغِيًّا بَيْنَهُمْ فَهَدٰى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِ اللّٰهِ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرٰطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٣٢﴾

دراصل لوگ ایک ہی تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کئی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دے گئے تھے اپنے پاس والا کمل آچکنے کے بعد آپس کے انقض و عناد سے انہیں اختلاف کیا پس اللہ پال نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سید جس

رہو کی طرف رہبری کرتا ہے۔

امت محمدیہ کی سابقہ امتوں پر فضیلت: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق اور شریعت کے پابند تھے، پھر اختلاف پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے کہ ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُخْتَلِفًا عَلَىٰ بِلَادِهِمْ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَىٰ الْحَدِيثِ غِبْرَةٌ﴾ حضرت اُبی بن کعبؓ کی قرأت بھی یہی ہے۔ قتادہ نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ، جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوحؑ۔ حضرت مجاہدؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے۔ لیکن اول قول معنی اور سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان لانے والوں کو ڈرایا، ان کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الہی سے ہو سکے، لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض، تعصب و ضد اور نفسانیت کے بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں، لیکن قیامت کے دن جنت میں جانے کے اعتبار سے سب سے آگے (پہلے) ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی، ہمیں ان کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی ان میں اختلاف رہا لیکن ہمیں یہ ہدایت نصیب ہوئی۔ تمام کے تمام اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں، جمعہ ہمارا ہے، ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا، زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا، یہود نے بیت المقدس کو لیکن امت محمدیہ نے کعبہ کو قبلہ مقرر کیا۔ اس طرح نماز میں بھی ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع ہے اور سجدہ نہیں، بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چلتے رہتے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدیہ کی نماز سکون و وقار والی ہے نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدیہ کو نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے، کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے نصاریٰ نے انہیں نصرانی کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے پس اس بارے میں بھی ہمارے رہبری کی گئی اور خلیل اللہ کی نسبت صحیح خیال تک ہم پہنچا دیئے گئے۔ حضرت عیسیٰ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی، نصرانیوں نے انہیں اللہ، اور رب کا بیٹا کہا، لیکن مسلمان اس افراط تفریط سے بچائے گئے اور انہیں روح اللہ اور کلمتہ اللہ اور نبی برحق مانا۔

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتدا میں سب لوگ رب واحد کی عبادت کرنے والے نیکوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے، درمیان میں اختلاف رونما ہو گیا تھا، پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہوگی، یہاں تک کہ امت نوحؑ پر بھی ان کی شہادت ہوگی، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب اور آل فرعون کا حساب کتاب بھی انہی کی گواہیوں پر ہوگا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں ﴿وَاللَّهُ يَهْدِي الْقَوْمَ الصَّالِحِينَ﴾ سے پہلے یہ لفظ بھی ہے ﴿وَلِيَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ابو العالیہ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے، گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت رب کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی وہ جسے چاہے راہ استقامت سمجھا دیتا ہے

بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے ﴿اللَّهُمَّ رَبِّ جَبْرَائِيلَ وَ

إِسْرَافِيلَ فَاطْرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا
اختلف فيه من الحق بإذنك إنك تهدي من تشاء إلى صراطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ یعنی اے اللہ اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے
رب! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے اللہ! اے چھپے اور کھلے کے جاننے والے اللہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے
اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے، میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا تو جسے چاہے راہ راست دکھا
دیتا ہے۔ حضور ﷺ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے ﴿اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا
اجْتِنَابَهُ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَضْلًا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ اے اللہ ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما
اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں۔ اے اللہ ہمیں نیک کار پر بیزگار اور
لوگوں کا امام بنا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط

مَسْتَهْمُ الْبِئْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى

نَصْرُ اللَّهِ الْآلآنَ نَصْرُ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿١٠٢﴾

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے! انہیں بیماریاں اور
مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد
قریب ہی ہے۔

تنگی کے بعد آسانی: مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں، سابقہ تمام امتوں کا بھی
امتحان لیا گیا، انھیں بھی بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں۔ ﴿بِئْسَاءُ﴾ کے معنی فقیری اور ﴿ضَرَاءُ﴾ کے معنی بیماری کے بھی کئے
گئے ہیں۔ ﴿زُلْزَلُوا﴾ دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ بیچارے کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت
کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارتؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟
آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبراٹھے، سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو
ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن تا
ہم دین الہی کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضر موت
تک کا سفر ایک ایک سوار کرنے لگے گا، اے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری
بکریوں پر بھیڑیا نہ آپڑے، لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔

قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ﴿الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا﴾ الخ کیا لوگوں
نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی، ہم نے تو ان لوگوں کو بھی آزمائش کی۔
بچوں اور جھوٹوں کو یقیناً ہم علیحدہ علیحدہ کر کے رہیں گے۔ چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش یوم
الاحزاب کو یعنی جنگ خندق میں ہوئی، جیسے خود قرآن نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمان ہے ﴿إِذْ جَاءُواكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ الخ یعنی
جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا، جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں، دل حلقوم تک آگئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔

اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جب کہ منافق اور کمزور یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ اور رسول کے وعدے تو غرور ہی کے تھے۔

ہر قتل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویٰ دار نبوت سے ہوئی ہے ابوسفیان نے کہا ہاں۔ پوچھا پھر کیا رنگ رہا کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے تو ہر قتل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے، لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔ مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمِثْلِي مِثْلُ الْأَوْلِيْنَ ﴾ اگلے مومنوں نے بمعہ نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی، جنہیں جواب ملا کہ امداد بہت ہی نزدیک ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے برائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندہ جب ناامید ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آتے ہی آتے ہی کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے پس اللہ تعالیٰ ان کی جلد بازی اور اپنی رحمت کے قریب ہونے پر ہنس دیتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْبَنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

خیرات کے حقدار: مقاتل فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ حدیثی کہتے ہیں اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا، لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی! لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر درجہ بدرجہ قریبی لوگوں سے یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طلبوں، باجوں، تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عنایت فرمائے گا وہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ

عَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۶﴾

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو حقیقی علم اللہ ہی کو ہے تم محض بے خبر ہو۔

جہاد کی فرضیت اور حکم: دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہریؒ

فرماتے ہی جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ بیٹھے رہنے والوں پر یہ لازم ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے وہ امداد کریں، جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں، جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کا ارادہ کیا وہ جاہلیت کی موت پر مرے گا اور حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی، ہاں جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو جایا کرو، یہ حکم آپ نے مکہ کے فتح کے دن فرمایا تھا۔

پھر فرماتا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی، کیونکہ ممکن ہے قتل بھی سنے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ، پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش وغیرہ، لیکن سمجھو تو ممکن ہے کہ تم برا جانو اور تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ ہے اور دشمن کی پامالی ہے، ان کے مال، ان کے ملک بلکہ انکے بال بچے تک تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہ ہی تمہارے لئے بری ہو، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے نہ خیر و برکت، اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو، لیکن دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے، کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آجائے گا اور دنیا میں قدم نکالنے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی، تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے، وہ جانتا ہے کہ کون سا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کون سا برا ہے۔ وہ اسی کام کے لئے حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو، تم اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر حکم کو کشادہ پیشانی سے مان لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ
 اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ
 أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُم عَن دِينِكُمْ إِن
 اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَمَا لِي بِهِ مِنْ عَمَلٍ أَلَيْسَ لِكُلِّ أَهْلٍ بِدِينٍ
 أَنزَلْنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾
 الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ
 اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٦﴾

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا، یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے، یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، تو ان کے اعمال دنیوی اور آخروی سب غارت ہو جائیں گے، یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور

ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ایمان لانے والے ہجرت کر نیوالے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے۔

حرمت والے مہینے اور عمرو بن حفص کا قتل: رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور ان کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو بیان کیا کہ جب وہ جانے لگے تو حضور ﷺ کی جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ ﷺ نے انہیں تو روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو پڑھ لو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہؓ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبی پڑھا اور انا اللہ الخ پڑھ کر کہا کہ میں نے حضور ﷺ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کیلئے تیار ہوں پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو واپس لوٹ گئے لیکن بقایا تمام ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحفصی کافر کو انہوں نے پایا چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن تو انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں ابن الحفصی مارا گیا اور صحابہؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس لوٹی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عتبہ بن غزوٰان سلمیٰ اور حضرت کھیل بن بیضاء اور حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبد اللہ ربوعیؓ تھے۔ بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبد اللہ بن جحشؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے صاف فرمادیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزو مند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عتبہؓ تھے۔ ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کيسانؓ عثمانؓ عبد اللہؓ وغیرہ تھے۔ حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہؓ کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدی اور مال غنیمت لے کر واپس آئی۔ مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراض کیا کہ دیکھو حضرت کا وعوے تو یہ ہے کہ وہ رب کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال و قتال کرتے ہیں۔ مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی۔ رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اسے مشرکوں! تمہاری بد اعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں۔ انہیں حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور آپ ﷺ مجبور واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی ﷺ کے ہاتھ پر فتح کرایا اور مسلمانوں کا پورا تسلط وہاں ہو گیا۔ اب اعتراض کرنے لگے جس پر انہیں ان میں لاجواب کیا گیا۔ عمرو بن الحفصی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آرہا تھا۔ گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہؓ کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات سمجھتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کے ساتھ آنٹ آدمی تھے۔ سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے انہوں نے حضرت رباب اسدیؓ تھے انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور ﷺ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہؓ تھے ان میں ایک بھی انصاریؓ تھا۔ دو دن کے سفر کے بعد حضور ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا تھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ

کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جا وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ۔ جب یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سارے کے سارے ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرع کے اوپر معدن میں پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلے میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا۔ مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں نوفل بن عبد اللہ وغیرہ بھی تھے مسلمان پہلے تو انہیں دیکھ کر گھبرائے، لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آجائیگا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے، انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبد اللہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا توفیصلہ ہی ہو گیا، عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ راستہ ہی میں سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول ﷺ کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ میں تقسیم کر دیا جبکہ اس وقت تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہئے۔ جب یہ لشکر سرکار نبی میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا؟ نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضور ﷺ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت ناوم ہوئے اور اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا۔

پھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے۔ دوسری جانب یہودیوں نے ایک بد فال نکالی، چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا تو انہوں نے کہا ﴿عَمْرَتِ الْحَرْبِ﴾ لڑائی پر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہوگی۔ اس کے باپ کا نام حضرمی تھا اس سے انہوں نے فال کی کہ ﴿عَمْرَتِ الْحَرْبِ﴾ حضرت الحرب وقت لڑائی آپہنچا۔ قاتل کا نام واقد تھا جس سے انہوں نے کہا ﴿وَقَدَّتِ الْحَرْبُ﴾ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی تو اس سے بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم اللہ کے دین سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام ترامکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو، نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمان اس رنج و افسوس سے آزاد ہوئے اور حضور ﷺ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ قریشیوں نے پھر آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے، مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزو ان (جب آجائیں تب آؤ مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا پہنچاؤ۔ چنانچہ جب وہ آگئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی قسمت میں ہی رہ گئے، آخر بڑے معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے، ہاں عثمان بن عبد اللہ کہ واپس گیا اور وہی کفر میں ہی مرا۔ ان غازیوں کو یہ آیت سنکر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضور ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کی وجہ سے دوسرے صحابہ کی چشمک کی بنا پر کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں، ہم غازیوں میں شمار کئے جائیں گے یا نہیں۔ جب حضور ﷺ سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت ﴿ان الذین امنوا﴾ اُن نازل ہوئی اور انکی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اسلام اور کفر کے مقابلہ میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا۔ کفار کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے۔ اس پر آیت ﴿يَسْتَلُونَكَ﴾ اُن نازل

ہوئی۔ یہی مال نفیست تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبد اللہ بن جحش نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہیں، لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار خود عبد اللہ بن جحشؓ کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا آثُمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا
 أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
 لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۶۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى
 قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ
 الْمَصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبْتَكُمْ إِنْ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۷۰﴾

لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے لوگوں کو اس سے دینی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن انکا گناہ انکے نفع سے بہت زیادہ ہے اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ حاجت سے زائد چیز اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ سکو امور دینی اور دنیوی کو اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے تم اگر ان کے مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں بد نیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

شراب اور جوئے کی حرمت کیوں: جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ تو اس کا واضح بیان فرما اس پر سورہ بقرہ کی یہ آیت ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾ اتر نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی، لیکن حضرت عمرؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ اسے ہمارے لئے اور زیادہ صاف بیان فرما اس پر سورہ نساء کی یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ اتر نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر اس پر سورہ مائدہ کی آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ اتر آئی۔ جب فاروق اعظمؓ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ پڑے تو آپ بول اٹھے ﴿إِنْتَهَيْنَا إِنْتَهَيْنَا﴾ ہم رک گئے ہم باز آئے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد ابو داؤد ترمذی اور نسائی وغیرہ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کا راوی ابو میسرہ ہے جن کا نام عمرو بن شرجیل ہمدانی کوئی ہے ابو زرعدؓ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمرؓ کے ﴿إِنْتَهَيْنَا إِنْتَهَيْنَا﴾ کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابو ہریرہؓ والی اور سورہ مائدہ کی آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ اتر کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورہ مائدہ میں ہی آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

میسر کہتے ہیں جوئے بازی کو گناہ ان کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلہ برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت کا جاہلیت کے زمانہ کے شعر ہے کہ شراب پی کر ہم بادشاہ اور ولیر بن جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے لیکن ان کے فوائد کے مقابلہ میں ان کے نقصانات بکثرت ہیں، کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا، ہوش و حواس کا بے کار ہونا ضروری ہے، ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔

یہ آیت گو شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی، گو اس میں صاف صاف حرمت بیان نہ ہوئی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو، چنانچہ آخر کار سورہ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جو اور پائے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں، اے مسلمانوں! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سے باز آ جاؤ۔ شیطان کی تمنا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں ذکر اللہ اور نماز سے روک دے کیا اب تم شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ انشاء اللہ اس کا پورا بیان سورہ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی، پھر سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی، پھر سورہ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔

﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کی ایک قرأت بھی ہے اور دونوں قرائتیں ٹھیک ہیں، معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بند بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور! ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں، کیا کچھ اللہ کی راہ میں دیں؟ جس کے جواب میں ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کہا گیا، یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ حضرت طاؤسؓ کہتے ہیں ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کر۔ ربیعؓ کہتے ہیں افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا حضور! میرے پاس ایک دنیا ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے آپ نے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو اس نے کہا حضرت! ایک اور ہے آپ نے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات میں لگاؤ اس نے کہا ایک اور بھی ہے آپ نے فرمایا اب تو خود دیکھ بھال سکتا ہے۔

مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا اپنے نفس سے شروع کر، پہلے اسی پر صدقہ کر، پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر، پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر، پھر بھی بچے تو اور دوسرے حاجت مندوں پر۔ اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق رکھ کر باقی بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ میں دے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے، پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے، ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اور اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے، ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے، کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے، اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور

تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے و وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تاکہ تم دنیائے فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسنؑ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبیر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں غور و فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلُونَٰ سَعِيرًا﴾ یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑک رہے ہیں اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے تو ان کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے یتیموں کا کھانا ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔ اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ رہا تو اسے یا تو وہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آکر حضور ﷺ سے عرض کی جس پر یہ آیت ﴿قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ الخ نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں یہ موجود ہے اور سلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل کام ہے کہ اس کا کھانا لگت ہو اس کا پینا الگ ہو۔ ﴿إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر ﴿وَإِنْ تَخَالَطُوهُمْ﴾ فرما کر کھانا پینا ملا جلار کھنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہئے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کو نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا جو تنگی اور مشکل تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرمادیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلانا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیدیا بلکہ یتیم کی سرپرستی اگر فقیر مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لاسکتا ہے اور اگر کسی مال دار نے بوقت ضرورت اس کی کوئی چیز اپنے مصرف میں استعمال کی تو بعد میں ادا کر دے۔ یہ مسائل انشاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورہ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَا مِمَّنْ ؕ وَلَا مِمَّنْ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكِيْكُمْ ۗ وَلَوْ

أَعَجَبْتُمْ ۗ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

وَلَوْ أَعَجَبْتُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ ۗ وَاللَّهُ يَدْعُوْنَ إِلَى الْجَنَّةِ

وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۗ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۗ

شرک کرنے والی عورتوں سے تا وقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہتر ہے گو

تمہیں مشرک ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے و مشرک تمہیں اچھا لگے یہ لوگ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

مسلمان عورت کے علاوہ دوسرے کی عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے؟ بت پرست مشرک عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے۔ گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرک عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الخ یعنی تم سے پہلے جو کتاب اللہ دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زنا کاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرک عورتوں میں سے اہل کتاب کی عورتیں مخصوص ہیں۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، مگول، حسن، ضحاک، قتادہ، زید بن اسلم اور ربیع بن انس کا بھی یہی فرمان ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت صرف بت پرست مشرک عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس طرح کہہ لو یا اس طرح مطلب دونوں کا ایک ہی ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کیا سوا ایمان دار بھرت کر کے آنے والی عورتوں کے۔ اور خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں نکاح کرنا حرام قرار دیدیا گیا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے یہودیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں۔ ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دیدیتے ہیں آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کر دوں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمرؓ سے بالکل ہی غریب ہے۔ امام ابن جریر نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تاکہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا کوئی اور حکمت عملی اس فرمان میں تھی۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہا ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی۔ امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی مشرک کو اس مشرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں۔ حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرک عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے یہ فرمان حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے

بارے میں نازل ہوتا ہے ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آکر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے۔ کہا حضور! وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو عبد اللہ پھر تو وہ ایماندار ہے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ! قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ پھر اس سے نکاح بھی کر لوں گا۔ چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کراویں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی بزار بادر چہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم غلام بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

نکاح کیلئے مال دولت کی بجائے دینداری دیکھو: مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن انہیں مغرور کر دے۔ عورتوں کے مال دار ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو۔ بد صورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر وہ دیندار ہو تو بہت افضل ہے۔ لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ایک تو مال دوسرے حسب نسب تیسرے جمال و خوبصورتی چوتھے دین تم دینداری کو ترجیح دو۔ مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے اور متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهَا﴾ نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد گو جہشی غلام ہو مگر پھر بھی وہ رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت و محبت دنیا حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا سکھاتی ہے جسکا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کیلئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرمادیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَىٰ ۖ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ

اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٠١﴾ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا

حَرْثَكُمْ أَلَىٰ شِعْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّسْلِمُونَ ۗ

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠٢﴾

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں انکے قریب نہ جاؤ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے کو پسند فرماتا ہے تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا

کر و اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دے۔

ایام حیض اور جماع سے متعلق مسائل کی تفصیل: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے اس بارے میں حضور ﷺ سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہمارے مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور! پھر ہمیں جماع کی بھی اجازت دی جائے۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے۔ جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی بزرگ تحفہ دودھ لے کر آئے، آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے۔ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔

حدیثوں میں ہے کہ حضور ﷺ بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ ہمہند باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد)۔ حضرت عمارہؓ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے، آتے ہیں اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس دوران میں مجھے نیند آگئی، آپ ﷺ کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا یہاں آؤ، میں نے کہا حضور! میں تو حیض سے ہوں، آپ نے مجھے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آگئی ﷺ و ازواجہ و اصحابہ وسلم

حضرت مسروقؓ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ﷺ السَّلَامُ عَلَي النَّبِيِّ وَ عَلَي اٰهْلِهِ ﷺ حضرت عائشہؓ نے جواب دے کر ﷺ مَرَحَبًا مَرَحَبًا ﷺ کہا اور اندر آنے کی اجازت دی، آپ نے کہا مائیں صاحبہ میں ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا سن میں تیری ماں ہوں تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمائیے آدمی کو اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر)۔ اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنینؓ کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہد حسن اور عکرمہؓ کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا، بیٹھنا، اسکے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہے۔

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سردھویا کرتی، آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے۔ میں پانی پیتی تھی پھر پیالہ آپ کو دیتی، آپ بھی وہیں منہ لگا کر اس پیالہ سے وہی پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوتے تھے، اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کودھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بورے پر آجاتی نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں۔ تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پر ہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ محمول ہو حرمت اور ممانعت

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہہ ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے اس کے حیض کی حالت میں اس سے ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیدیتے تھے کہ تہہ بند باندھ لیں (بخاری)، اسی طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کی حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تہہ کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ) ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہؓ "ابن عباس" حضرت سعید بن مسیبؓ اور حضرت شریحؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔ اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

حالات حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ اور استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے، چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار۔ مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں، صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے۔ امام شافعیؒ کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اس کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئی ہیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں۔ گو یہ حدیث روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر آئمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "ظہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہو جاتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع کرنا ہے، ویسے سونا، بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان کہ ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ، اس میں ارشاد ہے کہ ان کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل لفظ ﴿فَأَنزَلْنَا﴾ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں۔ یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹانے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے امام ابن حزمؒ کا جواب بہت گراں ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے، یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر حکم ہو تو پہلا حکم اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے، یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ جب تم احرام کھول دو تو شکار کیلو اور جگہ ہے ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

ان علماء کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب حیض کا خون آنا رک جائے مدت حیض نر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔ ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تمیم کرنا سے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آسکتا ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ ان تمام علماء کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری میعاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا ہو تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ ہے ﴿يَطْهَرُونَ﴾ کا اس سے مراد حیض کا خون بند ہونا ہے اور ﴿تَطْهَرُونَ﴾ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہدؓ حضرت عکرمہؓ حضرت حسنؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ حضرت لیث بن سعدؓ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہدؓ وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہ اور تابعین سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ میں وطی کرنا حرام ہے اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے انشاء اللہ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے وہ نکل آئیں۔ اس لئے اس کے بعد کے جملے میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں کی حالت میں اپنی بیویوں سے نہ ملے والوں اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھیجا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مردوں کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریجؓ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن جگہ ایک ہی رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے ساتھ کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہا ہاں اس کے منہ پر نہ مار زیادہ برانہ کہہ اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا ایک ہی گھر میں رہا الخ (احمد و سنن)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ تمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور ﷺ سے یہ پوچھا تھا۔ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے التالک کر مباشرت کی تھی۔ لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابطؓ حضرت حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے۔ فرمایا بھتیجے تم نہ شرم آؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ کہا فرمائیے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ہے کہ انصاری عورتوں کو التالک کیا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھیجا ہوتا ہے۔ جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے

خاوند کی یہ بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کر لوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بار نبوت میں حاضر ہوئی۔ ام سلمہؓ نے ہٹھایا اور کہا بھی آنحضرت ﷺ آجائیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصاریہ عورت تو شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلے گئی لیکن مائی صاحبہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا انصاریہ عورت گوبالو۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ کہا کہ حضور میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا سامنے سے آیا پیچھے سے تجھے اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصاریہ والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو اللہ بخشتے انھیں کچھ وہم سا ہو گیا بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے۔ بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے۔ یہودی ایک ہی طریقے پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے۔ یہی عادت ان انصاریوں کی بھی تھی۔ اس کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصاریوں کے ہاں آ کر جب آباد ہوئے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقرر طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور ﷺ تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کریم سیکھا اول سے آخر تک انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گذرا)۔ ابن عمرؓ کا وہم یہ تھا کہ بعض میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافعؓ سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی و طی کے بارے میں اتری ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔

لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے دوسرا اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا۔ اور اوپر کی جو احادیث ہیں وہ بھی صحیح نہیں بلکہ انہی حضرت نافعؓ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے و طی دہر کو جائز کیا ہے۔ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ حضرت عبد اللہؓ تو اس آیت کا پہلی مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کی خلاف کی سند صحیح نہیں۔ معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمرؓ اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ عنقریب بیان ہوں گی انشاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال بلکہ حرام ہے۔

گویہ قول یعنی جواز بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام مالکؒ کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا قول ہرگز یہ نہیں۔ صحیح روایات بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگو! شرم و حیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا۔ عورتوں کے پاخانہ کی جگہ میں و طی نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس حرکت سے منع فرمایا (مسند احمد) روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت

یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اللہ تعالیٰ اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا (ترمذی) حضرت ابن عباس سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ میں نے ﴿اِنَّیْ سِئْتُمْ﴾ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ چت خواہ پٹ لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پانخانہ کی جگہ میں وطی کرے وہ چھوٹا لوٹی ہے (مسند احمد)۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بھی یہی فرمان منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ ایک تو انعام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر کرنے والا (فاعلی) ہو خواہ نیچے کرانے والا (مفعول) ہو اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی (مشت زنی) کرنیوالا اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنیوالا اور عورت کی دبر میں وطی کرنیوالا اور عورت اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنیوالا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنیوالا اور ہمسایہ کو تنگ کرنے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔ لیکن اسکی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راست میں وطی کرے اسکو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھتا (مسند)۔

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ (دبر میں) کرے یا کاهن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ کے اوپر اتری ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابو سلمہؒ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی)۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ وہ شخص ہے دیکھ قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی۔ پس صحیح سے اور صحابہ کرامؓ سے بہت سی اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی اسے حرام ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ داری میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں، گورواہیتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ رہے امام مالکؒ تو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل بن روح نے امام مالک سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو، بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے، خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بیج سائل نے کہا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں، مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ان کے شاگرد اور ساتھی سعید بن مسیبؒ، ابو سلمہؒ، عکرمہؒ، طاؤسؒ، عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ، عمرو بن زبیرؒ، مجاہدؒ، حسن وغیرہ سلف صالحینؒ سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں۔ جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے، گو بعض لوگوں نے فقہاء مدینہؒ بلکہ امام مالکؒ سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ عبدالرحمن بن قاسمؒ کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا پھر ﴿نَسَاؤُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ﴾ پڑھ کر فرمایا خود یہ لفظ "حرث" ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی نہیں کھیتی

میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالک سے اس کے مباح ہونے کی بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے واللہ اعلم۔

ٹھیک اسی طرح امام شافعی سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑی ہے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا۔ پھر فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی ممنوعات سے بچو نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے۔ اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب کتاب لے گا۔ ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔

ابن عباس فرماتے ہیں یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا﴾ یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاٰيٰتِنَا ان تَبْذُرُوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصَلِحُوْا بَيْنَ

النّٰسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۰﴾ لَا يُوَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنْ يُّوَا

خِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں ہاں اسکی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا نفل ہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے۔

قسم کی اقسام اور انکی تفصیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کے لئے اللہ کی قسموں کو نشانہ نہ بناؤ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَأْتِلْ اَوْلُوا الْفَضْلَ مِنْكُمْ وَالسَّعَةَ﴾ الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں وہ قرابت داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں۔ کیا تمہاری اپنی خواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے۔ ایسی قسم اگر کوئی کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھالے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر ازار ہے وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق وغیرہ اور بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ ان جمہور کے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کی قسم انشاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن سمرہ سے فرمایا اے عبدالرحمن سرداری امارت اور امامت کی طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سوئپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھا لے اور اس کے خلاف میں بھلائی دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ دیدے اور اس نیک کام کو کر لے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آنے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو لے لے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ دیدے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ ابو داؤد میں

ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے اور نہ رشتوں ناتوں کو توڑنے میں۔ جو شخص کوئی قسم کھالے اور نیکی اس کے کرنے میں نہ ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کر لے۔ اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ تمام صحیح احادیث میں یہ لفظ ہے کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ اپنی ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کر لے۔ ابن عباسؓ سعید بن مسیبؓ مسروقؓ اور شعبیؓ بھی اس کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزنی کی قسم کھا بیٹھے وہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرماتا ہے ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادے کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے۔ وہ سری آیت لے لفظ ﴿بِمَا عَقَّدْتُمُ الْإِيمَانَ﴾ ہے۔ ابو داؤد میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانہ پر لگے گا کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا۔ آپ کے صحابی نے کہا دیکھیے حضور اس کی قسم کے خلاف ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا۔ یا کوئی شخص اپنے لئے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بد دعا کا کلمہ اپنی زبان سے نکال دیتا ہے وہ بھی لغو میں داخل ہے یا غصے میں غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروا نہ کرے اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کی تقسیم کر دو۔ دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کی کہی تو میرا تمام مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے کائنات میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَدُّ اٰمِدًا كَمَا يُمِيزُ الْوَسْمَانَ﴾ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسم کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشے والا ہے اور ان پر حلم و کرم کرنے والا ہے۔

لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ قَانَ فَأَوْ قَانَ اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۹۹﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

اہل اہل کی مدت اور اسکی تفصیل: ایسا کہتے ہیں قسم کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھالے تو دو صورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی۔ اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان میں عورت بھی صبر کرے اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں جیسے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی تھی اور اسی دن پورے الگ رہے اور فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضہ اور مطالبہ کرے کہ یا تو خاوند میل ملاپ کر لے یا طلاق دیدے اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایسا کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا خاص ہے بیویوں کے لئے لوٹنے کے لئے نہیں۔ یہی مذہب جمہور علماء کرام کے ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک تو آزاد ہیں اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائیگا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے میل میلپ کر لیں یا طلاق دیدیں۔ یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ کننا یہ ہے جماع کرنے سے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کوئی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہ ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے یہی اس کا کفارہ ہے۔ اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی بھی اوپر گذر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر جماع کیے بغیر چار مہینے گذر گئے تو طلاق واقع ہو جائیگی حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ ابن عمرؓ زید بن ثابتؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے۔ (لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی، بعض کہتے ہیں بائن ہوگی۔ جو لوگ طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنا پڑے گی۔ ہاں ابن عباسؓ اور ابوالشعشاءؓ فرماتے ہیں کہ اگر ان مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آگئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گذرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا یا تو وہ اپنی قسم سے توڑے یا پھر طلاق دیدے۔ موطا امام مالکؒ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسارؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اس سے زیادہ صحابہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ چار ماہ کے بعد ایلا کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا۔ پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ہمارا مذہب بھی یہی ہے۔ اور حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور دس سے اوپر اوپر دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دارقطنیؒ میں ہے حضرت ابوصالحؓ فرماتے ہیں میں نے بارہ صحابہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو سب نے یہی جواب دیا حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابوالدرداءؓ حضرت ام المؤمنین

ماتش صدیقہ حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت مجاہد حضرت طاؤس حضرت محمد بن کعب حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالک حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ اسحاق ابن راہویہ ابو عبیدہ ابو ثر داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم خود اس کی طرف سے طلاق دیدے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے۔ لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا مالک میں حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام کو لیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر عموماً راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے: افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں مرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسون بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت پلنگ کے پالنے حرکت میں ہوتے۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَٰكِنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٤

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپا میں اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں اچھائی کے ساتھ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غائب سے حکمت والا۔

طلاق کی عدت: ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغ ہوں حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں احمد اربعہ نے اس میں سے لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے وہ دو حیض عدت گزارے۔ کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت آدھے پر تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے وہ دو حیض گزارے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ لونڈی کے لئے طلاق بھی دو ہیں۔ اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر)۔ لیکن اس سے راوی مظاہر ضعیف ہیں۔ یہ حدیث ترمذی ابو داؤد اور ابن ماکہ میں بھی ہے۔ امام حافظ دارقطنی فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے۔ لیکن حضرت ابن عمر سے یہ روایت مرفوع مروی ہے۔ گوا سکی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں

کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم سے بھی مروی ہے بلکہ صحابہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کا شامل ہے اور اس سے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔ لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے، لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت زید بن سکن انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔

قروء کی تفصیل: قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ کا یہی فرمان ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن کی بیٹی حفصہ کو جب کہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرؓ نے جو صدیقہ کی دوسری بیٹی ہیں اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)۔ بلکہ موطا میں ابو بکر ابن عبدالرحمن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھ درسا، فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہی کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہو گئیں اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا)۔ امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی منقطعی امر یہی ہے۔ ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ سالم قاسم عروہ سلیمان بن یسار ابو بکر بن عبدالرحمن ابان بن عثمان عطاء بن ابورباح قتادہ زہری اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثور بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔ اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ ﴿فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ﴾ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا آیت میں بھی قروء سے مراد بھی حیض کے سوا یعنی پاکی کی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے وہ بتیس دن اور دو لفظ میں ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔ بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لفظ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ بان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یاد و طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ میں اپنے کپڑے اتار کر دو روزہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرا حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی) تو فرمائیے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے کہ رجوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابو درداءؓ حضرت عبادہ ابن صامتؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیبؓ عاتقہؓ اسودؓ ابراہیمؓ مجاہدؓ عطاءؓ طاؤسؓ سعید بن جبرؓ عکرمہؓ محمد بن سیرینؓ حسنؓ قتادہؓ شععیؓ ربیعؓ مقاتل بن حیانؓ سدیؓ مکحولؓ ضحاکؓ عطاء خراسانیؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمد سے زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے ابو ثور اور زاعی ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ حسن بن صالح ابو عبد اور اسحاق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جہش سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان سے آقا بتاتے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں لغتنا قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کے وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دنوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے واللہ اعلم۔ اصحیح بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو ابو عمرو بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر ابن عبد البر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں۔ ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)۔ پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں یعنی حمل ہو تو اور حیض آئے تو۔ پھر فرماتا ہے اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو۔ اس میں انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے انہی ہوشیار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے حیض نہ آیا ہو۔ اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آگیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا ہو اور اسے چھپانے لیں اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جب تک طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جاتی تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سو طلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں۔ طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جاتی تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماء اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا ضمیر کے لوٹانے سے پہلے کی عام لفظ کی خصوصیت ہو جاتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل نہیں تھی۔ طلاق کی ایک ہی صورت تھی واللہ اعلم۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق: پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہی ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجت الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے اللہ کی امانت سے انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرس پہ کسی ایسے کو نہ آنے دے جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اڑھاؤ۔ ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ اس کے منہ پر نہ مارو اسے گالیاں نہ دو اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو ہاں گھر میں ہی رکھو۔ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی اخلاقی حیثیت سے بھی مرتبہ کی حیثیت سے بھی محکمہ انی کی حیثیت سے بھی خراج اخراجات کی حیثیت سے بی وکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی۔ غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے جیسے اور جگہ ہے ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاَمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْمٍ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا
بِمَا اْتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا
وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ
بَعْدِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَتَرَاجَعَا اِنْ
ظَنَّا اَنْ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہ طلاق دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عہدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دیکھا ہو اس میں سے کچھ بھی لوہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکتے کا خوف ہو پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے 'اسمیں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ ہیں حدیں اللہ کی خبر داران سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔ پھر اگر اس کو طلاق دید تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اسکے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے پھر اگر وہ بھی طلاق دیدے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے۔

طلاق کا طریقہ اور مسائل: اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاق دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے۔ اس سے عورتوں کی جان شکنجے میں تھی کہ طلاق دی اور عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی 'اسی طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے 'پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں 'تیسری طلاق کے بعد لوٹانے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔

سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے 'پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا 'اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دیدوں گا اور جب عدت ختم ہونے کا وقت آئے گا تو رجوع کر لوں گا 'یو نہیں کرتا چلا جاؤں گا' وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی 'اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے 'اور تیسری طلاق کے بعد اسے خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا' اور فرمادیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹالو اگر وہ عدت کے اندر ہے 'اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جائے دو تاکہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے 'اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ طلاق دو' نہ اس کا کوئی حق مارو' نہ اس پر کوئی ظلم کرو' نہ اسے ضرر و نقصان پہنچاؤ۔

خلع کے مسائل: ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں، تیسری کا ذکر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: ﴿أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ میں! جب تیسری طلاق کا ارادہ کرو تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تاکہ وہ اپنا حق چھوڑ کے طلاق پر آمادگی ظاہر کرے، یہ مردوں پر حرام ہے، جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ لِتَذَهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تاکہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لوں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے جیسے فرمایا ﴿فَإِنْ طَسَّ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ لَفَسَا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا﴾ یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔ اور جب میاں بیوی میں نااتفاق بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور خاوند کھے حقوق پورے نہ کرتی ہو تو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کرے، تو خاوند کے دینے اور عورت کے لینے میں کوئی گناہ نہیں، یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلاوجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بلاوجہ طلاق طلب کرے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی نرسم ہے اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ امیر سلف خلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کسی صورت میں یہ جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھہریگا۔ بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں سر سے خلع منسوخ ہے کہ نہ قرآن میں ہے ﴿وَآتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مَنَّهُ شَيْئًا﴾ یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ لیکن یہ قول ضعیف اور مرہوم ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حبیب بنت اہل انصاریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے میں نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیب کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیب بنت اہل ہوں، فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضور! میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی یا وہ نہیں یا میں نہیں، آپ سکر خاموش ہو رہے۔ جب حضرت ثابت آئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں، حضرت حبیب نے کہا حضور! میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں، آپ نے حضرت ثابت کو فرمایا سب لے لو، چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیب آزاد ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور ﷺ نے جب انہیں یہ فرمایا اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلو، تب مجھے چنانچہ وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین داری میں عیب گری نہیں کرتی لیکن اسلام میں کفر گونا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت نے طلاق دیدی۔ بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ و غصب کی برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیب نے فرمایا تھا وہ صورت میں بھی کچھ اچھا نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ عبد اللہ بن ابی کی بہن تھیں اور یہ سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرت میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آرہے ہیں ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بد صورت تھے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو حبیب نے کہا تھا آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حبیب نے یہ بھی

کہا تھا کہ حضور! اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے ﴿فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کرو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے۔ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گو شوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ کے کر بھی خلع ہو سکتا ہے ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل محروم کر دیتے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کے موقع پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے ہاں کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا۔ مگر میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر اور سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کر سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ مجاہدؓ عکرمہؓ ابراہیم نخعیؓ قبیسہ بن ذویبؓ حسن بن صالحؓ اور عثمانؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالکؓ لیثؓ امام شافعیؓ اور ابو ثورؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ابن جریرؓ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اور اصحاب ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر سانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہو گا۔ اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضا جائز ہو گا۔ امام احمدؓ ابو عبید اور اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں۔ سعید بن مسیبؓ عطاءؓ عمرو بن شعبؓ زہویؓ طاؤسؓ حسنؓ شعیبؓ حماد بن ابوسلیمانؓ اور ربیع بن انسؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ معمر اور حاکم کہتے ہیں حضرت علیؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور زانی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ وہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبیؐ نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا ہے اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو الخ۔ ربیع کی قرأت میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود الہی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہو گے۔

خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیدی ہیں پھر اس عورت نے خلع کر لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ عکرمہؓ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں دیکھو اول آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ طاؤسؓ عکرمہؓ احمد بن حنبلؓ اسحاق بن راہویہؓ ابو ثورؓ داؤد طاہریؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؓ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکرؓ نے اپنے خاوند عبد اللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک حاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کچھ نام لیا ہو تو جو کچھ نام اس کا ہے۔ لیکن یہ اثر ضعیف ہے واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عمرؓ سعید بن مسیبؓ حسنؓ عطاء شریحؓ شعبیؓ ابراہیمؓ جابر بن زیدؓ مالکؓ ابو حنیفہؓ اور ان کے ساتھؓ ثوریؓ اوزاعیؓ اور ابو عثمان بنیؓ کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے امام شافعیؒ کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر وہ طلاقوں کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو وہی ہو جائے گی اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

خلع لینے والی عورت کی عدت کا بیان : مسئلہ امام ابو حنیفہؒ شافعیؒ احمدؒ اسحاق بن راہویہؒ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ اور سعید بن مسیبؓ سلیمان بن یسارؓ عروہؓ سالمؓ عمر بن عبدالعزیزؓ ابن شہابؓ حسنؓ شعبیؓ ابراہیمؓ نخعیؓ ابو عیاشؓ قلاس بن عمروؓ قتادہؓ سفیان ثوریؓ اوزاعیؓ لیث بن سعد اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خلع چونکہ طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے۔ حضرت عثمانؓ کا یہی فیصلہ ہے۔ ابن عمرؓ گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباسؓ عکرمہؓ امان ابن عثمانؓ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فتح کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابو داؤد اور ترمذیؒ کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذیؒ میں ہے کہ ربيع بنت معوذ کو بھی خلع کر بعد ایک ہی حیض گزارنے کا حضورؐ کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں ہاں اگر ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آجانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو۔ مریم مغالبہ کے بارے میں حضورؐ کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المومنین نے کی۔

کیا خلع والی عورت سے رجوع ہو سکتا ہے ؟ مسئلہ :- جمہور علماء کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لئے کہ عورت نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔ عبد اللہ ابن ابی اونیؓ ماہان حنفیؓ سعید اور زہریؓ کا قول ہے کہ اگر وہ واپس لیا ہوا واپس کر دے تو رجوع کا حق حاصل ہے بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوریؓ فرماتے ہیں اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بے شک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے۔ داؤد ظاہریؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ ابن عبدالبرؒ ایک فرقہ کا یہ قول بھی روایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرز کوئی دوسرا اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں اس میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالک ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباسؓ ابن زبیرؓ عکرمہؓ جابر بن زیدؓ حسن بصریؓ شافعیؒ احمدؓ اسحاقؓ ابو ثورؓ کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دیدے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں اس کی تائید اس قول سے ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی ابو حنیفہؒ ان کے اصحابؓ ثوریؓ اوزاعیؓ سعید بن مسیبؓ شریحؓ طاؤسؓ ابراہیم زہریؓ حاکمؓ حکم اور حماد کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابو الدرداء سے بھی یہ

مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں الخ۔

صحیح حدیث میں ہے اللہ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو فرائض کو ضائع نہ کرو، محارم کی بے حرمتی نہ کرو، جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوئی ہے جو سنن نسائی میں ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کو کئی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں، آپؐ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جانے لگا، یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

طلاق بتہ اور نکاح حلالہ کا بیان : پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دیدے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو، ہمسرتی ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دیدے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً "لونڈی بنا کر گوطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ مجرد و عقد کے حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہو، لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق بتہ دیدیتا ہے، وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دیدیتا ہے تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو لیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ)۔ اس روایت کے راوی حضرت ابن عمرؓ سے خود امام سعید بن مسیبؒ ہیں۔ پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی ہو جاتے ہی پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن صحبت داری نہیں ہوتی جب بھی یہی حکم ہے۔ خود آپ کے زمانے میں ایسا واقعہ ہوا۔ آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری و مسلم)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دیدی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمن بن زبیرؓ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت ماب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کا نہیں مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فیصل : یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہشمند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے، یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس، بلکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً "عورت روزے سے نہ ہو احرام کی حالت میں نہ ہو اعتکاف کی حالت میں نہ ہو حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے یہ حالت اور پھر گوطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے مسلم خاوند کے لئے حال نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصریؒ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضورؐ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا

ہے کہ جب تک کہ وہ تیر اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط مستحب ہو لیکن حدیث کے لفظ **غَيْسَلَةَ** سے منی مراد نہیں یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ عیسلہ سے مراد جماع ہے۔ اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آچکی ہے۔ مسند احمد میں گودنے والی، گدوانے والی، بال ملانے والیا ملوانے والی عورتوں ملعون ہیں۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھینکا رہے، سود خوار اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے، عمر، عثمان اور ابن عمر کا یہی مذہب ہے، تابعین فقہا بھی یہی کہتے ہیں، علی ابن مسعود اور ابن عباس کا بھی یہی فرمان۔ اور روایت میں ہے کہ بیابج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر لعنت ہے، ہجرت کے بعد لوٹ کر اہل بنی بنی بننے والے پر بھی پھینکا رہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے۔ ایک حدیث میں ہے میں تمہیں بتاؤں کہ اوہار لیا ہو اسانڈ کو نسا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلال کرے یعنی طاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور نہی ہو۔ نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دیدی اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہوگا۔ آپ نے کہا ہرگز نہیں ہم تو اسے نبی کے زمانے میں زنا شمار کرتے تھے نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو۔ اس حدیث کے اس پچھلے جملے نے اسے گویا موقوف ہے حکم میں مرفوع کے گردیا بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے فرمایا اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کر دوں گا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی نے ایسے نکاح میں تفریق کردی اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے رضی اللہ عنہم۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دیدے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکرو فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دویا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسالیا اس سے ہم بستری بھی ہوئی پھر اس نے بھی طلاق دیدی اور اس کی عدت ختم ہو چکی پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار ہے گا یا پہلے کی تین طلاقیں کتنی سے ساقط ہو جائیں گی اور اس سے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا اور صحابہ کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہی کتنی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی واللہ اعلم۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ

بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَ

لَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوعًا وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ
الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساویا بھلائی کے ساتھ الگ کرو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تو اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

طلاق کے عورتوں کو اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن طلاقوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو پاتو عہدگی کے ساتھ لوٹالے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عہدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں سے بغیر اختلاف جھگڑے دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے میٹ دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دیدنی مدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی پھر رجوع کر لیا یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ رائد۔ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حاضر خدمت ہو کر سب دریافت کیا آپ نے فرمایا کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی میں نے رجوع کیا یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا کہ یہ وہ شخص سے جو بلا وجہ طلاق دے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اسکی عدت لمبی کرنے کیلئے رجوع ہی کرتا چلا جائے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے۔ پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی (ابن مردویہ)۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں لوگ طلاق دیتے اور آزاد کر دیتے نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو طلاق دے یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ کپے ارٹے سے ہوں یا دل لگی سے تینوں ہی ثابت ہو جائیں گی نکاح طلاق اور رجعت۔ ترمذیؒ نے حسن غریب کہتے ہیں اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے ہدایت اور دلہلیں نازل فرمائیں کتاب اور سنت سکھائی، حکم بھی کہنے منع بھی کہنے وغیرہ وغیرہ۔ جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ سے طوڑتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر داری کو بخوبی جانتا ہے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلِّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ
أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمَنْ أَرْزَى لَكُمْ وَأَطَهَّرَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت چوری کر میں تو انہیں ان کے خاندانوں سے نکاح کرنے سے نہ رو کو جب کہ وہ انہیں میں دستور کے مطابق رضامند ہوں یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو اس میں تمہاری بہترین ستم الی اور پاکیزگی ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم کو کس جانتے۔

اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کی ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح ہی کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن جریر اور ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی اور عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن جریر اور ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی نہ عورت اپنا نکاح کر سکتی ہے وہ عورتیں زنا کار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں۔ دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہِ اوقات کے اور وہ عادل گواہوں کے نہیں۔ گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں ﴿فَالْحَمْدُ لِلَّهِ﴾۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی امیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقلؓ فرماتے ہی میری بہن کا مانگا میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دیدی پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا اس پر یہ آیت اتری جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجودیکہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام جمیل بنت یسار تھا۔ ان کے خاوند کا نام ابو الہداح تھا۔ بعض نے ان کے نام فاطمہ بنت یسار بتایا ہے۔

سہی فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبد اللہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا یہ نصیحت وہ عطا ان کے لئے ہے جنہیں شریعت پر ایمان ہو اللہ کا ذکر ہو قیامت کا خوف ہو انہیں چاہئے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں شریعت کا اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاندانوں کے نکاح میں دیدینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں یہ علم حقیقت میں اللہ ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ
وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا
تُضَارُّ وَالِدَهُ بَوْلِدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بَوْلِدِهَا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ
فَإِنْ أَرَادَ إِفْصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ
أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ أَوْ اتَيْتُمُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو، جتنے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اسکی طاقت ہو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اسکی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم دستور کے مطابق جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ بھال رہا ہے۔

بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے: یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والی عورتوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ دودھ پلانے کی پوری مدت دو سال ہے۔ دو سال کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں اس کے بعد دودھ پینے والا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔

رضاعت کے احکام اور متعلقہ مسائل: ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہے۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اسکے بعد کی رضاعت معتبر نہیں اس حدیث کے راوی شرط صحیحین پر ہیں۔ حدیث میں ﴿فِي الثَّلَاثِ﴾ کا جو لفظ ہے اسکے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضورؐ نے اس وقت بھی فرمائے تھے جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلانے کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اسکے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد تیممی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ﴾ الخ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ یعنی حمل اور دودھ ”دونوں کی مدت“ تیس ماہ ہیں اور یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت سعید بن المسیبؓ حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام محمد امام مالکؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت بتاتے ہیں۔ زقر زاعی سے بھی یہ روایت ہے امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر کسی بچے کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔ امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالکؓ کا فرمان ہے ”واللہ اعلم۔“

ہاں صحیح بخاری صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں۔ عطاء اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ جس شخص کا آنا جانا کہیں ضروری جانتی وہاں حکم دیتیں کہ وہ

عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولیٰ تھے آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحب کا دودھ پی لیں حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اس کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اسکا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ یعنی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں مساتوں فقہیوں نقل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المؤمنین کا سوائے حضرت عائشہؓ کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ باقی رضاعت کا پورا پورا مسئلہ ﴿وَامْهَاتُكُمْ اِلٰئِيْ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ تو زیادتی ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دیدیا کریں جیسے فرمایا ﴿لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ﴾ یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دین اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کے دودھ پلانے کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلائی رہے۔ اس لئے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بے شک بچہ کو دیدے لیکن پھر بھی نقصان رسائی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے وہ غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حضرت سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچے کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ رضاعتی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی بھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت کے بغیر دوسرے کی رضاعتی ناکافی ہوگی۔ یہ بچے کی بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچوں کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا ﴿فَاِنْ اَرْضَعْنَكُمْ فَاتُوهُنَّ اِحْوٰرِهِنَّ﴾ اگر عورتوں نے بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلاو۔ چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کے بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کامل طور پر والدہ والدہ کے دیدے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلاو دیں تو گو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
وَعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ

بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهِ بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ﴿۷۱﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے تئیں چار مہینے اور اس (دن) عدت میں رکھیں جب مدت ختم کریں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا۔ عمل سے خبر دے گا۔

خاوند کی وفات کے بعد عدت کی مدت مسعود: اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کے انتقال کے بعد چار مہینے دس رات عدت گزاریں خواہ ان سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمائیے اس کی نسبت کیا فتوے ہے۔ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتوے دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اللہ رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروح بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے گو انتقال کے ایک ساعت بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے ﴿واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن﴾ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف بخاری و مسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سیدہ اسمیہؓ کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزرنے پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا جب نہاد ہو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسائل ابن بعلک نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سیدہؓ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں۔ اب اگر تم چاہو تو بے شک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مرہوی ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی اور شاگرد بھی اس حدیث کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ ابن سیرینؒ اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ سعید بن مسیبؒ ابوالعالیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو گا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ ابن مسعودؓ کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تور حم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خوبستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لو تھزار ہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاط اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی

حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی 'واللہ اعلم۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح ان ہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراس بن گنی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا لوگو! سنت نبویؐ کو ہم پر غلط ملط نہ کرو! اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہے۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمدؒ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ سعید بن مسیبؒ مجاہد سعید ابن جبیر، حسن ابن سیرین، ابو عیاض زہری اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک مروان جو امیر المومنین تھے یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبلؒ بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں۔ لیکن طاہر اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتاتے ہیں۔ یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابو حنیفہؒ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حبی فرماتے ہیں تین حیض عدت گزار دے۔ حضرت علی ابن مسعودؓ، عطاء اور ابراہیم نخعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ کی مشہور روایت میں یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے، ابن عمرؓ، شعبی، مکحول، لیث، ابو سعید، ابو ثورؒ اور جمہور کا مذہب یہی ہے۔ لیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سردار فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا ختم ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں 'واللہ اعلم۔ (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے 'واللہ اعلم)۔ زان بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاندن پر چار مہینے دس دن سوگوار رہے۔ ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا کہ میری بیٹی کامیاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں کیا میں اس کے سر پر اگا دوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا آپؐ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کبھی کسی عورت کا خاندن مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بھسی رہتی تھی سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹ کی مینٹنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھ یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو لڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتی۔ یہ تھی زمانہ جاہلیت کی رسوم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کے ناخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں نظر ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں راند عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاندنوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ بالغ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں کیونکہ آیت میں عام حکم ہے ہاں ثوریؒ اور ابو حنیفہؒ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو ان پر یہ حکم معلوم ہوا کہ یہ حکم تعدی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ حکم سننا بالغ عورت کے لیے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کے تصفیہ کا یہ موقع نہیں ﴿ واللہ الموفق بالصواب ﴾ پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں

اپنا بناؤ چناؤ کریں یا نکاح کریں یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدیی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي
 أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا
 قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
 يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃ کنایۃ ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور ان سے ذکر کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور علم والا ہے۔

پیغام نکاح کا طریقہ: مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں۔ مثالیوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں میں ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں جیسے کہ نبیؐ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے فرمایا تھا (جبکہ اس کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دیدی تھی) کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتومؓ کے ہاں گزارو۔ جب حضرت فاطمہؓ نے عدت ختم ہونے کے بعد حضورؐ کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جکامانگا تھا نکاح کرادیا۔ ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃ یا کنایۃ بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش۔ اور جگہ ہے تیرا رب انکے سینوں کی پوشیدگیوں کو اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اور جگہ ہے میں تمہارے چھپے کھلے کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹادی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور سے عدت میں کرنے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے۔ پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آسکتے ہیں اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دینا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی۔ اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد وہ نکاح کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی انکی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ

عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی گرا دی جائے گی اور جب اسکو پہلے خاوند کی عدت کُندر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کی طرح نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی گرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اسکے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام مالک سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمرؓ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو، اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو۔ برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے تحکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ رب عالم خطاؤں کو بخشے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ
فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرَهُ وَعَلَى الْمُقْتَدِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ
حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو آسانی والا اپنے انداز سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔

حق مہر کے مسائل: عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد مس سے نکاح ہے۔ دخول سے پہلے طلاق دے دینا جبکہ مہر کا بھی تقرر نہیں ہو اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے۔ اس لئے حکم ہوا کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔ شععی فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ گرتا دوپٹہ لٹاف اور چادر دے دے۔ شریح فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے۔ ابن سیرین فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے وغیرہ دے۔ حسن ابن علی نے دس ہزار دینے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلے میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے۔

امام شافعی کا فرمان ہے کہ کسی خاص چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جاسکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے۔ گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے

مردی ہے۔ اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہیے۔ یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہو ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ الخ۔ پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے ﴿فَتَعَالَيْنِ اِمْتَعْنِ﴾ یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں الخ۔ پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آ بھی چکی تھیں۔ سعید ابن جبیر ابو العالیہ حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے، واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ﴾ یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورتوں سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گذاریں تم انہیں کچھ مال و اسباب دے دو اور اچھے کردار سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورۃ احزاب کی یہ آیت سورۃ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

سہل بن سعید اور ابواسید فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیمہ بنت شریل سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برامانا۔ آپ نے ابواسید سے فرمایا اسے دو تلمین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جب کہ عورت کی رخصتی نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہو اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متاع کا عوض ہو گا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متاع ہے جس سے ملاپ ہو انہ مہر مقرر ہو اور طلاق مل گئی۔ ابن عمر اور مجاہد کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہو ہو۔ یہی مطلب سورۃ احزاب کی اس آیت تخریر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق الخ۔ حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے آپس میں

فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

حق مہر کی مزید تفصیل: آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا۔ وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا تھا۔ کیوں کہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جب کہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں کی صورتیں یکے بعد دیگرے بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ خلوت ہو گئی۔ یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے ہوں۔ گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی روایت سے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر ہے الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے۔ اور پورا مہر دے دے۔ لیکن یہ قول شاذ ہے کیونکہ کوئی اور قول اسکی تائید نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گروہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔ حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے امام شافعیؒ کا جدید قول بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباسؓ علقمہ حسن عطاء طاؤس زہری زبیدہ بن اسلم ابراہیم نخعی مکرمہ اور محمد بن سیرین (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) سے بھی یہی مروی ہے ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار سے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو دوسرے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہو۔

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے گو وہ عورت سمجھدار ہو۔ حضرت شریحؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن جب شععیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مبالغہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے۔ تمہارا معاف کرنا ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد مرد عورتوں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے۔ آپس کی فضیلت یعنی احسان گونہ بھولو اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا۔ اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس میں کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگدستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرمادیا ہے۔ اگرچہ تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھلائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے کا بھلائی ہے۔ نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے۔ حضرت عمون بیان کرتے ہوئے اتنا روئے کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہے اور فرمایا کہ میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں نے بڑی راحت پائی۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اس پر تمہارا کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ ۗ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَيْكُمْ مَّالٌ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۗ

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے بالادب کھڑے رہا کرو۔ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار سہی ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے۔

نمازوں کی حفاظت اور صلوٰۃ وسطیٰ کی مکمل تفصیل: اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے اوقات کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو۔ اور اول وقت ادا کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سوال کرتے ہیں کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ ﷺ اور بھی جواب دیتے۔ (بخاری و مسلم) حضرت ام فروہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں پھر صلوٰۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے۔ سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز صبح پڑھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرہ کی مسجد کا ہے۔ اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی۔ ابو العالیہؓ فرماتے ہیں بصرہ میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ فرمایا یہی صبح کی نماز ہے اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے۔ اور سب نے یہی جواب دیا۔ جابر بن عبداللہؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی اور بعد بھی چار رکعت والی نمازیں ہیں اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں۔ لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشا اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قنوت پڑھی جاتی ہے۔ اور دو نمازیں اس سے پہلے دن

کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرأت پڑھی جاتی ہے۔ یعنی ظہر عصر۔ بعض کہتے ہیں۔ یہ نماز ظہر کی نماز ہے۔ ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں یہی مسئلہ چھڑا لوگوں نے ایک آدمی صحیح کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت میں پڑھا کرتے تھے۔ (طیالسی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ پر اور کوئی نہ تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو ہیں۔

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا وہ عصر ہے پھر وہ اور شخصوں نے پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ظہر ہے۔ پھر ان دونوں نے حضرت اسامہؓ سے پوچھا آپ نے فرمایا ظہر ہے۔ آپ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے کوئی نیند میں ہوتا کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔ لیکن اس کے راوی زبیر قان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ لیکن حضرت زیدؓ سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے۔ اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو سعیدؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اکثر علماء صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بلکہ جمہور لوگوں کا بھی حافظ ابو محمد عبد المؤمن دمیاطی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام ﴿کشف الغطا فی تبیین الصلوٰۃ الوسطی﴾ ہے۔ اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطی عصر کی نماز ہے۔ حضرات عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ ابو ایوبؓ عبد اللہ بن عمروؓ سمرہ بن جندبؓ ابو ہریرہؓ ابو سعیدؓ حفصہ ام سلمہ ابن عمر ابن عباس اور عائشہ (رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا فرمان بھی یہی ہے۔ اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ امام احمد کا امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ امام ابو یوسفؒ محمدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اس قول کی دلیل سنئے رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے دلوں کو اور گھروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے صلوٰۃ وسطی یعنی نماز عصر سے روک دیا۔ (مسند احمد)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح کی یا عصر کی نماز لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا۔ اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتب میں مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہؓ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے۔ اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آکر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبد العزیز بن مروانؓ کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ۔ تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سنئے مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے میری چھٹکلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا یہ کوئی ظہر کی نماز پھر انگوٹھ پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ کوئی عشاء کی نماز پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی ہے۔ میں نے کہا بیچ کی۔ فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی ہے۔ ہاں عصر فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطی ہے۔ (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ غرض صلوٰۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی حدیثوں میں وارد ہے۔ جن میں سے کوئی سن ہے کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف اور ترمذی مسلم وغیرہ میں یہ موجود ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور ﷺ کی تاکید اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھر انا تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ ایک حدیث میں ہے ابراہم کے دن نماز اول وقت پڑھو۔ سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیس تھا ادا کی۔ پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے تسبیح کر دیا۔ سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت ﴿حافظوا علی الصلوٰۃ﴾ تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے ﴿والصلوٰۃ الوسطی﴾ کے بعد ﴿وصلوٰ العصر﴾ لکھوایا۔ اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا (مسند احمد) ایک روایت میں ﴿وہی صلوٰۃ العصر﴾ کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور ﷺ کی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمر ابن رافع کو جو آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی تھی (موطأ امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتب میں مروی ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں۔ حضرت نافع فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی ابن عباس اور عبید بن عمیر کی قرأت بھی یونہی ہے۔

ان روایات کو مد نظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے اور عطف معطوف میں مغایرت ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ ﴿صلوٰۃ الوسطی﴾ اور ہے اور ﴿صلوٰۃ العصر﴾ اور لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علیؓ والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحتہ "موجود ہے۔ رہی "واؤ" سو ممکن ہے کہ زائد ہو عطف نہ ہو۔ جیسے ﴿وکذلك نفضل الايت ولتستبين سبيل المجرمين اور وكذلك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنين﴾ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ ذات کے لئے نہ ہو جیسے ﴿ولكن رسول الله وحاتم السبين﴾ میں اور جیسے ﴿سبح اسم ربك الاعلى الذى خلق فسوى والذى قدر فهدى والذى اخرج المرعى﴾ میں اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ سیویہ جو نحو یوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ﴿مردت باخيلك وصاحبك﴾ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرأت کے ان قرآنی الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرأت قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تو اتر ثابت نہ ہو اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے قرآن میں اس قرأت کو نہیں لیا۔ اور نہ ساتوں قرآن کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں بلکہ یہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرأت پائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت اتری ﴿حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی﴾ تو ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور ﷺ کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے۔ پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی ﴿حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی﴾ ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شقیؓ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا ہوں کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی۔ پس اس بنا پر یہ قرأت حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ مغایرت کے لئے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔

بعض اور حضرات کا قول بھی یہی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت

والی اور اس کی تین رکعت ہیں۔ پس یہ درمیانہ نمازِ شنبہ اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ اس طرح مبہم ہے۔ جس طرح ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے۔ اور بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے۔ بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے کوئی کہتا ہے نمازِ عید مراد ہے کوئی کہتا ہے صلوٰۃِ شنبہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے۔ اس لئے کہ دلیلین مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری ہے جس طرح حضرت سعید ابن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس بارے میں اس طرح مختلف تھے۔ پھر انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے۔ اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ و سہمی ہونا ثابت ہے پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ و سہمی سے مراد نمازِ عصر ہے۔ امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی رحمہم اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعیؒ میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ﴿كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخِلَافِ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى وَلَا تَقْلُدُونِي﴾ یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے خیر دار میری تقلید نہ کرنا۔ امام شافعیؒ کے اس فرمان کو امام ربیعؒ امام زعفرانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابوالولید بن جارودؒ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ وَقُلْتُ قَوْلًا فَانَا رَاجِعٌ عَنِ قَوْلِي وَقَائِلٌ بِذَلِكَ﴾ یعنی میری جو بات حدیث کے خلاف ہو میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو۔

یہ امام صاحبؒ کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے آئمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ رحمہم اللہ و رضی عنہم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا صلوٰۃ و سہمی کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہیے کہ وہ نمازِ عصر ہے گو امام صاحبؒ کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے۔ مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے بھی اور بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے۔ ﴿فَالْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ بعض فقہاء شافعیؒ تو کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے۔ لیکن یہ سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں۔ علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے ﴿فَالْحَمْدُ لِلَّهِ﴾

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ کے سلام کا جواب حضور ﷺ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فرغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت معاویہ بن حکم سے جب کہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا کہ نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہیے یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے۔ (مسلم) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے آپ ﷺ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے۔ جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور ﷺ کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔ اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھیے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا۔ اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو پس یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔

اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید ابن ارقمؓ کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ طلال ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو۔ لیکن پہلا واقعہ زیادہ ظاہر ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ والی روایت جو مسند یعلیٰ میں ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ کے جواب نہ دینے سے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ أَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ بِكَ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔ چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ جس میں تمام ادب آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی یعنی میدان جنگ میں جب کہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار پیدل قبیلے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو۔

ابن عمرؓ اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع حدیث ہے۔ مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے میں نماز پڑھ لیا کرو گو سواری پر سوار ہو کر۔ عبداللہ بن انیسؓ کو جب حضور ﷺ نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی الخ (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

صلوۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضرت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم) امام احمدؓ فرماتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب بہت زیادہ خوف ہو۔ جابر بن عبداللہؓ اور بہت سے دوسرے بزرگ صلوۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقع پر اور دشمن کی مدد بھیڑ کے موقع پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعیؓ فرماتے ہیں اگر فتح قریب آگئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں۔ یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔

مکحولؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں تشر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ اس کے بعد حضرت امام المحدثینؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت ﷺ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ سے ورے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جب کہ نماز عصر کا وقت آگیا تو بعضوں نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور ﷺ کا یہ تھا کہ ہم

بہت جلد جائیں تاکہ عصر کی نماز کا وقت وہاں پہنچ کر مواور بعض لوگوں نے نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اور قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی پتھ نہیں کہا پس اس سے حضرت امام بخاریؒ یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابو سعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔

لیکن امام بخاریؒ امام مکحولؒ اور امام اوزاعیؒ رحمہم اللہ اجماع کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا واللہ اعلم۔ پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں حکم کی بجا آوری کا پورا خیال رکھو جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہیے کہ اس کے شکر یہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت ۱۰۱ و اذا کنت فیہم کی تفسیر میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مِّمَّا تَرَكَوا إِلَى الْوَالِدِ
غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۱۰۱ وَاللَّطْفُ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۱۰۲ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝۱۰۳

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو۔

بیوہ عورتوں کے متعلقہ مسائل: اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت (یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت) سے منسوخ ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود رہے گی ہم کوئی بیر پھیر نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان و نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر میراث کی آیت نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی مال وراثت کا مقرر کیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۃ احزاب کی آیت ۱۰۱ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے ہیں۔ اس

آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزارے تو اون گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے مکان کا خرچہ خاوند کے ذمہ نہیں۔

پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر کی مدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی امر عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں۔ ﴿ وَصِيَّةٌ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے۔ ﴿ يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ ﴾ اس کا نصب ﴿ فَلْتَوْصُوا لَهُنَّ ﴾ کو محذوف مان کر ہے پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزارنا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔ امام ابن تیمیہؒ بھی اس قول کو اختیار کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی قول کو اختیار کرتے ہیں جبکہ باقی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل مولانا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی بمشیرہ فریجہ بنت مالکؓ رسول اللہؐ کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں دوسرے نے لئے میرے خاوند گئے قدم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے سیکے چلی آؤں اور یہیں عدت پوری کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اجازت ہے میں لوئی اچھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور ﷺ نے مجھے بلوایا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا میں نے پھر قصہ بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزار جائے۔ چنانچہ میں نے وہیں عدت گزارا پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کے فیصلہ سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذیؒ حسن صحیح کہتے ہیں۔ مطلقہ عورت کو متاع دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزار چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہو اور طلاق دے دی جائے۔ لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصور مذہب ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی حلال و حرام اور فرائض و حدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا اجمال اور ابہام باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت تذبذب میں نہ پڑ جاوے بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حٰذِرًا لِّلْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُوْا قَدْ
 تَمَّ اٰحْيَاؤُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَقَاتِلُوْا
 فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
 فَيُضْعِفُهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۸﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا
 سر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ
 تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم
 سب اسی کی طرف لوٹنا سہل ہے۔

زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے: دبا والی جگہ میں نہ جاؤ اور وہاں سے نہ نکلو ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ
 لوگ چار ہزار تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے۔ بعض نو ہزار کہتے ہیں بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں بعض تیس ہزار سے
 کچھ اوپر بتاتے ہیں یہ لوگ ذاروان بازروروان نامی بستی کے تھے۔ جو واسطہ کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں اسی بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ
 لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کے بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے اتفاق سے ایک نبی کا
 وہاں سے گزر ہوا۔ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں ایک چھیل صاف ہو اور کھلے پر فضا میدان میں
 ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا چونا ہوا گیا اس جگہ بستی بس گئی تب
 حزقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم
 دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گیا کہ ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پٹھے بھی جوڑ لو۔ چنانچہ اللہ کے اس نبی کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز لگائی کہ اے روحو
 اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر ہر روح اپنے قدیم جسم میں آجائے۔ چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک
 ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا ﴿سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ﴾ اے اللہ! تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ
 دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ
 زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا
 کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں۔ یہ لوگ دبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً
 ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطابؓ شام کی طرف چلے اور سرخ میں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ
 وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں کہ نہ جائیں۔ بالا آخر
 حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم کسی جگہ وہاں
 کی خبر سن لو تو وہاں اس حالت میں جاؤ بھی مت۔ حضرت فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے۔
 (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو انگی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔

پھر فرمایا جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا۔ اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق
 دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں رزق نہ بڑھے نہ گھٹے موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے رک
 کر بیٹھ گئے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ جہادی شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے ان سے کہو کہ ذرا اپنی
 جانوں سے بھی تو موت کو ہٹا دو اگر تم سچے ہو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں اے اللہ ہم پر لڑائی کیوں لکھدی کیوں نہ ہمیں ایک وقت
 تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے بیچ ہیں۔

اس موقع پر اسلامی لشکروں کے بیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا اللہ کی تلوار اور اسلام کے پشت پناہ ابو سلیمان خالد بن

ولید کا وہ فرمان نقل کرنا بالکل مناسب وقت ہو گا جو آپ نے انتقال کے وقت فرمایا تھا۔ کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے نامرد وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ کی راہ میں زخمی ہو چکا ہے سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیرا تلوار نیزہ پر چھپا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر پر فوت رہا ہوں میدان جنگ میں نہ رہا۔

پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے۔ حدیث نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاریؓ نے کہا تھا یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا اپنا ہاتھ دیجئے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور میں نے اپنا باغ جس میں چھ سو کجھور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔ (ابن ابی حاتم) قرض حسن سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور بال بچوں پر خرچ کرنا بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دو گنا چار گنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿مثل الذين بنفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة من الخيل يعني الله في سبيل الله﴾ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سات دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے الخ۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو عثمان نہدی پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو۔ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں۔ مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا آپ حج کو گئے۔ پھر پیچھے سے میں بھی گیا۔ بصرہ پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم تم سب سے زیادہ میں ابو ہریرہؓ کا صحبت یافتہ ہوں۔ میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھ لوں چنانچہ میں وہاں سے صرف اس ایک حدیث کی خاطر یکہ چل کھڑا ہوا وہاں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کسی روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا واہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو ﴿وما متاع الحیوة الدنیا فی الاخرة الا قلیل﴾ یعنی ساری دنیا کا اسباب آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے ﴿لا اله الا الله وحده لا شریک له الملك وله الحمد وهو على كل شیء قدير﴾ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ الخ ابن ابی حاتم میں ہے۔ ﴿مثل الدين﴾ الخ کی آیت جب اتری تو حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کو اور زیادتی عطا فرما پس ﴿من ذالذی﴾ کی آیت اتری آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو ﴿انما یوفی الصابرون اجرهم بغير حساب﴾ کی آیت۔

حضرت کعب احبار سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورہ ﴿قل هو الله﴾ کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لئے موتی اور یا قوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں کیا میں اسے سچ مان لوں؟ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے بلکہ بیس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے بلکہ میں بیس لاکھ اور بھی اور تیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور

فرمایا جب اللہ تعالیٰ ﴿۱۰﴾ اضعافاً کثیرہ ﴿۱۱﴾ فرماتا ہے تو پھر اسے مخلوق کنتی کی طاقت کیسے رکھے گی؟ پھر فرمایا رزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کرو وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور جسے نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے تم سب قیامت کے دن اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

الْمُتَرِّإِ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالَ الْوَالِدِيُّ لَّهُمْ ائْبَعَثْ لَنَا مَلِكًا
نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا
وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَابْنَانَا قُلْنَا
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوْلُوا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

کیا تو نے حضرت موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے۔ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو۔ انہوں نے کہا بھلا ہم راہ الہی میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم نے اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

احسان فراموش قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور احسان: جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہؓ نے یوشع بن نون بن افراتیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے دور کا ہے جیسا کہ صراحۃً منقول ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔

سدی کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن بابالی بن علقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابوباشف بن قارون بن یصبر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے نبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب مار کھائی اجڑے اور لئے۔ پہلے تو توراہ کی موجودگی اور تابوت کیلئے کی موجودگی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں سے چھین گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے سے ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مر کھ گئے ان میں صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے۔ اب بنی اسرائیل کی نظریں صرف اس عورت پر تھیں انکی خواہش تھی کہ اللہ سے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے خود ان بیوی صاحبہ کی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شموکیل یا شمعون رکھا۔ اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی۔ نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی۔ جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں۔ بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا

لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم جہاد سے جی نہ چراؤ۔ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہیں ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرما کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو پس یہ سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَتَىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

انہیں ان کے نبی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

حیلے اور بہانے ساز قوم؛ مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہ بنا دینے کی خواہش انہوں نے اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم الہی حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے بلکہ ایک لشکری تھے۔ شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی۔ اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں مطلق شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے پانی پلانے والے تھے کسی نے کہا یہ دباغ رنگائی کرنے والے تھے۔ پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبی کے سامنے ان سے یہ ہوئی۔ پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں دوبارہ غور کر سکو یہ تو حکم الہی ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے پھر ظاہر ابھی وہ تم میں بڑے عالم اور قوی طاقتور تشکیل و جمیل شجاع و بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ تشکیل قوی طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہیے پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے جسے چاہے ملک دے وہ حکمت و الارافت و رحمت والا ہے اس سے کس کی مجال کہ سوال کرے جو چاہے کر دے سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستثنیٰ ہے وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے وہ علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیدہ ترک ہے۔ فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔

تابوت سیکھ اور اسکی تفصیل: نبی (تمویل یا سمعون) علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طاوت کی بادشاہت کی پہلی برکت کی علامت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سیکھ تمہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار و عزت دل جمعی اور جلالت رافت و رحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سیکھ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملتا تھا اور جس میں آپ نے تورات کی تختیاں رکھی تھیں۔ کسی نے کہا اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی ہوا بھی تھی وہ سرتھے۔ دوپرتھے اور دم بھی تھی۔ وہ بکتے ہیں مردہ ملی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بوتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی میں فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراہ کی تختیاں اور من اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طاوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طاوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سیکھ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح کو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے۔ تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے اٹھا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں جا کر رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انہیں کہا اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو لا کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں توڑا کر بھاگ گئیں۔ اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے بعض تو کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم۔ (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدودہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طاوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

بِمِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا

مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ

وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلْقُوا بِاللَّهِ لَكُمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً

كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٥٦﴾

جب حضرت طالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرے لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا (حضرت) طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا ایسا وقت چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں اللہ تعالیٰ صبر والوں کیساتھ ہے۔

حضرت طالوت کے لشکر کا امتحان: اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدی کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طالوت نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشرایبہ تھا۔ طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پئے اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا مگر ایک چلو بھر بقول حضرت ابن عباس کے ایک چلو پیٹنے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں شامل رہے لیکن خوب پیٹ بھر کر پیٹنے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے۔ سدی فرماتے ہیں۔ اسی ہزار میں سے چھ ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا۔ یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سر فروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی و عطا کیے فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں صبر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نپچا دکھایا ہے تم صبر کرو و طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سردار نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَقَدْ بَرْنَا وَبِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا آفِرْغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمَلِكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ
الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے عطا کر دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤد کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مملکت و حکمت اور

جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے نفع و کرم کرنے والا ہے یہ ہیں اللہ کی آیتیں ہم حقانیت کے ساتھ تھہ پر پڑھتے ہیں بالیقین تو رسولوں میں سے ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کی موت: یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفارے نڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعا میں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ اور لڑائی کے وقت ہمارے قدم جمادے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر چنانچہ ان کی یہ ماجرانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ منہی بھر جماعت اس نڈی دل لشکر کا تہس نہس کر دیتی ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار سر تاج جالوت مارا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طاووت علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے دوں گا۔ اور اپنا مال بھی آدھوں آدھ تمہیں دے دوں گا۔ اور حکومت میں بھی برابر کا شریک کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طاووت علیہ السلام نے اپنا وعدہ پورا کیا بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے۔ اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل علیہ السلام کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے۔ اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ نے چاہے اپنے نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طاووت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر بدلی تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَلَوْلَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بَعْضًا لَهَدَمَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہوتا تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے تو زدی جاتیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ماجہ) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کے اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے اور تمہیں روزی دی جائے گی۔ ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تمیں ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کو قتادہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسنؓ بھی انہیں ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے۔ وہی سچا حاکم ہے اور اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی سے تمہیں معلوم ہوئیں تم میرے سچے رسول ہو میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے زور دار پر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ تفسیر ابن کثیر (اردو) کا دوسرا پارہ مکمل ہوا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ
بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ
اِخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ
يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۶۷﴾

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کئے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس واپس آجانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

انبیاء کے درجات اور حضرت محمد کی فضیلت: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور (حضرت) داؤد کو ہم نے زبور دی یہاں بھی اسی کا بیان کر کے فرماتا ہے۔ ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ اور حضرت آدم صحیح ابن حبان میں حدیث ہے جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کس نبی کو آپ ﷺ نے کس آسمان میں پایا جو دلیل ہے ان کے مرتبوں کے کم و بیش ہونے کی۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہو گئی تو یہودی نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث! کیا ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبوی ﷺ میں آکر اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ اللہ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آگئے؟ یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچائے گئے پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو۔ پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم ہوا ہو لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور خلاف کے وقت ایک گواہ پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے اس لئے آپ ﷺ نے منع فرمادیا جو تھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے اپنے خیال اور اپنے ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت و تکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے فضیلت دے تم مان لو تمہارا کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو واضح دلیلیں اور ایسی جہتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا

کہ آپ ﷺ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیل سے ہم نے ان کی تائید کی پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضاء و قدر کا نمونہ ہیں ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۰﴾

ایمان والو جو تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے اور نہ دوستی نہ شفاعت کافر ہی ظالم ہیں۔

شفاعت کے مشرکانہ تصور کا رد: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تاکہ اللہ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے اور فرماتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں خیرات و صدقات کر لو قیامت کے دن نہ تو خرید و فرخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے نہ کسی کا نسب اور دوستی محبت کچھ کام آسکتی ہے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ یعنی جب صور پھونکا جائیگا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہوگا اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور کچے ظالم وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں عطاء ابن دینار کہتے ہیں شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۱۱﴾

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکے نہ اکتائے وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

آیت الکرسی کی فضیلت: یہ آیت الکرسی ہے جو بڑی عظمت والی آیت ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے۔ آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں بار بار کے سوالات پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی۔ حضور

ﷺ فرماتے ہیں ابوالمزنازل اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی۔ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجور کی ایک بوری تھی میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا میں نے اسے سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا میں نے کہا تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے۔ اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہے؟ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت والا میں ہی ہوں میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے ہم نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کونسی چیز ہے؟ اس نے کہا آیت الکرسی صبح کو جب میں سرکار محمدی میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی (ابو یعلیٰ) مہاجرین کے پاس آپ ﷺ گئے تو ایک شخص نے کہا حضور ﷺ قرآن کی آیت کو کسی بہت بڑی ہے؟ آپ ﷺ نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی) آپ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ میں سے ایک سے پوچھا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا حضرت! میرے پاس مال نہیں اس لئے نکاح نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ﴾ یاد نہیں؟ اس نے کہا وہ تو یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا۔ کیا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ یاد نہیں؟ کہا ہاں وہ بھی یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا پھر پوچھا کیا ﴿إِذَا زُلْزِلَتْ﴾ بھی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا کیا ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ﴾ بھی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی یہ کیا آیت الکرسی یاد ہے؟ کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا (مسند احمد) حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے میں آکر بیٹھ گیا آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی میں نے کہا کہ نہیں فرمایا اٹھو نماز ادا کر لو میں نے نماز پڑھی پھر آکر بیٹھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ابو ذر! شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ میں نے کہا حضور! کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں فرمایا ہاں میں نے کہا حضور! نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا وہ سر اسر خیر ہے جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ میں نے کہا حضور! روزہ؟ فرمایا کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادتی ہے میں نے کہا صدقہ فرمایا بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ فرمایا کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں فرمایا حضرت آدمؑ میں نے کہا وہ نبی تھے؟ فرمایا نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے میں نے پوچھا سولوں کی تعداد کیا ہے؟ فرمایا سوا اور کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت۔ ایک روایت تین سو پندرہ کا لفظ ہے۔ میں نے پوچھا حضور ﷺ آپ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کونسی اتری ہے؟ فرمایا آیت الکرسی ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ (مسند احمد) حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا بسم اللہ! جبھی رسول اللہ جب وہ آیا میں نے یہی کہا اور پکڑ لیا اس نے کہا میں اب نہیں آؤں گا پھر اسے چھوڑ دیا میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا آپ ﷺ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا۔ میں نے اسے اسی طرح وہ تین بار پکڑا اور اقرار لے لے کر چھوڑ دیا میں نے حضور ﷺ سے ذکر کیا اور آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا آخر مرتبہ میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا اس نے کہا چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس بھی نہ آسکے۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ کہ وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے آکر حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا وہ وہ جتنا ہے (مسند احمد) صحیح بخاری میں کتاب

فضائل القرآن اور کتاب الوکالتہ اور صفۃ البلیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوٰۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا۔ تیسری مرتبہ اس نے بتلایا کہ اگر تو رات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر محافظ مقرر ہو گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آسکے گا (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کھجوریں تھیں اور منھی بھر وہ لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازہ کھولے کہنا: سبحان من سخرک محمد ﷺ شیطان نے عذریہ بتلایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کیلئے میں یہ لے جا رہا تھا (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ کا ہوا۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کا حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا اور حضرت ابو ہریرہؓ کا۔

آیت الکرسی کی برکات: حضرت عبداللہ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کی اور جن کی ملاقات ہوئی جن نے کہا مجھ سے کشتی کرے گا اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایک آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آسکے۔ کشتی زبونی اور اس آدمی نے اس جن کو گرا دیا اس شخص نے کہا تو نجیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں۔ کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تو ہی ایسا ہے؟ کہا میں تو ان سب میں قوی ہوں پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس نے گرا دیا تو جن نے کہا وہ آیت الکرسی ہے جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ شخص حضرت عمرؓ تھے (کتاب الغریب) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ وہ آیت الکرسی ہے (مستدرک حاکم) ترمذی میں ہے کہ یہ چیز کا کوہان اور بلندی ہے اور قرآن حکیم کی بلندی سورۃ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ حضرت عمرؓ کے سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کونسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ آیت الکرسی ہے (ابن مردویہ)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت ﴿الم اللہ لا الہ الا هو الحي القيوم﴾ (مسند احمد)۔ اور حدیث میں ہے کہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرمائے ان تین سورتوں میں ہے۔ سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران اور سورۃ طہ (ابن مردویہ)۔ بشام بن عماد خطیب دمشق فرماتے ہیں سورۃ بقرہ کی آیت الکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طہ کی آیت ﴿وعنت الوجوه للحی القيوم﴾ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے (ابن مردویہ)۔ اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب ﴿عمل الیوم واللیلہ﴾ میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے۔ اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابو الفریح ابن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے۔ ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقیوں کا عمل دوں گا اس پر ہمیشگی صرف نبیوں سے ہوتی ہے یا صدیقیوں سے یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لئے آزمایا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ حدیث بہت منکر ہے ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۃ ﴿حم المؤمن کو الیہ المصیر﴾ تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لئے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں دوسرے اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار مد نظر ہے ہم نے انہیں وارد نہیں کیا اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے ہیں پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ مخلوق کا

وہی ایک اللہ ہے دوسرے جملہ میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ قیوم کی دوسری قرأت قیام بھی ہے پس تمام موجودات اس کی محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَمَنْ آيْتَهُ انْ تَقُومِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِأَمْرِهِ﴾ یعنی اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان و زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر دل کے لحاظ سے وہ واقف مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے بھی باہر نہیں یہی پوری قیومیت ہے اونگھ اور غفلت سے نیند اور بے خبری سے اس کی ذات پاک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چار باتیں بتلائیں فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے وہ ترازو کا حافظ ہے جس کے لئے چاہے جھکا دے جس کے لئے چاہے نہ جھکائے دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ مسند عبد الرزاق میں حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ (حضرت) موسیٰ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں۔ انہوں نے یہی کیا تین راتوں تک سونے نہ دیا اس کے بعد دو بتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں۔ آپ نے انہیں تھام لیا لیکن اجاگا تھا نیند کا غلبہ ہو اونگھ آنے لگی آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک؟ آخر ایک مرتبہ ایسا جھوٹا آیا کہ دو بتلیں ٹوٹ گئیں۔ گویا اس سے بتلایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سونے تو زمین و آسمان کی حفاظت کس طرح ہو سکے لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو لگتی بھی نہیں اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ جاگتا ہی رہتا ہے یا سوتا بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے ہوا بن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان پیغمبر ہونا ثابت نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی بات ہے۔ ابن عباس سے یوں مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو دو بتلیں پکڑوائی گئیں اور بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے اور حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا ﴿إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ یعنی زمین و آسمان کی کل چیزیں رحمن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں ان سب کو اللہ نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور گھیر رکھا ہے ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہوگی کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے جیسے ارشاد ہے ﴿وَ كُمْ مِّنْ مَّلِكٍ فِي السَّمَوَاتِ﴾

شفاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی: یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشا اور مرضی سے ہو اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ﴾ کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے۔ حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں بی چھوڑے گا جب تک چاہے گا پھر کہا جائے گا کہ اپنا سراٹھاؤ، کہو سنا جائے گا شفاعت کرو منظور کی جائے گی آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا وہ اللہ تعالیٰ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے جیسے اور جگہ

فرشتوں کا قول ہے کہ ﴿ مَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ﴾ الخ ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

کرسی کے بارے میں مفسرین کا موقف: کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم منقول ہے۔ دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر بغیر تاویل اور کیفیت جانے ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں خود ابن عباسؓ سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں۔ حضرت ابو مالکؓ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کرسی کے جوف میں ہے اور کرسی عرش کے سامنے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بسیط کر دیا جائے تاہم کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں۔ اور حدیث میں ہے کہ کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں۔ ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضور ﷺ نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے۔ ایک عورت نے آکر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کرسی نے آسمان وزمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے وہ کرسی عظمت پروردگار سے چرچراتی ہے۔ گویہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے کسی میں ارسال ہے کوئی موقوف ہے کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے کسی میں حذف ہے۔ اور ان سب سے زیادہ غریب حضرت جبیرؓ والی حدیث ہے جو ابو داؤد میں مروی ہے اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لئے رکھا جانا مروی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں واللہ اعلم۔ مسلمانوں میں ہیبت داں متکلمین کہتے ہیں کہ کرسی آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں جس پر نواں آسمان اور ہے جسے فلک ایثر کہتے ہیں اور اطلس بھی لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے حسن بصریؓ فرماتے ہیں کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار و احادیث میں وارد ہوا ہے علامہ ابن جریر تو اس بارے میں حضرت عمرؓ والی روایت پر اعتماد کئے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے واللہ اعلم۔

آسمانوں وزمین کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے: پھر فرمایا کہ اللہ پر ان کی حفاظت بوجھل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار تمام چیزوں پر نگہبان کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر متواضع ذلیل پست محتاج اور فقیر۔ وہ غنی و حمید وہ جو کچھ چاہے کر گزرنے والا کوئی اس پر حاکم نہیں باز پرس کرنے والا نہیں ہر چیز پر وہ غالب ہر چیز کا حافظ اور مالک وہ ملو بلندی اور رفعت والا وہ عظمت بڑائی اور کبریائی والا اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا اور پالنے پوسنے والا ہے وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے اسی لئے فرمایا ﴿ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴾ بلندی اور عظمت والا وہی ہے یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات و صفات باری میں وارد ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کئے اور بغیر تشبیہ و بیہنہ الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تھا۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمَرْ

مَنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۷﴾

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں سیدھی راہ نیز سیدھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی ہو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سنتے والا جاننے والا ہے۔

اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر نہ کرنا: یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو۔ اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت؟ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا جس کا سینہ کھلا ہو اول روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والد و شہید ہو جائیگا ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرک عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانجی تھیں اگر ہمارے ہاں اولاد ہوتی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے یہودیوں کے سپرد کر دیں گے اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور دین اللہ کے انصار بنے تو ادھر یہودیوں سے جنگ ہوئی اور آخر ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرور رسل نے یہ حکم جاری فرمایا کہ ان بنی نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا جائے اس وقت انصار یوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حبشینی نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنا لوں ویسے تو وہ عیسائیت سے ملتے نہیں اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لئے کشمش لیکر آیا تھا جن کے ہاتھوں یہ دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے ان کے باپ نے حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنا لوں ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لئے اپنے آدمی بھیجے پڑیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت عمرؓ کا غلام اسبق نصرانی تھا آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو نسخ و تبدیلیں توراة و انجیل سے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے ہیں جب کہ وہ جزئیہ پر رضامند ہو جائیں۔ بعض اور کہتے ہیں کہ آیت قتل نے اسے منسوخ کر دیا تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے اگر کوئی انکار کرے اور مسلمانوں کی ماتحتی بھی اختیار نہ کرے نہ جزئیہ دینا قبول کرے تو بیشک مسلمان اس سے جہاد کریں گے جیسے اور جگہ ہے ﴿مَنْذَعُونَ اِلٰى قَوْمٍ مِّنْ قَرِيبٍ تَمْهِنُ اس قَوْمِ كِى طَرَفٍ بَلَايَا جَاءَتْ لَازِكَا بَءِ يٰۤا تَمَّ اس سَ لَٓوَا كَ يٰۤا دَهِ اس لَامِ يَمِ كَ اور جگہ ہے اے نبی اکافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور جگہ ہے ایماندارو اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو تم میں وہ سختی پائیں اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف تھیسے جاتے ہیں یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان ہو جا اس نے کہا حضرت! میرا دل نہیں مانتا آپ ﷺ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو۔ یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرت ﷺ تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ ﷺ نے اسے مجبور کیا مطلب یہ ہے کہ تو

کلمہ تو پڑھ لے پھر ایک دن وہ بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا لہرادہ ہو جائے حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو۔ جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کی توفیق کا اقرار ہی اور عامل بن جائے وہ سیدھی اور صحیح راہ پر ہے۔

طاغوت کا مفہوم: حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جنت سے مراد جہاد ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ دلیل ہی اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں ایک ولی آدمی انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تمل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈور پوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے انسان کا سچا نسب غلق حسن ہے گو وہ فارسی ہو یا ہنسی حضرت عمرؓ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی بت کی پوجا کرنی ان کی طرف حاجتیں لے جانی ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنی وغیرہ۔

عمر وہ و شقی سے کیا مراد ہے: پھر فرمایا اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب بولے لیا چونکہ ٹولے نہ پھٹے خوب مضبوط مستحکم قوی اور کڑا ہوا عمر وہ و شقی سے مراد ایمان اسلام توحید باری قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے یہ کڑا کبھی نہ ٹولے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک اور جگہ ہے **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا أَمَانَتَهُمْ** اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن عبادہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا جو ایک شخص آیا جس کا چہرہ خدا ترس تھا وہ ہلکی رکعتیں نماز کی اس نے ادا کیں لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں۔ جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا۔ کہا سبحان اللہ کسی کو وہ نہ کہنا چاہیے جس کا علم اسے نہ ہو ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سر سبز گلشن میں ہوں اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھا اور میں با سانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا بس اس حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا میں نے حضور ﷺ سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا گلشن باغ۔ اسلام ہے اور ستون ستون دین ہے اور کڑا عمر وہ و شقی ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبوی میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ تعالیٰ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے۔ خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک شخص آیا مجھے لے چلا ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں ہم پہنچے میں نے وہاں بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر پڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھا لیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا مجھے اس نے اس ستون پر چڑھا دیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا جب یہ خواب حضور انور ﷺ کو میں نے سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے میدان میدان محشر ہے بائیں طرف کاراستہ جہنم کاراستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں دائیں جانب کاراستہ جنتیوں کاراستہ ہے پھسلنا پہاڑ شہد کی منزل سے کڑا اسلام کا کڑا ہے مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو اس کے بعد حضرت عبداللہ نے فرمایا امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے گا۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاهُمُ
الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا

خَلِدُونَ ۝

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ ہمیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

مومنوں کا ولی اللہ کافروں کے ولی شیاطین ہیں: اللہ تعالیٰ خیر دیتا ہے کہ اس کی رضا مندی کے طلبگار گو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور شک و شبہ کے کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی میں لاکھڑا کرتا ہے کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت و ضلالت کو کفر و شرک و مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے روکتے ہیں اور یوں نور حق سے ہٹا کر ناحق کی اندھیروں میں جھونک دیتے ہیں یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔

حق ایک ہے باطل کی کئی قسمیں ہیں: لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لئے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں۔ کفر کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا﴾ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اس کی تابعداری کرو اور راستوں پر نہ چلو ورنہ راہ سے بھٹک جاؤ گے یہ وصیت تمہارے بچاؤ کے لئے کر دی اور جگہ ہے ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور باطل میں تفرق و انتشار ہے۔ حضرت ایوب بن خالد فرماتے ہیں کہ اہل ہویا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن صاف اور نورانی ہو گا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیروں والا ہو گا پھر آپ نے اسی آیت کی تلمیح فرمائی۔

الَّذِي كَفَرَ إِلَى الَّذِي حَآجَرَ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّي
الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ
مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا؟ جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا تھا جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے وہ کہنے لگا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آئے تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرت ابراہیم اور غرور کے درمیان مناظرہ: اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن کوس بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت

باہل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں دنیا کی مشرق و مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر۔ حضرت سلیمان بن داؤد اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر۔ فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی! تم نے اپنے دل سے اُسے نہیں دیکھا جو (حضرت) ابراہیم سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا جیسے کہ اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا اللہ نہیں جانتا چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا اس لئے دماغ میں رعوت اور انانیت آگئی تھی سرکشی اور تکبر نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چار سو (۴۰۰) سال تک حکومت کرتا رہا تھا حضرت ابراہیم سے جب اس وجود باری پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا پھر ہونا پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے موجود اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے۔ نمرود نے جو ابا کہا کہ یہ تو میں کرتا ہوں یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسری کو رہا کر دیا۔ دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور پوچ ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔

حضرت ابراہیم نے صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت و حیات پر اسے قدرت۔ لیکن جہلا کو بھڑکانے کے لئے اور اپنی علیت جتانے کیلئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے فراری کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تیرا تصرف پورا ہونا چاہئے۔ میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا ہے کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے۔ اس کا کوئی ظاہری ثبوت پھوٹا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا اقرار ہی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی راہ یافتہ نہ ہو سکا ایسے بد وضع لوگوں کو اللہ تعالیٰ کوئی دلیل نہیں بھاتا اور وہ حق کے مقابلہ میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں ان پر اللہ کا غضب و غصہ اور اسکی ناراضگی ہوتی ہے اور ان کے لئے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔ بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی۔ لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری کا مقدمہ تھا اور ان دونوں سے نمرود کے دعوے کا بطلان بالکل واضح ہو گیا۔ اصل دلیل پیدائش و موت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس تا سمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت و حیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں پھر کیا وجہ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نہ کرے اور اس کے کہے سے بجائے مشرق کے مغرب سے نہ نکلے؟ پس حضرت ابراہیمؑ نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا فالحمد للہ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ: زید بن اسلم کا قول ہے کہ قحط سالی تھی لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے حضرت خلیل اللہ بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بد بخت نے آپ کو غلہ نہ دیا آپ خالی ہاتھ واپس آئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھری کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ انھیں بوریوں کو کھولا تو عمدہ اناج سے دونوں پر تھیں کھانا پکا کر تیار کیا آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے پوچھا اناج کہاں سے آیا؟ کہا دو

بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔
 نمرود پر عذاب الہی: اس نابخوار بادشاہ کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک فرشتہ بھیجا اس نے آکر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آڈنا دھر اللہ تعالیٰ نے چھروں کا دروازہ کھول دیا بڑے بڑے چھتر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا یہ ربانی فوج نمرودیوں پر گرمی اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھاپی گئی اور سارے کے سارے وہیں ہلاک ہو گئے ہڈیوں کا ڈھانچ باقی رہ گیا انہی چھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا داغ چائتا رہا۔ ایسے سخت عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجہ بہتر تھی اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا یونہی ریگ ریگ کر بد نصیب نے ہلاکت پائی۔ ﴿اعاذنا اللہ﴾

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ
 بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا
 أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ
 يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ
 نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا الْحَبَابَ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ

یاماند اس شخص کے جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے بعد اسے اٹھایا پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہو اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ! ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھاؤ کھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قدرت کی عظیم نشانی سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونا: اوپر جو واقعہ حضرت ابراہیم کے مباحثہ کا گزارا اس پر اس کا عطف ہے یہ گزرنے والے یا تو حضرت عزیز تھے جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن حلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضر کا ہے یا حزقیل ابن یورا تھے یا بنی اسرائیل میں کا ایک شخص تھا یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے بخت نصر نے جب اسے اجازت یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا مکانات گرا دیئے اور آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہ و بالا ہو گئی ہے نہ مکان ہیں نہ مکین تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے پھر یہ کیسے آباد ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا۔ بھاگے ہوئے بنی اسرائیل بھی پھر آ

بچنے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی ہی رونق اور چہل پہل ہو گئی اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تاکہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ پوچھا آیا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جنے میں تو شام کا وقت تھا خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے۔ اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ جتنا جو تمہارے ساتھ تھا باوجود سو سال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے نہ میزان خراب ہوا ہے یہ توشہ انگور انبیر اور شیر اٹھانہ تو یہ شیر ابڑا اٹھانہ اٹھیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے۔ اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑیں ہیں۔ انہیں دیکھو تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لئے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ ہی انہیں پر یقین کامل ہو جائے چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں انہیں اور ایک کے ساتھ جڑیں مسترد گدھا میں ہے کہ نبی ﷺ کی قرات ﴿نُنشِرْهَا﴾ زے کے ساتھ ہی ہے اور اسے نشرھا رے کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے۔ مجاہد کی قرات یہی ہے۔ سدی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیلی پڑی تھیں اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہو گئیں پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا اڈھانچہ قائم ہو گیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت رگیں چٹھے کھال پہنا دی پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نتھنے میں پھونک ماری بس اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہو گیا اور آواز نکالنے لگا۔ ان تمام باتوں کو حضرت عزیر دیکھتے رہے اور قدرت کی یہ ساری کارگری انکی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی۔ جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ تو میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے زیادہ علم و یقین والا ہوں۔ بعض لوگوں ﴿اعلم﴾ کو ﴿اعلم﴾ بھی پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ ۖ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا یا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرندوں کو لو ان کے کھڑے کر دو اور چار پہاڑوں کا ایک ایک ٹکڑا لے لو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور کلمڑے شدہ چار پرندوں کا زندہ ہونا: حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی جہت ہی وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپ نے چاہا کہ علم یقین سے بین یقین حاصل ہو جائے جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں صحیح بخاری میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شہد کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیمؑ کے زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے کہا ﴿رب ارضی﴾ تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفقت میں شہد تھا اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (شاید یہ ہو گا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود

۱۰۱

خالق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ (مترجم) اب رب العالمین خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لے لو۔ مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیم نے لے لئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کہتا ہے وہ اور مور مرغ اور کبوتر تھے۔ کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور یسمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے۔ کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ مور اور کوا تھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اپنے پاس رکھ لیا جب مائل ہو گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔ پس آپ نے چار پرندے لے لئے ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چار پہاڑوں پر یا سات پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے۔ پھر بحکم اللہ انہیں بلائے گئے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرند اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا۔ آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا خود اس کا سر دیتے تو وہ جڑ جاتا۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افزہ نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ جس کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم سے جناب باری تعالیٰ کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا؟ اور حضرت خلیل کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں یہ آیت مجھے تو اور تمام آیات سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ و سوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمر و بن عباسؓ کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کونسی ہے؟ عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں۔ ﴿لَا تَقْتُلُوا﴾ والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ میرے گنہگار بندو امیری رحمت سے نا امید نہ ہونا میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کے لئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم کا یہ قول پھر رب العزت کا یہ سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق و ابن ابی حاتم وغیرہ)۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ

فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضِعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۷﴾

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔

صدقات کا اجر و ثواب: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنے مال کو خرچ کرے اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات (۷) سات (۷) سو گنا کر کے دی جاتی ہیں تو فرمایا کہ جو لوگ راہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جہاد میں گھوڑوں کو پالنے میں ہتھیار خریدنے میں حج کرنے کرانے وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھپ جائے اور دل میں گھر کر جائے۔ ایک دم یوں فرما دیتا کہ ایک کے بدلے سات سو ملیں گے اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ

اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں۔ جس طرح تمہارے بونے ہونے سے کھیت میں بڑھتے بڑھتے رہتے ہیں مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد بن حنبلہ محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیٹی ہوتی چیز اللہ کی راہ میں دیتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے روزہ ذی حال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے جس شخص پر کوئی جسمانی بلا مصیبت دکھ درد بیماری آئے وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو عبیدہ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جب کہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لئے گئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ سر ہاتے بیٹھی تھیں ان سے پوچھا کہ رات کیسے گزری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری یہ رات سختی کی نہیں گزری اس لئے کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک۔

مگر روزہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں آپ اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ روزے دار کو دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری قیامت کے دن روزے دار کے منہ کی بواللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے آخر میں ہے کہ روزہ ذی حال ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ نماز روزہ ذکر اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنے بڑھ جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی ﴿ وَاللّٰهُ يَصَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ یہ حدیث غریب ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث ﴿ مَنْ ذَا الَّذِي يَنْقُضُ اللّٰهَ ﴾ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے۔ ابن مردودہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اللہ علیہ صلوات اللہ نے دعا کی کہ اب اللہ! میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو ﴿ مَنْ ذَا الَّذِي يَنْقُضُ اللّٰهَ ﴾ والی آیت اتری آپ ﷺ نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت ﴿ اِنَّمَا يُوفِي الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ اتری پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل و کرم والا ہے وہ جانتا بھی ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں۔ ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُونَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَلَا اَذِيًّا
لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ
وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا اَذِيٌّ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
اٰمَنُوا لَا تَبْطُلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذِيِّ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَ
لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهُ
وَابِلٌ فَتَرَكَ صَدًّا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْكَافِرِينَ ﴿۱۶۰﴾

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ ادا ہوں گے۔ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد انیدرسانی ہو اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔

اس صدقہ کی فضیلت جس میں ریا اور احسان جتنا نہ ہو: اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے نہ تو اپنی زبان سے نہ اپنے کسی فعل سے اور نہ اس شخص کو کوئی برائی پہنچاتے ہیں ان سے پھر جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر و ثواب اللہ رب العزت کے ذمہ ہے ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف و خطرہ نہ ہو گا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم و رنج ہو گا اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔

کلمہ خیر کی فضیلت: پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکلنا کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا اور درگزر کرنا خطاوار کو معاف کر دینا اس صدقہ سے بہت بہتر ہے جس کی تہہ میں ایذا دہی ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں۔ کیا تم نے فرمان باری تعالیٰ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ﴾ نہیں سنا؟ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ حلیم اور بردبار ہے گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم و کرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ایک تو دے کر احسان جتانے والا دوسرا انہوں سے نیچے پا جامہ اور تہہ لٹکانے والا تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہو گا نساہی میں ہے کہ تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں ماں باپ کا نافرمان شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا۔

نساہی کی حدیث میں ہے کہ یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات و خیرات کو منت و احسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف دہی کے صدقہ کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لئے دیا جائے اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مد نظر ہو لوگوں میں تعریف و ستائش کی چاہت ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو نہ اس کے ثوابوں پر نظر ہو اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہوئی ہو پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی دھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گولوگ سمجھتے ہوں کہ اس صدقہ کی نیکی کے پاس ہے جس طرح بظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب

بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کا فرگروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِيبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۹﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا مندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر برے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برے تو شبنم ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

خالص بوجہ اللہ صدقے کا ثواب؛ یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان داری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے۔ ربوہ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہوں اس لفظ کو ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ اور ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ وابل کے معنی سخت بارش کے ہیں۔ وہ دگنا پھل لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے۔ یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہوتا ہم صرف شبنم سے ہی پھیلتا پھولتا ہے یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے۔ اسی طرح ایمان داروں کے اعمال کبھی بے اجر نہیں رہتے وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایمان دار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

أَيُّدٌ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ مَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضِعْفًا فَأَصَابَا
بِأَعْصَارٍ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۰﴾

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ میں تند آمد ہی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

حسن عاقبت خاتم بالخیر؛ صحیح بخاری میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک دن صحابہؓ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں اس کا صاف جواب دو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امیر المؤمنین! میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو۔ فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔ پوچھا کونسا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھود دیتا ہے۔ پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں

بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداً اچھے عمل کئے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خالی ہاتھ رہ گیا جس طرح ایک شخص ہے جس نے ایک باغ لگایا پھل اتارنا رہا لیکن جب کہ بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے کہ اتفاقاً آندھی چلی اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہر ابھر ابھر اتا باغ دم بھر میں لاکھ لاکھ کا خاک ہو گیا۔

اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں کر لیں لیکن پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا۔ کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڑھے کو اور جو گیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڑھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی۔ ﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِيَّ وَانْقِصَاءِ عُمْرِي﴾ اے اللہ! اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرمادیں تم بھی غور و فکر کرو و تفکر کرو سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو جیسے فرمایا ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرمایا انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۳۹﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۰﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا

أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۴۱﴾

ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو یا اگر آنکھیں بند کر لو تو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔ شیطان تم کو فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔ وہ جسے چاہے حکمت اور انانی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

صدقہ میں پاکیزہ اور طیب چیز دو۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ نے تم کو دیا ہے سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تم کو زمین سے نکال کر دیئے ہیں اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوڑی و اہیات سڑی گئی گری پڑی بے کار فضول اور خراب چیز راہ اللہ نہ دو۔ اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول

نہیں کرتا۔ تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تم کو دی جاتی تو نہ قبول کرتے پھر اللہ کیسے لے لے گا ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ کر حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں۔ دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی ہاں دین صرف دوستوں ہی کو عطا فرماتا ہے جسے دین مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں لوگوں کے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا ایذا سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم و ستم ہے جو شخص حرام طریقہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ تعالیٰ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقے خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے۔ خباثت سے خباثت نہیں مٹتی۔ پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں دوسرے حرام مال آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لا کر دوستوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے۔ کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم کو ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لو گے ہاں اگر شرم و لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں کاہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا (ابن جریر) ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور وہی پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ بے کار چیز صدقے میں نہ دو۔ مسند میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا کسی مسکین کو دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو تم کو پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتے اسے اور کو کیا دو گے؟ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تم کو وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے۔ مگر اس وقت جب تم کو اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو خیر تم چٹم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر۔ تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ کے بھی۔

بوقت صدقہ شیطان کا وسوسہ ڈالنا: پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا۔ کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے۔ نہیں نہیں وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو، یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غرباء، بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا ﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ﴾ اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لیتا ہے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقویٰ کی آزمائش کرتا ہے وہ کشادہ فضل والا ہے اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔ صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے فضل اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو وہ اس کا بدلہ اس سے بہت پڑھ چڑھ کر تم کو عطا فرمائے گا وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں وہ حمید ہے تمام اقوال افعال تقدیر شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں اس کے سوا کوئی

عبادت کے قابل نہیں وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر جس کے دل میں یہ خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ پیدا ہو وہ انعوذ پڑھے پھر حضور ﷺ نے آیت الشیطن تلاوت فرمائی (ترمذی)۔

یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود سے موقوف بھی مروی ہے مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان رہتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس طرح فقیر ہو جائیں گے اس نیک کام سے روک کر پھر یہ حیاتیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے۔ گناہوں پر انا فرمائوں پر حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر آسماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث میں تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور جو تم کو فقیر بنی سے ڈراتا ہے میں اس کے مقابلہ میں تم کو اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہو گا اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے۔

حکمت کا مفہوم: حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ منسوخ محکم قشایہ مقدم موخر حلال حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے۔ پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہ کو پہنچ جائے اور زبان سے اس کا صحیح مطلب ادا ہو سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو اللہ تعالیٰ کا ڈر اس کے دل میں ہو۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث بھی ہے کہ حکمت کا سر اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں ہر امر دنیوی کو نظر انداز کر کے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں پس یہ ہے وہ حکمت جو اللہ نے اسے دی اور اسے اس سے محروم رکھا۔ سدی کہتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے وہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں کو شامل ہے اور نبوت بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیاء کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محرومی نہیں۔ سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گی مگر وہ صاحب وحی نہیں لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے منقول ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو کا اپنا قول ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اسی کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے سمجھ رکھتا ہو بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظر رکھے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝۱۷۰ إِنَّ بُدُ وَالصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخَفُّوْهَا وَتَوْتُوْهَا الْفُقَرَاءُ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۱۷۱

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا بھی کفارہ کر دے گا اللہ تعالیٰ

تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔

تمہاری نذر اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک خرچ اور نذر کو اور ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں گناہ کے کام کرتے ہیں اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور المناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد کو اٹھے۔

چھپا کر صدقہ کرنا افضل ہے مگر دوسروں کو ترغیب دلانے کے لئے: پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لئے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی فائدہ ہو مثلاً اس لئے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے۔

پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا عادل بادشاہ وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے وہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک وہ شخص جو خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے رو دے وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے مگر وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ تعالیٰ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو پہلے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا بلنا موقوف ہو گیا۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت بھی کوئی ہے؟ فرمایا ہاں لو ہا پھر اس سے سخت آگ اور اس سے سخت پانی اور اس سے سخت ہوا دریافت کیا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔ آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے باوجود مال کی قلت کے پھر بھی رام اللہ میں خرچ کیا جائے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ پوشیدگی کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بچھا دیتا ہے۔ حضرت شعبیؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں اترتی ہے حضرت عمر تو اپنا آدھوں آدھ مال حضور ﷺ کے پاس لائے اور حضرت صدیقؓ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروقؓ نے جواب دیا اتنا ہی صدیقؓ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور جیکے سے سب کا سب حضور ﷺ کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول ﷺ کا وعدہ کافی ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیقؓ آپ کو آگے بنی آگے پاتے ہیں آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرض ہو خواہ نفل زکوٰۃ ہو یا خیرات اس کی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نفل صدقہ تو پوشیدہ دینا ستر گنا فضیلت رکھتا ہے

لیکن فرض زکوٰۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنا فضیلت رکھتا ہے۔

پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جب کہ وہ چھپا کر دیا جائے تم کو بہت سی بھلائی ملے گی درجات بڑھیں گے گناہوں کا کفارہ ہوگا یُکْفَرُ کو یُکْفَرُ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہوگا جو فعما ہی ہے جسے ﴿فَاصْذِقْ وَارْتَقِبْ﴾ میں واکن اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی بدی سخاوت بخشی پوشیدگی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا
نَفْسِكُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ
لَا تظْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي
الْأَرْضِ يُحَسِّبُهُمُ الْجَاهِلُ أَعْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ
النَّاسَ الْخَافَاءَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ
أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۹﴾

انہیں ہدایت پر لاکھڑا کرنا میرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے تم جو بھلی چیز راہ اللہ دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے تم کو صرف اللہ کی رضا مندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہیے تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا صدقات کے مستحق صرف وہ غریب ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے انہیں پہچان لے گا وہ لوگوں سے چٹ کر سوال نہیں کرتے تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غم۔

غیر مسلم رشتہ داروں سے صلہ رحمی: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان سچا ہے اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے پھر حضور ﷺ سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی فرماتے ہیں کہ حضور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر سائل کو دو گو وہ کسی مذہب کا ہو (ابن ابی حاتم) حضرت اسماءؓ والی روایت آیت ﴿لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ﴾ کی تفسیر میں آئی انشاء اللہ۔ یہاں فرمایا تم جو نیکی کرو گے اپنے لئے ہی کرو گے جیسے اور جگہ ہے ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ﴾ اور اس جیسی اور آیات بھی بہت ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایماندا کا ہر خرچ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پیئے۔ عطا خراسانی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کیلئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو۔ یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے مستحق کے یا غیر مستحق کے اسے اپنے قصد اور

اپنی نیکی نیتی کا ثواب مل گیا جب کہ اس نے دیکھ بھال کر لی پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا اسی لئے آیت کے آخر میں بدل ملنے کی بشارت دی گئی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر اپنے جی میں کہا کہ آج رات پھر صدقہ دوں گا لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا۔ صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج رات ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا دے آیا دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اے اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دیئے جانے پر بھی ثواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو مہرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔

سفید پوش ضرورت مند صدقہ کا زیادہ مستحق ہے: پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر ہجرتیں کر کے وطن چھوڑ کر کعبہ قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضا مندی کیلئے پیغمبر کی خدمت میں آگئے ہیں جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں کافی ہو اور نہ وہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں۔ ﴿ضرب فی الارض﴾ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے ﴿وَ اِنْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ اور ﴿یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ میں۔ ان کے حال سے جو لوگ ناواقف ہیں وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسکین وہی نہیں جو در بدر جاتے ہیں کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں کہیں سے دو ایک لقمہ مل گئے کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخنی نہیں رہتی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ﴾ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا ﴿وَلَتَعْرِفْنَهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ ان کے لب و لہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ سنو قرآن کا فرمان ہے۔ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ﴾ بالیقین اس میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں یہ لوگ کسی پر بو نھل نہیں ہیں کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خود داری برتیں اور سوال سے بچیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے ﴿لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ الْحَافَا﴾ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ تم بھی جا کر رسول ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب گیا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچالے گا جو شخص بے پرواہی برتے گا اللہ تعالیٰ اسے فی الواقع بے نیاز کر دے گا جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا وہ چمنے والا سواری ہے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کئے بغیر ہی واپس چلا آیا اور روایت میں ہے

کہ یہ واقعہ حضرت ابو سعیدؓ کا ہے اس میں ہے کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آپ کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے ان کی اونٹنی کا نام یا قوتہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے چالیس درہم کے تقریباً نوے روپے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پرواہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم ہوگا اس کا منہ نچا ہوا ہوگا۔ لوگوں نے کہا حضرت اکتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابو ذرؓ ضرورت مند ہیں تو تین سو اشرفیاں انہیں بھجوائیں آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا جو میرے پاس یہ بھیجیں میں نے تو نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے تو وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابو ذرؓ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں چالیس کبریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں ایک روایت میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے پھر فرمایا تمہارے صدقات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جب کہ تم پورے محتاج ہو گے اللہ تعالیٰ اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا اس پر کوئی چیز مخفی نہیں

دن رات خفیہ اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو بوقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے۔ ہال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جب کہ آپ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عیادت کو گئے تو یہ فرمایا ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع والے سال فرمایا تو جو کچھ اللہ کی خوشی کیلئے خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے اس کے بدلے بھی مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے ہال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو وہ اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ اللہ رات کو دیا ایک دن کو ایک پوشیدہ ایک ظاہر تو یہ آیت اتری یہ روایت ضعیف ہے دوسری سند سے بھی مروی ہے اطاعت اللہ میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس لیں گے۔ نڈر اور بے غم یہ لوگ ہیں۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰۰﴾

سو خورد لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوپار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیوپار حلال کیا اور سود حرام جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی صحیح ت سن گے رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گنہگار اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے اور جس نے پھر بھی کیا وہ جہنمی ہے ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔

سود خوروں کا عبرت ناک انجام : چونکہ پہلے ان لوگوں کا بیان ہوا جو نیک کار صدقہ خیرات کرنے والے زکاتیں دینے والے حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو دنیا تو ایک طرف اور چھین لینے والے ظلم کرنے والے ناحق اپنے پراپوں کا مال ہضم کر جانے والے ہیں تو فرمایا کہ یہ سود خوار لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو دیوانوں اور پانگوں خبیثوں اور بے ہوشوں کی طرح اٹھیں گے مجنون اور دیوانے ہوں گے کھڑے ہی نہ ہو سکتے ہوں گے۔ ﴿مِنَ الْمَسِّ﴾ کے بعد ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کا لفظ بھی ایک قرأت میں ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ لے اب اختیار تمام لے اور اپنے رب سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔

شب معراج میں حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ مثل بڑے بڑے گھڑوں کے تھے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتلایا گیا سود خوار بیاج لینے والے ہیں اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا کہ اس میں کچھ لوگ ہیں وہ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں لیکن کنارے پر ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر منہ میں اتار دیتا ہے وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ سود خواروں کا گروہ ہے یہ وہاں ان پر اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے کہ تجارت بھی مثل سود خواروں کے ہے یہ اعتراض ان کا شریعت پر اور احکام الہی پر تھا اور اس سے وہ سود کو مثل بیع کے حلال جانتے تھے یہ یاد رہے کہ یہ سود کا قیاس بیع پر نہیں اس لئے کہ مشرکین تو سر سے سے بیع کی مشروعیت کے بھی قائل نہ تھے اور اس لئے بھی کہ اگر یہ قیاس ہوتا تو یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام بتلایا جائے پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حالت و حرمت اللہ کے حکم کی بناء پر ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو تو اس میں لطافت کے ساتھ ایک جواب بھی ہو گیا کہ باوجود اس بات کے علم کے کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے دوسرے کو حلال بتلایا ہے پھر اعتراض کیسا؟ علیم و حکیم اللہ کے احکام پر تعاقب کرنے والے تم کون؟ اس سے باز پرس کرنے کی کس کی ہستی ہے تمام کاموں کی اصلیت کا عالم تو وہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بندوں کو حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان رساں چیزیں حرام کرتا ہے۔ کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے وہ رکتا ہے تو مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو مصلحت سے اپنے رب کی شجاعت سن کر جو باز آجائے اس کے اگلے کئے کرانے تمام گناہ معاف ہیں جیسے فرمایا ﴿عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفُ﴾ اور جیسے حضور ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا جاہلیت کے تمام سود میرے ان دونوں قدموں تلے برباد ہیں سب سے پہلا سود جسے میں میثنتا ہوں وہ عباس کا سود ہے پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے ان کے لوٹانے کا حکم نہیں ہو ایک روایت میں ہے کہ امیر جو حضرت زید بن ارقم کی ام ولد تھیں حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زید کے ہاتھوں آٹھ سو کا بیچا کہ جب ان کے پاس عطا آئے وہ رقم ادا کر دیں اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت ہوئی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے میں نے پھر سو کا خرید لیا۔ حضرت صدیقہ نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بہت برا کیا بالکل خلاف شریعت کیا بجز یہ ہے کہ وہ دے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہو! جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا ہے میں نے کہا مرد و عورت جو مجھے اس سے لینے ہیں چھوڑ دوں اور سرف چھ سو وصول کر لوں تاکہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں پھر آپ نے ﴿فَمَنْ حَاءَ فَاَوْعَطْهُ﴾ والی آیت پڑھ سنائی (ابن ابی حاتم) یہ اثر مشہور ہے اور دلیل ہے ان لوگوں کی جو میت کے مسئلے کو حرام بتلانے ہیں اس بارے میں اور احادیث بھی ہیں جن کی جگہ کتاب الاحکام ہے واللہ۔

سود کی حرمت اور قسمیں : پھر فرمایا کہ اب جب کہ حرمت کا مسئلہ اس کے کانوں میں پڑ چکا پھر بھی سود لے تو وہ سزا کا سزاوار ہے

ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے وہ اللہ کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے (ابوداؤد) مخابرہ کہتے ہیں اسے کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور یہ ٹھہرائے کہ اس زمین کے اس ٹکڑے سے جتنا نکلے وہ میرا باقی تیرا اور مزانبہ کہتے ہیں اسے کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں اور محافلہ کہتے ہیں اسے کہ کھیت میں جو اناج بالوں میں ہے اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تاکہ سود کی جزیں کٹ جائیں اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی بعض نے کچھ ایک جماعت نے اپنی علت پر قیاس کر کے ان تمام کاروبار سے روکا جس میں یہ علت پائی جاتی تھی دوسری جماعت نے دوسری علت کی بناء پر۔ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ ذرا مشکل یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ تین مسئلے افسوس کہ پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے۔ دادا کی میراث کا کلالہ کا اور سود کی صورتوں کا۔

جس چیز میں سود کا یا حرام کا شائبہ ہو اس سے بچنا: یعنی بعض ان صورتوں کا جن میں سود کا شبہ ہے پھر جو وسائل ان تک لے جانے والے ہیں جب یہ حرام تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے ہیں ان شبہات سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور ان مشتبہ چیزوں میں پڑنے والا حرام میں پڑنے والا ہے جس طرح کوئی چرواہا جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی مارے سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور اسے لے جو شک شبہ سے پاک ہو۔ اور دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے طبیعت میں تردد ہو اور اس پر لوگوں کا واقف ہو جانا برا لگتا ہو ایک اور روایت میں ہے کہ اپنے دل سے فتوے پوچھ لے اگرچہ لوگ کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری) حضرت عمرؓ یہ فرما کر کہتے کہ اس کی پوری تفسیر بھی افسوس کہ مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا لوگو! سود کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شائبہ ہو (مسند احمد) حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا شاید میں تم کو بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے کہ میں تم کو کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں۔ سنو! قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ جو تم کو شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ)

سود کا گناہ اسباب سود اور سودی کاروبار سے متعلقہ افراد: ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے۔ (مستدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے صحابہؓ نے پوچھا کیا سب کے سب۔ فرمایا جو نہ کھائے گا اسے سمجھی غبار تو پہنچے گا۔ (مسند احمد) پس غبار سے بچنے کے لئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پہنکنا چاہیے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرت ﷺ نے مسجد میں آکر اس کی تلاوت کی اور شراب کے کاروبار اور شراب کی تجارت کو حرام قرار دے دیا بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس کی ہر طرح کی خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل جو اس تک پہنچانے والے ہوں سب حضور ﷺ نے حرام کئے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کی اس لئے کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے چربی کو پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی غرض دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کر کے حرام کو حلال بنانے کی کوشش بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے۔ اسی طرح پہلے وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقیں والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ اگلے خاوند کے لئے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر دونوں

پہ اللہ کی پھونکار اور اس کی لعنت ہے آیت ﴿حَتَّىٰ تَنْكَحَ ذَوْجًا غَيْرَهُ﴾ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سو د کھانے والے پر کھلانے والے پر شہادت دینے والوں پر گواہ بننے والوں پر لکھنے والے پر سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے تو ظاہر ہے کہ کاتب و شاہد کو ایسا ضرورت پڑی جو خواہ مخواہ لعنت اللہ اپنے اوپر لے کر ایسا ہے کہ بظاہر عقد شرعی کی صورت میں لا کر حیلہ کر کے اس سو د کو لکھتے پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی ملعون ہیں حضرت علامہ امام ابن تیمیہ نے ان حیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ابطال التحالیل لکھی ہے جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۷﴾
انْمُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ سو د کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اللہ کسی ناشکر اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ ادا اسی اور نعم۔

سو د کی کاروبار خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سو د کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا اس کی خیر و برکت سنا دیتا ہے دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْحَبِثُ وَالطَّيِّبُ﴾ یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تم کو ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے اور جگہ ہے۔ ﴿وَيَجْعَلُ الْحَبِثُ بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَبِئْسَ كُفْمًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ﴾ خباثت والی چیزوں کو تہ وبالاً کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا اور جگہ ہے۔ ﴿وَمَا أَوْتَيْتُمْ مِنْ رِبَا﴾ یعنی تمہارے دیئے ہوئے سو د سے جو مال تم بڑھانا چاہو وہ دراصل بڑھتا نہیں۔

اسی واسطے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ والی روایت میں ہے کہ سو د سے گوزیادتی ہو جائے لیکن انجام کار کمی ہی کمی ہے (مسند احمد)۔

زخیرہ اندوزی کی ممانعت: مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ مسجد سے نکلے تو اناج پھیلا ہوا دیکھا پوچھا یہ غلہ کہاں سے آگیا؟ لوگوں نے کہا کھنے کے لئے آیا ہے آپ نے دعا کی کہ اے اللہ اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے پہلے ہی سے جمع کر لیا تھا پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمانؓ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں لہذا جب چاہیں بیچیں ہمیں اختیار ہے آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے اللہ مفلس کر دے گایا جذامی یہ سن کر حضرت فروخؓ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں اللہ سے پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے راوی حدیث حضرت ابویگیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی بنا پھر تا تھا ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گایا جذامی۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے ﴿يُرَبِّي﴾ کی دوسری قرأت ﴿يُرَبِّي﴾ بھی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی پاک کمائی میں

۔ ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ احد کے پہاڑ کے برابر ثواب ایک کھجور کا ملتا ہے اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا کہ کافروں اور نافرمان زبان زور اور نفل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی وعدہ کی ہوئی زیادتی پر صبر و شکر نہ کر کے مال دنیا جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں اور لوگوں کے مال باطل اور ناحق کے ساتھ کھا جائیں یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ان ناشکروں اور گنہگاروں پر اللہ کا پیار نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں مخلوق کے ساتھ سلوک و احسان کریں نمازیں قائم کریں زکوٰۃ دیتے رہیں یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے کوئی کھڑکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام و اکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۰۷﴾

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ

أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۰۸﴾ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ

وَإِن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۰۹﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ

اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۱۰﴾

ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم سچ سچ ایماندار ہو اور اگر نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہو شیار ہو جاؤ ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہیے اور معاف کر دینا تو بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم اصل مال لے لو اور سود چھوڑ دو: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو تقویٰ کا حکم دے رہا ہے اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے اس کی ناراضگی ہو اور رضامندی دور ہو جائے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہے خیر دار اگر مسلمان ہو تو اسے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا یہ آیت نازل ہوئی ہے ثقیف کے قبیلے بنی عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلے بنو مغیرہ کے بارے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کے سودی کاروبار تھے اسلام کے بعد بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا کریں گے آخر جھگڑا بڑھا حضرت عتاب بن اسیدؓ جو مکہ مکرمہ کے نائب تھے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ لکھا اس پر آیت یہ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں چڑھا ہوا سو لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ نائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔ اس آیت میں زبردست وعید ہے ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جے رہیں۔

سودی خوری اللہ رسول سے جنگ کرنا ہے: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سود خوار سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا آپ فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سود خوار لوگ اگر سود نہ چھوڑیں تو ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے حسن اور ابن سیرینؒ کا فرمان بھی یہی ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی انہیں ذلیل کئے جانے کے قابل ٹھہرایا۔ خبر دار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو حلال چیزیں اور حلال خرید و فروخت بہت کچھ ہے فاقے گزرتے ہوں تاہم اللہ کی معصیت سے رکو۔ وہ روایت بھی یاد ہوگی جو پہلے گزر چکی کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا حضرت زید بن ارقمؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لئے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خوری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے لیکن اس کی اسناد کمزور ہیں۔

صرف اصل مال لے لو: پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کر لو تو اصل مال جو کسی پر قرض ہے بیشک لے لو۔ تو زیادہ لے کر اس پر تم ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کرو۔ تم پر ظلم کرے۔ نبی ﷺ نے حجت الوداع کے خطبہ فرمایا جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں اصل رقم لے لو نہ سود لے کر کسی پر ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کرو۔ تم پر ظلم کرو نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے عباس بن عبدالمطلب کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔

غریب مفلس قرضدار کو مہلت اور قرض معاف کرنے کا اجر و ثواب: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت بعد ادا کر دے یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گزر گئی اب اتنا سود لیں گے بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غریب کو اپنا قرض معاف کر دو۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اس کو جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا یہ سن کر حضرت بریدہؓ نے کہا حضور! پہلے تو آپ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا آج دو مثل فرماتے ہیں فرمایا ہاں جب میعاد ختم نہیں ہوئی تو مثل کا ثواب میعاد گزرنے کے بعد دو مثل کا۔ حضرت ابو قتادہؓ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہے اور نہ ملتے ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا اس نے کہا ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں اب حضرت ابو قتادہؓ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو آؤ باہر آؤ جو اب دو وہ بیچارے باہر نکلے آپ نے کہا کیوں چھپ رہے ہو کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا آپ نے کہا قسم ہاؤ اس نے قسم کھالی آپ رو دیئے اور فرمانے لگے میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے جو شخص نادار قرضدار کو ڈھیل دے یا اپنا قرض معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہوگا۔ (صحیح مسلم) ابو یعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتلا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا اے اللہ! ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں اللہ تعالیٰ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دے گا کہ پروردگار! ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا میں تجارت پیشہ شخص تھا لوگ ادھار ادھار لے جاتے تھے میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا مالداروں پر سختی نہ کرتا زیادہ تنگی والا کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں

جا میں نے تجھے بخشا جنت میں داخل ہو جا مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرضدار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ کر دیا ہو کہا اتنی رقم دے دوں تو آزاد ہوں اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔ مسند احمد میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے۔ عباد بن ولید فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے احادیث پڑھیں سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابو الیسر سے ہوئی ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام اور آقا کا ایک ہی لباس تھا میرے باپ نے کہا چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں فرمایا ہاں سنو فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا مدت ختم ہو چکی تھی میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں ہیں اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کی آواز سن کر چار پائی تلے جا چھپے ہیں میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہو گیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دہ وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا محض اس لئے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت سے نہیں آپ سے ملوں گا یا تو کوئی چھوٹا ماذر حیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کروں گا اس لئے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا۔ آپ رسول ﷺ کے صحابی ہیں آپ سے جھوٹ کیا کہوں۔ میں نے کہا سچ کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں اس نے کہا ہاں سچ کہتے ہو اللہ کی قسم کچھ نہیں تین مرتبہ میں نے قسم کھلائی اور میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کر لی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے اب اگر تم کو مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دیگا۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو شخص کسی نادار پر آسانی کرے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچالے گا۔ سنو جنت کے کام غم والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں نیک بخت وہ لوگ ہیں۔

جو فتنوں سے بچ جائیں وہ گھونٹ جو انسان غصے کا پی لے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اور گھونٹ پسندیدہ نہیں ایسا کر نیوالے کا دل اللہ تعالیٰ ایمان سے پر کر دیتا ہے طہرانی میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کرے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں پر اسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے اور انہیں دنیا کا زوال اور مال کی فنا اور آخرت کا آنا اور اللہ کی طرف لوٹنا اور اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان تمام اعمال پر جزا و سزا کا ماننا یاد دلاتا ہے اور اپنے خدا بوں سے ڈراتا ہے یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت یہی ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نور اتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا اللہم صل وسلم علیہ ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے ابن جریر فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ نور ات زندہ رہے ہفتہ کے دن سے ابتدا ہوئی اور پیر کے دن انتقال ہوا الغرض قرآن مجید میں سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَّيْنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبَ

بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيَمْلِكِ

الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي
 عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَفِيهُ أَوْ لَا يَسْتَفِيهُ أَنْ يُؤَمِّلَ هُوَ فَلْيَمِئِلْ وَلِيَهُ بِالْعَدْلِ
 ۞ وَأَسْتَشْهِدُ وَأَشْهَدُ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
 وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا
 الْأُخْرَى ۞ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۞ وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ تُكْتَبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
 إِلَىٰ أَجَلِهِ ۞ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۞ إِلَّا
 أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتَبُوهَا ۞
 وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ
 فَسُوقٌ بِكُمْ ۞ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۞

ایمان والوجوب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹانے نہیں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوائے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوادے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر وہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تاکہ ایک ہی جہول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔ گواہوں کو چاہیے کہ جب وہ بلا کے جائیں تو انکار نہ کریں قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں خرید فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم نہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے اللہ سے ڈرو اللہ تم کو تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

حضرت آدم اور حضرت داؤد کا دلچسپ واقعہ: یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیات سے بڑی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے نئی آیت عرش کے ساتھ یہی آیت ﴿الذین﴾ ہے۔ یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا ان کی بیٹی پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی تمام ان کی اولاد نکالی۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ! ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے لڑکے داؤد ہیں پوچھا اے اللہ! ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا اے اللہ! اس کی عمر کچھ اور بڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے کچھ دینا چاہو تو دے دوں کہا اے اللہ! میری عمر میں سے

چالیس سال اسے دیے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے حضرت آدم کی اصل عمر ایک ہزار سال کی تھی اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدم کی موت جب آئی تو کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے (حضرت) داؤد کو دیدیئے ہیں تو حضرت آدم نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤد کی ایک سو سال کی (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی احادیث منکر ہوتی ہیں مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔

قرض اور تجارت کے احکام: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور میعاد خوب یاد رہے گواہ کو بھی غلطی نہ ہو اس سے ایک وقت مقرر کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا۔ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت بخوبی ثابت ہوتی ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینہ والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو بھارتاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانتیں نہ حساب ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عہد آسان اور بالکل سہل کر دیئے گئے ہیں قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتا لوگوں پر سہل ہے لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں ان کی بابت بیشک لکھ لینے کا حکم ہو اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوہاً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کاج کا ہے بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ابن جریر فرماتے ہیں کہ جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے۔ ابو سلیمان مرعشی جنہوں نے حضرت کعب کی صحبت بہت اٹھائی تھی انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کرتا ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا ہے اس لئے کہ اس نے یہ کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا فرمان ہوا ہے۔ حضرت ابو سعید شععی ربيع بن حسن ابن جریر ابن زید وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک کو ایک پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہئے کہ ادا کر دے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں اس پر انکار نہ ہو۔ اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع نے انکار نہیں کیا۔

قرض لینے اور ادائیگی کا عجیب واقعہ: مسند میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نبی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ جو اب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے کہا ضمانت لاؤ جو اب دیا کہ اللہ کی ضمانت کافی ہے کہا تو نے سچ کہا ادائیگی کی میعاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے اس نے ترمی کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور بیچ میں سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ بند کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسے پروردگار اچھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور اس پر وہ خوش ہو گیا گواہ مانگا تو میں نے گواہ بھی تجھی گورھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا اب جب کہ وقت مقرر ختم ہونے کو آیا تو میں نے ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی اب میں اس رقم کو تجھے

سو مینتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے۔ پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور اسے آج اسے آجانا چاہیے تو وہ بھی دریا کے کنارے آکھڑ ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بچھوئے گا مگر جب شام ہوئے تو آئی اور کوئی کشتی اس طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر خالی تو جا ہی رہا ہوں تو اس لکڑی کو لے چلوں پھر ڈکر سکھالوں گا جلانے کے کام آئے گی کہ پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ سب آپ کی رقم معاف کیجئے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا اس نے پوچھا کہ کیا میری رقم آپ نے بچھوئی بھی ہے اس نے ہاں میں توجہ پڑھا کہ مجھے کشتی ملی ان کے ہاں اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ اپنے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکل علی اللہ دریا میں ڈال دیا تھا اتنا اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی پوری رقم وصول کر لی اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے صحیح بخاری شریف میں سات جلد یہ حدیث آئی ہے۔

پڑھا لکھا شخص لکھنے سے انکار نہ کرے۔ پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل و حق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے۔ ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں وہی لکھے۔ لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے اجازت نہ کرے جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا اسی طرح جو لکھنا جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھو یا کرے حدیث میں ہے کہ یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بنا دے کسی کرے پڑے کا کام کر دے اور حدیث میں ہے کہ جو علم کو جان کر پھر اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی حضرت مجاہد اور حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی روئے واجب ہے جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے اگر یہ شخص بے سمجھ ہے اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یا بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو وہ لکھوائے۔ پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہیے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اور ان مل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی۔ یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے۔

دو عورتوں کی گواہی ایک مرد برابر ہے۔ دو عورتوں کو قائم مقام ایک مرد کے کرنا پہ سبب عورت کی عقل کے نقصان سے ہے جیسے صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے عورت تو اصدقہ اور بکثرت استغفار کرتی رہو میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی۔ ایک عورت نے پوچھا حضور! یہ کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو اس نے پھر پوچھا کہ حضور! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔

گواہی کے لئے عدالت شرط ہے۔ گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں امام شافعی کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گواہوں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہیے دو عورتیں مقرر

کرنے کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی۔ فتد تکر کی دوسری قراءت فتد تکر بھی ہے۔
بولوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کیساتھ مل کر مثل شہادت مرد کے مردے گی انھوں نے تکلف کیا ہے صحیح بات پہلی ہی ہے واللہ
اعلم۔

گواہوں کو چاہیے کہ جب وہ بلاے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آو اس معاملہ میں گواہ ہو تو انہیں انکار نہ
کرنا چاہیے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے
کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقفہ پوچھا
جائے تو وہ نہ دے چنانچہ حضرت ابو مخبلز اور مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ رہنے کے لئے بلاے جاؤ تو تم کو اختیار ہے خواہ جاؤ
خواہ نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکے پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے کہ
اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں کہ جن سے گواہی
ضرب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں
قسموں پر پیش پیش ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ انکی گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے تو یاد رہے کہ یہ مذمت جھوٹی گواہی دینے
والوں کی ہے اور وہ تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے اور یہی تطبیق ہے ان مختلف احادیث میں حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ
آیت دونوں حالتوں کو شامل ہے یعنی گواہی دینے کے سے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہیے۔

پھر فرمایا چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں مدت وغیرہ لکھ لیا کر و سہار یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب ثابت
رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آجاتی ہے نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول ہو جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور
اس میں شک و شبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک و شبہ فیصلہ ہو سکتا ہے پھر
فرمایا جب کہ نقد خرید و فروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی ہنگامے کا احتمال نہیں پس کتابت تو سہا
دی اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب تو فرماتے ہیں کہ ادھار دویانہ ہو ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر یا کرو دیگر بزرگوں سے مروی ہے
کہ فان امن الخ فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

معاملہ لکھنے کا حکم استحباباً ہے نہ کہ وجوباً۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر
اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خرید و فروخت کی اور گواہ شہادت تھا چنانچہ
مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خرید اور اعرابی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی طرف رقم
لینے کے لئے چلا۔ حضور ﷺ تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا لوگوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے انھوں نے
قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے
آپ کو آواز دے کر کہا حضرت ایسا تو لے لیجئے یا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں حضور ﷺ یہ سن کر رے کے اور فرمانے لگے تو تو اسے
میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا حضرت ﷺ نے فرمایا غلط کہتا ہے میرے
تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے اب لوگ ادھر ادھر سے بیچ میں بولنے لگے اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا
مسلمانوں نے ہر چند کہ بد بخت آپ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر ہیں آپکی زبان مبارک سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی سے چلا جائے کہ لاؤ
گواہ پیش کرو۔ اتنے میں حضرت خزیمہ آئے اور اعرابی کے قول گو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور
آنحضرت ﷺ کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے حضرت خزیمہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ

کی تصدیق اور سچائی کی بنا پر چنانچہ آپ نے فرمادیا کہ آج سے خنزیرہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے پس اس حدیث سے خرید و فروخت پر گواہی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی ایک تو وہ کہ جس کے گھربہ اخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے دوہرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اسکی بلوغت سے پہلے اسے سوئپ دے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے۔ امام حاکم اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح بتاتے ہیں بخاری و مسلم اس لئے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پر موقوف بتاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہیے کہ لکھوانے کے خلاف نہ لکھے اور گواہ کو چاہیے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے نہ گواہی کو چھپائے حسن، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن عباسؓ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً "انہیں ہانپنے کے لئے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہیں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے کہ اپنا حرج کرو اور چلو یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں اس کا کرنا جس کے کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کا لحاظ رکھو اس کی فرمانبرداری کرو اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو دلیل دے دیکر اور جگہ ہے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے رسول پر ایمان رکھو وہ تم کو دوہری رحمتیں دے گا اور تم کو وہ نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

وَأِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتِمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أِثْمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۙ

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے پر امن ہو تو جسے امانت دئی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رہن ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

کوئی چیز رہن رکھ کر قرض لینا: یعنی بحالت سفر اگر ادھار سدھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دے دو ﴿مَقْبُوضَةٌ﴾ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آجائے لازم نہیں ہوتا جیسے کہ امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے مگر دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کام تہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے امام احمد اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے جیسے حضرت مجاہدؓ وغیرہ لیکن صحیح بخاری صحیح مسلم مسند و شافعی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ ﷺ کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی ابو شعم کے پاس تھی وہ سق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے

گھروالوں کے کھانے کے لئے لیئے تھے ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں ﴿وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ﴾ اس کے بعد کے جملے ﴿فَاِنْ اَمِنَ﴾ الخ سے حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کا حکم مسنون ہو گیا شععیؓ فرماتے ہیں کہ جب نہ دینے کا خوف نہ ہو تو نہ لکھنے اور گواہ نہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جسے امانت دی جائے اسے خوف الہی رکھنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہاتھ پر ہے جو اس نے لیا جب تک کہ ادا نہ کرے شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کا اظہار کرنے سے رکو۔

شہادت کو چھپانے والا گنہگار ہے: ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے یہاں بھی فرمایا اس کا چھپانے والا خطا کار دل والا ہے۔

جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَلَا تَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّا اِذَا لَمِنَ الْاٰثِمِيْنَ﴾ یعنی ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں اور جگہ فرمایا ایمان والو عدل و انصاف کے ساتھ رہائی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گواہی کی برائی خود تم کو پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ يَحٰسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ ﴿۱۷۰﴾

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دل کے وسوسوں پر محاسبہ سے صحابہ کو ہونے والی پریشانی کا ازالہ: یعنی زمین و آسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چھوٹی موٹی چھپی کھلی کا وہ عالم ہے ہر چھپے کھلے کا وہ حساب لینے والا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنْ تَخْفَوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْدُوْهُ يَعْلَمُهٗ اللّٰهُ﴾ الخ کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور جگہ فرمایا وہ پوشیدگی کو اور علانیہ کو خوب جانتا ہے اور بھی اس معنی کی بہت آیات ہیں یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا جب یہ آیت اتری تو صحابہؓ پر بڑی بھاری پڑی کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہو گا اور اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضور ﷺ کے پاس آ کر گھٹنیوں گر پڑے اور کہنے لگے حضرت نماز روزہ جہاد صدقہ وغیرہ کا تو ہمیں حکم ہوا جو ہماری طاقت میں تھا لیکن اب جو آیت اتری ہے اس کی برداشت کی طاقت تو ہم میں نہیں آپ نے فرمایا پھر کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا تم کو چاہئے کہ یوں کہو ہم نے سنا اور مانا اے اللہ! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ چنانچہ صحابہؓ نے اسے تسلیم کر لیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت ﴿اَمِنَ الرَّسُوْلُ﴾ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی (مسند احمد)۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف اٹھا کر آیت ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ﴾ اتاری اور جب مسلمانوں نے کہا کہ

اے اللہ! ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پوزیشن پر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نعم یعنی میں یہی مروتوں کا انہوں نے کہا: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِسْرًا اِنَّ اللہَ اَعْلَمُ بِرُوحِنَا ۝ اور جو ہم سے اگلوں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول پھر کہا: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا ۝ اے اللہ! ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال اسے بھی قبول کیا گیا پھر دعا مانگی اے اللہ! ہمیں معاف فرما ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا یہ حدیث اور بھی بہت سے طریق سے مروی ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہد کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس آیت وَاَنْ تَقْدُوا اِحْ كِي تَلَاوْتِ فَرَمَانِ اور بہت روئے آپ نے فرمایا یہی حال صحابہؓ کا اس کے اترنے کے وقت ہوا تھا وہ سخت نمکین ہو گئے اور یہ بھی کہا کہ دلوں کے مالک ہم نہیں دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۝ کہو چنانچہ صحابہؓ نے کہا اور پھر بعد وہی آیات اتریں اور عمل پر تو پکڑ رہی لیکن دل کے خیالات اور نفس کے وسوسے سے پکڑا تھ گئی۔ دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مر جانے سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصد کر دیا کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہو خواہ اور امیضاء کے ہوں لیکن دلی وسوسے معاف ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگزر فرمایا پکڑا ہی پر ہے جو کہیں یا کریں۔

نیکی کا ارادہ کرنے سے ثواب جبکہ گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا: بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک کہ گناہ گزرے اگر گناہ گزرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ ہی سے نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو (مسلم) اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں اور روایت میں ہے جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رکے رہو جب تک کہ گناہ لے اس کے گناہ اعمال میں نہ لکھو اگر گناہ تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا یونہی مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے اس کی ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھادی جاتی ہے ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ایک مرتبہ صحابہؓ نے آکر کہا کہ حضرت اکبھی بھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گزرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہونے لگا؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے (مسلم وغیرہ)۔

دل کے وسوسوں کے محاسبہ سے لازم نہیں آتا کہ اس پر عذاب بھی ہو: حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ہماری مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تم کو تمہارے دلوں کے بھید بتاتا ہوں جس پر میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں مومنوں کو تو خبر دے کہ پھر معاف فرمادے گا ہاں منافق اور شک و شبہ والے لوگوں کو ان کی تکذیب کی پوشیدگی پر اطلاع دے کر پھر ان کی پکڑ ہوگی جیسے اور جگہ ہے: وَلٰكِنْ يُّؤْخَذُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ قُلُوْبُكُمْ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق پر حسن بصریؒ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے عذاب اور چیز ہے حساب لئے جانے کو عذاب یا جاننا لازم نہیں حساب کے بعد ممکن ہے کہ معاف ہو جائے اور ممکن ہے پکڑ ہو اور سزا دی جائے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کورے تھے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے حضور ﷺ سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلائے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا پھر اس سے کہے گا بتا تو نے فلاں فلاں کیا فلاں دن فلاں

گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا سن ادنیٰ میں جس میں نے تیرے ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن میں ان تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہوں اب اسے اس کی نیکیوں کا تحیفہ اس کے دانے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکار دیا جائے گا۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

حضرت زید نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا آج تو نے پوچھا ہے سن اس سے مراد بندے کو دنیوی تکلیفیں مثلاً بخار و غیرہ تکلیفیں پہنچانا ہے یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی ہے اور خیال رہا کہ اس کی دوسری جیب میں ہے ہاتھ ڈالا وہاں نہ نکلی دل پر چوٹ سی پڑی پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں سے مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو (ترندی وغیرہ) یہ حدیث غریب ہے۔

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمِنَ بِاللَّهِ وَ
 مَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا
 وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا
 لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَانَا رَبَّنَا
 لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا
 لِطَاقَةِ لَنَابِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۝ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا
 عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جداگی نہیں کرتے انہوں نے کہا دیا کہ ہم نے سنا اور مانا ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جو ٹیکلی کرے وہ اس کیلئے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غالب عطا فرما۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت: ان دونوں آیات کی فضیلت کی احادیث سننے صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیات کو رات کو پڑھ لے اسے یہ دونوں کافی ہیں مسند احمد میں ہے کہ میں سورہ بقرہ کے خاتمہ کی آیات عشر تلی کے خزانہ سے دیا گیا

ہوں مجھ سے پہلے کوئی نبی یہ نہیں دیا گیا صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک پہنچتی ہے اور یہاں سے لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے پھر یہاں سے لے لی جاتی ہے اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں وہاں حضور ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں پانچویں وقت کی نمازیں سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی آیات اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔ مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سورۃ بقرہ کی ان دونوں آخری آیات کو پڑھتے رہا کرو میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں میں سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیات عرش تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ مجھ سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی ﷺ عرش تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیات اتار کر سورۃ بقرہ ختم کی۔ جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جاسکتا امام ترمذیؒ اسے غریب بتاتے ہیں لیکن حاکم اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ جب حضور ﷺ سورۃ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے کہ یہ دونوں رحمن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں اور جب آیت ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَجْزِبْهُ﴾ اور آیت ﴿وَإِنْ لَيْسَ لِلنَّاسِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۗ وَأَنْ سَعِيَهُ سَوْفَ يُرْمَىٰ ۝ ثُمَّ يَجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوْفَىٰ﴾ پڑھتے تو زبان سے ﴿إِنَّا لِلَّهِ﴾ نکل جاتا اور سست ہو جاتے ابن مردویہ میں ہے کہ مجھے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے آخر کی آیات عرش کے نیچے سے دی گئیں ہیں اور مفصل کی سورتیں اور زیادہ ہیں اور حدیث میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حضرت جبرئیل بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکہ کی آواز آسمان سے آئی حضرت جبرئیل نے اوپر کو آنکھیں اٹھائیں اور فرمایا کہ آسمان کا یہ وہ دروازہ کھلا ہے جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اتر اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ خوش ہو جائیے آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات ان میں سے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا (مسلم) پس یہ دس احادیث ان مبارک آیات کی فضیلت میں ہیں۔

آسمانی کتابوں کو سچی جانتے ہیں جو انبیاء کرام پر اتری ہیں: مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد ﷺ اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا سے سن کر آپ نے فرمایا وہ ایمان لانے کا پورا مستحق تھا اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لانے ان سب نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے وہ وحدانیت والا ہے وہ تنہا ہے وہ بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے یہ تمام انبیاء کو مانتے ہیں تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ نبیوں میں جدائی نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں ایک کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد و ہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے گو بعض احکام ہر نبی کے زمانہ میں اول بدل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری خاتم انبیاء و مرسلین آپ تھے۔ قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے کلام اللہ سنا اور احکام الہی ہمیں تسلیم ہیں انہوں نے کہا اللہ ہمیں مغفرت رحمت اور لطف عنایت فرماتیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن حضرت جبرئیل نے فرمایا اللہ کے رسول آپ کی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثنا و صفت بیان ہو رہی ہے آپ اس موقع پر دعا کیجئے قبول کی جائے گی مانگئے کہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔

پھر فرمایا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف اللہ تعالیٰ نہیں دیتا یہ اس کا لطف و کرم اور احسان و انعام ہے صحابہ کو جو کھڑکا ہوا تھا

اور ان پر جو یہ فرمان گراں گزرا تھا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب لیا جائے گا وہ حرج اس آیت سے اٹھ گیا مطلب یہ ہے کہ جو حساب ہو سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعہ آجانا روکے رک نہیں سکتا بلکہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ایسے دوسو سو کو برا جاننا دلیل ایمان ہے بلکہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے اعمال خبیثہ کرو گے سزا بھگتو گے۔

پھر دعا تعلیم کی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ اے اللہ بھولے چوکے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہو گئے ہوں وہ معاف فرما پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گزر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اسے قبول فرمایا میں نے یہی کیا اور حدیث میں آچکا کہ میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں وہ بھی معاف ہیں (ابن ماجہ)۔ اے اللہ! ہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت سخت احکام تھے جو آنحضرت ﷺ کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کئے گئے اور آپ کو ایک طرفہ سہل اور آسان دین دیا گیا یہ بھی پروردگار نے قبول فرمائی حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اے اللہ! وہ تکلیفیں ہلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہیں حضرت مکیوں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا اور ہماری تقصیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش ہماری برائیوں اور بد اعمالیوں کی پردہ پوشی کر ہم پر رحم و کرم کر تاکہ پھر ہم سے تیری مرضی کے خلاف کا کوئی کام نہ ہو اسی لئے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو اللہ کی معافی کی تاکہ عذاب سے نجات پائے دوسرے پردہ پوشی کی تاکہ رسوائی سے بچے تیسرے عصمت کی تاکہ وہ دوبارہ گناہ میں مبتلا نہ ہو اس پر بھی جناب باری تعالیٰ نے قبولیت کا اعلان کیا تو ہمارا اولیٰ و ناصر ہے تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں تو ہی ہمارا اسپہرا ہے تیری مدد کے سوانہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں تو ہماری ان لوگوں پر مدد کر جو تیرے دین کے منکر ہیں تیری وحدانیت کو نہیں مانتے تیرے نبی ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں مشرک ہیں اے اللہ تو ہمیں ان پر غالب کر دینا اور دین میں ہم ہی ان پر کار فرما رہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا ہاں میں نے یہ بھی کر دیا حضرت معاذؓ جب اس آیت کو ختم کرتے آئین کہتے (ابن جریر)۔

تفسیر سورہ آل عمران

یہ سورہ مدنی ہے اس کے شروع کی تراوی آیات نجران کے عیسائیوں کے جو ایلچی حضور ﷺ کی خدمت میں سنہ ۹ ہجری میں آئے تھے ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مہابلہ کی آیت ﴿قُلْ تَعَالَوْا لِحُجَّتِمْ﴾ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ اس کی فضیلت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ وَآیٰتِ الْاٰنۡبِیَآءِ وَرُؤۡسِ الْاٰمَمِیْنَ

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا

بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۗ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ
الْفُرْقَانَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ

ذُو انْتِقَامٍ ۙ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تاجہان ہے جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اپنے سے پہلے کی سچائی کرنے والا ہے اس نے اس سے پہلے توراہ و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کرنے والی بنا کر اتارا تھا اور قرآن بھی اس نے اتارا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان سے لے کر سخت عذاب سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدل لینے والا ہے۔

تین آیات میں اسم اعظم ہے۔ آیت الکرسی کی تفسیر کے بیان میں پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسم اعظم اس آیت اور آیت الکرسی میں ہے اور اسم کی تفسیر سورۃ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ۞ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۞ کی تفسیر بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں * پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اسے محمد ﷺ قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس میں کوئی شک نہیں بلکہ یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے جسے اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتے اس پر گواہ ہیں اور اللہ کی شہادت کافی کافی ہے۔

یہ قرآن اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ کتابیں اس قرآن کی سچائی پر دلیل ہیں اس لئے کہ ان میں جو اس نبی ﷺ کے آئے اور اس کتاب کے آنے کی خبر تھی وہ سچی ثابت ہوئی۔

اسی نے حضرت موسیٰ بن عمرانؑ پر توراہ اتاری اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر انجیل اتاری وہ دونوں بھی اس زمانے کے لوگوں کے لئے ہدایت دیئے ان تھیں۔

اس نے فرقان اتارا جو حق باطل ہدایت و ضلالت میں اور گمراہی اور راست میں فرق کرنے والا ہے اس کی واضح اور روشن دلیلیں اور زبردست برہان ہر ایک کو کفایت کرنے والے ہیں۔ حضرت قتادہ اور حضرت ربیع ابن انس کا بیان ہے کہ فرقان سے مراد یہاں قرآن ہے جو یہ مصدر ہے لیکن چونکہ قرآن کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے اس لئے یہاں فرقان فرمایا ابو صالح سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے توراہ ہے مگر یہ ضعیف ہے اس لئے کہ توراہ کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے واللہ اعلم۔

قیامت کے دن منکروں اور باطل پرستوں کو سخت عذاب ہوں گے اللہ تعالیٰ غالب ہے بڑی شان والا ہے اعلیٰ سلطنت والا ہے انبیاء کرام اور رسولان با احترام کے مخالفوں سے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں سے جناب باری زبردست انتقام لے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۗ هُوَ الَّذِي يَصَوِّرُ
كُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۗ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۙ

یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہاں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

ماں سے بیٹ میں سمجھیں بنائے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان و زمین سے غیب و وہ جو کوئی جانتا ہے اس پر کوئی پیر نہیں کہیں وہ تم کو تمہاری ماں سے بیٹ میں سو رہیں عنایت فرماتا ہے جس طرح کی چاہتا ہے اچھی بری نیک بد اس کے سوا عبادت کے۔ حق و باطل میں وہ غالب ہے حکمت والا ہے جبکہ صرف اسی ایک نے تم کو بنایا اور پیدا کیا پھر عبادت دوسرے کی کیوں کرو اور اولاد والے عزتوں والا غیر فانی حکمتوں والا اصل حکموں والا ہے اس میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کی چو گھٹ پر جھکے والے تھے جس طرح کل انسان ہیں انہی انسانوں میں سے ایک آپ بھی ہیں وہ بھی ماں کے رحم میں بنائے گئے اور میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوا۔ پھر اللہ کیسے بن گئے جیسے کہ اس لعنتی جماعت نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے حالانکہ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رگ و ریشہ میں ادھر ادھر پھرتے پھرتے رہے جیسے اور جگہ ہے۔ **يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فَيُظْلَمَتُ ثَلَاثٌ** ۵۔ وہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ایک پیدا کرنے کے بعد دوسری طرح کی بناوٹ میں تین تین اندازوں میں ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تَزِرْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

وہ اللہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کے مراد کی جستجو کے لئے ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا چنتا اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں اب ہمارے رب انہیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل بیزگھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت و مہربانی یقیناً تو یہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے اسے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ و خلافی نہیں کرتا۔

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا بیان بہت واضح بالکل صاف اور سیدھا ہے جس شخص ان کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عموماً ذہن رسائی نہیں کر سکتے اب جو لوگ دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف لوٹائیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں تو وہ راستی پر ہیں اور جو صاف صریح آیات کو چھوڑ کر ایسی آیات کو دلیل بنائیں جو انکے فہم سے بالاتر ہیں۔ اور ان میں الجھ جائیں یہ وہ ہیں جو منہ کے بل گم رہے۔ ام الكتاب یعنی اصل اصول کتاب اللہ کی وہ صاف اور واضح آیات ہیں۔ شک و شبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کرو انہی کو فیصد کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ

میں آئے اسے بھی ان سے سمجھو۔ بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے موافق ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا اور معانی بھی نکلیں گو وہ لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے ہوں نہ کہ واقعی طور پر تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔

محکمات اور متشابہات کی وضاحت: محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی سلف سے منقول ہیں حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں جن میں حلال، حرام، احکام، حکم، ممنوعات حدیں اور اعمال کا بیان ہو اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ﴾ اور اس کے بعد کی حکموں والی آیتیں محکمات ہیں اور ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ اِنْ لَا تَعْبُدُوْهُ﴾ اور اس کے بعد کی تین آیات۔ حضرت فاختہ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے شروع ہیں سگی بنی عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال و حرام کی آیات ہیں سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں حضرت مقاتلؓ فرماتے ہیں اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں و متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے کی ہیں اور جو پیچھے کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئی ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں حضرت مجاہد کا قول ہے کہ یہ ایک دوسری کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي﴾ اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز کے ماتحت ہو اور مثالی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے صفت جنت و دوزخ کی اور حال نیکیوں اور بدوں کا وغیرہ وغیرہ اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں ہے اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور یہی فرمان ہے حضرت محمد بن اسحاق بن یسار کا فرماتے ہیں کہ یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا پچاؤ ہے جھگڑوں کا فیصلہ ہے باطل کا چکوتا ہے انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں نہ ان میں تصریف و تاویل کرنی چاہیے ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزما تا ہے جیسے حلال حرام سے آزما تا ہے انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیر دینا نہ چاہیے۔

اہل بدعت متشابہات سے ہی استدلال کرتے ہیں: پھر فرماتا ہے کہ جن دلوں میں کجی، ٹیڑھ پن، گمراہی اور حق سے باطل کی طرف جانا ہے وہ متشابہ آیات کو لیکر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیات ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان میں اپنے لئے کوئی دلیل پاتے ہیں اس لئے فرمان ہے کہ اس سے مقصد ان کا فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تاکہ اپنے ماننے والوں کو بباکس اپنی بدعتوں کی دلیل قرآن سے لانا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن تو بدعتوں کی تردید کرتا ہے جیسے کہ عیسائیوں نے دلیل پکڑی ہے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا لڑکا ہونے پر قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہے کہ ﴿اِنَّ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے۔ اور جگہ ہے ﴿اِنَّ مَثَلِ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ الخ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جاوہ ہو گیا۔ اسی طرح کی اور بھی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل پکڑی حالانکہ آپ اللہ کی مخلوق ہیں اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں۔

غلط تاویل و تحریف کی مذمت: پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا لیں۔ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو یہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں یہ حدیث مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی

تفسیر میں مروی ہے ملاحظہ ہو کتاب القدر۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں (مسند احمد) پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے تاہم اس کا مضمون صحیح ہے اس لئے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی۔ یہ فرقہ محض دنیوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا۔ حضورؐ نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخوہرہ کہا جاتا تھا اس نے حضور ﷺ کے سامنے آکر صاف کہا کہ حضرت! عدل کیجئے آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو اللہ نے امین بنایا تھا اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو تو ہر باد ہوا اور نقصان میں پڑا جب وہ لوہا تو حضرت عمرؓ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے تم جہاں انہیں پاؤ قتل کرو ان کے قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا ظہور ہو گیا اور آپ نے انہیں نہروان میں قتل کیا پھر ان میں پھوٹ پڑی اور ان کے مختلف الخیال فرقے ہو گئے اور نئی نئی بدعتیں دین میں جاری کر لیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور جا پڑے۔

ان کے بعد قدر یہ فرقے کا ظہور ہوا پھر معتزلہ نکلے جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہوں گے سب جہنمی ہوں گے موائے ایک جماعت کے صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے آپ نے فرمایا وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (مستدرک حاکم) ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو۔ اس کے غلط مطالب بیان کرے گی * پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لفظ اللہ تعالیٰ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تفسیر چار قسم کی ہے ایک وہ جس کے سمجھنے میں کوئی معذور نہیں ایک وہ جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے حضرت عائشہؓ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے مجسم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس کی سر پھنوں شروع ہوگی دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کے پیچھے پڑ جائیں گے حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور گہرے علم والے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے الخ تیسرے یہ کہ علم حاصل کر کے اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں یہ حدیث بالکل غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہو جس کا تم کو علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ) ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مالک بن انسؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ گہرے علم والے بھی اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پختہ علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں یہ تو تھی وہ جماعت جو ﴿إِلَّا اللَّهُ﴾ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملے کو اس سے الگ کرتی تھی اور لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے بلکہ ﴿فِي الْعِلْمِ﴾ پر وقف کرتے ہیں اور اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے ایسی بات کہنی ٹھیک نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں حضرت محمد بن جعفر بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے پھر متشابہات آیات کی تفسیر محکمات سے کرتے ہیں جن میں کسی کو مجال سخن نہیں رہتی مضامین قرآن ٹھیک ٹھاک ہو جاتے ہیں دلیل جاری ہوتی ہے عذر ظاہر ہو جاتا ہے باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے سے دعائی کہ اللہ انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم دے۔ بعض علماء نے یہاں تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں تاویل دو معنی میں قرآن کریم میں آئی ہے ایک معنی تو ایک چیز کی اصلی حقیقت اور اس کی اصلیت جیسے قرآن میں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْتُوا بِلَايَئِمْ كَمَا أَتَىٰ الْكُفْرَانَ** اور جگہ ہے۔ **هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ** کا فروع کو انتظار صرف اس کی حقیقت تھا۔ ہونے کا ہے جس دن اس کا مصداق آجائے گا پس ان دونوں جگہ مراد تاویل سے حقیقت ہے اور اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو **إِلَّا اللَّهُ** پر وقف ضروری ہے اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصیبت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو **رَأْسُخُونَ فِي الْعِلْمِ** مبتداء ہوگا اور **يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ** خبر ہوگی اور یہ جملہ **بِأَعْلَىٰ كَلِمَاتِ اللَّهِ** ہوگا۔

دوسرے معنی تاویل کے تفسیر اور بیان اور ایک شے کی تعبیر دوسری شے سے ہوتے ہیں جیسے قرآن میں ہے۔ **سَنَسْأَلُ بِنَاوِيلِهِ** ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان۔ اور آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو **فِي الْعِلْمِ** پر وقف کرنا چاہیے اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بناء پر امنا بہ حال ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معظوف و بغیر معظوف علیہ کے جیسے اور جگہ ہے **لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ** سے **يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا** تک اور جگہ ہے **وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا** یعنی **وَجَاءَ الْمَلَائِكَةُ صُفُوفًا** اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے اس کے معنی ہیں کہ متشابہ پر۔

پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق و صدق ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔ اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسے اور جگہ ہے **أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانُوا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا** یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اور یہ اللہ کے سوا اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف غفلت ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور و تدبر کریں جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہوں حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی قسم تپ ہو جس کی زبان راست گو ہو جس کا دل سلامت ہو جس کا پیٹ حرام سے بچا ہوا ہو اور جس کی شرمگاہ زنا کاری سے محفوظ ہو وہ پختہ علم والے ہیں (ابن ابی حاتم)۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے ہارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں آپ نے فرمایا سنو! تم سے پہلے لوگ بھی اسی میں ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے تم ان میں اختلاف نکال کر ایک کو دوسری کے متضاد بناؤ جو جانو کہو اور جو نہ جانو اسے جانے والوں کو سوچو (مسند احمد)۔ اور حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا قرآن میں جھگڑنا کفر ہے قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے جو جانو اس پر عمل کرو جو نہ جانو اسے جانے والے کی طرف سوچو اجل جلالہ (ابو یعلیٰ) رافع بن یزید کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں رب کی رضا کے طالب ہوں اپنے سے بڑوں سے دینے والے نہ ہوں اپنے سے چھوٹے کو حقیر بنانے والے نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو بربک کہ تو نے ہدایت پر ہما دیا ہے انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے بڑا کر خراب ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ اور ہم پر اپنی رحمت نازل کر ہمارے دلوں کو ثباتی دے ہمارے پر اگندگی کو دور کر ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا تو بہت بڑا دینے والا ہے رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے **بِمَقْلَبِ الْقُلُوبِ نَبْتُ قَلْبِي عَلَىٰ دِينِكَ** اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ پھر یہ

دعا ﴿ رَبَّنَا لَا تُرِغْ ﴾ پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھتے تھے ﴿ اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ ﴾ حضرت اسماءؓ نے ایک دن پوچھا کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد میڑھانہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بڑی دین والا ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے کہ میں اپنے لئے وہ دعا مانگا کروں آپ ﷺ نے فرمایا یہ دعا مانگ ﴿ اَللّٰهُمَّ رَبِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ اَغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَاذْهَبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُضَلَّاتِ الْفِتَنِ ﴾ اے اللہ! اب محمد نبی ﷺ کے رب! میرے گناہ معاف فرما میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر دے اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچالے حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی آپ کی دعا ﴿ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ﴾ سن کر حضرت اسماءؓ کی طرح سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا پڑھ سنا لی یہ حدیث غریب ہے لیکن آیت قرآنی کی تلاوت کے بغیر تو بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاتے تو یہ دعا پڑھتے ﴿ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِدُنْيٰى وَاَسْئَلُكَ رَحْمَةً لِّلّٰهِمَّ رِزْقِيْ عَلٰمًا وَّلَا تُرِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے اپنے گناہوں کا استغفار کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ! میرے علم میں زیادتی دے اور میرے دل کو جب تو نے ہدایت دے دی ہے پھر گمراہ نہ کر اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش تو بہت کچھ دینے والا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مغرب کی نماز پڑھائی پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۃ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ابو عبد اللہ حناجی فرماتے ہیں میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے لگ گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا (عبد الرزاق) حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی آپ اس رکعت میں سورۃ ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حدیث سننے کے بعد حضرت امیر المؤمنین نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے ان کے اختلافات کو مٹانے والا ہے اور ہر ایک کے بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تَغْنِيْ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنْ اِلٰهِ شَيْءًا وَّ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ كَذٰبُ اِلٍ فِرْعَوْنُ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی یہ تو جہنم کا ایندھن ہیں جیسا آل فرعون کا حال ہو اور ان کا جو ان سے پہلے تھے ہماری آیات کو جھٹلایا پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے۔

کافروں کا مال و اولاد کچھ کام نہیں آئے گا: فرماتا ہے کہ کافر جہنم کی چھٹیاں اور اس میں جلنے والی لکڑیاں ہیں ان ظالموں کو اس دن عذر معذرت کام نہ آئے گی ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے ان کے مال ان کی اولادیں بھی انہیں کچھ نفع نہیں پہنچائیں گی اللہ کے عذابوں سے نہیں بچا سکیں گی جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ ﴾ تو ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ کر اللہ کا ارادہ اس

کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی عذاب کرنے کا ہے ان کی جانیں کفر ہی میں نکل جائیں گی اسی طرح ارشاد ہے کافروں کا شہر وں میں گھومنا گھامنا تجھے فریب میں نہ ڈالے یہ تو یونہی سا فائدہ ہے پھر ان کی جگہ جہنم ہی ہے جو بدترین بچھونا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کی باتوں کے جھٹلانے والے اس کے رسولوں کے منکر اس کی کتاب کے مخالف اس کی وحی کے نافرمان اپنی اولاد اور اپنے مال سے کوئی بھلائی کی توقع نہ رکھیں یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں جن سے جہنم ساگائی اور بھڑکائی جائے گی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضلؓ کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور با آواز بلند فرمانے لگے لوگو! کیا میں نے اللہ کی باتیں تم تک پہنچا دیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ لوگو! کیا میں وحدانیت و رسالت پہنچا چکا؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے ہاں حضور! بیشک آپ نے اللہ کا دین ہمیں پہنچایا پھر جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم اسلام غالب ہو گا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھوے گا۔ مسلمان اسلام کو لے کر سمندروں کو چیرتے پھاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے (پھر تکبر بڑائی اور خود بینی کے طور پر) کہتے لگیں گے ہم قاری ہیں ہم عالم ہیں کون ہے جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو؟ کیا ان لوگوں میں کچھ بھی بھلائی ہوگی؟ لوگوں نے پوچھا حضور! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تم ہی مسلمانوں میں سے ہوں گے۔ لیکن خیال رہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جواب میں کہا ہاں اللہ کی قسم آپ نے بڑے حزم سے وچاہت سے تبلیغ کی آپ نے پوری جدوجہد اور دہزدھوپ کی آپ نے ہماری زبردست خیر خواہی کی اور بہتری چاہی۔ پھر فرماتا ہے جیسا حال فرعونیوں کا تھا اور جیسے کرتوت ان کے تھے لفظ ادب ہمزہ کے جزم سے بھی آتا ہے اور ہمزہ کے زبر سے بھی آتا ہے جیسے ﴿نَهْرٌ﴾ اور ﴿نَهْرٌ﴾ اس کے معنی شان عادت حال طریقے کے آتے ہیں امر و النقیس کے شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے مطلب آئیہ کریمہ کا یہ ہے کہ کفار کو مال و اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے گی جیسے فرعونیوں اور ان سے اگلے کفار کو کچھ کام نہ آئی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سخت ہے اس کا عذاب دردناک ہے کوئی کسی طاقت سے اس سے بچ نہیں سکتا اسے ہٹا سکتا ہے وہ اللہ جو چاہے کرتا ہے ہر چیز اس کے سامنے پست ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ رب۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ إِلِهَادًا ۖ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِتْنَةِ الْتَقَاتِلِ ۗ تَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنِ ۗ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۗ

کافروں سے کہہ دو کہ تم غنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گٹھ گٹی تھیں ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرے کافروں کا تھا وہ انہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے جو آنکھوں کی نظر تھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدر و نصرت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں بھی پست اور مغلوب کئے جاؤ گے ہارو گے اور ماتحت بنو گے اور قیامت کے دن بھی ہانک کر جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے جو بدترین بچھونا ہے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضور ﷺ مظفر و منصور واپس لوٹے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے اسلام قبول کر لو کہ تم کو بھی وہ ذلت و پستی پہنچے جو قریش کو پہنچی تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنون جنگ سے نا آشنا تھے آپ نے ہر الیا تو کیا دماغ میں کچھ غرور سما گیا؟ اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ جنگ جو ایسے ہوتے ہیں آپ کو اب تک ہم سے واسطہ نہیں پڑا۔ اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا گیا کہ فتح بدر نے ظاہر کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں کو عزت و حرمت عطا فرمانے والا ہے وہ اپنے رسول ﷺ کا اور آپکی اطاعت گزار امت کا خود مددگار ہے وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔

دو جماعتیں لڑائی میں گتھ گئی تھیں ایک تو صحابہ کرام کی دوسری مشرکین قریش کی یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ تعالیٰ نے انہوں کی اس طرح کی مدد کی کہ باوجودیکہ مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکین کو اپنے سے دگنے نظر آتے تھے مشرکوں نے لڑائی چھڑنے سے پہلے جاسوسی کے لئے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آکر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں کچھ کم یا زائد ہوں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے ایک معنی تو یہ ہیں دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دو چند ہیں پھر بھی رب عزوجل نے انہی کو مدد دی حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے لیکن توارخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار بیان کی گئی ہے تو شاید حضرت عبد اللہ کا الفاظ قرآن سے یہ استدلال ہو۔ بنو الحجاج قبیلہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا اس سے جب حضور ﷺ نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ بتا روزانہ کتنے اونٹ کتنے ہیں؟ اس نے کہا ایک دن نو سو دس اور دوس دن آپ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنا تھے واللہ اعلم۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک ہزار تو ہیں لیکن مجھے ضرورت ایسے ہی دو چند کی ہے اور مراد ان کی تین ہزار کی ہوتی ہے تو کوئی مشکل باقی نہ رہی لیکن ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے۔ ﴿وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ فِي الثَّقِينِ فِي أَيِّكُمْ قَلِيلًا ۗ يُقَالُ لَكُمْ فِي أَيِّكُمْ لَيْفِي ۗ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ یعنی جب آمنے سامنے آگئے تو اللہ نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا اور تم کو ان کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا تاکہ جس کے کرنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر چکا تھا وہ ہو جائے پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تعداد سے بھی کم بچے اور مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بلکہ دگنے بچے تو دونوں آیتوں میں تطبیق کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا وقت اور تھا حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں بچے ہم نے غور سے دیکھا پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے زیادہ گنتی ان کی نہیں دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد ہمیں اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے اس نے کہا نہیں نہیں سو ہوں گے جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی اس نے کہا ایک ہزار ہیں اب جب کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دو گنے ہیں یہ اس لئے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیں اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دو گنی معلوم ہونے لگی تاکہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور

گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے پھر جب دونوں بھڑکے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تاکہ ہر ایک دل کھول کر حوصلے نکال لے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے ایمان کفر و طغیان پر غالب آجائے مومنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِدْرِكُمْ إِذْ لَمْ تُخَالِفُوا الْمَلَائِكَةَ لَمَّا قَالَ الْمَلَائِكَةُ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ اتَّخَذُوا الذَّيْفَ﴾ یعنی البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی بنائے۔ پھر فرماتا ہے اس میں عبرت و نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو آنکھوں والا ہو جس کا دماغ صحیح و سالم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں لگ جائیگا اور سمجھ لے گا کہ اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی اس جہان میں بھی مدد کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا بچاؤ کرے گا

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ

الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْبَابِ ﴿۱۵﴾ قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِمَا آتَاكُمُ اللَّهُ ذَلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

رَبِّهِمْ جَدَّتْ بَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ مُمْسِكُونَ فِيهَا وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ أَرْبَابٍ مُتَّبِعُونَ يُؤْتُونَ

مَنْ اللَّهُ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ﴿۱۶﴾

لوگوں کے لئے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے اور چاندی کے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے تو کہہ کیا میں تم کو اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔

دنیا کا مال و اسباب عارضی اور فانی ہے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی لذتوں سے زینت دی گئی ہے

ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا اس لئے کہ ان کا فتنہ بزاز بردست ہے صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ

ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے زیادہ ضررناک اور گوی فتنہ نہیں چھوڑا ہاں جب کسی شخص کی نیت نکاح

کرنے کے لئے ہو تو بیشک یہ نیک کام ہے اس کی رغبت شریعت نے دلائی ہے اور اس کا حکم کیا ہے اور بہت ہی

احادیث نکاح کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں اور اس امت میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہو۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں

دنیا ایک فائدہ ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے کہ خاوند اگر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے اور حکم دے تو بجالائے اور

کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہیں اور

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں تھیں ہاں گھوڑے ان

سے بھی زیادہ پسند تھے ایک اور روایت میں ہے کہ گھوڑوں سے زیادہ آپ کی چاہت کی چیز کوئی اور نہ تھی ہاں صرف عورتیں پس عورتوں

کی محبت بھلی بھی ہے اور بری بھی اسی طرح لڑکوں کی کہ اگر ان کی کثرت اس لئے چاہتا ہے کہ فخر و غرور کرے تو وہ بری چیز ہے اور اگر

اس لئے ان کی زیادتی چاہتا ہے کہ نسل بڑھے اور موحد مسلمانوں کی گنتی امت محمد ﷺ میں زیادہ ہو تو بیشک یہ بھلائی کی چیز ہے حدیث

مبارک کہ میں ہے کہ محبت رکھنے والیوں اور زیادہ اولاد جنسنے والی عورتوں سے نکاح کرو قیامت کے دن میں تمہاری زیادتی سے اور امتوں پر فخر کرنے والا ہوں۔ ٹھیک اسی طرح مال بھی ہے کہ اگر اس کی محبت گرے پڑے لوگوں کو حقیر سمجھنے کے لئے اور مسکینوں غریبوں پر فخر کرنے کے لئے ہے تو بوجد بری چیز ہے اور اگر مال کی چاہت اپنوں اور غیروں سے سلوک کرنے نیکیاں کرنے بھلی راہوں میں خرچ کرنے کے لئے ہے تو ہر طرح شرعاً اچھی اور بہت اچھی چیز ہے۔

﴿قِنْطَارٌ﴾ کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ماہصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں جیسے حضرت ضحاکؓ کا قول ہے اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں ایک ہزار دینار بارہ سو دینار بارہ ہزار چالیس ہزار ساٹھ ہزار ستر ہزار اسی ہزار وغیرہ وغیرہ۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین و آسمان سے (غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا واللہ اعلم)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایسی ہی ایک موقوف روایت بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں بھی بارہ سو اوقیہ آئے ہیں لیکن وہ حدیث بھی منکر ہے ممکن ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ کا قول ہو جیسے اور صحابہؓ کا بھی یہی فرمان ہے ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سو آیتیں پڑھ لے غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے مستدرک حاکم میں ہے کہ اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا دو ہزار اوقیہ۔ امام حاکم سے صحیح اور شرط تشخیص پر بتلاتے ہیں بخاری و مسلم سے نہیں لائے طبرانی وغیرہ میں ہے ایک ہزار دینار حضرت حسن بصریؒ سے موقوف آیا مرسل مروی ہے کہ بارہ سو دینار حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے حضرت ضحاکؓ فرماتے ہیں کہ بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں بعض بارہ ہزار کا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں نیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوفاً ہے گھوڑوں کی محبت تین قسم کی ہے ایک تو وہ لوگ جو گھوڑوں کو پالتے ہیں اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرنے کے لئے ان کے لئے تو یہ گھوڑے اجر و ثواب کا سبب ہیں دوسرے وہ جو فخر و غرور کے طور پر پالتے ہیں یہ ان کے ذمہ وبال ہے تیسرے وہ جو سوال سے بچنے اور اس کی نسل کی حفاظت کے لئے پالتے ہیں اور اللہ کا حق نہیں بھولتے یہ نہ اجر نہ عذاب۔ اسی مضمون کی حدیث آیت ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں آئے گی انشاء اللہ۔

مُسَوَّمَةٌ کے معنی چرنے والا اور بیچ کلیاں وغیرہ کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے کہتا ہے کہ اے اللہ جس کے قبضہ میں تو نے مجھے دیا ہے تو اس کے دل میں اس کی اہل اور مال سے زیادہ محبت میری دے۔ انعام سے مراد اونٹ، بکریاں، گائیں ہیں حوت سے مراد وہ زمین ہے جو کھیتی بونے یا باغ لگانے کے لئے تیار کی جائے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ انسان کا بہتر مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھلدار درخت کھجور ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ سب دنیاوی فائدہ کی چیزیں ہیں یہاں کی زینت یہاں کی فریفتگی کی یہ چیزیں ہیں جو فانی اور زوال پانے والی ہیں اچھی لوٹنے کی جگہ اور بہترین ثواب کی بازگشت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا اے اللہ جب کہ تو نے اسے زینت دیدی تو اب اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو اس سے بہترین چیزیں بتلاتا ہوں یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تم کو بلارہا ہوں وہ دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشگی والی ہیں سنو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہ رہی ہیں کہیں شہد کی کہیں دودھ کی کہیں پاک شراب کی کہیں نفس پانی کی اور وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان

نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گزرا ہوا ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابد الابد تک رہیں گے۔ نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں گھٹیں نہ فنا ہوں پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے خباثت اور برائی سے حیض اور نفاس سے گندگی اور پلیدی سے پاک صاف ہیں ہر طرح ستھری اور پاکیزہ ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضامندی انہیں حاصل ہو جائے گی اور ایسی گہ اس کے بعد ناراضگی کا کھکا ہی نہیں اس لئے سورۃ برائت کی آیت میں فرمایا ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾ اللہ تعالیٰ کی تھوڑے سی رضامندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام کے تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّكَ آمِنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصَّابِرِينَ وَ
الصَّادِقِينَ وَالْقَنِتَّةِينَ وَالْمُتَّقِينَ ۝ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝

جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔

سحری کے وقت استغفار کی فضیلت : اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے پروردگار! ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات پر اور تیری شریعت پر ہے تو ہماری تقصیروں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذابوں سے نجات دے یہ متقی لوگ اطاعت الہی بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں صبر و سہار سے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں کل اعمال خیر بجالاتے ہیں خواہ وہ نفس پر بھاری پڑیں اطاعت اور خشوع خضوع والے ہیں اپنے مال اللہ تعالیٰ کی ہر راہ میں جہاں جہاں حکم ہے خرچ کرتے ہیں صلہ رحمی میں رشتہ داری کو باقی رکھنے میں برائیوں کے روکنے میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں، مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار کی فضیلت والا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا کہ ﴿سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي﴾ (میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا) اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوں سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات آخری تہائی رات باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی ساکن ہے جسے میں دوں؟ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے بخشوں حافظ ابوالحسن دارقطنی نے تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں اس حدیث کی تمام سندوں کو اور اس کے کل الفاظ کو وارد کیا ہے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول رات اور درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھا ہے سب سے آخر وقت حضور ﷺ کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا حضرت عبد اللہ بن عمر رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافع سے پوچھتے کیا سحر ہو گئی؟ جب وہ کہتے ہاں تو پھر آپ صبح صادق کے نکلنے تک دعا اور استغفار میں مشغول رہتے حضرت حاطب فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشہ میں کہہ رہا ہے اے اللہ! تو نے مجھے حکم کیا میں بجالیایہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود تھے حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا

کہ ہم تہجد کی نماز پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کریں۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۰۱ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۱۰۲ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأَقْبَانِ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۰۳

اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں بیشک اللہ کے نزدیک دین حکم برداری ہی ہے اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی اختلاف کیا ہے اللہ کی آیات کے ساتھ جو بھی کفر کرے پس اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے پھر بھی اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہدے کہ میں نے اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے۔

صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے: اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے بس اس کی شہادت کافی ہے وہ سب سے زیادہ سچا شاہد ہے سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی غلام ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی محتاج ہے وہ سب سے بے نیاز ہے الوہیت میں اللہ ہونے میں وہ یکتا اور لاشریک ہے اس کے سوا کوئی پوجے جانے کے لائق نہیں جیسے فرمان ہے ﴿لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ﴾ یعنی لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی اور علماء کی شہادت کو ملتا رہا ہے۔ یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت ﴿قَائِمًا﴾ کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں ایسا ہی ہے پھر تاکید اور بارہا ارشاد ہوتا ہے کہ معبود حقیقی صرف وہی ہے وہ غالب ہے عظمت اور کبریائی والی اس کی بارگاہ ہے وہ اپنے اقوال افعال شریعت قدرت اور تقدیر میں حکمتوں والا ہے مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت کی اور ﴿الْحَكِيمُ﴾ تک پڑھ کر فرمایا ﴿وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ يَا رَبِّ﴾ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا ﴿وَأَنَا أَشْهَدُ أَنِّي رَبِّ﴾ طبرانی میں ہے کہ حضرت غالب قطان فرماتے ہیں۔ میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمش کے قریب ٹھہرا رات کو حضرت اعمش تہجد کے لئے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور ﴿إِنَّ اللَّهَ يَنْ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ پڑھا تو فرمایا ﴿وَأَنَا أَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللَّهُ بِهِ وَأَسْتَوْدِعُ اللَّهَ هَذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِيَ لِي عِنْدَ اللَّهِ وَدِيعة﴾ یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں یہ میری امانت اللہ

تعالیٰ کے پاس ہے پھر کئی دفعہ ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾ پڑھا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی صبح ہی صبح میں حاضر خدمت ہو اور عرض کیا کہ ابو محمد! کیا بات تھی جو آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے کہا کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا ہوا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا جب سال کامل گزر چکا تو میں نے کہا اے ابو محمد سال گزر چکا انہوں نے کہا اچھا سن مجھ سے ابو وائل نے حدیث بیان کی اس نے عبد اللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ ہوں میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں آپ کی نبوت کے بعد سب راستے بند ہو گئے اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ﴾ جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار صرف اسلام میں کر دیا ہے حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں ﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ ﴾ ہے اور ﴿ إِنَّ الْإِسْلَامَ ﴾ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خود اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں کی اور ذی علم انسانوں کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے جمہور کی قراءت میں ان زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے واللہ علم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی کتاب والوں نے اپنے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے آجانے اور ربانی کتابیں اترنے کے بعد اختلاف کیا اور اس کی وجہ صرف آپس کا بغض و عناد تھا کہ یہ جو کہتا ہے میں اس کے خلاف کہوں گو وہ حق ہی کہتا ہو۔ پھر ارشاد ہے کہ جب اللہ کی آیات اتر چکیں اب جو انکار کرے انہیں نہ مانے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لے گا اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت عذاب کرے گا اور اسے اس کی اس شرارت کا لطف چکھادے گا۔ پھر فرمایا اگر یہ لوگ تجھ سے توحید باری میں جھگڑیں تو تو کہہ دے کہ میں تو خالص اللہ ہی کی عبادت کروں گا جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی اور جو بھی میرے امتی ہیں میرے دین پر ہیں ان سب کا قول بھی یہی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ﴾ یعنی میری راہ یہی ہے میں خوب سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کرتا ہوں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں میں بھی اور میرے تابعدار بھی۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اے نبی! یہود و نصاریٰ سے جن کے ہاتھوں میں کتاب اللہ ہے اور مشرکین سے جو بے ان پڑھ ہیں کہہ دو کہ تم سب کی ہدایت اسلام میں ہی ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں آپ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اللہ تعالیٰ خود ان سے سمجھ لے گا ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے وہ جسے چاہے راہ راست دکھائے جسے چاہے گمراہ کر دے اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے اس کی حجت تو پوری ہو کر رہتی ہے اس کی اپنے بندوں پر نظر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور کون مستحق ضلالت ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

یہ اور ان جیسی آیات میں صاف صراحت ہے اس امر پر کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے نبی بن کر آئے ہیں اور خود آپ کے دین کے احکام اس پر دلالت کرتے ہیں اور کتاب و سنت میں بہت سی آیتیں اور احادیث اس مضمون کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ہے ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (سلام علیہ) اور آیت میں ہے ﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴾ بابرکت ہے وہ اللہ جس نے

اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے تنبیہ کرنے والا بن جائے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ادھر ادھر کے تمام بادشاہوں کو اور وہ سرے لوگوں کو خطوط بھجواتے جن میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں انجم ہوں اہل کتاب ہوں یا اور مذہب والے ہوں اور اس طرح آپ ﷺ نے فرض تبلیغ کو تمام وکمال تک پہنچا دیا (ﷺ) مسند عبد الرزاق میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جس کسی کے کان میں میری نبوت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی اور اسی بے ایمانی کی حالت میں مر جائے تو قطعاً جہنمی ہو گا مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں ہر ایک سرخ و سیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور ایک حدیث میں ہے کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا مگر میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لاکر رکھ دیتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آنحضرت ﷺ اس کی بیمار پر سی کے لئے تشریف لائے اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سر بانے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے فلاں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہہ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی چپکا ہو گیا حضور ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا باپ نے کہا ابو القاسم کی مان لے (ﷺ) پس اس بچے نے کہا ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ﴾ نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچا لیا ہے اسے صحیح بخاری میں حضرت امام بخاریؒ لائے ہیں ان کے سوال اور بھی بہت سی صحیح احادیث اور قرآن کریم کی آیات ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۱﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۳۲﴾

جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل و انصاف کی کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں تو انہیں دردناک عذابوں کی خبر دیدے ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

کافروں اور انبیاء کو قتل کرنے والوں کے اعمال ضائع ہیں: یہاں اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ اور حرمت کے کام کرتے رہتے تھے اللہ کی اگلی پچھلی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں جھٹلاتے رہتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالا کرتے تھے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جو لوگ انہیں عدل و انصاف کی سنائیں انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ کبر و غرور یہی ہے کہ حق کو نہ ماننا اور حق والوں کو ذلیل جاننا۔ مسند ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا اسے جو کسی نبی کو مار ڈالے یا کسی ایسے شخص کو جو بھلائی کا بتانے والا اور برائی سے بچانے والا ہو۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اللہ ابو عبیدہ بن جراحؓ نے تینتالیس نبیوں کو دن کے اول حصہ میں ایک ساعت میں قتل کیا پھر ایک سو ستتر بنو اسرائیل کے ایماندار جو انہیں اس سے روکنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور انہیں بھلائی کا حکم دے رہے تھے اور برائی سے روک رہے تھے ان سب کو اسی دن کے آخری حصہ میں مار ڈالا اس آیت میں اللہ

تعالیٰ انہی کا ذکر کر رہا ہے انہیں جو یہ ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو شروع میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالا بیچنے بیٹھ گئے پس ان لوگوں کی اس سرکشی تکبر اور خود پسندی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں پست و ذلیل کر دیا اور آخرت کے بھی رسوائی والے بدترین عذاب ان کے لئے تیار کئے۔ اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذابوں کی خبر پہنچا دیا ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

الْمُتَرَاتِلِ الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا
اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةٍ وَّ غَرَّهُمْ فِى دِيْنِهِمْ فَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمِ
لَا رَيْبَ فِیْهِ وَّ وُقِفَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوت جاتی ہے اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گئے پتے چند دن ہی آگ لگے گی ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہود و نصاریٰ کے دعوے کا باطل ہیں: یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا توراہ و انجیل پر ایمان ہے کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب انہیں اس نبی آخر الزمان کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ منہ پھیرے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں اس سے ان کی حد درجہ کی سرکشی تکبر اور عناد و مخالفت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس مخالفت حق اور اس بے جا سرکشی پر انہیں اس چیز نے دلیر کر دیا ہے کہ انہوں نے باوجود اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہونے کے اپنی طرف سے افتخار کر کے یہ بیان بنا لیا ہے کہ ہم تو صرف چند روز ہی آگ میں رہیں گے۔ یعنی فقط سات روز دنیا کے حساب کے ہر ہزار سال کے پیچھے ایک دن اس کی پوری تفسیر سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اسی وادی اور بے سرو پا خیال نے اس باطل دین پر انہیں جما دیا ہے حالانکہ یہ خود ان کا خیال ہے اللہ نے نہ ایسی بات کہی نہ اس کی کوئی کتابی دلیل ان کے پاس ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں ڈانٹتا اور دھوکا دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کا قیامت والے دن کیا حال ہوگا؟ کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہر سولوں کو جھٹلایا انبیاء کو اور حق گو علماء کو قتل کیا ایک ایک بات کا اللہ کو جواب دینا پڑے گا اور ایک ایک گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی اس دن کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس دن ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کسی طرح کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ
مَنْ تَشَاءُ وَتُذَلِّقُ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸﴾ تُوَلِّجُ
الْبَلَدَ فِى النَّهَارِ وَتُوَلِّجُ النَّهَارَ فِى الْبَلَدِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۷﴾

تو کہہ اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جس سے چاہے بادشاہی دے اور جسے تو چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھوں سب بھلائیاں ہیں، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے تو ہی ہے کہ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔

عزت و ذلت رات دن کا بدلنا موسیٰ تغیرات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے رب کی تعظیم کے طور پر اور اس کا شکر یہ بجالانے کے لئے اور اسے اپنے تمام کام سونپ دینے کیلئے اور اس کی ذات پاک پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں اس کی بڑائی بیان کیجئے جو اوپر بیان ہوئیں یعنی اے اللہ مالک الملک تو ہے تمام ملک تیری ملکیت میں ہے جسے تو چاہے دے اور جس سے چاہے دیا ہو، بھی لے لے تو ہی دینے لینے والا ہے تو جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی کہ نبوت بنی اسرائیل سے ہٹا کر نبی عربی قریشی امی مکی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو علی الاطلاق نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس و جن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا تمام اگلوں کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں اور وہ فضیلتیں آپ کو دی گئیں جن سے اور تمام انبیاء بھی محروم رہے خواہ وہ اللہ کے علم کی بابت ہوں یا اس رب کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا ہو چکی اور آنے والی خبروں کے متعلق ہوں آپ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھول دیئے آپ کی امت کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پر غالب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا درود و سلام آپ پر نازل ہوا اب سے لے کر قیامت تک جب تک رات دن کی گردش باقی رہے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں دوام کے ساتھ نازل فرماتا رہے آمین۔

پس فرمایا کہ کہو اے اللہ! تو ہی اپنی خلق میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے جو چاہے کر گزرتا ہے جو لوگ کہتے تھے کہ ان دو بستیوں میں سے کسی بہت بڑے شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام کیوں نازل نہ کیا؟ اس کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ﴾ کیا تیرے رب کی رحمت کے بانٹنے والے یہ ہیں جب ان کی روزیوں تک کے مالک ہم ہیں جسے چاہیں کم دیں جسے چاہیں زیادہ دیں تو پھر ہم پر حکومت کرنے والے یہ کون؟ کہ فلاں کو نبی کیوں نہ بنایا نبوت بھی ہماری ملکیت کی چیز ہے ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دیئے جانے کے قابل کون ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اپنی رسالت نازل فرماتا ہے اسے وہی سب سے بہتر جانتا ہے اور جگہ فرمایا ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ان میں آپس میں ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تو ہی رات کی زیادتی کو دن کے نقصان میں بڑھا کر دن رات کو برابر کر دیتا ہے۔ پھر ادھر کا حصہ ادھر دے کر دونوں کو چھوٹا بڑا کر دیتا ہے پھر برابر کر دیتا ہے زمین و آسمان پر سورج چاند پر پورا پورا قبضہ اور تمام تر تصرف تیرا ہی ہے۔

اسی طرح جاڑے کو گرمی سے اور گرمی کو جاڑے سے بدلنا بھی تیری قدرت میں ہے۔ بہار خزاں پر قادر تو ہی ہے تو ہی ہے کہ زندے سے مردے کو اور مردے سے زندے کو نکالے۔ کھیتی دانے سے اور دانہ کھیتی سے درخت کھجور گنشلی سے اور گنشلی کھجور سے تو ہی پیدا کرتا ہے مومن کو کافر کے ہاں اور کافر کو مومن کے ہاں تو ہی پیدا کرتا ہے مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے اور اسی طرح کی تمام

ترچیزیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں تو جسے چاہے اتنا مال دے دے جو نہ گنا جائے نہ احاطہ کیا جائے اور جسے چاہے بھوک کے برابر روٹی بھی نہ دے ہم جانتے ہیں کہ یہ کام حکمت سے پر ہیں اور تیرے ارادے اور تیری چاہت سے ہوتے ہیں طبرانی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اس آیت ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ﴾ میں ہے کہ جب اس نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰتًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسًا وَّ

اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾

ایمانداروں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جاتا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

کفار سے ترک موالات: یہاں اللہ ترک موالات کا حکم دیتا ہے کہ مسلمانوں کو لائق نہیں کہ کفار سے دوستیاں اور محبتیں کریں انہیں آپس میں ایمانداروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہیے پھر حکم سناتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اس سے اللہ بالکل بیزار ہو جائے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ﴾ یعنی مسلمانو! میرے اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کرو اور جگہ فرمایا مومنو! یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو ان میں سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے۔ اور جگہ پروردگار عالم نے مہاجر انصار اور دوسرے مومنوں کے بھائی چارہ کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ کافر آپس میں ایک دوسرے کے محب و محبوب ہیں تم اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہو پڑے گا۔ پر ان لوگوں کو رخصت دی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی ہدی اور ان کی برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے طور پر بظاہر کچھ میل ملاپ ظاہر کر دیں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کر کے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت بھی ہرگز نہ دے یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے۔ ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِاِلٰمٰنٍ﴾ جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کرے سوائے اس کے جن پر زبردستی کی جائے اور دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بخاری میں ہے کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے لہذا بوں سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستیاں رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے پھر فرمایا اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنی اود! میں اللہ تعالیٰ کے رسول کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں جان لو کہ اللہ ہی کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے پھر یا تو جنت ٹھکانا ہو گا یا جہنم۔

قُلْ اِنْ تَخْشَوْنَ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْدُوْهُ يَعْلَمُهٗ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا

فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۷۸﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تُوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۷۹﴾

کہ وے کہ اگر تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤں یا ظاہر کرو اللہ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب سے معلوم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام چھپی کھلی باتوں کو جانتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ پوشیدگیوں کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر کی ہوئی باتوں کو بخوبی جانتا ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ گھیرے ہوئے ہے زمین کے گوشوں میں پہاڑوں میں سمندروں میں آسمانوں میں ہواؤں میں سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے سب اس کے علم میں ہے پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے جس طرح چاہے رکھے جو چاہے جزا سزا دے پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست قدرت والے سے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہیے اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہیے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہیے وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے۔

ممکن ہے کسی کو ڈھیل دیدے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت ایک دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت و افسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور ہوتا اور پرے ہی پرے رہتا قرآن نے اور جگہ فرمایا ہے۔ ﴿يَسْبُوا الْاِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ اِمَّا قَدَّمْ وَاٰخِر﴾ سب اگلی کچھلی کی کرائی باتیں اس دن پیش کر دی جائیں گی شیطان جو اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا۔ ﴿يَلَيْتُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَنَسِ الْقَرْيُنِ﴾ کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق مغرب کا فاصلہ ہوتا وہ تو بڑا براسا تھی ہے اللہ تمہیں اپنے سے یعنی اپنے غدا بوں سے ڈرا دھمکار رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوشخبریاں دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف و کرم سے کبھی ناامید نہ ہوں وہ نہایت ہی مہربان بہت ہی رحم اور پیار رکھنے والا ہے امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف و محبت ہے کہ اس نے اپنے سے ہی اپنے بندوں کو ڈرایا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم ہے بندوں کو بھی چاہیے کہ صراطِ مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں دین پاک کو نہ چھوڑیں رسول کریم ﷺ کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

رَّحِيْمٌ ﴿۸۱﴾ قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۲﴾

کہدے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہدے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو: اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال افعال عقائد مطابق فرمان بنوی ﷺ نہ ہوں طریقہ محمدیہ پر وہ کار بند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میری سنتوں پر عمل کرو اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مد نظر ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کیلئے دشمنی کا نام ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرمادے گا پھر ہر عام و خاص کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی مانتے رہیں جو اس سے لوٹ جائیں یعنی اللہ و رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا اس سے صاف واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے گوان کا دعویٰ ہو لیکن جب تک اللہ کے سچے نبی امی خاتم المرسل رسول جن و بشر کی تابعداری پیروی اور اتباع سنت نہ کریں وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر آج انبیاء اور رسول بلکہ بہترین اور اولوالعزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کی ماننے بغیر اور آپ کی شریعت پر کار بند ہوتے بغیر چارہ ہی نہ تھا اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ آیت ﴿وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّ﴾ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْعِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۸۳﴾ ذُرِّيَّتَهُ
بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۸۴﴾

بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو انتخاب فرمایا کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ ہے سنتا جانتا۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء کرام: یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگ حضرات کو تمام جہان پر برگزیدگی عنایت فرمائی حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنی روح ان میں پھونکی ہر چیز کے نام انہیں بتلائے جنت میں انہیں بسایا پھر اپنی حکمت کے اظہار کیلئے زمین پر اتار دیا حضرت نوح کو جب کہ زمین پر بت پرستی قائم ہو گئی تو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا حضرت نوح نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے کان نہ دھرتے تو سوائے تابعدار ان نوح کے باقی سب کو اپنا پانی کا عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ نے برگزیدگی عنایت فرمائی اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔ عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کر لیا عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحاق یہ ہے عمران بن یاسم بن میثاب بن حزقیان بن ابراہیم بن غریبان بن ناوش بن اجر بن بسوا بن نازم بن مقاسط بن ایسا بن ایاز بن ریحیم بن سلیمان بن داؤد پس حضرت عیسیٰ بھی حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں اس کا مفصل بیان سورۃ النعام کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ

أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَ
ذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۸۱﴾

جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو تو میری طرف سے قبول فرما
یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے جب بچی تولد ہوئی تو کہنے لگیں پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد
ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں میں نے اس کا نام مریم رکھا میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔

نذر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے: حضرت عمران کی ان بیوی صاحبہ کا نام جو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حضرت
فاوذا تھا محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو بھرا رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا
اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر
گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی
پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے
اب یہ تو معلوم نہ تھا کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی جب بچہ تولد ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام
دے سکے اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہیے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری تعالیٰ میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر
وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ﴾ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ قول بھی حضرت نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ
خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اورت کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا
اولاد ہوئی ہے اور فرماتی ہیں کہ مرد عورت برابر نہیں میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔

بچے کی پیدائش پر نام رکھنا اور عقیقہ کرنا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہو اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ ہم سے
پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہ یہاں بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا اسی طرح حدیث
شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر
ابراہیم رکھا۔ ملاحظہ ہو بخاری و مسلم حضرت انس بن مالکؓ اپنے بھائی کو جب کہ وہ تولد ہوئے لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر
ہوئے آپ ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبد اللہ رکھا یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے ایک اور حدیث
میں ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبد الرحمن نام رکھو (بخاری) ایک
اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابواسیدؓ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ کی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تاکہ آپ اپنے دست
مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں۔ آپ اور طرف متوجہ ہو گئے بچہ کا خیال نہ رہا حضرت ابواسیدؓ نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا جب آپ
فارغ ہوئے بچہ کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا اس کا نام منذر رکھو (یعنی ڈرا دینے والا) مسند احمد اور سنن
میں ایک حدیث مروی ہے جسے امام ترمذیؒ صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقے میں گروی ہے ساتویں دن عقیقہ
کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے اور بچہ کا سر منذر والے ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ
والی روایت ہے واللہ اعلم۔

لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا یہ حدیث سند اثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے لیکن تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی ہو واللہ اعلم حضرت مریم کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بیٹی کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مائی صاحبہ کی اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔

چنانچہ مسند عبد الرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر بچے کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت شہو کا دیتا ہے اس سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے لیکن (حضرت) مریم اور حضرت عیسیٰ اس سے بچے رہے اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو: اِنْسِيْ اَعِيْذْ هَاكَ ﴿۱﴾ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے کسی میں ہے ایک یا دو چوکے مارتا ہے ایک حدیث میں صرف حضرت عیسیٰ کا بھی ذکر ہے شیطان نے انہیں بھی چوکا مارتا چاہا لیکن انہیں نہ لگا پڑے میں لگ کر رہ گیا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ ۖ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَمْرِئُ امْرَأِيْ لَكَ هَذَا اَقَالَتْ هُوَ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۷﴾

پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین طریق پر بڑھایا اس کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے پوچھا اسے مریم ایہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے پیشاب اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔

مریم صدیقہ کی کفالت اور یہ کہ حالہ قائم مقام والدہ کے ہے: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حذہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمایا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی ظاہری خوبی بھی عطاء فرمائی اور باطنی خوبی سے بھر پور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں حضرت زکریا کو ان کا کفیل بنا دیا ابن اسحاق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم یتیم ہو گئی تھیں لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لے لیا تھا ہو سکتا ہے کہ دونوں وجہیں مل گئیں ہوں واللہ اعلم ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا ان کے خالو تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں ابن اسحاق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریم اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابوطالب کی بیوی صاحبہ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔

حضرت مریم اور دیگر اولیاء کی کرامات: اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جازوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جازے کے میوے حضرت مجاہد حضرت عکرمہ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابوالشعناء حضرت ابراہیم نخعی حضرت ضحاک حضرت

تقادہ حضرت ربيع بن انس حضرت عطیہ عوفی حضرت سدی (رحمہم اللہ تعالیٰ) اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آئی ہیں حضرت زکریا ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ روزیاں کہاں سے آتی ہیں؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

مسند حافظ ابو یعلیٰ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گزر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھالوں؟ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور پر میرے ماں باپ صدقے ہوں کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اللہم صل وسلم علیہؐ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور ککڑا گوشت حضرت فاطمہ کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر لگن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے میرے خاوند اور بچوں کو بھی بھوک ہے لیکن ہم سب فاتحے ہی سے گزار دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ ﷺ کو ہی دوں گی پھر حضرت حسنؓ کو یا حسینؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں حضور ﷺ راستے ہی میں تھے لوٹ آئے کہنے لگی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ نے کچھ بھیجا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے آپ نے فرمایا پیاری بچی لے آؤ اب جو کونڈا کھولا تو دیکھتی ہیں کہ روٹی سالن سے مچ مچاؤ ہے دیکھ کر حیران ہو گئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے۔ اللہ کا شکر کیا نبی اللہ پر درود پڑھا اور آپ کے پاس لا کر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ اباجان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اسے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے پھر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا لیا اور آپ نے اور حضرت علیؓ نے اور حضرت فاطمہؓ نے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے اور آپ ﷺ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو اس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ تھی خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ
الدُّعَاءِ ۝ فَوَدَّعَاهُ الْمَلَكَةَ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بَيْعْتِي
مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَأَحْصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ
أَنِّي يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا
يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْرًا
وَأَذْكُرُ رَبِّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحُ بِالْعِشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝

اسی جگہ ذکر کیا ہے اپنے رب سے دعا کی کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا سننے والا ہے پس فرشتوں نے اسے آواز دی کہ جب کہ وہ حجرے میں گھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ سے کلمہ کی سچائی کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا؟ میں بالکل بوڑھا ہوں کیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے کہنے لگے پروردگار! میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کر دے فرمایا نشان یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا صرف اشارے سے سمجھائے گا تو اپنے رب کا ذکر بکثرت کر اور صبح شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ۔

حضرت زکریاؑ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریمؑ کو بے موسم میوہ دیتا ہے جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے پڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے آپ بھی بے موسم میوے یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے اور چونکہ یہ طلب بظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿نِدَاءٌ خَفِيًّا﴾ یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہو گا جس کا نام یحییٰ رکھنا ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے یحییٰ نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیات ایمان کے ساتھ ہو گی وہ اللہ کے کلمہ کی یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ ہیں حضرت قتادہ کا قول ہے کہ حضرت یحییٰؑ ٹھیک حضرت عیسیٰ کی روش اور آپ کی طریق پر تھے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں یہ تھی حضرت یحییٰ کی تصدیق دنیا میں آنے سے بھی بیشتر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی سچائی انہوں نے ہی جانی یہ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے سید کے معنی حلیم بردبار علم و عبادت میں بڑھا ہوا متقی پرہیزگار فقیہ عالم خلاق و دین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے شریف اور کریم کے ہیں حضور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آسکے جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ لفظ تلاوت کر کے زمین سے اچھ اٹھا کر فرمایا اس کا عضو اس جیسا تھا حضرت عبداللہ بن عمر و ابن عباس فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ ہی اللہ سے بے گناہ ملیں گے پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے اچھ اٹھایا اور فرمایا حضور اسے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے اس کی سند سے اس موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک کپڑے کے پھندے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ایسا تھا اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مریوڑا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا۔

اس کے بعد حضرت زکریا کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ وہ تمہارا لڑکا نبی ہو گا یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی ہے بشارت آپکی تب حضرت زکریا کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے اے اللہ! میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے میں بوڑھا پھوس میری بیوی بالکل بانجھ فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا امر سب سے بڑا ہے اس کے پاس کوئی چیز ان ہوئی نہیں نہ اسے کوئی کام بھاری پڑے وہ کسی کام سے عاجز اس کا ارادہ ہو چکا وہ اسی طرح کرے گا۔ اب حضرت زکریا اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے تو ذات باری سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ارشاد کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا رہے گا تندرست صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَوْلَا لَيْلٌ سَوِيًّا﴾ یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت میں پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہئے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو۔

صبح شام اسی میں لگے رہو اس کا دوسرا حصہ اور پورا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ مریم کے شروع میں آئے گا انشاء اللہ۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُاِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكَ وَطَهَّرَكَ وَاَصْطَفٰكَ عَلٰى
نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاَسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ
مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَاَكُنْتِ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيْهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَاَكُنْتِ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کر لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تجھے انتخاب کر لیا۔ اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کیا کر اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کون میں سے کون پالے؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔

حضرت مریم خدیجہ عائشہ اور آسیہ زوجہ فرعون کی فضیلت: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی عبادت کی کثرت ان کی دنیا سے بے رغبتی ان کی شرافت اور شیطانی وسوسا سے دوری کی وجہ سے اپنے قرب خاص کا درجہ عنایت فرمادیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں خاص فضیلت دے رکھی ہے صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں ان میں سے بہتر عورتیں قریشی کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اپنے خاندان کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں حضرت مریم بنت عمران اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت (حضرت) خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے کہ ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد ﷺ آسیہ فرعون کی بیوی بس ہیں (رضی اللہ عنہن) اور حدیث میں ہے کہ یہ چاروں عورتیں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں اور حدیث میں ہے کہ مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں مریم بنت عمران آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلد اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ٹرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر۔ یہ حدیث سوائے ابوداؤد کے باقی اور سب کتابوں میں ہے صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت خدیجہ کا ذکر نہیں میں نے اس حدیث کی تمام سندیں اور ہر سند کے الفاظ اپنی کتاب البدیۃ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ﴾

حضرت مریم کی عبارت اور اطاعت گزارگی: پھر فرشتے فرماتے ہیں کہ اے مریم! تو خشوع خضوع رکوع سجود میں رہا کر اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لئے تجھے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہئے قنوت کے معنی اطاعت کے ہیں جو ناجزی اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَهُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ لَهٗ قٰنُتُوْنَ﴾ یعنی اسی کی ماتحتی اور ملکیت میں زمین و آسمان کی ہر چیز ہے سب کے سب اس کے محکوم اور تابع فرمان ہیں ابن ابی حاتم کی ایک

مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن میں جہاں نہیں قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد اطاعت گزار ہی ہے۔ یہی حدیث ابن جریر میں بھی ہے لیکن سند میں نکارت ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریمؑ نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم چڑھ جاتا تھا قنوت سے مراد یہی نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ مراد یہ ہے اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہا اور روح و سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت اور باخشوع اور بے نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا رضى الله عنها وارضاهما

قرعہ قال حضرت زکریا کے نام! یہ اہم خبریں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ان باتوں کا علم تمہیں صرف میری وحی سے ہو اور نہ تمہیں کیا خبر؟ تم کچھ اس وقت ان کے پاس تھوڑے ہی موجود تھے جو ان واقعات کی خبر لوگوں کو پہنچاتے! لیکن اپنی وحی سے ہم نے ان واقعات کو اس طرح آپ پر کھول دیا گویا آپ اس وقت خود موجود تھے جب کہ (حضرت) مریمؑ کی پرورش کے بارے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا سب کی چاہت تھی کہ اس دولت سے میں مالا مال ہو جاؤں اور یہ اجر مجھے مل جائے۔ جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لے کر بیت المقدس کی مسجد سلیمانی میں تشریف لائیں اور وہاں کے خادموں سے جو حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی نسل میں سے تھے کہا کہ میں انہیں اپنی نذر کے مطابق نام اللہ پر آزاد کر چکی ہوں۔ تم اسے سنبھالو یہ ظاہر ہے کہ یہ لڑکی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حیض کی حالت میں عورتیں مسجد میں نہیں آسکتیں اب تم جانو تمہارا کام میں تو اسے گھر واپس نہیں لے جانے کی کیونکہ نام اللہ پر اسے نذر کر چکی ہوں حضرت عمرانؑ یہاں کے امام نماز تھے اور قربانیوں کے مستم تھے اور یہ ان کی صاحبزادی تھیں تو ہر ایک نے بڑے چاؤ سے ان کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ ادھر سے حضرت زکریا نے اپنا ایک حق اور جتایا کہ میں رشتہ میں بھی ان کا خالو ہوتا ہوں تو یہ لڑکی مجھے کو ملنی چاہئے لیکن اور لوگ راضی نہ ہوئے آخر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ میں ان سب نے اپنی وہ قلمیں ڈالیں جن سے توراہ لکھتے تھے تو قرعہ حضرت زکریا کے نام نکلا اور یہی اس سعادت سے مشرف ہوئے وہ سریؑ مفصل روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نہم اردن پر جا کر یہ قلمیں ڈالی گئیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو قلم نکل جائے وہ نہیں اور جس کا قلم ٹھہر جائے وہ حضرت مریمؑ کا قلم بنے چنانچہ سب کی قلمیں تو پانی بہا لے گیا۔ صرف حضرت زکریا کا قلم ٹھہر گیا بلکہ الٹا اوپر کو چڑھنے لگا تو ایک تو قرعے میں ان کا نام نکلا دوسرے قریب کی رشتہ داری تھی پھر یہ خود ان تمام کے سردار امام عالم بلکہ نبی تھے صلوات اللہ و سلامہ علیہ۔ پس انہی کو حضرت مریمؑ سوپ دی گئیں۔

اذ قالت الملكة يريم ان الله يبشرك بكلمة منه اسماء المسمى عيسى ابن مريم وجيها في الدنيا والاخرة ومن المقربين ۱۹ ويكلم الناس في المهد وكهلا ومن الصالحين ۲۰ قالت رب انى يكون لى ولد ولم يمسنى بشر قال كذا لك الله يخلق ما يشاء اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون ۲۱

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ایب بات کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور ہے بھی وہ میری نزدیکی والوں میں سے وہ لوگوں سے اپنے گوارے میں سے باتیں کرے گا اور اذہیز عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہو گا کہنے لگیں اے اللہ! مجھے لڑکا کیسے ہو گا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کبھی وہ کسی

کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش: یہ نو شجرہ کی حضرت مریم کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ انہیں ایک لڑکا ہوگا بڑی شان والا جو صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے کہنے سے ہوگا اور یہی تفسیر ہے اللہ کے فرمان ﴿مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ﴾ کی جیسے کہ جمہور نے ذکر کی جو بیان اس سے پہلے گزر چکا جس کا نام مسیح ہوگا عیسیٰ مینا مریم کا ہر مومن اسے اسی نام سے پہچانے گا مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا اللہ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں ان پر دنیا میں نازل ہو گئی اور آخرت میں بھی اور العزیز پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائے گی ﴿صَلُّوا تِلْكَ الْبَلَدِ وَالسَّلَامَةَ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ﴾ وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحد لا شریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپن ہی میں دعوت دیں گے جو ان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرے گا وہ اپنے قول و فعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰ نے کیا ہے اور جبرئیل کے ساتھی نے اور حدیث میں ایک اور نچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے۔

حضرت مریم اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں اے اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں اے اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ اللہ کا امر بہت بڑا ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ جو چاہے پیدا کر دے اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریا کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ ﴿يَفْعَلُ﴾ تھا یہاں لفظ ﴿يَخْلُقُ﴾ ہے یعنی پیدا کرتا ہے اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کوئی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ کا اللہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا وہ جس کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ وہی ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلِمَةٍ إِذَا نُنَادِيهِمْ﴾ یعنی ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ
 أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ
 فَانْفَخْتُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِيءُ الْأَكْبَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ
 بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَاتَ خُرُونٌ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
 لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِلْحٰٓقًا لَّكُمْ
 بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۵۱﴾

اللہ سے لکھنا اور حکمت اور توراہ اور انجیل سکھانے کا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرند بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے پیٹ کے اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو جلا دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو۔ اور میں توراہ کا سچانے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

حضرت عیسیٰ کے عظیم الشان معجزات : فرشتے حضرت مریم سے کہتے ہیں کہ تیرے اس لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ کو پروردگار عالم لکھنا سکھائے گا اور حکمت سکھائے گا لفظ حکمت کی تفسیر سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے اور اسے توراہ سکھائے گا جو حضرت موسیٰ بن عمران پر اتری تھی اور انجیل سکھائے گا جو حضرت عیسیٰ پر اتری چنانچہ آپ کو یہ دونوں کتابیں حفظ یاد تھیں انہیں بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجے گا اس بات کے کہنے کیلئے کہ میرا یہ معجزہ دیکھو کہ مٹی کی اس کا پرند بنایا پھر پھونک مارتے ہی وہ سچ بچ کا جیتا جاتا پرندہ بن کر سب کے سامنے اڑنے لگا یہ اللہ کے حکم سے اور اس کے فرمان سے تھا حضرت عیسیٰ کی اپنی قدرت سے نہیں یہ ایک معجزہ تھا جو آپ کی نبوت کا نشان تھا۔ اٹھمہ اس اندھے کو کہتے ہیں جسے دن کے وقت دکھائی نہ دے مگر رات کو دکھائی دے بعض نے کہا اٹھمہ اس نابینا کو کہتے ہیں جسے دن کو دکھائے دے مگر رات کو دکھائی نہ دے بعض کہتے ہیں بھینگا اور ترچھا اور کا نامراد ہے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے بالکل اندھا پیدا ہوا ہو یہاں یہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں معجزے کا کمال ہے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے یہ صورت اس کی اور صورتوں سے اعلیٰ ہے ﴿ابوص﴾ سفید دان والے کوڑھی کو کہتے ہیں ایسے بیمار بھی اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ اچھے کر دیتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ کے حکم سے آپ جلا دیا کرتے تھے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ ہر ہر زمانے کے نبی کو اسی زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزات جناب باری تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادو گروں کی بڑی قدر و تعظیم تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ معجزہ دیا کہ تمام جادو گروں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر حیرت طاری ہو گئی اور انہیں کامل یقین ہو گیا کہ یہ تو اللہ واحد و قہار کی طرف سے عطیہ ہے جادو ہرگز نہیں چنانچہ ان کی گردنیں جھک گئیں اور یک لخت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بالآخر اللہ کے مقرب بندے بن گئے حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا دور دورہ تھا کامل اطبا اور ماہر حکیم علم طبیعات کے پورے عالم اور لاجواب کامل الفن استاد موجود تھے پس آپ کو وہ معجزے دیئے گئے جن سے وہ سب عاجز تھے بھلا مادر زاد اندھوں کو بالکل بینا کر دینا اور کوڑھیوں کو اس مہلک بیماری سے آرام کر دینا اتنا ہی نہیں بلکہ جمادات جو محض بے جان چیز ہے اس میں روح ڈال دینا اور قبروں میں سے مردوں کو زندہ کر دینا یہ کسی کے بس کی بات ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے بطور معجزہ یہ باتیں آپ سے ظاہر ہوئیں ٹھیک اسی طرح جب ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے اس وقت فصاحت بلاغت نکتہ رسی اور بلند خیالی بول چال میں نزاکت و لطافت کا زمانہ تھا اس فن میں بلند پایا شاعروں نے وہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ دنیا ان کے قدموں پر جھک پڑی تھی پس حضور ﷺ کو کتاب اللہ ایسی عطا فرمائی گئی کہ ان سب کی کوندتی ہوئی بجلیاں مانند پڑ گئیں اور کلام اللہ کے نور نے انہیں نیچا دکھایا اور یقین کامل ہو گیا کہ یہ انسانی کلام نہیں تمام دنیا سے کہہ دیا گیا اور جتا جتا کرتا جتا کر سنا سنا کر منادی کرے کے بار بار اعلان دے کر کہا گیا کہ ہے کوئی جو اس جیسا کلام کر سکے؟ اکیلے اکیلے نہیں سب مل جاؤ اور انسان ہی نہیں جنات کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو پھر سارے

قرآن کے برابر بھی نہیں صرف دس سورتوں کے برابر ہی سہی اور اچھایہ بھی نہ سہی ایک ہی سورت اس کے مثل تو بنا کر لاؤ لیکن سب کی کمریں ٹوٹ گئیں ہمتیں پست ہو گئیں گلے خشک ہو گئے زبان گنگ ہو گئی اور آج تک ساری دنیا سے نہ بن پڑا اور نہ کبھی ہو سکے گا بھلا کہاں اللہ تعالیٰ کا کلام اور کہاں مخلوق کا؟

پس اس زمانہ کے اعتبار سے اس معجزے نے اپنا اثر کیا اور مخالفین کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی اور جوق در جوق اسلامی حلقے میں آگئے پھر حضرت مسیح کا اور معجزہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے فرمایا بھی اور کبر کے دکھایا بھی کہ جو کوئی تم میں سے آج اپنے گھر میں جو پتھ کھا کر آیا ہو میں اسے بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے سے بتا دوں گا اور گل کے لئے بھی اس نے جو تیار ہی گی جو مجھے اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے معلوم رہتا ہے اس میں میری سچائی کی دلیل ہے کہ میں جو تعلیم تمہیں دے رہا ہوں وہ برحق ہے ہاں اگر تم میں ایمان ہی نہیں تو پھر کیا میں اپنے سے پہلی کتاب توراہ کو بھی ماننے والا اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام گنہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ نے توراہ کے بعض احکام منسوخ کئے ہیں گو اس کے خلاف بھی مفسرین کا خیال ہے لیکن درست بات یہی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ توراہ کا کوئی حکم آپ نے منسوخ نہیں کیا البتہ بعض حلال چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا حضرت عیسیٰ نے ان کی حقیقت بیان فرمادی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کر دی جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا ہے۔ ﴿وَلَا بَيْنَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ﴾ میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کر دوں گا واللہ اعلم پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی ربانی دلیلیں موجود ہیں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہا ہے سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ
أَنْصَارُ اللَّهِ أَمْثَلًا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ رَبَّنَا أَمْثَلًا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَمَا
كُتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٨﴾ وَكَرَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٩﴾

پس جب (حضرت) عیسیٰ نے ان کا کفر معلوم کر لیا تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہے کہ ہم تابعدار ہیں اسے ہمارے پالنے والے اللہ ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی مان لی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے۔

حضرت عیسیٰ کے انصار اور حضرت محمد ﷺ کے انصار: یعنی جب حضرت عیسیٰ نے ان کی خدمت اور از کو دیکھ لیا کہ اپنی گمراہی کج روی اور کفر و انکار سے یہ ہنتے ہی نہیں تو فرمانے لگے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو میری تابعداری کرے اللہ کی طرف پہنچنے کیلئے؟ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا مددگار بنے لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف پکارنے میں میرا ہاتھ بٹانے والا کون ہے؟ جیسے کہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے سے پہلے موسم حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانے کے لئے جگہ دے؟ قریش تو

کلام اللہ کی تبلیغ سے مجھے روک رہے ہیں یہاں تک کہ مدینہ شریف کے باشندے انصار کرامؓ اس خدمت کے لئے کمر بستہ ہوئے آپ کو جگہ بھی دی آپ کی مدد بھی کی اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو پوری خیر خواہی اور بے نظیر ہمدردی کی ساری دنیا کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر د کر دیا اور حضور ﷺ کی حفاظت خیر خواہی اور آپ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے جو رضی اللہ عنہم وارصاہم۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ کی اس آواز پر بھی چند بنی اسرائیل نے لبیک کہا آپ پر ایمان لائے آپ کی تائید کی تصدیق کی اور پوری مدد پہنچائی اور اس نور کی اطاعت میں لگ گئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اتارا تھا یعنی انجیل یہ لوگ دھوبی تھے اور حواری انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ شکاری تھے۔ صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیرؓ تیار ہو گئے آپ نے دوبارہ یہی فرمایا پھر بھی حضرت زبیرؓ نے ہی قدم اٹھایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں شاہدوں میں لکھ لے اس سے مراد حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک امت محمدیہ میں لکھ لینا ہے اس تفسیر کی روایت سند ابست عمدہ ہے۔

پھر بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ کے جانی دشمن تھے انہیں مروا دینے اور سولی دینے کا قصد رکھتے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰ کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکا تا پھر تاتے ملک میں بغاوت کر رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے باپ بیٹوں میں فساد برپا کر رہا ہے بلکہ اپنی خباثت خیانت نذب و دروغ میں یہاں تک بڑھ گئے کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا اور بڑے بڑے بہتان آپ پر باندھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا کہ اسے گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دید و فوج یہاں سے جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے اسے چو طرف سے گھیر لیتی ہے تاکہ بندی کر کے پھر گھر میں گھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچا لیتا ہے اور اس گھر کے روزن سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے اور آپ کی شباهت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے جو اسی گھر میں تھا یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰ سمجھ لیتے ہیں گرفتار کر کے لے جاتے ہیں سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھادیتے ہیں یہی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکر تھا کہ وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو نجات دیدی تھی اس بد بختی اور بد بختی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت ہو گئے باطل پر اڑ گئے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہو گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ہی رہ پڑے اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں مکر آتے ہیں تو کیا ہم نہیں جانتے ہم تو ان سے بہتر مکر کرنے والے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعَيْبِي إِيَّيْكُمْ وَإِنِّي مُتَوَفِّيكُمْ وَرَافِعُكُمْ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكُمْ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا
وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ
فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ٥٥ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعَذِّبْهُمْ عَذَابًا
شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ٥٦ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الضَّلِيعَاتِ فَيُوقِفُهُمْ أَجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ

الآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہوں قیامت کے دن تک بچہ تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلاف کا فیصلہ کردوں گا پس کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیات ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے۔

حضرت عیسیٰ کا آسمانوں پر اٹھایا جانا: قتادہ وغیرہ بعض مفسرین تو فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھاتے وقت شروع دن میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات ساعت تک فوت رکھا پھر زندہ کیا۔ وہب فرماتے ہیں کہ تین دن تک موت رہی پھر زندہ کر کے اٹھالیا مطر و راق فرماتے ہیں یعنی میں تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں۔ یہاں وفات موت مراد نہیں اسی طرح ابن جریر فرماتے ہیں توفی سے یہاں مراد ان کا رفع ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں نیند ہے جیسے اور جگہ قرآن حکیم میں ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ﴾ وہ اللہ جو تم کو رات کو فوت کر دیتا ہے یعنی سلا دیتا ہے اور جگہ ہے۔ ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو فوت کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مرتیں انہیں ان کی نیند کے وقت رسول اللہ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا﴾ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دیا اور جگہ فرمان باری ﷻ ﴿وَبِكُفْرِهِمْ﴾ سے ﴿شَهِدْنَا﴾ تک پڑھو جہاں فرمایا گیا ہے ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم پر بہتان عظیم پاندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ نہ قتل کیا ہے اور نہ صلیب دی ہے لیکن ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا۔ ﴿هُوَ قَبْلَ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ ہیں یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائیں گے جب کہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اس کا تفصیلی بیان عنقریب آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ پس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ نہ وہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے اور کوئی بات قبول کریں گے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن سے ﴿إِنِّي مُتَوَقِّئُ﴾ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ مرے نہیں وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں۔

پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر چڑھالیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہو گئے ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں بعض وہ تھے جنہوں نے غلو سے کام لیا اور بڑھ گئے اور آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اور وہ نے خود اللہ آپ کو کہا دوسروں نے تین میں کا ایک آپ کو بتایا اللہ تعالیٰ ان کے عقائد کا ذکر قرآن مجید میں فرماتا ہے پھر ان کی تردید بھی کر دی ہے تین سو سال تک تو یہ اسی طرح رہے پھر یونان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو بڑا فیلسوف تھا جس کا نام قسطنطین تھا کہا جاتا ہے کہ صرف اس دین کو بگاڑنے کے لئے منافقانہ بطور

حید جوئی کے وہ اس دین میں داخل ہوا یا جہالت سے داخل ہوا بہر صورت اس نے دین مسیح کو بالکل بدل ڈالا اور بڑی تحریف اور تغیر کی اور کئی زیادتی بھی اس دین میں کر ڈالی بہت سے قانون ایجاد کئے اور امانت کبریٰ بھی اسی کی ایجاد ہے جو دراصل کمیونہ پن کی خیانت ہے اسی نے اپنے زمانہ میں سور کو حلال کیا اسی کے حکم سے عیسائی مشرق کی طرف نمازیں پڑھنے لگے اسی نے گرجاؤں اور کنیوں میں عبادت خانوں اور خانقاہوں میں تصویریں بنوائیں اور اپنے ایک گناہ کے باعث دس روزے روزوں میں بڑھوادیئے غرض اس کے زمانہ سے دین مسیح مسیحی دین نہ رہا بلکہ دین قسطنطین ہو گیا اس نے ظاہری رونق تو خوب دی بارہ ہزار سے زائد تو عبادت گاہیں بنوادیں اور ایک شہر اپنے نام سے بسایا۔ ملکیہ گروہ نے اس کی تمام باتیں مان لیں۔ لیکن باوجود ان سب سیاہ کاریوں کے یہودی ان کے ہاتھ تلے رہے اور دراصل نسبتاً حق سے زیادہ قریب یہی تھے گو فی الواقع سارے کے سارے کفار تھے اللہ کی ان پر پھنکار ہو۔

اب جب کہ ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان اللہ کی ذات پر بھی تھا اس کے فرشتوں پر بھی تھا اس کی کتابوں پر بھی تھا اور اس کے تمام رسولوں پر بھی تھا پس حقیقت میں نبیوں کے سچے تابع فرمان یہی لوگ تھے یعنی امت محمد ﷺ اس لئے کہ یہ نبی امی عربی خاتم المرسلین سید اولاد آدم کے ماننے والے تھے اور حضور ﷺ کی تعلیم تمام حقانیت کو سچا ماننے کے تھی۔ پس دراصل ہر نبی کے سچے تابع دار صحیح معنی میں امتی کہلانے کے مستحق یہی تھے کیونکہ ان لوگوں نے جو اپنے تئیں عیسیٰ کی امت کہتے تھے دین عیسوی کو بالکل مسخ اور منسوخ کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا نسخ تھا پھر محفوظ رہنے والا تھا جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک بدلنے کا نہیں اس لئے اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اس امت کو غلبہ دیا اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک چھا گئے ملکوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور بڑے بڑے جابر اور کئے کافروں کی گردنیں مروڑ دیں دولتیں ان کے پیروں میں آگئیں فتح و غنیمت ان کی رکاب چومنے لگی مدتوں کی پرانی سلطنتوں کے تختے انہوں نے الٹ دیئے کسریٰ کی پریشان سلطنت ان کے بھڑکتے ہوئے آتش کدے ان کے ہاتھوں میں اور سرد ہوئے قیصر کا تاج و تخت ان اللہ والوں نے تاخت و تاراج کیا اور انہیں مسیح پرستی کا خوب مزہ چکھایا اور ان کے خزانوں کو اللہ واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبی ﷺ کے دین کی اشاعت میں دل کھول کر خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کے نوشتے اور نبی ﷺ کے وعدے چڑھے ہوئے سورج کی اور چودھویں کے روشن چاند کی طرح سچے ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھ لئے مسیح کے نام کو بدنام کرنے والے مسیح کے نام شیطانوں کو پوجنے والے ان پاکباز اللہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کے لہہاتے ہوئے بانگات اور آباد شہروں کو ان کے حوالے کر کے بے پناہ بھاگتے ہوئے روم (ترکی) میں جا بسے پھر وہاں سے بھی یہ بے عزت کر کے نکالے گئے اور اپنے بادشاہ کے خاص شہر قسطنطنیہ میں پہنچے لیکن پھر وہاں سے بھی ذلیل و خوار کر کے نکال دیئے گئے اور انشاء اللہ العزیز اسلام اور اہل اسلام قیامت تک ان کے اوپر ہی رہیں گے۔ سب سچوں کے سردار جن کی سچائی پر مہر اللہ لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے نہ کاٹے کئے نہ توڑے ٹوٹے نہ نالے تلے فرماتے ہیں کہ آپ کی امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضہ میں کرے گا اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان لڑائی ہوگی کہ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہو۔ (ہماری دعا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ اس امت کا حامی و ناصر رہے اور رومے زمین کے کفار پر انہیں غالب رکھے اور انہیں سمجھ دے کہ نہ یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں نہ محمد ﷺ کے سوا کسی کی اطاعت کریں یہی اصل ہے اسلام کی اور یہی گروہ عروج و نیوی کا) میں نے اس سب کو آید علیحدہ کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

آگے کے قول اللہ پر نظر ڈالئے کہ مسیح عیسیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے یہود اور آپ کی شان میں بڑھی چڑھی باتیں بنا کر کہنے والے نصرانیوں کو قتل و قید کی مال اور سلطنت کے تباہ ہو جانے کی سزا دی اور آخرت کا عذاب وہیں دیکھ لینا جہاں نہ کوئی بچا سکے نہ مدد

کر سکے اور ان کے برخلاف ایمانداروں کو پورا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا دنیا میں بھی فتح اور نصرت عزت و حرمت عطا ہوگی اور عقیقتی میں بھی خاص رحمتیں اور نعمتیں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند رکھتا ہے۔

پھر فرمایا اے نبی! یہ بھی حقیقت (حضرت) عیسیٰ کی اور ان کی ابتداء پیدائش کی اور ان کے امر کی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آپ کی طرف بذریعہ اپنی خاص وحی کے اتار دی جس میں کوئی شک و شبہ نہیں جیسے سورۃ مریم میں فرمایا عیسیٰ ابن مریم یہی ہیں اپنی حقیقت ہے جس میں تم شک و شبہ میں پڑے ہو اللہ کو تو لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو وہ اس سے بالکل پاک ہے وہ جو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے اب یہاں بھی اس کے بعد بیان ہو رہا ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ
مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْنَا وَاَبْنَاءَنَا وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ
مَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خیر دار شک کرنے والوں میں نہ ہونا پس جو شخص تیرے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی تجھ سے اس میں جھگڑے تو تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی جانوں کو بلا لیں پھر ہم بہہ زاری التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت لائیں۔ یقین صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے اور بیشک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فساد یوں کو جاننے والا ہے۔

عیسائیوں کو دعوت مباہلہ اور ان کا انکار کرنا: حضرت باری جل اسمہ و علا قدرہ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کیا اچھا ہے؟ میں نے حضرت آدم کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی۔ مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا اسی وقت ہو گیا پھر مجھ پر صرف ماں سے پیدا کرنا کیا مشکل؟ جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے تو حضرت آدم بطریق اولیٰ اس کا استحقاق رکھتے ہیں اور انہیں خود تم بھی نہیں مانتے پھر حضرت عیسیٰ کو اس درجہ سے بطور اولیٰ بنانا چاہیے کیونکہ اہدیت کے دعویٰ کا بطلان اور فساد یہاں اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی کامل قدرتوں کا ظہور ہے کہ آدم کو بغیر مرد و عورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا اور عیسیٰ کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد و عورت سے پیدا کیا اس لئے سورۃ مریم میں فرمایا: وَلَنَجْعَلَنَّ آيَةً

للناس ہ ہم نے عیسیٰ کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے کہ عیسیٰ کے بارے میں ربانی سچا فیصلہ یہی ہے اس کے سوا اور کچھ کمی زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے پس تجھے اسے نبی اور گزان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہیے۔ اللہ رب العالمین اس کے بعد اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اگر اس قدر واضح اور کامل بیان کے بعد بھی کوئی شخص تجھ سے امر عیسیٰ کے بارے میں جھگڑے تو انہیں مہابلہ کی دعوت دے کہ ہم فریقین مع اپنے بیٹوں اور بیویوں کے مہابلہ کے لئے نکلیں اور اللہ سے یہ عاجزی کہیں کہ اسے اللہ اہم دونوں میں جو صوبنا ہو اس پر تو اپنی لعنت نازل فرما۔ اس مہابلہ کے نازل ہونے کا اور ابتداء سورت سے یہاں تک کی ان تمام آیتوں کے نازل ہونے کا سبب نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا یہ لوگ یہاں آکر حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے حصہ دار اور اللہ کے بیٹے ہیں پس ان کی تردید اور ان کے جواب میں یہ سب آیات نازل ہو گئیں ابن اسحاق اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں اور دوسرے مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نجران کے نصرائیوں نے بطور وفد کے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے ساتھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا۔ (۲) سید جس کا نام اسم تھا (۳) ابو حارثہ ابن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا اور (۴) اولیس بن حارث اور (۵) زید اور قیس اور (۶) یزید اور اس کے (۸-۹) دونوں لڑکے اور (۱۰) خویلد اور (۱۱) عمرو اور (۱۲) خالد اور (۱۳) عبد اللہ اور (۱۴) مہسن یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص عاقب جو امیر قوم تھا اور علقمہ سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور سید جو ان کا لاث پادری تھا اور ابو حارثہ جو مدرس اعلیٰ تھا یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھے لیکن نصرانی بن گیا تھا اور وہ میوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنادیئے تھے اور ان کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر مدارات اور خدمت و عزت کرتے رہتے تھے یہ شخص حضور ﷺ کی صفت و شان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفتیں پڑھ چکا تھا دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرائیوں میں جو اس کی تکبریم و تعظیم تھی اور وہاں جو جاہ و منصب اسے حاصل تھا اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے تھے خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابو حارثہ بن لعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ان کے بعد ان جیسا ہاشوکت وفد کوئی نہیں آیا ان کی نماز کا وقت آگیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف من گھر کے مسجد نبوی ﷺ میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی بعد نماز کے حضور ﷺ سے ان کی گفتگو ہوئی اور ہر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے ابو حارثہ بن علقمہ عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی اسم یہ گوشاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے حضرت مسیح کی نسبت تینوں خیال ان کے تھے یعنی وہ خود اللہ ہے اور اللہ کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند ہالہ تقریباً تمام نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے مسیح کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کورہیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چیز یا بنا کر چھوٹے مارے مارا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ ساری باتیں اس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں اس لئے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی باتوں کے سچ ہونے پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں سے بولنے لگے تھے یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھیں (اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اسباب کا محکوم اور عادت کا محتاج نہ سمجھیں وغیرہ) (مترجم) اور تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے ہم نے یہاں امر نبہاری مخلوق ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ۔ پس امر اللہ تعالیٰ کی باتیں

ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا میرا امر میری مخلوق میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں خود اللہ اور عیسیٰ اور مریم (جس کا جواب یہ ہے کہ ہم کا لفظ صرف بڑائی کے لئے اور عظمت کے لئے ہے) مترجم) اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک اور بلند ہے ان کے تمام عقائد کا بطلان قرآن کریم میں اترا۔

جب یہ تینوں پادری حضور ﷺ سے بات چیت کر چکے تو آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں ہی آپ نے فرمایا نہیں تم کو چاہئے کہ اسلام قبول کر لو وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں فرمایا نہیں تمہارا یہ اسلام قبول نہیں اس لئے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو صلیب کی پوجا کرتے ہو خنزیر کھاتے ہو انہوں نے کہا اچھا پھر یہ تو فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ حضور ﷺ تو اس پر خاموش رہے اور سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اسی کے اوپر اوپر تک کی آیات ان کے جواب میں نازل ہوئیں۔ ابن احنق ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں۔ اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو لگاؤ یہ سن کر وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم! ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں پھر تم کو اس کا جواب دیں گے اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ کی حقیقت وہی ہے جو محمد ﷺ کی زبانی تم سن چکے ہو اور تم کو بخوبی علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جز بنیاد سے اکھیر گر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا استیاناں ہو جائے گا پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح ماننا چاہتے ہی نہیں ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ کے متعلق اپنے ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ لوگ یہ صلاح مشورہ کر کے پھر حاضر دربار نبوی ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم ﷺ ہم آپ سے ملاعنہ کرنے کے لئے تیار نہیں آپ اپنے دین پر رہتے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیجئے دیجئے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا وہ پہرہ کو تم پھر آنا میں تمہارے ساتھ مضبوط امانت دار کو کر دوں گا حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں میں نے کسی دن سردار بننے کی خواہش نہیں کی سوائے اس دن کے صرف اس خیال سے کہ حضور ﷺ نے جو تعریف کی ہے اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں بن جاؤں اسی لئے میں اس روز سویرے سویرے ظہر کی نماز کے لئے چل پڑا حضور ﷺ تشریف لائے نماز ظہر پڑھائی پھر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے میں بار بار اپنی جگہ اونچا ہوا کرتا تھا تاکہ آپ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں آپ برابر بغور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ نگاہیں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ پر پڑیں انہیں طلب فرمایا اور کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ ان کے ساتھ تشریف لے گئے ابن مردویہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے لیکن وہاں سرداروں کی گنتی بارہ کی ہے اور اس واقعہ میں بھی قدرے طول ہے اور کچھ زائد باتیں بھی ہیں صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت حدیفہؓ مروی ہے نجرانی سردار عاقب اور سید ملاعنہ کے ارادے سے حضور ﷺ کے پاس آئے لیکن ایک نے دوسرے سے کہا یہ نہ کر اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے ملاعنہ کیا تو ہم اپنی اولادوں سمیت تباہ ہو جائیں گے چنانچہ پھر دونوں نے متفق ہو کر کہا حضرت! آپ ہم سے جو طلب فرماتے ہیں ہم وہ سب ادا کر دیں گے (یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا) آپ ہمارے ساتھ کسی امین شخص کو کر دیجئے اور امین ہی کو بھیجنا چھٹی۔ آپ نے فرمایا بہتر میں تمہارے ساتھ پورے اور کامل امین کو کروں گا اصحاب رسول ادھر ادھر سے تکتے لگے کہ دیکھیں حضور

ﷺ سے انتخاب کرتے ہیں آپ نے فرمایا ابو عبیدہ بن جراح تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہیں اس امت کے امین صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابو جہل ملعون نے کہا اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن پکل دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے۔ اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لئے موت مانگو اگر وہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مہابہ کی دعوت دی گئی تھی اگر وہ حضور ﷺ کے مقابلہ میں مہابہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے صحیح بخاری، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں بھی وفد نجران کے قصے کو مطول بیان کیا ہے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ طس سلیمان کے نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى اَسْقَفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْنَا اَنْتُمْ فَاِنْسَى اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْسَى اَدْعُوْكُمْ اِلَى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلَى وِلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وِلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجَزِيَّةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اَدْنٰكُمْ بِحَرْبٍ وَاِسْلَامٍ﴾ یعنی اس خط کو میں شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیم، حضرت اسحق اور حضرت یعقوب کے نام سے یہ خط ہے محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں سرور نجران اور اہل نجران کی طرف اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے سامنے حمد و ثنائیاں کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم، حضرت اسحق اور حضرت یعقوب کا معبود ہے پھر میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف آ جاؤ اور بندوں کے والی بننے کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آ جاؤ اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو اگر اس سے بھی انکار ہو تو تم کو لڑائی کا اعلان ہے والسلام۔ جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھ لیا تو بڑا سٹ پٹا گھبرا گیا اور تھر تھرانے لگا جھٹ سے شرجیل بن وداہ کو بلوایا جو قبیلہ ہمدان کا تھا سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا جب کبھی کوئی اہم کام آ پڑتا تو سب سے پہلے یعنی اسہم اور سید اور عاقب سے بھی پیشتر اس سے مشورہ ہوتا جب یہ آ گیا تو اسقف نے حضور ﷺ کا خط اسے دیا جب اس نے پڑھ لیا تو اسقف نے پوچھا بتاؤ کیا خیال ہے؟ شرجیل نے کہا بادشاہ کو خوب علم ہے کہ حضرت اسمعیل کی اولاد میں سے اللہ کے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو۔ امر نبوت میں میں کیا رائے دے سکتا ہوں ہاں اگر امور سلطنت کی کوئی بات ہوتی تو پیشک میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر کوئی بات نکال لیتا۔ اسقف نے اسے الگ بٹھایا اور عبد اللہ بن شرجیل کو بلوایا یہ بھی مشیر سلطنت تھا اور حمیر کے قبیلے میں سے تھا اسے خط دیا پڑھ لیا رائے پوچھی تو اس نے بھی ٹھیک وہی بات کہی جو پہلا مشیر کہہ چکا تھا۔ اسے بھی بادشاہ نے دور بٹھادیا۔ پھر جبار بن فیض کو بلوایا جو بنو حارث میں سے تھا۔ اس نے بھی یہی کہا جو ان دونوں نے کہا تھا بادشاہ نے جب دیکھا کہ ان تینوں کی رائے متفق ہے تو حکم دیا گیا کہ ناقوس بجائے جائیں آگ جلادی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کئے جائیں۔ وہاں کا یہ دستور تھا کہ جب سلطنت کو کوئی اہم کام ہوتا اور رات کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو یہی کرتے اور اردن کا وقت ہوتا تو گرجوں میں آگ جلادی جاتی اور ناقوس زور زور سے بجائے جاتے اس حکم کے ہوتے ہی چو طرف آگ جلادی گئی اور ناقوس کی آواز نے ہر ایک کو ہوشیار کر دیا اور جھنڈے اونچے دیکھ دیکھ کر آس پاس کے اس وادی کے تمام لوگ جمع ہو گئے اس وادی کا طول اتنا تھا کہ تیز سوار صبح سے شام تک دوسرے کنارے پہنچتا تھا اس میں تہتر گاؤں آباد تھے جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے تو تمام عقلمندوں نے کہا

کہ شہر جیل بنی ہاشم میں عبد اللہ بن عمر بن عبد العزیز اور جابر بن عبد اللہ بن فیض حارثی کو بطور وفد کے بھیجا جائے یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں۔ اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرپرستی کے تحت روانہ ہوا۔ یہ تینوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے چلے پہن لئے اور سونے کی انگوٹھیاں انگوٹھوں میں لٹکیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا بہت ہی سخت نظر کیا کہ حضور کچھ بات چیت کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام بھی نہ کیا اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی تلاش میں نکلے ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلی ملاقات بھی مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضرات کو پایا ان سے واقعہ بیان کیا کہ تمہارے نبی (ﷺ) نے ہمیں خط لکھا ہم اس کا جواب دینے کے لئے خود حاضر ہوئے آپ کے پاس گئے سلام کیا لیکن جواب نہ دیا پھر بہت دیر تک انتظار میں بیٹھے رہے کہ آپ ﷺ سے کچھ باتیں ہو جائیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں ان دونوں نے حضرت علی بن ابوطالب سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجئے حضرت علی نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اپنے یہ حلے اور اپنی یہ انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضور ﷺ کی خدمت میں دوبارہ جائیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اسی معمولی لباس میں گئے سلام کیا آپ نے جواب دیا پھر فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تھے تو ان کے ساتھ اہلیس تھا۔

اب سوال و جواب بات چیت شروع ہوئی حضور ﷺ بھی پوچھتے اور جواب بھی دیتے تھے اسی طرح وہ بھی سائل بھی تھے اور مجیب بھی آخر میں انہوں نے پوچھا آپ حضرت عیسیٰ کی بابت کیا فرماتے ہیں تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر وہ کہیں ہمیں اس کی خوشی ہے اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا میرے پاس اس کا جواب آج تو نہیں تم ٹھہرو تو میرا ب مجھ سے اس کی بابت جو فرمائے گا وہ میں تم کو سنا دوں گا۔

دوسرے دن وہ پھر آئے تو آپ نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت ﴿ان مثل عیسیٰ﴾ کی ﴿کاذبین﴾ تک تلاوت کر سنائی انہوں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ ملاعنہ کے لئے حضرت حسن کو اور حضرت حسین کو اپنی چادر میں لئے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ آرہی تھیں اس وقت آپ ﷺ کی کئی ایک بیویاں تھیں شہر جیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو مانتی ہے اور میری رائے پر کاربند ہوتی ہے سنو اللہ کی قسم یہ معاملہ بڑا بھاری ہے اگر یہ شخص (ﷺ) مبعوث کیا گیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ٹھہریں گے یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دلوں سے نہیں جائے گی اور ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت و آفت آئے گی عرب بھر میں سب سے زیادہ قریب ان سے میں ہی ہوں اور سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا باقی نہ رہے گا اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا پھر اے ابو مریم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں جو کچھ یہ حکم دے ہم اسے منظور کر لیں یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا ان دونوں نے اس کی بات تسلیم کر لی اب شہر جیل نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا وہ کیا؟ کہا آج کا دن آئے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں گے ہمیں منظور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید اور لوگ تمہارے اس فیصلہ کو نہ مانیں شہر جیل نے کہا اس کی بابت میرے ان دونوں ساتھیوں سے دریافت فرما لیجئے آپ نے ان دونوں سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ ساری وادی کے لوگ انہی کی رائے پر چلتے ہیں وہاں ایک بھی ایسا نہیں جو ان کے فیصلے کو نال سکے پس حضور ﷺ نے یہ درخواست قبول فرمائی ملاعنہ نہ گیا اور واپس لوٹ گئے دوسرے دن صبح

ہی وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ایک تحریر انہیں لکھ کر دی جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا کہ یہ تحریر اللہ کے نبی محمد رسول اللہ کی طرف سے نجرانیوں کے لئے ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے رسول کا حکم جاری تھا ہر پھل میں اور ہر زرہ و سفید و سیاہ میں اور ہر خام میں لیکن اللہ کے رسول یہ سب انہی کو دیتے ہیں یہ ہر سال صرف دو ہزار حلقے دیدیا کریں ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں اور غیرہ وغیرہ۔

پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ وفد سنہ ۹ ہجری میں آیا تھا اس لئے کہ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جزیہ انہی اہل نجران نے حضور ﷺ کو ادا کیا اور جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد اتری ہے جو یہ ہے ﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ ﴾

اس آیت میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہوا ہے ابن مردویہ میں ہے کہ عاقب اور طیب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے آپ نے انہیں ملائے کیلئے کہا اور صبح کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین کو لئے ہوئے آپ تشریف لائے اور انہیں کہلا بھیجا انہوں نے قبول نہ کیا اور نجران دینا منظور کر لیا آپ نے فرمایا اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر یہ دونوں نہیں کہتے تو ان پر یہی واوی آگ برساتی حضرت جابر فرماتے ہیں ﴿ نَدَعُ اِنْسَانًا ﴾ والی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿ اِنْفَسْنَا ﴾ سے مراد خود رسول کریم ﷺ اور حضرت علی ﴿ اِنْسَانًا ﴾ سے مراد حسن اور حسین ﴿ نَسَانًا ﴾ سے مراد حضرت فاطمہ الزہراءؑ۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی اس معنی کی حدیث مروی ہے پھر جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ جو ہم نے شان میں بیان فرمائی ہے حق اور سچ ہے اس میں ہل برابر کی زیادتی نہیں اللہ تعالیٰ قابل عبادت ہے کوئی اور نہیں اور وہی غالب والا اور حکمت والا ہے اب بھی اگر یہ منہ پھیر لیں اور دوسری باتوں میں پڑیں تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے باطل پسندوں کو اور مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے انہیں بدترین سزا دے گا اس میں پوری قدرت ہے کوئی اس سے نہ بھاگ سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے وہ پاک ہے اور تعریفوں والا ہے ہم اس کے عذابوں سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا

اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۰﴾

لہذا کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہدو کہ گواہ ہو ہم تو مسلمان ہیں۔

عیسائیوں کو دعوت توحید: یہودیوں نصرانیوں اور انہی جیسے لوگوں سے یہاں خطاب ہو رہا ہے۔ کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر ﴿ سَوَاءٌ ﴾ کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا گیا ﴿ سَوَاءٌ ﴾ کے معنی عدل و انصاف والا جس میں ہم تم برابر ہیں پھر اس کی تفسیر کی کہ وہ بات یہ ہے کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ نہ کسی بت کو پوجیں نہ صلیب کو نہ تصویر کو نہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ آگ کو نہ کسی چیز کو بلکہ تنہا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو یہی دعوت تمام انبیاء کرام کی تھی جیسے فرمان ہے ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ یعنی تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے

بھیجا سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کیا کرو اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ یعنی ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ منادی کرادی کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سے بچو۔ پھر فرماتا ہے کہ آپس میں بھی ہم اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنالیں ابن جریج فرماتے ہیں یعنی اللہ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں مگر یہ فرماتے ہیں کسی کو سوائے اللہ کے سجدہ نہ کریں پھر اگر یہ لوگ اس انصاف والی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں اپنی اطاعت گزار پر گواہ بنا لو ہم نے بخاری کی شرح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر کر دیا ہے جس میں ہے کہ ابوسفیان جب دربار قیصر میں بلوائے گئے اور شاہ قیصر روم نے حضور ﷺ کے نسب کا حال پوچھا تو انہیں باوجود کافر اور دشمن رسول ہونے کے آپ کی خاندانی شرافت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی طرح ہر سوال کا صاف اور سچا جواب دیا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے اسی باعث قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہا گیا وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) بد عہدی کرتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا نہیں کرتے لیکن اب ایک معاہدہ ہمارا ان سے ہوا ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کریں؟ یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حضور ﷺ کا نام مبارک پیش کیا جاتا ہے جس میں ﴿بِسْمِ اللَّهِ﴾ الخ کے بعد یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ خط محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) ہر قل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے اللہ کی طرف سے سلام ہو اسے جو ہدایت کا منبع ہے اس کے بعد اسلام قبول کر سلامت رہے گا اسلام قبول کر اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو تمام رکیسوں کا بوجھ تجھ پر رہے گا پھر یہی آیت لکھی تھی۔

امام محمد بن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سورت یعنی سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اسی (۸۰) سے کچھ اوپر اور تک آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں امام زہری فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیرہ انہی لوگوں نے ادا کیا ہے اور اس میں مطلقاً خلاف نہیں ہے کہ آیت جزیرہ فتح مکہ کے بعد اتری ہے پس یہ اعتراض پڑتا ہے کہ جب یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے پھر فتح سے پہلے حضور ﷺ نے اپنے خط میں ہر قل کو یہ آیت کیسے لکھی؟ اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ ممکن ہے یہ آیت دوسرے اتری ہو حدیبیہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وفد نجران کے بارے میں شروع سورۃ سے لے کر اس آیت تک اتری ہو اور یہ آیت اس سے پہلے اتر چکی ہو اس صورت میں ابن اسحاق کا یہ فرمانا کہ اسی (۸۰) کے اوپر اور کچھ آیات اسی وفد کے بارے میں اتری ہیں یہ محفوظ نہ ہو کیونکہ ابوسفیان والا واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وفد نجران حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے جو کچھ دینا منظور کیا ہو یہ صرف مہابہ سے بچنے کے لئے بطور مصالحت کے دیا ہو نہ کہ جزیرہ دیا ہو اور یہ اتفاق کی بات ہو کہ آیت جزیرہ اس واقعہ کے بعد اتری جس میں اس کی موافقت ہو گئی جیسے کہ حضرت عبد اللہ بن جحش نے بدر سے پہلے کے غزوہ میں مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ باقی رکھ کر اور حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے پھر اس کے بعد مال غنیمت کی آیات بھی اسی کے مطابق اتریں اور یہی حکم ہوا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں جو ہر قل کو بھیجا اس میں یہ بات اسی طرح بطور خود لکھی ہو پھر آنحضرت ﷺ کے الفاظ ہی میں وحی بھی نازل ہوئی ہو جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب کے پردے کے حکم کے بارے میں اسی طرح آیت اتری اور بدری قیدیوں کے بارے میں انہی کی موافقت میں فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا اور منافقوں کا جنازہ نہ پڑھنے کی بابت بھی انہی کی بات قائم رکھی گئی اور مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کی بابت بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ بھی انہی کی موافقت میں اتری پس یہ آیت بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی موافقت میں ہی اتری ہو یہ بہت ممکن ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحْجُونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٥﴾ هَأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجُّنَا فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٥٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٨﴾

اسے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ توراہ اور انجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں مہیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ سنو تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تم کو علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو علم ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو ایک طرفہ خالص مسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

یہود و نصاریٰ کے بے علمی پر مبنی جھگڑے: یہودی حضرت ابراہیم کو اپنے میں سے اور نصرانی حضرت ابراہیم کو اپنے میں سے کہتے اور آپس میں اس پر بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعویٰ کی تردید کرتا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور حضور ﷺ کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ ہم میں سے تھے اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو! تم خلیل اللہ کو اپنے میں سے کیسے بتاتے ہو؟ حالانکہ ان کے زمانہ میں نہ موسیٰؑ تھے نہ توراہ حضرت موسیٰ اور کتاب توراہ شریف تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئے اسی طرح اے نصرانیوں! تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی کیا تم اتنی موٹی بات سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کے اس بے علمی کے جھگڑے پر انہیں رب عالم ملامت کرتا ہے۔ کہ اگر تم بحث و مباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی تم تو اس میں گفتگو کرتے ہو جس میں دونوں کو مطلق علم نہیں۔

تم کو چاہئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اسے اس عظیم اللہ کے حوالے کرو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم محض بے خبر ہو۔ دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے وہ مشرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان والے تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے یہ آیت مثل اس آیت کے ہے جو سورۃ بقرہ میں گزر چکی ﴿وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارًا تَهْتَدُوا﴾ یعنی یہ لوگ کہتے ہیں یہودی نصرانی بننے میں ہدایت ہے الخ۔

پھر فرمایا کہ سب سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ کی متابعت کے حقداران کے دین پران کے زمانہ میں چلنے والے تھے اور اب یہ نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور آپ کے ساتھ کے ایمانداروں کی جماعت جو مہاجرین و انصار ہیں اور پھر جو نبھی ان کی پیروی کرتے ہیں قیامت تک رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہر نبی کے دلی دوست انبیاء میں سے ہوتے ہیں میرے دلی دوست انبیاء میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ترمذی وغیرہ) پھر فرمایا جو بھی اللہ کے رسول ہے ایمان

رکھے ان کا ولی اللہ ہے۔

وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ يَٰأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ يَٰأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَآكُفِرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَلَا تَتُومِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تم کو گمراہ کر دیں دراصل وہ خود اپنے تئیں گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں اسے اہل کتاب! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانت کیوں کفر کر رہے ہو؟ اسے اہل کتاب باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو تو کہہ کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جو تم دینے گئے ہو یا تم سے تمہارے رب کے پاس بھگڑا کریں گے تو کہہ دے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے اسے دے اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں کی بد خصلتوں کا تذکرہ: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ان یہودیوں کے حسد کو دیکھو کہ مسلمانوں سے کیسے کچھ جل کر رہے ہیں انہیں بہکانے کی کیا کیا پوشیدہ ترکیبیں کرتے ہیں کیسے کیسے مکر و فریب کے جال بچھاتے ہیں حالانکہ دراصل ان تمام چیزوں کا وبال خود ان کی جانوں پر ہے لیکن انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔ پھر انہیں ان کی یہ ذلیل حرکت یاد دلائی جا رہی ہے کہ سچائی جانتے ہوئے حق کو پھیلانے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے منکر ہو رہے ہیں۔ باوجود علم کے یہ بد خصلت بھی ان میں ہے کہ حق و باطل کو ملا دیتے ہیں اور ان کی کتابوں میں جو صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں انہیں چھپا لیتے ہیں۔

بہکانے کی جو صورتیں گھڑتے ہیں ان میں سے ایک کا بیان ہو رہا ہے کہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ صبح جا کر ایمان لے آؤ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تاکہ جاہل لوگوں کے دل میں بھی خیال گزرے کہ آخر یہ لوگ جو پلٹ گئے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس دین میں نقصان یا برائی ہی دیکھی ہوگی تو کیا عجب کہ ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے۔ یہ ایک حیلہ

جوئی تھی کہ شاید اس سے کمزور ایمان والا لوٹ جائے کہ یہ جاننے بوجھنے والے لوگ جب اس دین میں آئے نمازیں پڑھیں پھر جو اسے چھوڑ دیا تو ضرور یہاں کوئی خرابی اور نقصان دیکھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھروسہ اپنے والوں ہی پر کرو مسلمانوں پر نہ کرو نہ اپنے بھیدان پر ظاہر ہونے دو نہ اپنی کتاب کی باتیں ان پر کھولو جس سے یہ ان پر ایمان لائیں اور اللہ کے ہاں بھی ان کے لئے ہم پر رحمت بن جائیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اسے نبی اکہ دے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ مومنوں کے دلوں کو ہر اس چیز پر ایمان لانے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہو انہیں ان دلائل پر کامل ایمان نصیب ہوتا ہے گو تم نبی امی ﷺ کی صفیتیں چھپاتے پھر پھر بھی خوش قسمت لوگ تو آپ ﷺ کی نبوت کے ظاہر نشان بہ یک نگاہ پہچان لیں گے۔

اسی طرح وہ کہتے تھے کہ تمہارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو کہ وہ اسے سیکھ کر تم جیسے ہو جائیں بلکہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ سے تم سے بڑھ جائیں یا اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی حجت و دلیل قائم ہو جائے یعنی خود تمہاری کتابوں سے وہ تم کو الزام نہ دینے لگیں اور تم ہی پر تمہاری ہی دلیلیں نہ قائم کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے سب کام اسی کے قبضے میں ہیں وہی دینے لینے والا ہے جسے چاہے ایمان عمل اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے راہ حق سے اندھا اور کلمہ اسلام سے بہرہ اور صحیح کلمہ سے محروم کر دے اس کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں وہ وسعت و علم والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے وہ بڑے فضل والا ہے اسے مسلمانوں کے حد و بے پایاں احسانات اس نے تم پر کئے ہیں تمہارے نبی ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی اور بہت ہی کامل اور ہر حیثیت سے پوری شریعت اس نے تم کو دی۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدُّهُ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدُّهُ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۷﴾

بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنادے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں ہاں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا اقرار پورا کرے اور پرہیز گاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اکثر یہودی خائن جبکہ بعض امانت دار ہیں: اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودیوں کی خیانت پر تنبیہ کرتا ہے کہ ان کے دھوکے میں نہ آجائیں ان میں بعض تو امانت دار ہیں اور بعض بڑے خائن ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ خزانے کا خزانہ ان کی امانت میں ہو تو جوں کا توں حوالے کر دیں گے پھر چھوٹی موٹی چیز میں وہ بددیانتی کیسے کریں گے؟ اور بعض ایسے بددیانت ہیں کہ ایک دینا بھی واپس نہ دیں ہاں اگر ان کے سر ہو جاؤ تقاضا برابر جاری رکھو اور حق طلب کرتے رہو تو شاید امانت نکل بھی آئے ورنہ ہضم ہی کر جائیں جب ایک دینار پر یہ بددیانتی ہے تو بڑی رقم کو کیوں چھوڑنے لگے۔ لفظ قنطار کی پوری تفسیر سورہ کے اول میں ہی بیان ہو چکی ہے اور دینار تو مشہور ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینار کا قول مردی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نادر یعنی آگ بھی

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین، ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ۔

اس موقع پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالتہ میں بہت پوری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینا قرض مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ، کہا اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے، اس نے کہا ضامن لاؤ۔ اس نے کہا میں ضمانت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دیتا ہوں۔ وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دیدی۔ وہ اپنے تری کے سفر میں نکل گیا۔ جب کام کاج سے فارغ ہو گیا تو دریا کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تاکہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا اے اللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینا قرض لئے تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دیدئے اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دیدوں لیکن نہ ملی پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے۔ یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چل دیا۔ لکڑی پانی میں ڈوب گئی یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے۔ ادھر یہ قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شاید وہ کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو جب دیکھا کہ کشتی کوئی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کنارے پر پڑی ہوئی تھی یہ سمجھ کر لے لی کہ جلانے کے کام آئے گی۔ گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکل پڑا۔ پھر قرض لینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے ہر چند کوشش کی کہ سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گزرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں گا۔ لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی۔ اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنچا دی ہے تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا۔

یہ حدیث بخاری شریف میں تعلق کے ساتھ بھی ہے لیکن جزم کے صیغے کے ساتھ اور بعض جگہ سند وار بھی ہے اور کتابوں میں بھی یہ روایت ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ امانت میں خیانت کرنے پر حقدار کے حق کو ادا نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز ان کا یہ غلط خیال ہے کہ ان بد دینوں ان پڑھوں کا مال کھا جانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں ہم پر یہ مال حلال ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے اور اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ انکی کتابوں میں بھی ناحق مال کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بیوقوف خود اپنی من مانی اور دل بھاتی باتیں گھڑ کر شریعت کے رنگ میں انہیں رنگ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی کفار کی مرغی و بکری وغیرہ کبھی غروے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ امیوں کے مال کے لئے لینے میں ہم پر کوئی حرج نہیں، سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں ہاں وہ اپنی خوشی سے دیدیں تو اور بات ہے۔ (عبد الرزاق)۔ سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ جب اہل کتاب سے حضور ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا دشمنان اللہ جھوٹے ہیں، جاہلیت کی تمام باتیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں مگر امانت کہ وہ ہر فاسق و فاجر کی بھی ادا کرنی پڑیگی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لیکن جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور ڈرتا رہے۔ اہل کتاب ہو کر پھر اپنی کتاب کی ہدایت کے مطابق آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے جو عہد تمام انبیاء سے بھی ہو چکا ہے اور جس عہد کی پابندی ان کی امتوں پر بھی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے اسکی شریعت کی اطاعت کرے رسولوں کے خاتم اور انبیاء کے سردار حضرت محمد ﷺ کی پوری تابعداری کرے وہ متقی ہے اور متقی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَأَخْلَاقٌ لَهُمْ فِي
الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّبُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷﴾

بیٹھ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ ان سے بات چیت کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔

تین خوش نصیب اور تین بد بخت اشخاص: یعنی جو اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ ﷺ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ ﷺ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بد کاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کریگا ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ جن میں سے تھوڑی سے یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن سے نہ تو اللہ تعالیٰ کام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ حضرت ابو ذرؓ نے یہ سن کر کہا یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! یہ تو بڑے گھائے اور نقصان میں پڑے۔ حضور اکرم ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا پھر جواب دیا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لگانے والا جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا دے کر احسان جتانے والا مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے

(۲) مسند احمد میں ہے ابو احمسؓ فرماتے ہیں میں حضرت ابو ذرؓ سے ملا اور ان سے ذکر کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں 'تو فرمایا سنو میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جبکہ میں نے حضور ﷺ سے سن لیا ہو تم کہو وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن رکھتا ہے' تو فرمانے لگے ہاں یہ حدیث میں نے بیان بھی کی ہے اور میں نے حضور ﷺ سے سنی بھی ہے۔ میں نے پوچھا کس کس کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ کے مقابلہ میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینا چھدوادے یا فتح کر کے لوٹے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ مسافری میں ہے بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے تو اترے، سب تو پڑ کر سو رہے مگر یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کی عادت ہو کہ جو اسے ایذا پہنچائے یہ اس پر صبر و سہار کرے یہاں تک کہ موت ان دونوں میں جدائی کرے یا سفر۔ میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے؟ فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر اور تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

(۳) مسند احمد میں ہے کندہ قبیلے کے ایک شخص امر و القیس بن مامر کا جھگڑا ایک حضر موتی شخص سے زمین کے بارے میں تھا جو حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرمی اپنا ثبوت پیش کرے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اب کندی قسم کھالے۔ تو حضرمی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب العجب کی قسم یہ میری زمین لے

جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کرے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو امر والقیس نے کہا یا رسول اللہ اگر کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت۔ تو کہنے لگے یا رسول اللہ آگوا رہنے کہ میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑ دی۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس سے کسی کا مال چھین لے تو اللہ تعالیٰ سے جب یہ ملے گا اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔ حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے۔ ایک یہودی کی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی اس نے میری زمین کا انکار کر دیا۔ میں اسے خدمت نبوی ﷺ میں لایا حضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا تیرے پاس کچھ ثبوت ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھالے۔ میں نے کہا حضور! یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

(۵) مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ وہیں حضرت اشعث بن قیسؓ آگئے اور فرمانے لگے ابو عبد الرحمن تم سے کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟ ہم نے دو ہرا دی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔ میرا اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضہ میں تھا۔ حضور ﷺ کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنی دلیل اور ثبوت لاکہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ میں نے کہا یا حضرت امیر سے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس کی قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو میرا کنواں لے جائے گا میرا مقابل تو فاجر شخص ہے۔ اس وقت حضور ﷺ نے یہ حدیث بھی بیان فرمائی اور اس آیت کی بھی تلاوت فرمائی۔

(۶) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ فرمایا اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والی اور ان سے بے رغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ اس سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کر لے۔ (۷) ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا سووا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ اس کو اتنا تنہا دیا جاتا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے پس یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔ (۸) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین شخصوں سے جناب باری تقدس و تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دکھ درد کے عذاب ہیں ' ایک وہ جس کے پاس بچا ہو پانی ہے۔ پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا ' دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے ' تیسرا وہ جو بادشاہ مسلمان سے بیعت کرتا ہے پس اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے اور اگر نہ دے تو بیعت پوری نہیں کرتا۔ یہ حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونِ السُّنَّةَ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ

الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى

اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾

یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرنے لگو اور دراصل وہ کتاب میں نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ' وہ تو انت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

یہودیوں کی کلام اللہ تعالیٰ میں تحریف: یہاں بھی انہی ملعون یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے کہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتا ہے ربانی کتاب بدل دیتا ہے اصل مطلب اور صحیح معنی خبط کر دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی اسے کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتے ہیں اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور جھوٹ بکتے ہیں۔ زبان مروڑنے سے مطلب یہاں تحریف کرنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف کرتے تھے اور اذالہ کر دیتے تھے۔ مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں کتاب اللہ کا لفظ بدل دے ' ہاں یہ لوگ تحریف اور بیجا تاویل کرتے تھے۔

وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں کہ توراہ انجیل اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتاریں ایک حرف بھی ان میں سے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف و تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لیں ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں ان سے بھی لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں (ابن ابی حاتم)۔ حضرت وہبؓ کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو زبان عربی میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں تو بڑی خطا ہے اور بہت ہی زیادتی ہے اور کمی بھی اصل سے بہت ہے اور کھلے ہوئے وہم اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیادتی نہیں ' وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھر ان سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں ' اور اگر حضرت وہبؓ کے فرمان کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو درحقیقت ربانی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ و مصون ہے اس میں کمی زیادتی ناممکن ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ٥٠ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ٥١

کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت اور نبوت دے یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بند بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔ نہ (یہ ہو سکتا ہے) وہ تم لو فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے ' کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی کوئی فرشتہ اپنی بندگی کی دعوت نہیں دے سکتا: رسول اللہ ﷺ کے پاس جب یہودیوں کے اور نجرانی نصرانیوں کے علماء جمع ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اہل قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ چاہتے ہیں

کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے آئیں کہا جاتا تھا یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی چاہت ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ! نہ ہم خود اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ کسی انسان کو کتاب و حکمت اور نبوت و رسالت پالینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے۔ جب انبیاء کرام کا جو اتنی بڑی بزرگی فضیلت اور مرتبے والے ہیں یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ مومن سے بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت دے۔ یہاں یہ اس لئے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ہی ایک دوسرے کو پوجتے تھے۔ قرآن شاہد ہے جو فرماتا ہے ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ مسند و ترمذی کی وہ حدیث بھی آرہی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؒ نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے تھے اور یہ ان کی مانتے چلے جاتے تھے یہی ان کی عبادت تھی۔

پس جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور مشائخ اس مذمت اور ذمّت ڈپٹ میں داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کی اتباع کرنے والے علماء کرام اس سے یکسو ہیں اس لئے کہ وہ تو صرف فرمان ربانی اور کلام رسول ﷺ کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے انبیاء کرام روک گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات انبیاء تو خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں حق رسالت ادا کرتے ہیں اور امانت ربانی احتیاط کے ساتھ بندگان رب کو پہنچا دیتے ہیں۔ نہایت بیدار مغز ہی ہو شیاری کمال نگرانی اور پوری حفاظت کے ساتھ وہ پوری دنیا کے خیر خواہ ہوتے ہیں، وہ احکام الہی کے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ رسولوں کی ہدایت تو لوگوں کو ربانی بننے کی ہوتی ہے کہ وہ حکمتوں والے اور حلم والے بن جائیں سمجھدار اور عابد و زاہد متقی اور پارساہیں۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنے والوں پر حق ہے کہ وہ ہا سمجھ ہوں۔ ﴿تَعْلَمُونَ﴾ اور ﴿تَعْلَمُونَ﴾ دونوں قرأت ہیں پہلے کے معنی ہیں سمجھنے کے دوسرے کے معنی ہیں، تعلیم دینے کے۔ ﴿تَذَرُسُونَ﴾ کے معنی ہیں الفاظ یاد کرنے کے۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ یہ حکم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی ہو۔ بھیجا ہوا خواہ فرشتہ ہو قرب اللہ والا یہ تو وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کی دعوت دے اور جو ایسا کرے اس نے کفر کیا اور کفر نبیوں کا کام نہیں، ان کا کام تو ایمان ہے اور ایمان نام ہے اللہ واحد کی عبادت اور پرستش کا اور یہی نبیوں کی آواز ہے جیسے خود قرآن فرماتا ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں تم سب میری عبادت کرتے رہو۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اِنْ اَعْبَدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتِ﴾ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے بچو۔ اور جگہ ارشاد ہے تجھ سے پہلے تمام رسولوں سے پوچھ لے کہ کیا ہم نے اپنی ذات رحمن کے سوا ان کی عبادت کے لئے کسی کو مقرر کیا تھا؟ فرشتوں کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ ﴿مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ﴾ ان میں سے اگر کوئی کہدے کہ میں معبود ہوں۔ بجز۔ اللہ تعالیٰ کے تو اسے بھی جہنم کی سزا دیں اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ
إِصْرِي ۗ قَالُوا اقْرَأْنَا وَآمَنَّا بِكُم مِّنَ الْأَمْرِ الَّيْسَ لَكُم مِّنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ سَأَلْتُمُونَا
بِمَا كُنَّا نَعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَأَنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَكُمُ الْإِيمَانُ
بِمَا كُنَّا نَعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَأَنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَكُمُ
الْإِيمَانُ بِمَا كُنَّا نَعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ﴿۱۰۰﴾

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز گویا بتائے تو تم تو اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا ضروری ہے ' فرمایا کہ تم اس کے اقرار ہی ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے ' فرمایا تو اب گواہ ہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پس اس کے بعد بھی جو پٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں۔

ہر نبی کو اپنے بعد والے نبی اور رسول پر ایمان لانے کا حکم: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کے تمام انبیاء کرام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو اللہ تبارک و تعالیٰ کتاب و حکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد اسی کے زمانے میں رسول آجائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و امداد کرنا اس کا فرض ہوگا۔ یہ نہیں کہ اپنے علم و نبوت پر نظر ڈال کر اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے۔ ان سے کہا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرا ابو جہل معبوط عہد و میثاق لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہاں ہمارا اقرار ہے۔ تو فرمایا گواہ ہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد و میثاق سے جو پٹ جائے وہ قطعی فاسق بے علم اور بدکار ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کر دے کہ وہ بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تابعداری میں لگ جائے۔ طاؤسؓ، حسن بصریؓ اور قتادہؓ فرماتے ہیں کہ نبیوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے اسی لئے حضرت طاؤسؓ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک دوست قرظی بن یسوی سے کہا تھا کہ وہ توراہ کی جامع باتیں مجھے لکھ دے تو اگر آپ فرمائیں میں انہیں پیش کروں۔ حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبد اللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد کے رسول ہونے پر خوش ہوں (ﷺ) اس وقت حضور ﷺ کا غصہ دور ہوا اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر (حضرت) موسیٰ تم میں آجائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ۔ تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں تم کو راہ راست کیسے دکھائیں گے؟ بلکہ ممکن ہے کہ تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو! اللہ تعالیٰ کی قسم اگر موسیٰ بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے اور کچھ حلال نہ تھا۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور امام اعظم ہیں۔ جس زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی نبوت ہوتی آپ

ﷺ واجب الطاعت تھے اور تمام انبیاء کی تابعداری پر جو اس وقت ہوں آپ ﷺ کی فرمانبرداری مقدم رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کے امام آپ ہی بنائے گئے۔ اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کو فیصلوں کے لئے لانے میں شفیع آپ ﷺ ہی ہوں گے، یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ﷺ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ تمام انبیاء اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ ﷺ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت کے دن تک آمین۔

أَفْغَيْرُ دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾ قُلْ أَمْثَلُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۱﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۱۲﴾

کیا پس اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں! تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہوں تو سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ تو کہہ دے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق پر اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا سب پر ایمان لائے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اس پر بھی ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے: اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے سوا جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ہے یعنی صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنا کوئی شخص اور دین کی تلاش کرے اور اسے مانے اس کی تردید یہاں بیان ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں خواہ ناخوشی سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا﴾ الخ یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتی ہے اپنی خوشی سے یا جبراً اور جگہ ہے ﴿أُولَئِكَ يَرْوُونَ إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق کے سامنے دائیں بائیں جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتی ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمینوں کے کل جاندار اور سب فرشتے، کوئی بھی تکبر نہیں کرتا سب کے سب اپنے اوپر والے رب تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم دیئے جائیں بجالاتے ہیں۔ پس مومنوں کا ظاہر باطن قلب و قالب دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور کافر بھی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں اور جبر اللہ تعالیٰ کی جانب جھکا ہوا ہے اس کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح قدرت و مشیت اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہے کوئی چیز بھی اس کے غلبے اور قدرت سے باہر نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب حدیث یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمانوں والے تو فرشتے ہیں جو بخوشی اللہ تعالیٰ کے فرماں گزار ہیں اور زمین والے وہ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں یہ بھی بشوق تمام اللہ

تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں اور ناخوشی سے ماتحت وہ ہیں جو لوگ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میں میدان جنگ میں قید ہوتے ہیں اور طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے لائے جاتے ہیں یہ لوگ ہیں جو جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ تیرے رب تعالیٰ کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں زنجیروں اور رسیوں میں باندھ کر۔ اس حدیث کی اور سند بھی ہے لیکن اس آیت کے معنی تو یہی زیادہ قوی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد وہ وقت ہے جب روز ازل میں ان سب سے میثاق اور عہد لیا تھا۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن اور ہر ایک کو وہ اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

پھر فرماتا ہے تو کہہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور قرآن پر اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب پر جو صحیفے اور وحی اتری ہم اس پر بھی ایمان لائے اور ان کی اولادوں پر جو اتر اس پر بھی ہمارا ایمان ہے اسباط سے مراد بنی اسرائیل کے قبائل ہیں جو حضرت یعقوب کی نسل میں سے تھے۔ یہ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراہ دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ کو انجیل اور بھی جتنے انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ لائے ہمارا ان سب پر ایمان ہے ہم ان میں کوئی تفریق اور جدائی نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان گزار ہیں۔ پس اس امت کے مومن تمام انبیاء اور کل الہامی کتابوں کو مانتے ہیں کسی کے ساتھ کفر نہیں کرتے ہر کتاب اور ہر نبی کو سچا جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دین اللہ تعالیٰ کے سوا جو شخص کسی اور راہ پر چلے اس سے قبولیت دور ہے اور آخرت میں وہ نقصان میں پڑا جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن اعمال آئیں گے نماز آکر کہے گی کہ اے اللہ میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے۔ صدقہ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں صدقہ ہوں جو اب ملے گا تو بھی خیر پر ہے۔ روزہ آکر کہے گا میں روزہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرمایا گا تو بھی بہتری پر ہے، پھر اسی طرح اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا۔ پھر اسلام آئے گا اور کہے گا اے اللہ! تو سلام ہے اور میں اسلام۔ اللہ تعالیٰ فرمایا گا تو خیر پر ہے آج تیرے ہی باعث میں پکڑوں گا اور تیری ہی وجہ سے میں انعام دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ﴾۔ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ سے سننا ثابت نہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾ أُولَئِكَ جزأؤهم أن عليهم لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ﴿٦٠﴾ خلدن فيها لا يخفف عنهم العذاب ولا هم ينظرون ﴿٦١﴾ إلا الذين تابوا من بعد ذلك وأصلحوا ﴿٦٢﴾ فإن الله غفورٌ رحيمٌ ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد کافر ہو

جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو اور راست پر نہیں لاتا۔ ان پر تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انہیں مہلت دی جائے۔ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں توبہ شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر مرتد چچی توبہ کر لے تو؟ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا۔ پھر بچھڑتا نے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو کیا میری توبہ پھر بھی قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم نے اسے کہلوایا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا (ابن جریر)۔ نسائی، حاکم اور ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام حاکم اسے صحیح الاسناد کہتے ہیں۔ مسند عبد الرزاق میں ہے کہ ہارث بن سویدؓ نے اسلام قبول کیا پھر اپنی قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا اس کے بارے میں یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیات پڑھ سنا میں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تو سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے۔ پھر وہ حضور ﷺ کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔

بینات سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق پر حجتوں اور دلیلوں کا بالکل واضح ہو جانا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے رسول کی حقانیت مان چکے دلیلیں دیکھ چکے پھر شرک کے اندھیروں میں جا چھپے یہ لوگ مستحق ہدایت نہیں کیونکہ آنکھوں کے ہوتے اندھا پے کو انہوں نے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نا انصاف لوگوں کی رہبری نہیں کرتا، انہیں اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی جو لعنت دائمی ہے نہ تو کسی وقت ان کے عذابوں میں تخفیف ہوگی نہ موقوفی۔

پھر اپنا لطف و احسان رافت و رحم کا بیان فرماتا ہے کہ اس بدترین جرم کے بعد بھی جو میری طرف جھکے اور اپنے بد اعمال کی اصلاح کر لے میں بھی اس سے درگزر کر لیتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ آذُوا الْكُفْرَانَ تَنْقِبُ لَهُمْ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِثْلُ عُرْسٍ مِنْ ذَهَبًا وَلَا سِوَا فَتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ

تَصْرِيفٍ ۙ

بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں انکی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی، یہی گمراہ لوگ ہیں۔ ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائیگا، یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔

نزع کی حالت میں توبہ قبول نہیں: ایمان کے بعد کفر کر نیوالوں کو پھر اسی کفر پر مرنیوالوں کو پروردگار عالم ڈرا رہا ہے کہ موت کے وقت کی تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ﴾ آخر دم تک یعنی موت کے وقت تک گناہوں میں مبتلا رہنے والے موت کو دیکھ کر جو توبہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اور یہی یہاں ہے کہ انکی توبہ ہرگز مقبول نہ ہو

گی اور یہی لوگ وہ ہیں جو راہ حق سے بھٹک کر باطل راہ پر لگ گئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر مرتد ہو گئے پھر اسلام لائے پھر مرتد ہو گئے پھر اپنی قوم کے پاس آدمی بھیج کر پچھو لیا کہ کیا اب ہماری توبہ ہے؟ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا اس پر یہ آیت اتری (بزار)۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں گو اس نے زمین بھر کر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہو۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ عبد اللہ بن جدعان جو بڑا مہمان نواز غلام آزاد کرنے والا اور کھانا دانا دینے والا شخص تھا لیا اسے اس کی یہ نیکی کام آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس نے ساری عمر میں ایسا کیا ہے ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾ نہیں کہا، یعنی اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش۔ جس طرح اس کی خیرات نامقبول ہے اسی طرح فدیہ اور معاوضہ بھی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ ان سے نہ بدلہ مقبول نہ انہیں سفارش کا نفع، اور فرمایا ﴿ لَا يَبِيعُ فِيْهِ وَلَا حِلَالٌ ﴾ اس دن نہ خرید و فروخت ہے نہ مودت و محبت اور جگہ ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ ﴾ یعنی اگر کافروں کے پاس زمین میں جو کچھ ہے ہو اور اتنا ہی اور بھی ہو پھر وہ اس سب کو قیامت کے عذابوں کے بدلے فدیہ دیں تو بھی نامقبول ہے، ان تکلیف والے المناک عذابوں کو سہنا ہی پڑے گا۔ یہی مضمون یہاں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض نے ﴿ وَلَوْ اَفْتَدٰى ﴾ کو واؤ کو زائد کہا ہے لیکن واؤ کو عطف کی مانند اور وہ تفسیر کرنا جو ہم نے کی بہت بہتر ہے، واللہ اعلم۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے کفار کو کوئی چیز نہیں چھڑا سکتی گو وہ بڑے نیک اور نہایت خرچیلے ہوں گو زمین بھر بھر کر سونا اور لہنگے یا پہاڑوں اور ٹیلوں مٹی اور ریت نرم زمین اور سخت زمین خشکی اور تری کے ہم وزن سونا عذابوں کے بدلے دینا چاہیں دیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس سب کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیے میں دے ڈالے گا، وہ کہے گا ہاں۔ تو جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدم کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو بغیر شرک کئے نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک جنتی کو لایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے کیسی جگہ پانی؟ وہ جواب دے گا اے اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اور جو کچھ مانگنا وہ مانگو دل میں جو تمنا ہو کہو، تو یہ کہے گا باری تعالیٰ مجھے صرف یہی تمنا ہے اور میرا ایک ہی سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر شہید کیا جاؤں، اس مرتبہ ایسا ہی ہو۔ کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہے۔ اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! تو نے اپنی جگہ کیسی پانی؟ وہ کہے گا اے اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں باری تعالیٰ۔ اس وقت جناب باری تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا۔ چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ پس یہاں فرمایا کہ ان کے لئے تکلیف دہ عذاب ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے چھڑا سکے یا ان کی کسی طرح کی مدد کر سکے۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذابوں سے نجات دے)۔ آمین ﴿ الْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴾ تفسیر ابن کثیر اردو کا تیسرا پارہ ختم ہوا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ

بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۱﴾

جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہر گز بھلائی نہ پاؤ گے تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔

اللہ کے راستہ (اپنی پسندیدہ) میں اچھی چیز صدق کی جائے: حضرت عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ”بر“ (نیکی و بھلائی) سے یہاں جنت مراد ہے یعنی جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہر گز جنت میں داخل نہ ہو گے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ تمام انصار میں حضرت ابو طلحہؓ سب سے زیادہ مالدار تھے۔ وہ اپنے تمام مال اور جائداد میں ”بیر حاء“ (نامی باغ) کو جو مسجد نبوی ﷺ کے سامنے تھا سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی اکثر اس باغ میں جایا کرتے تھے۔ اور اس کے کنویں کا عمدہ پینھاپانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ متذکرہ بالا آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے اور میرا سب سے زیادہ عزیز مال یہی ”بیر حاء“ (نامی باغ) ہے۔ لہذا میں اس کو اس امید میں کہ جو بھلائی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی میرے لئے جمع رہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق کرتا ہوں لہذا آپ ﷺ کو اختیار ہے جس طرح مناسب سمجھیں اس کو تقسیم کر دیں۔ آپ ﷺ خوش ہو کر فرمانے لگے کہ ”واہ واہ یہ بہت ہی فائدے مند مال ہے اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا پھر فرمایا میری رائے یہ ہے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔“ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ ”بہت اچھا“ اور پھر اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا (مسند احمد۔ بخاری و مسلم)۔

بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا سب سے زیادہ عزیز اور بہتر مال وہ ہے جو خیبر میں میری زمین کا ایک حصہ ہے (میں اس کو اللہ کی راہ میں صدق کرنا چاہتا ہوں) فرمائیے کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اصل (زمین) کو اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار پھل وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دو۔“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں تلاوت کے دوران اس مذکورہ بالا آیت پر پہنچا تو میں اپنے تمام مال و جائداد کو تصور میں لایا، لیکن مجھے اپنی رومی کنیز سے زیادہ کوئی چیز محبوب تر نظر نہ آئی لہذا میں نے اسی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا (میرے دل میں اسکی اتنی محبت ہے کہ) اگر میں اللہ کی راہ میں دی ہوئی کسی چیز کو واپس لے سکتا تو اس کنیز سے تو ضرور ہی نکاح کر لیتا (مسند بزار)۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْزَلَ التَّوْرَةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنْتُمْ

صَادِقِينَ ﴿۹۲﴾ فَمَنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ

الظَّالِمُونَ ﴿۹۳﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۖ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۴﴾

توراة کے نزول سے پہلے (حضرت) یعقوبؑ نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے جو کہ اگر تم سچے ہو

تو توراہ لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کی پیروی کرو۔ جو شرک نہ تھے۔

امام احمد اپنی مسند میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے چند ایسی باتیں پوچھتے ہیں جن کو سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ ان کا جواب دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھو لیکن اللہ کو حاضر ناظر جان کر مجھ سے دو وعدہ کرو جو حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں (بنی اسرائیل) سے لیا تھا کہ اگر میں نے دو باتیں تم کو ٹھیک ٹھیک بتادیں تو تم اسلام لا کر میرے تابع اور فرمانبردار بن جاؤ گے۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ”ہمیں یہ بات منظور ہے۔ اگر آپ ﷺ نے صحیح صحیح جو بات دیدیے تو ہم ضرور اسلام قبول کر لیں گے۔ اور آپ ﷺ کے فرمانبردار بن جائیں گے۔“ پھر کہنے لگے کہ ہمیں یہ چار باتیں بتلائیے بتلائیے کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کونسا کھانا حرام کر لیا تھا؟ عورت کا پانی اور مرد کا پانی کیسا ہوتا ہے؟ (اور کیوں) کبھی لڑکا ہوتا ہے کبھی لڑکی؟ اور نبی امی ﷺ کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کونسا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے قسمیں لیں۔ اور پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت اسرائیل سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ عالی شفا دے گا تو سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب شفا یاب ہو گئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ مرد کا پانی سفید رنگ اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل پتلا ہوتا ہے دونوں میں سے جو اوپر آجائے اس پر اولاد نر مادہ ہوتی ہے۔ اور شکل و شبہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی امی کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیاء کے پاس آتا رہا۔ یعنی جبرئیل۔ بس اس پر وہ چیخ گئے اور کہنے لگے اگر کوئی اور فرشتہ آپ ﷺ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ ﷺ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ ہر سوال کے جواب کے وقت آپ ﷺ انہیں قسم دیتے اور ان سے دریافت فرماتے اور وہ اقرار کرتے کہ ہاں جواب صحیح ہے۔ انہیں کے بارے میں آیت ﴿كَانَ عَذُوًّا الْجَبْرِئِيلَ﴾ نازل ہوئی۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت اسرائیلؑ کو عرق النساء کی بیماری تھی اور اس میں ان کا ایک پانچواں سوال یہ بھی ہے کہ یہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا ہے جس سے بادلوں کو جہاں اللہ کا حکم ہو لے جاتا ہے اور یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔ جبرئیلؑ کا نام سن کر یہ کہنے لگے وہ تو عذاب اور جنگ و جدال کا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے اگر پیداوار اور بارش کے فرشتہ حضرت میکائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے رفیق ہوتے تو ہم مان لیتے۔ حضرت یعقوبؑ کے رویہ پر ان کی اولاد بھی رہی اور وہ بھی اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ اس آیت کو اگلی آیت سے مناسبت ایک تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسرائیلؑ نے اپنی چہیتی چیز اللہ تعالیٰ کی نذر کر دی اسی طرح تم بھی کیا کرو۔ لیکن یعقوبؑ کی شریعت میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کو اللہ کے نام پر ترک کر دیتے تھے اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ نہیں بلکہ ہمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی پسندیدہ چیز اللہ عزوجل کے نام پر خرچ کر دیا کریں جیسے فرمایا ﴿وَ اتى المال على حبه﴾ اور فرمایا ﴿يُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ﴾ باوجود محبت اور چاہت کے وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا دیتے ہیں۔ دوسری مناسبت یہ بھی ہے کہ اگلی آیتوں میں نصرانیوں کا رد تھا تو یہاں یہودیوں کا رد ہو رہا ہے۔ ان کے رد میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا صحیح واقعہ بتلا کر ان کے عقیدے کا رد کیا تھا یہاں نسخ کا صاف بیان کر کے ان کے باطل عقیدے کے رد میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کی کتاب میں صاف موجود تھا کہ جب حضرت نوحؑ کشتی میں سے خشکی پر اترے تو ان پر تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا پھر حضرت یعقوبؑ نے اونٹ کا گوشت اور اونٹ کا دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا اور ان کی اولاد بھی اسے حرام جانتی رہی۔ چنانچہ توراہ میں بھی اس کی

حرمت نازل ہوئی۔ اسی طرح اور بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے؟

برنی کی شریعت اپنی امت کیلئے ہے۔ حضرت آدم کی صلی اولاد کا آپس میں بہن بھائی کا نکاح ابتداً ہوتا تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا۔ عورتوں پر لونڈیاں لانا شریعت ابراہیمی میں مباح تھا خود حضرت ابراہیم حضرت سارہ پر حضرت ہاجرہ کو لائے، لیکن پھر توراہ میں اس سے روکا گیا۔ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حضرت یعقوب کے زمانہ میں جائز تھا بلکہ خود حضرت یعقوب کے گھر میں ایک وقت دو سگی بہنیں تھیں لیکن پھر توراہ میں یہ حرام ہو گیا اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ اسے وہ دیکھ رہے ہیں اپنی کتاب میں پڑھ رہے ہیں لیکن پھر نسخ کا انکار کر کے انجیل کو اور حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے اور ان کے بعد ختم المرسلین ﷺ کے ساتھ بھی یہی کرتے ہیں تو یہاں فرمایا کہ توراہ کے نازل ہونے سے پہلے تمام کھانے حلال تھے سوائے اس کے جسے اسرائیل نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا توراہ لاوا اور پڑھو اس میں موجود ہے پھر باوجود اس کے تمہاری یہ بہتان بازیاں اور افترا پردازیاں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہفتہ ہی کے دن کو ہمیشہ کے لئے عید کا دن مقرر کیا ہے اور ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ہمیشہ توراہ کے ہی عامل رہیں اور کسی اور نبی ﷺ کو نہ مانیں یہ کس قدر ظلم و جور ہے تمام باتوں کے باوجود تمہاری یہ روش یقیناً ظالم و جاہر ٹھیراتی ہے

اللہ تعالیٰ نے سچی خبر دیدی ابراہیمی دین وہی ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے تم اس کتاب اور اس نبی ﷺ کی پیروی کرو نہ ان سے اعلیٰ کوئی نبی نہ اس سے بہتر اور زیادہ واضح کوئی شریعت جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنْسِيْ هٰذٰلِكَ رَبِّيْ صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ الخ اے نبی! تم کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے سیدھی راہ ابراہیم حنیف موحد کے مضبوط دین کی دکھادی ہے اور جگہ ہے ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف موحد کے دین کی تابعداری کر۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًىٰ لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾
 فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا وَبَلَّغْنَا عَلٰى النَّاسِ
 حٰجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ
 الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ جو مکہ (شریاف) میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے۔ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے اس میں جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پروا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر: (مسجد حرام) یعنی لوگوں کی عبادت قربانی طواف نماز استکاف وغیرہ کیلئے اللہ کا گھر جسکے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں جنکی تابعداری کا دعویٰ یہود و نصاریٰ مشرکین اور مسلمان سب کو ہے وہ ہے جو سب سے پہلے مکہ میں بنایا گیا ہے یہی خلیل اللہ حج کے پہلے منادی ہیں پھر تعجب اور افسوس ہے ان پر جو ملت صغیٰ کا دعویٰ کریں اور اس گھر کا احترام نہ کریں حج کو یہاں نہ آئیں بلکہ اپنے قبلے اور کعبے الگ الگ کرتے پھریں۔ اس بیت اللہ کی بناوٹ میں ہی برکت ہدایت ہے اور وہ تمام جہان والوں کے لئے ہے۔

حضرت ابو ذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام پوچھا پھر کونسی؟ فرمایا مسجد بیت المقدس پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے؟ فرمایا چالیس سال پوچھا پھر کونسی؟ آپ ﷺ نے فرمایا

جہاں کہیں نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لیا کرے ساری زمین مسجد ہے (مسند احمد و بخاری و مسلم)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ گھر تو چھپتے بہت سے تھے لیکن خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر سب سے پہلا یہی ہے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا گھر یہی بنا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں ہاں برکتوں اور مقام ابراہیم اور امن والا گھر پہلا یہی ہے۔ بیت اللہ شریف کے بنانے کی پوری کیفیت سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرمائیے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ سدی کہتے ہیں سب سے پہلے روئے زمین پر یہی گھر بنا۔ لیکن صحیح قول حضرت علیؓ کا ہی ہے اور وہ حدیث جو بیہوشی میں ہے جس میں ہے کہ آدم و حوٰۃ نے بحکم اللہ بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں ممکن ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے ملے تھے انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔ مکہ شریف کا مشہور نام ہے چونکہ بڑے بڑے جاہل شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا اس لئے اسے کہہ کیا اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ گھسی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مردان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج سے تنعیم تک تو مکہ ہے اور بیت اللہ سے بطحاء تک مکہ ہے۔ بیت اللہ اور مسجد کو مکہ کہا گیا ہے بیت اللہ اور اس کے آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں مثلاً بیت العتیق بیت الحرام بلد الامین بلد المأمون ام رحم ام القریٰ صلاح عرش قادس مقدس ناسہ باسہ رائس کو ثناء البلدہ النبیہ الکعبہ۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و شرافت پر دلیل ہیں اور جن سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ کی بناء یہی ہے۔ اس میں مقام ابراہیم بھی ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت اسماعیلؑ سے پتھر لے کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ کی دیوار اونچی کر رہے تھے۔ یہ پہلے تو بیت اللہ شریف کی دیوار سے لگا ہوا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے ذرا ہٹا کر مشرق رخ کر دیا تھا کہ طواف پوری طرح ہو سکے اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان پر تشویش اور بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ اسی کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اس کے متعلق بھی پوری تفسیر ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ﴾ الخ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے ﴿فَالْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم ہے باقی اور ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ کے نشان قدم جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیات بینات میں سے ہے۔ کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکان حج کو بھی مقام ابراہیم کی تفسیر میں مفسرین نے داخل کیا ہے۔

امن کی جگہ: اس میں آنے والا امن میں آجاتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی مکہ امن والا رہا باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿أُولَٰئِكَ يَرَوْنَ أَنَا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّنَّا﴾ الخ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا۔ اور جگہ ہے ﴿وَأَمْنُهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ ہم نے انہی خوف سے امن دیا نہ صرف انسان کو امن ہے بلکہ شکار کو بھی نہ ہلکا شکار کو بھگانا اسے خوف زدہ کرنا اسے اس کے ٹھکانے یا گھونسلے سے ہٹانا اور امان بھی منع ہے۔ اس کے درخت کا ٹٹا یہاں کی گھاس اکیھونا بھی ناجائز ہے۔ اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وغیرہ پورے بسط کے ساتھ آیت ﴿وَعَهْدَنَا﴾ الخ کی تفسیر میں سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

مسند احمد ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے جسے امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ کے بازار حرورہ میں کھڑے

ہو کر فرمایا کہ اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کو ساری زمین سے بہتر اور پیارا ہے اگر میں زبردستی تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو ہر گزرتے نہ چھوڑتا۔ اور

اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جہنم سے بچ گیا۔ بیہوشی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے جو بیت اللہ میں داخل ہوا اور وہ نیکی میں آیا اور برائیوں سے دور ہوا اور گناہ بخش دیا گیا لیکن اس کے ایک راوی عبد اللہ بن مومل قوی نہیں ہیں۔

حج کی فرضیت: آیت کا یہ آخری حصہ حج کی فرضیت کی دلیل ہے بعض کہتے ہیں ﴿وَ اتَّمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ والی آیت دلیل فرضیت ہے لیکن اول بات زیادہ ظاہر ہے۔ کئی ایک احادیث میں وارد ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اسکی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت والے مسلمان پر حج فرض ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تم حج کرو۔ ایک شخص نے پوچھا حضور! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا پھر جہانہ لاسکتے جو نہ کہوں تم اس کی پوچھ پانچ نہ کرو تم سے اگلے لوگ سوالوں کی بھرمار سے اور نبیوں پر اختلاف کرنے سے ہلاک ہو گئے۔ میرے حکموں کو طاقت بھر بجالاؤ اور جس چیز سے میں منع کروں اس سے رک جاؤ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف کی اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی ہے کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابس تھے اور حضور ﷺ نے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور پھر نفل۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسی سوال کے بارے میں آیت ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ﴾ یعنی زیادتی سوال سے بچو نازل ہوئی (مسند احمد)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر میں ہاں کہتا اور ہر سال حج واجب ہوتا تو نہ بجالا سکتے اور پھر عذاب نازل ہوتا (ابن ماجہ)۔

ہاں حج میں تمتع کرنے کا جواز حضور ﷺ نے ایک سائل کے سوال پر ہمیشہ کے لئے جائز فرمایا تھا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجتہ الوداع میں امہات المؤمنین یعنی اپنی بیویوں سے فرمایا تھا حج ہو چکا اب گھر سے نہ اٹکنا۔ رہی استطاعت اور طاقت سو وہ کبھی تو خود انسان کو بغیر کسی ذریعہ کے ہوتی ہے کبھی کسی اور کے واسطے سے جیسے کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے قرندی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! حاجی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پرانگندہ بالوں اور میلے کپڑوں والا۔ ایک اور نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا حج افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس میں قربانیاں کثرت سے کی جائیں اور لبیک زیادہ پکارا جائے۔ ایک اور شخص نے سوال کیا حضور! سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا توشہ بھتہ کھانے پینے کے لائق خرچ اور سواری۔ اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کے متابعت اور سندوں سے بھی ہے۔ بہت سے صحابیوں سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ﴿مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ کی تفسیر میں زاد و راحلہ یعنی توشہ اور سواری بتلائی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کیا پیش آئے۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہئے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جس کے پاس تین سو درہم ہوں وہ طاقت والا ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے۔

حج کا انکار کفر ہے: پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین تلاش کرے اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ تو یہودی کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے تم بھی حج کرو تو وہ صاف انکار کر بیٹھے جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پروا ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھانے پینے اور سواری پر قدرت رکھتا ہو اتنا مال اس کے پاس ہو پھر حج نہ کرے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے جو اس کے راستہ کی طاقت رکھیں اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پروا ہے۔ اس کے راوی پر بھی کلام

-

حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں حالت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔ اس کی سند بائبل میں ہے (حافظ ابو بکر اسماعیلی)۔ مسند سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا میرا مقصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شیعہوں میں بکتیوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگائیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝
 قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ امْنٍ تَبْغُونَهَا عِوَجًا
 وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب نہ ملتا ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

یہودیوں کا دین اسلام کی حقانیت سے انکار۔ اہل کتاب کے کافروں کو اللہ تعالیٰ دسم کا تاجہ حق سے عناد کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا اگلے انبیاء اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں۔ نبی انی ہاشمی عربی کی مدنی سید اولاد آدم خاتم الانبیاء رسول رب ارض و سما ﷺ کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود تھا پھر بھی اپنی بے ایمانی پر اڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم النبیین کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے منخلص بندوں کی راہ میں روڑے انکار ہے ہو۔ میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا۔ اس دن پکڑوں گا جس دن کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ
 إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ
 رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

اے ایماندارو! اگر تم اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تم کو تمہاری ایمان داری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔ (گویہ ظاہر ہے کہ تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لے وہی راہ راست دکھایا جائے گا۔

اہل کتاب کی باتیں ماننا گمراہی ہے۔ اللہ جبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اہل کتاب کے اس بد باطن فرقہ کی اتباع کرنے سے روک رہا ہے کیونکہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور عرب کی رسالت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَذَكَرْنَا﴾ الخ یہ لوگ جل بھن رہے ہیں اور تم کو ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں تم ان کے بھروسوں میں نہ آجانا گو کفر تم سے بہت دور ہے لیکن تاہم میں

تم کو آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات دن رات تم میں پڑھی جا رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ﷺ تم میں موجود ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿مَالِكُمْ لَا تُمْنُونَ بِاللَّهِ﴾ الخ تم ایمان کیوں نہ لاؤ گے رسول ﷺ تم کو تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں اور تم سے عہد بھی ہو چکا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز اپنے اصحاب سے پوچھا تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو وحی الہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم۔ فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں خود موجود ہوں۔ صحابہ نے کہا پھر حضور خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے (امام ابن کثیر نے اس حدیث کی سندوں کا اور اس کے معنی مطلب کا پورا بیان شرح صحیح بخاری میں کر دیا ہے) (فالحمد للہ)۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے دین الہی کو تھار کھنا اور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے اس سے گمراہی دور ہوتی ہے یہی رشد و رضا کا باعث ہے اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۱﴾

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ

أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا

حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۲﴾

ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر اپنی مہربانی سے تم کو بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے اس نے تم کو بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے: اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے اس کا شکر کیا جائے کفر نہ کیا جائے۔ بعض روایتوں میں یہ تفسیر مرفوع بھی مروی ہے لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے واللہ اعلم۔ حضرت انس کا فرمان ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق نہیں بجالا سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہو اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو عدل پر جم جاؤ یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں جیسی

عدل و انصاف برتا کرو۔ پھر بتایا کہ اسلام ہی پر مرنال یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا تاکہ موت بھی اسی پر آئے۔ اس رب کریم کی عبادت یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی جیسی رکھے ویسی ہی اسے موت آتی ہے اور جس موت مرے اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے خلاف سے اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباسؓ بھی وہاں تھے ان کے ہاتھ میں کلمہ تھی بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی روزیاں بگڑ جائیں وہ کوئی چیز کھانی نہ سکیں پھر خیال کرو کہ ان دوزخیوں کا کیا حال ہو گا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہو گا۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے دور رہتا رہے جسے وہ خود اپنے لئے چاہتا ہو (مسند احمد)۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا (مسلم)۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس کے گمان کے پاس ہی ہوں اگر اس کا میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا (مسند احمد)۔ اس حدیث کا اگلا حصہ بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک بیمار انصاریؓ کی بیمار پرستی کے لئے آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں؟ اس نے کہا الحمد للہ اچھا ہوں رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اس کے غذا بوں سے ڈر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو ایسے وقت جس دل میں خوف و طمع دونوں ہوں اسے اللہ تعالیٰ اس کی امید کی چیز دیتا ہے اور ڈر خوف کی چیز سے بچاتا ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ میں کھڑے کھڑے ہی کروں۔ اس کا مطلب امام نسائی نے تو سنن نسائی میں باب باندھ کر بیان کیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہئے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ نہ مروں میں مگر مسلمان ہو کر اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں پیچھے دکھاتا ہونا نہ مارا جاؤں۔

فرقہ بندی کی ممانعت: پھر فرمایا اتفاق کرو اختلاف سے بچو۔ جبل اللہ سے مراد عہد رب تعالیٰ ہے جیسے ﴿الَا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ﴾ الخ میں بعض کہتے ہیں مراد قرآن ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ اور روایت میں ہے کہ کتاب اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لڑکائی ہوئی رسی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ ظاہر نور ہے یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے اس پر عمل کرنے والے کیلئے یہ بچاؤ ہے اس کی تابعداری کرنے والے کے لئے یہ نجات ہے۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں تم رب کے راستے پر آ جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے اختلاف نہ کرو پھوٹ نہ ڈالو جدائی نہ کرو فرقت سے بچو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے او تین باتوں سے وہ ناخوش ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو تفرقہ نہ ڈالو۔ تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو۔ فضول ہو اس زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تین چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہے کہ اتفاق کے وقت وہ خطا سے بچ جائیں گے۔ اور بہت سی احادیث میں اتفاق سے ڈرایا بھی ہے۔ لیکن باوجود اسکے امت میں اختلاف افتراق پڑان کے تہتر فرتے ہو گئے۔ جن میں سے ایک نجات پا کر جنتی ہو گا اور جہنم کے غذا بوں سے بچ کر بیگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر قائم ہوں جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب تھے۔

پھر اپنی نعمت یاد دلائی۔ جاہلیت کے زمانہ میں اوس و خزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل ایک ہو گئے سب حسد بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو گئے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِي آيَدُكَ بِنَصْرِهِ وَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَ الْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ الخ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تیری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی الخ۔ اپنا دوسرا احسان ذکر کرتا ہے کہ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور تمہارا کفر تم کو اس میں دھکیل دیتا لیکن اسلام کی توفیق عطا فرما کر میں نے تم کو اس سے بھی الگ کر لیا۔ حنین کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضور ﷺ نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی ناملائم الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضور ﷺ نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا۔ اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعت انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ کیا تم فقیر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟ ہر سوال کے جواب میں یہ پاکہاز جماعت اور اللہ کا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اوس و خزرج جیسے صدیوں کے آپس کے دشمنوں کو یوں بھائی بھائی بنا ہوا دیکھا تو یہودیوں کی آنکھوں میں خار کھلنے لگا انہوں نے آدمی مقرر کئے کہ وہ ان کی بیٹھک اور مجلس میں جایا کریں اور اگلی لڑائیاں اور پرانی عداوتیں انہیں یاد دلا میں تازہ کرائیں اس طرح انہیں بھڑکائیں۔

چنانچہ ان کا یہ داؤ ایک مرتبہ چل بھی گیا اور دونوں قبیلوں میں پرانی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں کھینچ گئیں ٹھیک دو جماعتیں ہو گئی اور وہی جاہلیت کے نعرے لگنے لگے ہتھیار بجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اور یہ ٹھہر گیا کہ حرہ کے میدان میں جا کر دل کھول کر لڑیں اور دامن داغی دیں اور پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کریں۔ لیکن حضور ﷺ کو پتہ چل گیا آپ ﷺ فوراً موقع پر تشریف لائے اور دونوں گروہوں کو ٹھنڈا کیا اور فرمانے لگے پھر جاہلیت کے نعرے تم لگانے لگے۔ میری موجودگی میں ہی تم نے پھر کھینچ کھینچ شروع کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر سناٹی سب نادام ہوئے اور اپنی دو گھڑی پہلے کی حرکت پر افسوس کرنے لگے اور آپس میں نئے نئے معافہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح و صفائی ہو گئی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقؓ پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی اور آپ کی برات نازل ہوئی تھی تب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تن گئے تھے فاللہ اعلم۔

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَا

اخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ يَوْمَ

تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ

إِيمَانِكُمْ فذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ

وَجُوهُهُمْ فِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ
بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٨﴾ وَبِاللَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٩﴾

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف باقی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور میرے کاموں سے روکتی رہے۔ یہی لوگ نجات و نجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا۔ انہی لوگوں کے لئے برا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔ سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوں گے۔ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے نبی! ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت تجھ پر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والی جماعت: حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں اس جماعت سے مراد خاص صحابہؓ اور خاص راویان حدیث ہیں یعنی مجاہدین اور علماء۔ ابو جعفر باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا خیر سے مراد قرآن و حدیث کی اتباع ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہر ہر تنفس پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کر دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے اسے متغیر کرے یہ ضعیف ایمان ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں (صحیح مسلم)۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا پھر گو تم دعائیں کرو لیکن قبول نہ ہوں گی۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کسی اور مقام پر ذکر کی جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

دین میں اختلاف کرنا جہنم کا سبب ہے: پھر فرماتا ہے کہ تم اگلے لوگوں کی طرح افتراق و اختلاف نہ کرنا تم نیک باتوں کا حکم اور خلاف شرع باتوں سے روک تھام کو نہ چھوڑنا۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ حج کے لئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امت کے بہتر فرقے ہو جائیں گے یعنی خواہشات میں سب کے سب جہنمی ہیں مگر ایک اور بھی جماعت ہے اور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی رگ رگ میں اس طرح نفسانی خواہشات گھس جائیں گی جس طرح کتے کا کاٹا ہوا انسان جس کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اسے عرب کے لوگوں کو اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں۔

قیامت کے دن جنتی اور جہنمی اپنی چہروں سے پہچانے جائیں گے: پھر فرمایا اس دن سفید چہرے ہوں گے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل سنت و الجماعت کے منہ سفید نورانی ہوں گے اور اہل بدعت و فرقت کے کالے منہ ہوں گے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کالے منہ والے منافق ہوں گے جن سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیوں کیا اب اس

کا مزہ چکھو اور سفید منہ والے رحمت ربانی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابو امامہؓ نے جب خارجیوں کے سرد مشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنم کے کتے ہیں ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں پھر آیت ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ﴾ تلاوت فرمائی۔ ابو غالب نے کہا کیا جناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہیں۔ ابن مردودہ نے یہاں حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے لیکن سند غریب ہے۔ دنیا و آخرت کی یہ باتیں ہم تم پر اسے نبی اکھول رہے ہیں اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو آپ خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے پھر ناممکن ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے (کالے منہ جن کے ہوئے وہ اسی لائق تھے) زمین اور آسمان کی کل چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف سے ہے۔ متصرف اور با اختیار حاکم دنیا اور آخرت کا وہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَكَوَأَمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ
وَآكَثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُؤْلُوكُمْ ۚ الْأُدْبَارُ
لَهُمْ لَا يَنْصَرُونَ ۝ ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا تَشْفُؤْا إِلَّا بِمَحَبِلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ
مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُ وَبَغَضٍ مِّنَ اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ
كَانُوا يَعْتَدُونَ ۝

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔ یہ لوگ تم کو ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اگر لڑائی کا موقع آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے۔ پھر مدد نہ کئے جائیں گے۔ یہ ہر جگہ ہی ذلیل ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں یہ غضب رب تعالیٰ کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے۔ یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا۔

امت محمدیہ ﷺ تمام امتوں سے بہتر ہے: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تم لوگوں کی گردنیں یکڑ یکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔ اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو۔ ابو لہب کی بیٹی حضرت درہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ اس وقت منبر پر تھے کہ حضور! کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو

سب سے زیادہ پرہیزگار ہو سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا سب سے زیادہ رشتے نانتے ملانے والا ہو (مسند احمد)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں ساری امت شامل ہے ہاں بیشک یہ حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ پھر اس کے بعد ۱۰۰۔ ایک اور روایت میں ہے ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ الخ ہم نے تم کو بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم نے اگلی امتوں کی تعداد کو ستر تک پہنچا دیا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو۔ یہ مشہور حدیث ہے امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبی ﷺ کی افضلیت ہے۔ آپ ﷺ تمام مخلوق کے سردار تمام رسولوں سے زیادہ الرام و عزت والے ہیں آپ ﷺ کی شرع اتنی کامل اور اتنی پوری ہے کہ ایسی شریعت کسی نبی کی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ ان فصائل کو سمیٹنے والی امت بھی امتوں میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے بہتر و افضل ہے۔

نبی اکرمؐ کا اعجاز: حضرت علی بن ابوطالبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں وہ وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میری مدد رعب سے کی گئی ہے میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں میرا نام احمد رکھا گیا ہے میرے لئے مٹی پاک کی گئی ہے میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے (مسند احمد)۔ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں میں نے ابوالقاسمؓ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت کھڑی کرنے والا ہوں جو راحت پر ہمہ شکر کریں گے اور مصیبت پر طلب ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں علم و علم نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر باری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟ رب العالمین نے فرمایا میں انہیں اپنا علم و علم عطا فرماؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر بعض وہ حدیثیں بھی بیان کر دوں جن کا یہاں ذکر مناسب ہے۔ سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے سب یک دل ہوں گے۔ میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ اس تعداد میں اور اضافہ فرما۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی حضرت صدیق اکبرؓ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آجائیں گے (مسند احمد) حضور ﷺ فرماتے ہیں مجھے میرے رب نے ستر ہزار آدمیوں کو میری امت میں سے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا حضور ا کچھ اور زیادتی طلب کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوشخبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ فاروقؓ نے کہا حضور اور برکت کی دعا کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے پھر کی تو ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے پھر گزارش کی کہ اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ اور کچھ بھی مانگتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مانگا تو مجھے اتنی زیادتی اور ملی پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتلایا کہ اس طرح۔ راوی حدیث کہتے ہیں اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی (فیضان اللہ و بحمدہ) (مسند احمد)۔

حضرت ثوبانؓ حمص میں بیمار ہو گئے عبد اللہ بن قرظ وہاں کے امیر تھے وہ عیادت کونہ آسکے ایک کلاعی شخص جب آپ کی بیمار پرسی کے لئے گیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ لکھنا جانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا لکھو یہ خط ہے امیر عبد اللہ بن قرظ کی طرف

ثوبان کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کے خادم ہیں! بعد حمد و صلوة کے واضح ہو کہ اگر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ کا کوئی خادم یہاں ہوتا اور بیمار پڑتا تو تم عیادت کے لئے جاتے۔ پھر کہا یہ خط لے جاؤ اور امیر کو پہنچا دو۔ جب یہ خط امیر حمص کے پاس پہنچا تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے یہاں تشریف لائے کچھ دیر بیٹھ کر عیادت کر کے جب جائزہ لیا تو حضرت ثوبان نے ان کی چادر پکڑ کر روکا اور فرمایا کہ ایک حدیث سنتے جاؤ۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب کے جنت میں جائیں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے (مسند احمد)۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ایک رات ہم خدمت نبوی ﷺ میں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سنو! ان رات انبیاء اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے بعض نبی کے ساتھ صرف تین شخص تھے بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ بعض کے ساتھ ایک جماعت کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے مجھے یہ جماعت پسند آئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ جواب ملا اپنی واہنی طرف دیکھو۔ اب جو دیکھتا ہوں تو بے شمار مجمع ہے جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں اب مجھ سے پوچھا گیا کہ خوش ہو۔ میں نے کہا میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اب نبی ﷺ نے فرمایا (آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔ حضرت عکاشہ بن محسن نے کھڑے ہو کر کہا حضور! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابی نے بھی اٹھ کر یہی گزارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم پر (حضرت) عکاشہ سہقت کر گئے۔

دم جھاڑنا کروانا اور صرف اللہ پر توکل کرنا: اب ہم آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑا نہیں کراتے آگ کے داغ نہیں لگواتے شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (مسند احمد)۔ ایک اور سند سے اتنی زیادتی اس میں اور بھی ہے کہ جب میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو مجھ سے کہا گیا اب اپنی باتیں جان ب دیکھو۔ میں نے دیکھا تو بے شمار مجمع ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھی ڈھک لیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ موسم حج کا یہ واقعہ ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں مجھے اپنی امت کی یہ کثرت بہت پسند آئی تمام پہاڑیاں اور میدان ان سے پر تھے (مسند احمد)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہ کے بعد کھڑے ہونے والے ایک انصاری تھے (طبرانی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے سب ایک ساتھ جنت میں جائیں گے چمکتے ہوئے چودھویں رات کے چاند جیسے ان کے چہرے ہوں گے (بخاری، مسلم، طبرانی)۔

حصین بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں سعید بن جبیر کے پاس تھا تو آپ نے دریافت کیا رات کو جو ستارہ ٹوٹا تھا تم میں سے کسی نے دیکھا تھا میں نے کہا ہاں حضرت میں نے دیکھا تھا یہ نہ سمجھے گا کہ میں نماز میں تھا نہیں بلکہ مجھے بچھونے کاٹ کھایا تھا۔ حضرت سعید نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا دم کر دیا تھا کہا کیوں؟ میں نے کہا حضرت شععی نے بریدہ بن حصیب کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ نظر بد اور زہریلے جانوروں کا دم جھاڑا کرنا جائز ہے۔ کہنے لگے خیر جسے جو پیچھے اس پر عمل کرے ہمیں تو حضرت ابن عباس نے سنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت تھی کسی کے ساتھ ایک شخص اور دو

شخص اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا اب جو دیکھا کہ ایک بڑی جماعت پر نظر پڑی میں سمجھا یہ تو میری امت ہو گی پھر معلوم ہوا کہ یہ اس علیہ سلام کی امت ہے مجھے سے کہا گیا آسمان کے کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بیٹھار لوگ تھے مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضور ﷺ تو مکان پر چلے گئے اور صحابہ آپس میں کہنے لگے شاید یہ حضور ﷺ کے صحابی ہوں گے۔ کسی نے کہا نہیں اسلام میں پیدا ہونے والے اور اسلام پر ہی مرنے والے ہوں گے۔ غیر وہ غیر وہ۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑا کریں نہ کرائیں نہ داغ لگوائیں نہ شکن لیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ حضرت عکاشہ نے دعا کی درخواست کی آپ ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ اتوا سے ان میں سے کہلے۔ پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا عکاشہ آگے بڑھ گئے۔ یہ حدیث بخاری میں ہے لیکن اس میں دم جھاڑا کرنے کا لفظ نہیں صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔

ایک اور مطول حدیث میں ہے کہ پہلی جماعت تو نجات پائیگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاندنی طرح روشن ہوں گے ان سے حساب بھی نہ لیا جائے گا پھر ان کے بعد والے سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چمکدار چہرے والے ہوں گے (مسلم)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب کے داخل بہشت ہوں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے اور تین لہجوں اور میرے رب عزوجل کی لہجوں سے (کتاب السنن لحافظ ابی بکر بن عاصم)۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے ستر ہزار کی تعداد سن کر یزید بن اخص نے کہا حضور! یہ تو آپ ﷺ کی امت کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر ہزار کے ساتھ ہزار اور ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے تین لہجوں بھر کر اور بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس کی اسناد بھی حسن میں (کتاب السنن)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جائیگا پھر ایک ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لہجوں بھر کر اور ڈالیگا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں بیٹیوں اور خاندان و قبیلہ میں ہو گی اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جہنمیں اللہ تعالیٰ اپنی لہجوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائیگا۔ (طبرانی) اس حدیث کی سند میں بھی کوئی علت نہیں واللہ اعلم۔ کدید میں حضور ﷺ نے ایک حدیث فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا یہ ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے میرا خیال ہے کہ ان کے آتے آتے تو تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں اور بیویوں کے لئے جنت میں جگہ مقرر کر چکے ہو گے (مسند احمد) اس کی سند بھی شرط مسلم پر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا حضور! کچھ اور زیادہ کہئے۔ اسے سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ابو بکرؓ بس کرو۔ صدیقؓ نے جواب دیا کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں تو آپ کو کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا عمرؓ سچ کہتے ہیں (مسند عبد الرزاق)۔ اسی حدیث کا اور سند سے بھی بیان ہے اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے (اصہبانی)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر اللہ کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بد قسمتی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے (ابویعلیٰ)۔ اوپر والی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان ہوئی ہے اس میں تعداد تین لاکھ کی ہے پھر حضرت عمرؓ کا قول اور حضور ﷺ کی تصدیق کا بیان ہے (طبرانی) ایک اور حدیث میں جنت میں جا

نے والوں کا ذکر کر کے حضور ﷺ نے فرمایا۔ میری امت کے سارے مہاجر تو اس میں آہی جائیں گے پھر باقی تعداد اسرا بیوں سے پوری ہوگی (محمد بن اسلم)۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں حضور ﷺ کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی۔ ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جان محمد (ﷺ) کی اس کے ہاتھ میں ہے تم ایک اندھیری رات کی طرح بے شمار ایک سانھ جنت کی طرف بڑھو گے زمین تم سے پر ہو جائیگی فرشتے پکارا نہیں گے کہ محمد (ﷺ) کے ساتھ جو جماعت آئی وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا صرف میری تابعدار امت اہل جنت کی چوتھائی ہوگی۔ صحابہؓ نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا پھر فرمایا کہ مجھے تو امید ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو جاؤ۔ ہم نے پھر تکبیر کہی پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم آدھوں آدھ ہو جاؤ۔ (مسند احمد) اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو۔ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی۔ پھر فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو۔ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو جاؤ گے (بخاری و مسلم) طبرانی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھا حصہ بنا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین اور چوتھائیوں میں تمام اور امتیں ہوں؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تہائی حصہ ہو تو۔ ہم نے کہا یہ بہت ہے۔ فرمایا کہو اگر آدھوں آدھ ہو تو۔ انہوں نے کہا حضور اچھ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اکل اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی صفیں صرف اس میری امت کی ہیں۔ مسند احمد میں بھی ہے کہ اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں ان میں اسی صفیں صرف اس امت کی ہیں۔ یہ حدیث طبرانی ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔

طبرانی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْأُولَىٰ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اہل جنت کی چوتھائی ہو پھر فرمایا بلکہ ثلث ہو پھر فرمایا بلکہ نصف ہو پھر فرمایا دو تہائی ہو (اے وسیع رحمتوں والے اور بے روک نعمتوں والے اللہ تعالیٰ! ہم تیرا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ایسے معزز و محترم رسول ﷺ کی امت میں پیدا کیا تیرے۔ پچھ رسول ﷺ کی سچی زبان سے تیرے اس بڑھے چڑھے فضل و کرم کا حال سن کر ہم گنہگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اللہ تعالیٰ! ہماری آس نہ توڑ اور ہمیں بھی ان نیک ہستیوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما باری تعالیٰ تیری رحمت کی ان گنت اور بے شمار بندوں سے اگر ایک قطرہ بھی ہم گنہگاروں پر برس جائے تو ہمارے گناہوں کو دھو ڈالنے اور ہمیں تیری رحمت و رضوان کے لائق بنانے کیلئے کافی ہے۔ اے اللہ اس پاک ذکر کے موقع پر ہم ہاتھ اٹھا کر دامن پھیلا کر آنسو بہا کر امیدوں بھرے دل سے تیری رحمت کا سہارا لے کر تیرے کرم کا دامن تھام کر تجھ سے بھیک مانگتے ہیں تو قبول فرما اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنی رضامندی کا گھر جنت الفردوس عطا فرما آمین الہ الحق آمین)۔

جنت میں سب پہلے امت محمدیہ کا داخلہ ہوگا صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں سب سے آخر آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اور ان کو کتاب اللہ پہلے ملی ہمیں بعد میں ملی جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے بھی پیچھے اتوار کے دن۔ دار قطنی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں انبیاء پر دخول جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو دوسری امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔ یہ تمہیں وہ حدیثیں جنہیں ہم اس آیت کے تحت میں وارد کرنا چاہتے تھے۔ فالحمد للہ۔ امت کو بھی چاہئے کہ یہاں اس آیت میں جتنی صفیں ہیں ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن

المُنْكَرُ اور ایمان باللہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ اوصاف بھی اپنے میں پیدا کرو امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے جن کی مذمت کا یہ اللہ نے کی فرمایا ﴿كَانُوا لَا يَتَّاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرِ فَعْلُوهُ﴾ وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو روکتے نہ تھے۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمانداروں کی تعریف و توصیف بیان ہوئی تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے نبی آخر الزمان ہونے پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں لیکن ان میں سے اکثر تو کفر و فسق و عصیان پر جسے ہوئے ہیں ہاں کچھ لوگ با ایمان بھی ہیں۔

ایمان والے غالب رہیں گے: پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا اللہ تم کو تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا۔ چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنو قینقاع بنو نضیر بنو قریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل و پست کیا۔ اسی طرح شام کے نصرانی مساجد کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے کلیتہً نکل گیا اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ کے آنے تک حق پر قائم رہے گی۔ حضرت عیسیٰ آ کر ملت اسلام پر اور شریعت محمد ﷺ کے مطابق حکم کریں گے صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ قبول نہ کریں گے صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی کہیں بھی امن و امان اور عزت نہیں ہاں اللہ کی پناہ کے ساتھ یعنی جب جزیہ دینا اور مسلم باوجودہ کی اطاعت کرنا قبول کر لیں اور لوگوں کو پناہ یعنی عقد ذمہ مقرر ہو جائے یا کوئی مسلمان امن دیدے اگرچہ کوئی عورت ہو بلکہ اگرچہ کوئی ندامت جو عمامہ کا ایک قول یہ بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جبل سے مراد عہد ہے۔ غضب کے مستحق ہو گئے۔ مسکینی چوکا دی گئی یہ ان کا گفران کا قتل انبیاء ان کا تکبر حسد سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے۔ اسی باعث ان پر ذلت پستی اور مسکینی ہمیشہ کے لئے ڈال دی گئی۔ ان کی نافرمانیوں اور تجاوز حق کا یہ بدلہ ہے العیاذ باللہ۔ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو بیویوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور ان کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَابِلَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ
 يَسْجُدُونَ ﴿١٧﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَآمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
 الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٨﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ
 فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ
 أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ ﴿٢٠﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ
 أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ
 أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٢١﴾

یہ سارے کے سارے برابر نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں یہ نیک بخت لوگ ہیں۔ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی نافرمانی نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ پر جیسے گاروں کو خوب جانتا ہے۔ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں رب کے ہاں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہو اچلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل نفع نہ دے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اہل کتاب اور اصحاب محمد ﷺ برابر نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں ایک مرتبہ دیر لگا دی۔ پھر جب آئے تو جو اصحاب منظر تھے ان سے فرمایا "کسی دین والا اس وقت ذکر اللہ نہیں کر رہا صرف تم ہی ذکر اللہ میں ہو"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اہل کتاب کے علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت اسد بن عبید، حضرت ثعلبہ بن شعبہؓ وغیرہ کے بارے میں یہ آتی اتنی کہ یہ لوگ ان اہل کتاب میں شامل نہیں جن کی مذمت پہلے گزری بلکہ یہ باایمان جماعت امر اللہ پر قائم ہے شریعت محمدیہ کی تابع ہے استقامت و یقین اس میں ہے۔ یہ پاک باز لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان ہی باتوں کا حکم کرتے ہیں ان کے خلاف سے روکتے ہیں نیک کاموں میں پیش پیش رہا کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں خطاب عطا فرماتا ہے کہ یہ صالح لوگ ہیں۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ الخ بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اس قرآن پر اور توراہ اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں الخ۔ یہاں بھی فرمایا کہ ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے بلکہ پورا بدل ملے گا۔

تمام پرہیزگار لوگ اللہ کی نظروں میں ہیں وہ کسی کے اچھے عمل کو برباد نہیں کرتا۔ ہاں ان بے دین لوگوں کو اللہ کے ہاں نہ مال نفع دے نہ اولاد یہ تو جہنمی ہیں۔ صر کے معنی سخت سردی کے ہیں جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے۔ غرض جس طرح کسی کی تیار کھیتی پر پالا پڑے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے نفع چھوڑا اصل بھی غارت ہو جائے اور امیدوں پر پانی پھر جائے اسی طرح یہ کفار ہیں۔ جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں اس کا نیک بدلہ تو کہاں بلکہ اور عذاب ہو گا۔ یہ کچھ اللہ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ یہ ان کی بد اعمالیوں کی سزا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥﴾ هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٦﴾ إِنَّ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةً تَسُوهُمُ وَإِن تَصَبَّكُمْ سَيِّئَةً يَفْرَحُوا بِهَا وَإِن تَصَّبَرُوا

وَتَتَّقُوا لِأَيْضُكُمْ كَيْدَهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝۱۵

ابن ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود انکی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ تم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو)۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟ یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تباہی میں مرے غصہ کے انگلیوں چباتے رہتے ہیں۔ بدو کہ اپنے بندہ نبی میں مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے۔ تم کو اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تم کو نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔

کافر مسلمانوں کے دوست نہیں ہیں: اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہم از می سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چڑی باتوں میں بہل نہ جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنسن نہ جانا اور نہ موقع پا کر یہ تم کو سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے تم انہیں اپنا راز دار ہرگز نہ سمجھنا راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا ﴿بَطَانَةٌ﴾ کہتے ہیں انسان کے راز دار دوست کو اور ﴿مِنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں۔ بخاری وغیرہ میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کیلئے دو بظانہ مقرر کئے ایک تو بھلائی کی بات سمجھنا والا اور اس پر رغبت دینے والا دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا پس پھر اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو میں غیر مومن کو بظانہ بناؤ گا جو اللہ نے منع کیا ہے۔ اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ انکی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نینچا دکھانیکی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انسؓ سے حدیثیں سنتے تھے اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصریؓ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت انسؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ انہوں نے آکر خواجہ صاحب سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو۔ دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دار اپنے اپنے سوا دوسروں کو ہماز نہ بناؤ (ابو یعلیٰ) لیکن خواجہ صاحب کی یہ تشریح قابل غور ہے۔ حدیث کا ٹھیک مطلب غالباً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ۔ چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے یہ اس لئے تھا کہ حضور ﷺ کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی بہستی کے پاس نہ رہو ان کے پڑوس سے دور رہو ان کے شہروں سے ہجرت کر جاؤ جیسے ابو داؤد میں ہے کہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بس وہ بھی انہی جیسا ہے۔

پھر فرمایا ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت بچ رہی ہے ان کے چہروں سے بھی قیافہ شناس ان کی باطنی خیانتوں کو معلوم کر سکتا ہے پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف صاف بیان کر دیا ہے عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔ پھر فرمایا دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تم کو نہ چاہیں تمہارا ایمان نکل

کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں ان کی کتاب کو تم مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں تو چاہئے یہ تھا کہ تم خود انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سامنا ہو جائے تو اپنی ایمان واری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہر واری پر خوش نہ ہونا چاہئے۔ یہ گوجلتے جھلتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی ہی دیتا رہے گا یہ دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں۔ اللہ ان کے دلوں کے مجیدوں سے بخوبی واقف ہے ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دہنی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت میں پائیں گے برخلاف ان کے یہ خودیہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تم کو کوئی نفع پہنچا اور یہ کلیجہ مسوسے لگے اور اگر اللہ نہ کرے تم کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل گئی بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگے اگر اللہ کی طرف سے مومنوں کی مدد و یونی یہ کفار پر غالب آئے انہیں غنیمت کا مال ملا یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آگئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔

اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بد بختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو اللہ خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔ جو اس پر توکل کرے اسے وہ کافی ہے۔ اسی مناسبت سے اب جنگ احد کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے صبر و تحمل کا بیان ہے اور جس میں آزمائش اللہ کا پورا نقشہ ہے اور جس میں مومن و منافق کی ظاہر تمیز ہے۔ سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾
 إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمْ مَآءُومٌ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
 الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
 تَشْكُرُونَ ﴿۱۸﴾

اسے نبی تو اس وقت کو بھی یاد کر جب صبح ہی صبح تو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے موقع پر باقاعدہ بٹھارہا تھا اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔ جب تمہاری دو جماعتیں سستی کا ارادہ کر چکی تھیں اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے۔ اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔ جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے بین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ فقط اللہ ہی سے ڈرتے رہا کرو (نہ کسی اور سے) تاکہ تم کو شکر گزاری کی توفیق ہو (اور یہ شکر گزاری باعث نصرت و امداد ہو)

جنگ احد کے واقعات: یہ احد کے واقعہ کا ذکر ہے گو بعض مفسرین نے اسے جنگ خندق کا قصہ بھی کہا ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ واقعہ جنگ احد کا ہے جو ۳ھ ۱۱ شوال بروز ہفتہ پیش آیا تھا۔ جنگ بدر میں مشرکین کو کامل شکست ہوئی تھی ان کے سردار موت کے گھاٹ اترے تھے اب اس کا بدلہ لینے کے لئے مشرکین نے بڑی بھاری تیاری کی۔ تمام وہ تجارتی مال جو بدر والی لڑائی کے موقع پر دوسرے راستے سے بچ کر آگیا تھا وہ سب اس لڑائی کے لئے روک رکھا تھا اور چوں طرف سے لوگوں کو جمع کر کے تین ہزار کا ایک لشکر جزا تیار کیا اور

پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مالک بن عمروؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی جو قبیلہ بنی نجار میں سے تھے پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کی مدافعت کی کیا صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟ تو عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے اگر وہ آئے اور ٹھہرے تو گویا جیل خانہ میں آگئے رکے کھڑے رہیں اور اگر مدینہ میں گھسے تو ایک طرف سے ہمارے بہادروں کی تلواریں ہوں گی دوسری جانب سے تیر اندازوں کے بے پناہ تیر ہوں گے پھر اوپر سے عورتوں اور بچوں کی سنگ باری ہوگی۔ اور اگر پونہ لوث گئے تو بربادی اور خسارے کے ساتھ لوٹیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف بعض ان صحابہؓ کی رائے تھی جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے یہ زور لگا رہے تھے کہ مدینہ کے باہر جا کر میدان میں خوب دل کھول کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر آئے۔ ان صحابہؓ کو اب خیال ہوا کہ کہیں ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کے خلاف منشا تو میدان کی لڑائی پر زور نہیں دیا اس لئے یہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ اگر یہیں ٹھہر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجئے ہماری جانب سے کوئی اصرار نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کے نبی کو لایق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے اب تو میں نے لوٹوں گا جب تک کہ وہ نہ ہو جائے جو اللہ کو منظور ہو۔ چنانچہ ایک ہزار کا لشکر لیکر آپ مدینہ شریف سے نکل کھڑے ہوئے۔ شوط پر پہنچ کر اس منافق عبد اللہ بن ابی نے دعا بازی کی اور اپنی (۳۰۰) تین سو کی جماعت کو لے کر واپس مڑ گیا۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی تو ہونے کی نہیں خواہ مخواہ زحمت کیوں اٹھائیں؟ آنحضرت ﷺ نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرامؓ کو لیکر آپ نے احد پہاڑ کا رخ کیا۔ پہاڑ کو چپہ کی طرف کر کے دامن کوہ میں لشکر کو اتارا حکم دیدیا کہ جب تک میں نہ کہوں لڑائی شروع نہ کرنا پچاس تیر انداز صحابیوں کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ کو بنایا اور ان سے فرمادیا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے نہ آجائے دیکھو ہم غالب آجائیں یا اللہ نہ کرے مغلوب ہو جائیں تم ہر گز ہر گز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ یہ انٹظامات کر کے خود آپ بھی تیار ہو گئے دہری زرہ پہنی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو جھنڈا دیا۔ آج چند لڑکے بھی لشکر محمدی ﷺ میں نظر آتے تھے۔ یہ چھوٹے سپاہی بھی جان بازی کیلئے ہمہ تن مستعد تھے بعض اور بچوں کو حضور ﷺ نے ساتھ نہیں لیا تھا انہیں جنگ خندق میں لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ جنگ خندق اس کے دو سال بعد ہوئی تھی۔ قریش کا لشکر بڑے ٹھانڈے مقابلہ پر آڈنا یہ تین ہزار سپاہیوں کا گروہ تھا ان کے ساتھ دو سو کو تل گھوڑے تھے جنہیں موقع پر کام آنے کے لئے ساتھ رکھا تھا۔ ان کے داہنے حصہ پر خالد بن ولید تھا اور بائیں پر عکرمہ بن ابو جہل تھا (یہ دونوں سردار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان کا جھنڈا بردار قبیلہ بنو عبد الدار تھا۔ پھر لڑائی شروع ہوئی جس کے واقعات انہی آیتوں کی موقع بہ موقع تفسیر کے ساتھ آتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض اس آیت میں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ مدینہ شریف سے نکلے اور لوگوں کو لڑائی کے موقع کی جگہ پر مقرر کرنے لگے مینہ میسرہ لشکر کا مقرر کیا اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب کے دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے۔ روایتوں میں یہاں تک آچکا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن مدینہ شریف سے لڑائی کے لئے نکلے اور قرآن فرماتا ہے صبح ہی صبح تم لشکریوں کی جگہ مقرر کرتے تھے تو مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تو جاگہ پڑاؤ نکال دیا باقی کاروائی ہفت کی صبح شروع ہوئی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں ہمارے بارے میں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تمہارے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا تھا۔ گو اس میں ہماری ایک کمزوری کا بیان ہے لیکن ہم اپنے حق میں اس آیت کو بہت بہتر جانتے ہیں کیوں کہ اس میں یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا ولی ہے۔

پھر فرمایا کہ دیکھو میں نے بدر والے دن بھی تم کو غالب کیا حالانکہ تم بہت ہی کم اور بے سر و سامان تھے۔ بدر کی لڑائی ۲ ہجری ۷ ارے ارے رمضان بروز جمعہ ہوئی تھی۔ اسی کا نام یوم الفرقان رکھا گیا اس دن اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی شرک برباد ہوا۔ محل شرک اجزا

حالانکہ اس دن مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے فقط ستر اونٹ تھے باقی سب پیدل تھے ہتھیار بھی اتنے کم تھے کہ گویا نہ تھے اور دشمن کی تعداد اس دن تین گنی تھی ایک ہزار میں کچھ ہی کم تھے ہر ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے ضرورت سے زیادہ وافر ہتھیار عمدہ عمدہ کافی سے زیادہ گھوڑے مالدار ہی کا یہ حال تھا کہ سونے کے زیور پہنے ہوئے۔ اس موقع پر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت اور غلبہ دیا اپنی وحی ظاہر باہر کی اپنے نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سرفروغ کیا اور شیطان اور اس کے لشکریوں کو ذلیل و خوار کیا۔ اپنے مومن بندوں اور جنتی لشکریوں کو اس آیت میں یہ احسان یاد دلاتا ہے اور باوجود تمہاری تعداد کی کمی اور ظاہری اسباب کی غیر موجودگی کے تم کو غالب رکھاتا کہ تم معلوم کرو کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں۔ اسی لئے دوسری آیت میں صاف فرمادیا کہ جنگ حنین میں تم نے ظاہری اسباب پر نظر ڈالی اور اپنی زیادتی دیکھ کر خوش ہوئے لیکن اس زیادتی تعداد اور موجودگی اسباب نے تم کو کچھ فائدہ نہ دیا۔

حضرت عیاض اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک میں ہمارے پانچ سردار تھے حضرت ابو عبیدہؓ حضرت یزید بن ابومہنیانؓ حضرت ابن حنہؓ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عیاضؓ اور خلیفۃ المؤمنین حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ لڑائی کے وقت حضرت ابو عبیدہؓ سرداری کریں۔ اس لڑائی میں ہمیں چو طرف سے شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ ہمیں موت نے گھیز رکھا ہے امداد بھیجئے۔ فاروقؓ کا مکتوب گرامی ہماری گزارش کے جواب میں آیا جس میں تحریر تھا کہ ”تمہارا طلب امداد کا خط پہنچا۔ میں تم کو ایک ایسی ذات بتلاتا ہوں جو سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ مضبوط لشکر والی ہے وہ ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے جس نے اپنے بندے اور رسول اللہ ﷺ کی مدد برواے دن کی تھی بدری لشکر تو تم سے بہت ہی کم تھا۔ میرا یہ خط پڑھتے ہی جہاد شروع کر دو اور اب مجھے کچھ نہ لکھنا کچھ پوچھنا۔“ اس خط سے ہماری جراتیں بڑھ گئیں ہمتیں بلند ہو گئیں پھر ہم نے جم کر لڑنا شروع کیا الحمد للہ دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے۔ ہم نے بارہ میل تک ان کا تعاقب کیا بہت سامان غنیمت ہمیں ملا جو ہم نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر حضرت ابو عبیدہؓ کہنے لگے میرے ساتھ دوڑ کون کرے گا؟ ایک نوجوان نے کہا اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ دوڑنے میں وہ آگے نکل گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی دونوں زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں اور وہ اس نوجوان کے پیچھے گھوڑا اڑانے چلے جا رہے تھے۔ بدر بن نارین ایک شخص تھا اس کے نام سے ایک کنواں مشہور تھا اور اس میدان کا جس میں یہ کنواں تھا یہی نام ہو گیا تھا۔ بدر کی جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ شکر کی توفیق ملے اور اطاعت گزار رہی کر سکو۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ۗ وَالنَّصْرُ لِلَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يُغْفِرُ لِمَن يَّشَاءُ وَ يُعَذِّبُ مَن يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶

جب تو مومنوں کو تسلی دے رہا تھا کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تم کو کافی نہ ہو گا۔ گو یہ لوگ اپنے اس جوش سے آئیں لیکن اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو گے تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشان وار ہوں گے۔ اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے ہے یاد رکھو مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔ اس امداد الہی سے کفار کی ایک جماعت کٹ جائے گی اور ذلیل ہوگی اور سارے کے سارے نام ادا ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ اب پیغمبر تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہئے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

جنگ بدر اور جنگ احد میں فرشتوں سے مدد: آنحضرت ﷺ کا یہ تسلیاں دینا بعض تو کہتے ہیں بدر والے دن تھا۔ حسن بصری عامر شعمی ربیع بن انس وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ عامر شعمی کا قول ہے کہ مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی امداد میں آئے گا اس پر اس امداد کا وعدہ ہوا تھا لیکن پھر نہ وہ آیا نہ یہ۔ ربیع ابن انس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار۔ یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے۔ فرمایا ﴿ اِنْسِيْ مُمَدُّكُمْ بِالْفِ مِنْ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرُوْدٍ فَيَنْ ﴾ اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ ﴿ مُرُوْدٍ فَيَنْ ﴾ کا لفظ موجود ہے۔ پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے آخر پانچ ہزار ہو گئے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ جنگ بدر کے لئے تھا نہ کہ جنگ احد کے لئے۔ بعض کہتے ہیں جنگ احد کے موقع پر وعدہ ہوا تھا۔ مجاہد، عکرمہ، سخاک، زہری، موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان میدان چھوڑ کے ہٹ گئے اس لئے یہ فرشتے نازل ہوئے کیونکہ ﴿ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾ ساتھ ہی فرمایا تھا۔ یعنی اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو ﴿ فُوْرٌ ﴾ کے معنی وجد اور غضب کے ہیں ﴿ مَسُوْمِيْنَ ﴾ کے معنی علامت والے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ صوف کی تھی اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں سرخ اون کی نشانی تھی۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں۔ گردن کے بالوں اور دم کا نشان تھا اور یہی نشان آپ کے لشکریوں کا تھا یعنی صوف کا۔ مکحولؓ کہتے ہیں فرشتوں کی نشانی اون کی پگڑیاں تھی جو سیاہ رنگ کے نمائے تھے اور حنین والے دن سرخ نمائے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بدر کے علاوہ فرشتے کبھی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے اور سفید رنگ عماموں کی علامت تھی یہ صرف مدد کے لئے اور کنتی بڑھانے کے لئے تھے نہ کہ لڑتے ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیرؓ کے سر پر سفید رنگ صاف تھا اور فرشتوں پر زرد رنگ۔

پھر فرمایا کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تم کو اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی اور اطمینان کے لئے ہے ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ بغیر ان کو اتارے بلکہ بغیر تمہارے لڑے بھی تم کو غالب کر دے مدد اسی کی طرف سے ہے۔ جیسے اور جگہ سے ﴿ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَا نُنْصِرُ مِنْهُمْ ﴾ الخ اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ ہر ایک کو آزما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل کئے جائیں ان کے اعمال اکارت نہیں ہوتے اللہ انہیں راہ دکھائے گا ان کے اعمال سنوار دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا جس کی تعریف وہ کر

چکا ہے وہ عزت والا ہے اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے۔ یہ حکم جہاد بھی طرح طرح کی حکمتوں پر مبنی ہے اس سے کفار ہلاک ہوں گے یا ذلیل ہوں گے یا نامراد واپس ہو جائیں گے۔ اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کل امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اے نبی! تم کو کسی امر کا اختیار نہیں جیسے فرمایا ﴿إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَالُغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ تم پر صرف تبلیغ ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔ اور جگہ ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ﴾ انہیں تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں اللہ جسے چاہے ہدایت دے اور ایک جگہ فرمایا ﴿أَنْتَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ انہیں تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے پس میرے بندوں میں تجھے کوئی اختیار نہیں جو حکم پہنچے اسے اوروں کو پہنچادے تیرے ذمہ یہی ہے ممکن ہے اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور برائی کے بعد وہ بھلائی کرنے لگیں اور اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے یا ممکن ہے انہیں ان کے کفر و گناہ کی بنا پر عذاب کرے تو یہ ظالم اس کے بھی مستحق ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور ﴿سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ﴾ کہہ لیتے تو کفار پر بددعا کرتے کہ اے اللہ فلاں پر لعنت کر اس کے بارے میں یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاٰخِرِيْنَ شَيْءٌ﴾ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں ان کافروں کے نام بھی آئے ہیں مثلاً حارث بن ہشام، سہل بن عمرو، صفوان ابن امیہ۔ اور اسی میں ہے کہ بالآخر ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ چار آدمیوں پر یہ بددعا دی تھی جس سے روک دینے گئے۔ صحیح بخاری میں حضور ﷺ جب کسی پر بددعا کرنا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد ﴿سَمِعَ اللَّهُ﴾ انہیں اور ﴿رَبَّنَا﴾ انہیں پڑھ کر دعا مانگتے۔ کبھی کہتے اے اللہ ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش ابن ابوربیعہ اور کمزور مومنوں کو کفار سے نجات دے اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسی قحط سالی بھیج جیسی (حضرت) یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔ یہ دعا با آواز بلند ہوا کرتی تھی اور بعض مرتبہ صبح کی نماز کے قنوت میں یوں بھی کہتے کہ اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت بھیج اور عرب کے بعض قبیلوں کے نام لیتے تھے۔

اور روایت میں ہے جنگ احد میں جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرہ زخمی ہوا خون بہنے لگا تو زبان سے نکل گیا کہ ”وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا حالانکہ نبی اللہ کی طرف انہیں بلاتا تھا۔“ اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ﴾ انہیں نازل ہوئی۔ آپ اس غزوہ میں ایک گڑھے میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا۔ کچھ تو اس ضعف کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دوہری زہرہ پہنے ہوئے تھے اٹھ نہ سکے حضرت حدیثہ کے مولیٰ حضرت سالمؓ پہنچے اور چہرے پر سے خون پونچھا۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے یہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے سب اس کے غلام ہیں جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے متصرف وہی ہے جو چاہے حکم کرے کوئی اس سے پرسش نہیں کر سکتا وہ غفور اور رحیم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ وَالْكٰظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً

أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ فَمَا لَهُ إِلَّا اللَّهُ أَنْ تَقْتُلُوا
وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۱۷﴾

اے ایمان والو! بڑھا چڑھا سو نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم کو نجات ملے۔ اس آگ سے ڈرتے رہا کرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس بھنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ آسانی اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنے لگتے ہیں یعنی اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا ہے۔ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان نیک کاموں کے کرنیوالوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے۔

سود کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سودی لین دین سے اور سود خواری سے روک رہا ہے۔ اہل جاہلیت سودی قرنہ دیتے تھے مدت مقرر ہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو مدت بڑھا کر سود پر سود بڑھا دیا کرتے تھے۔ اسی طرح سود در سود مل ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی۔ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو اس طرح ناحق لوگوں کے مال برباد کرنے سے روک رہا ہے اور تقویٰ کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے پھر آگ سے ڈراتا ہے اور اپنے عذابوں سے دھمکاتا ہے۔ پھر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر رحم و کرم کا وعدہ دیتا ہے پھر سعادت دارین کے حصول کے لئے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کو فرماتا ہے اور جنت کی تعریف کرتا ہے چوڑائی کو بیان کر کے لمبائی کا اندازہ سننے والوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے۔ جس طرح جنتی فرش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿بَطَانُهَا مِنْ اسْتَبْرَقٍ﴾ یعنی اس کا استر نہ مریشم کا ہے تو مطلب یہ ہے جب استر ایسا ہے تو ابرے کا کیا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بیان ہو رہا ہے کہ جب عرض ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے تو طول کتنا بڑا ہو گا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عرض و طول یعنی لمبائی و چوڑائی دونوں برابر ہیں کیونکہ جنت مثل قبہ کے عرش کے نیچے ہے اور جو چیز قبہ نما ہو یا مستدیر ہو اس کا عرض و طول یکساں ہوتا ہے ایک صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو فردوس کا سوال کرو وہ سب سے اونچی اور سب سے اچھی جنت ہے اسی جنت سے سب نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کی چھت اللہ رحمن و رحیم کا عرش ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ہر قتل نے حضور ﷺ کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو یہ فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ جو قاصد ہر قتل کا یہ خط لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا اس سے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں اس وقت یہ بہت ہی بڑھا ہو گیا تھا کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضور ﷺ کو دیا تو آپ نے اپنی ہاتھیں طرف کے ایک صحابی کو دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ (حضرت) معاویہ ہیں۔ حضرت عمرؓ سے بھی یہی سوال ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ دن کے وقت رات اور رات کے وقت دن کہاں جاتا ہے؟ یہودی یہ جواب سکر کھینے ہو کر کہنے لگے کہ یہ تو رات سے اخذ کیا ہو گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ جواب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کسی نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے

جواب میں فرمایا جب ہر چیز پر رات آجاتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا جہاں اللہ چاہے۔ آپ نے فرمایا اسی طرح جہنم بھی جہاں اللہ چاہے (بزار)۔ اس جملہ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ رات کے وقت گوہم دن کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ممکن نہیں اسی طرح گوجنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جہاں اللہ چاہے وہ بھی ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ جب دن ایک طرف سے چڑھنے لگا رات دوسری جانب ہوتی ہے اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں تو کوئی منافات نہ رہی واللہ اعلم۔

مومن بندوں کی صفات: پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کا وصف بیان فرماتا ہے کہ وہ سختی میں اور آسانی میں خوشی میں اور غمی میں تندرستی میں اور بیماری میں غرض ہر حال میں راہ اللہ اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾ یعنی وہ لوگ دن رات چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں کوئی امر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتا اس کی مخلوق پر اس کے حکم سے احسان کرتے رہتے ہیں۔ یہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی برائیوں سے درگزر کرنے والے ہیں ﴿كَظَمٌ﴾ کے معنی چھپانے کے بھی ہیں یعنی اپنے غصے کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصہ کی وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا (ابن ابی ہاتم)۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنے عذاب ہٹا لیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کر لے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے (مسند ابو یعلیٰ)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں پہلوان وہ نہیں جو کسی کو بچھاڑے دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (احمد)۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ لوگوں نے کہا حضور! کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو اس لئے کہ تمہارا مال تو درحقیقت وہ ہے جو تم راہ اللہ میں خرچ کر دو اور جو چھوڑ کر جاؤ وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے تو تمہارا راہ اللہ کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو۔ پھر فرمایا تم پہلوان کسے جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا حضور! اسے جسے کوئی گرانہ سکے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ پھر فرمایا بے اولاد کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو۔ فرمایا نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو (مسلم)۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟ لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہ اللہ نہ دیا ہو۔ مسند (احمد) حضرت حارث بن قدامہ سعدیؓ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ مجھ سے کوئی نفع کی بات کہئے اور مختصر ہوتا کہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ کئی کئی مرتبہ یہی کہا سنا (مسند احمد)۔ کسی شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے (مسند احمد)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے (مسند)۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ عروہ بن محمدؓ کو غصہ چڑھا آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ففسہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ کو بجھانے والی چیز پانی ہے۔ پس تم غصہ کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ لوگو! سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے کسی گھونٹ کا پینا اللہ کو ایسا پسند نہیں جتنا غصہ کے گھونٹ کا پانی جانا ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے (مسند احمد)۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن و امان سے پر کر دیتا ہے جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کر کے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا (ابوداؤد)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے (مسند احمد)۔ اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے غصہ میں آپ سے باہر نہیں ہوتے لوگوں کو ان کی طرف سے برائی نہیں پہنچتی بلکہ اپنے جذبات کو دبا رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر ثواب کی امید پر معاملہ سپرد اللہ کرتے ہیں لوگوں سے درگزر کرتے ہیں ظالموں کے ظلم کا بدلہ بھی نہیں لیتے۔ اسی کو احسان کہتے ہیں اور ان محسن بندوں سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ کہ صدق سے مال نہیں گھنٹا دوسرے یہ کہ عفو و درگزر کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے تیسرے یہ کہ تواضع فروتنی اور عاجزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ کرتا ہے۔ مستدرک کی حدیث میں ہے جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بنیاد بلند ہو اور اس کے درجے بڑھیں تو اسے ظالموں سے درگزر کرنا چاہئے اور نہ دینے والوں کو دینا چاہئے اور توڑنے والوں سے جوڑنا چاہئے۔ اور حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے لوگوں سے درگزر کرنے والوں اپنے رب کے پاس آؤ اور اپنا اجر لو۔ مسلمانوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے جنتی لوگ ہیں۔ پھر فرمایا یہ لوگ گناہ کے بعد فوراً اللہ اور استغفار کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے روایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اللہ کے سامنے حاضر ہو کر کہتا ہے۔ اے پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا تو معاف فرما اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے سے گناہ ہو گیا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اس کا رب گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو معاف بھی فرما دیتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا۔ اس سے پھر گناہ ہوتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر معاف فرماتا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ اس سے گناہ ہو جاتا ہے یہ پھر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر بخشتا ہے چوتھی مرتبہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف فرما کر کہتا ہے اب میرا بندہ جو چاہے کرے (مسند احمد)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی عورتوں بچوں میں پھنس جاتے ہیں گھربار کے وحندوں میں لگ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو جو کیفیت تمہارے دلوں کی میرے سامنے ہوتی ہے اگر یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھروں پر آتے۔ سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تم کو یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے پھر بخشش مانگے اور اللہ انہیں بخشے۔ ہم نے کہا حضور! یہ تو فرمائیے کہ جنت کی بنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک ایٹھ سونے کی ایک چاندی کی اس کا گارہ مشک خالص ہے اس کے کنکر لولو اور یا قوت ہیں۔ اس کی

مٹی زعفران ہے جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی ان کی زندگی ہمیشگی والی ہوگی ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے ان کی جوانی فنا نہ ہوگی۔ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی (۱) عادل بادشاہ (۲) روزے دار اور (۳) مظلوم۔ اس کی وعابادلوں میں اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرورت مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو (مسند احمد)۔

امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عزوجل اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے (مسند احمد)۔ صحیح مسلم میں یہ روایت امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ﴾ پڑھے اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے۔ امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے (بخاری و مسلم)۔ پس یہ حدیث تو حضرت عثمانؓ سے اس سے اگلی روایت حضرت ابو بکرؓ سے اور اس تیسری روایت کو حضرت ابو بکرؓ سے حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں تو الحمد للہ تعالیٰ کے وسیع مغفرت اور اس کی انتہا مہربانی کی خبر سیدہ الاولیٰ والآخرین کی زبانی آپ کے چاروں برحق خلفاء کی معرفت ہمیں پہنچی (آؤ اس موقع پر ہم گنہگار بھی ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مہربان رحیم و کریم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی طلب کریں۔ اے اللہ! اے ماں باپ سے زیادہ مہربان! اے عفو و درگزر کرنے والے اور کسی بھکاری کو اپنے در سے خالی نہ پھیرنے والے! تو ہم خطاکاروں کی سیاہ کاریوں سے بھی درگزر فرما اور ہمارے کل گناہ معاف فرمادے آمین۔ مترجم) یہی وہ مبارک آیت ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا (مسند عبد الرزاق)۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار پر مداومت کرو ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی اپنی ہلاکت ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ سے ہے یہ حالت دیکھ کر ابلیس نے لوگوں کو خواہش پرستی میں ڈال دیا۔ پس وہ اپنے آپ کو راہ راست پر جانتے ہیں حالانکہ ہوتے ہیں ہلاکت میں۔ لیکن اس حدیث کے دو راوی ضعیف ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکا تا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میرے جلال اور میری عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشا ہی رہوں گا۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھ سے گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا توبہ کر لے۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا۔ فرمایا پھر توبہ کر لے۔ اس نے کہا مجھ سے پھر گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا پھر استغفار کر۔ اس نے کہا مجھ سے اور گناہ ہوا۔ فرمایا استغفار کئے جا یہاں تک کہ شیطان تھک جائے۔ پھر فرمایا گناہ کو بخشا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا یا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں محمد (ﷺ) کی طرف توبہ نہیں کرتا (یعنی اے اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا اس نے حق حقدار کو پہنچایا۔ اصرار کرنے سے مراد یہ ہے کہ معصیت پر بغیر توبہ کئے اڑ نہیں جاتے اگر کئی مرتبہ گناہ ہو جائے تو کئی مرتبہ استغفار بھی کرتے ہیں۔ مسند ابو یعلیٰ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ اصرار کرنے والا اور اڑنے والا نہیں جو استغفار کرتا رہتا ہے اگرچہ (بالفرض) اس سے ایک دن میں ستر مرتبہ بھی گناہ ہو

جائے۔

پھر فرمایا کہ وہ جانتے ہوں یعنی اس بات کو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿الْمَ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ﴾ جو شخص کوئی برکام کر لے یا گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ عزوجل بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا لوگو! تم اور وہی پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا لوگو! تم دوسروں کی خطا میں عاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا باتیں بنانے والوں کو مصیبت ہے گناہ پر جم جانے والوں کو مصیبت ہے۔ پھر فرمایا ان کاموں کے بدلے ان کی جزا معفرت ہے اور طرح طرح کی بہتی نہروں والی جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑے اچھے عامل ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكذِّبِينَ ﴿١٣﴾ هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٤﴾ وَلَا تَهِنُوا
وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ
فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَالْيَعْلَمُ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٦﴾ وَلِيُبَيِّنَ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٧﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَبَّآ
يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الصّٰبِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ
مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١٩﴾

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن الطہار (حق) ہے اور پرہیزگاروں کیلئے ہدایت و نصیحت ہے۔ تم نے سستی کرو اور نہ نملگن ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔ اگر تم زخمی ہوے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان اڑتے بدلتے رہتے ہیں (شکست احد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تمہیں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو منادے۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟ جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔

آزمائش کے وقت پر ایمان پر ثابت قدم رہنا: چونکہ احد والے دن ستر مسلمان شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی و تشفی دیتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ نقصان مال و جان اٹھاتے رہے لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا۔ تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن میں لوگوں کے لئے اگلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تم کو برائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے۔ مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بد دل نہ ہو جانا۔ معنوم بن کر بیٹھ رہنا فتح و نصرت غلبہ اور علو بالآخر اے مومنین تمہارے لئے ہی ہے۔ اگر تم کو زخم لگے اور تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں یہ تو حیرت مندی و صحتی چھاؤں ہے ہاں بھلا وہ ہے جو انجام کار غالب رہے اور یہ ہم نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے یہ بعض مرتبہ کی شکست یا خصوصاً اس جنگ احد کی اس لئے تھی کہ ہم صابروں اور غیر صابروں کا امتحان کر لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو کرتے تھے انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنی جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ معترضہ بیان کر کے فرمایا یہ اس لئے تھی کہ ایمان والوں کے گناہ گمراہوں تو دور ہو جائیں ورنہ ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیوں کہ وہ غالب ہو کر پھولیں گے اور سرکشی اور تکبر میں اور پڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا اور پھر مٹ کھپ جائیں گے۔ ان سختیوں ان زلزلوں اور ان آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جاسکتا۔ جیسے سورہ بقرہ میں ذکر کیا ہے کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ گے۔ یہ نہیں ہوگا۔ اور جگہ ہے ﴿الْم أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُرْكَبُوا إِنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟ یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا پر ظہور میں نہ آجائیں تب تک جنت نہیں مل سکتی۔ پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقع کی آرزو میں تھے کہ تم اپنا صبر اور اپنی سختی اور مضبوطی اور استقامت اللہ کو دکھاؤ اور اللہ میں شہادت پاؤ۔ لو اب ہم نے تم کو موقع دیا تم بھی اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ۔ حدیث شریف میں ہے دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاث (مٹھ) کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تھے ہوئے ہیں تلواریں کھینچ رہی ہیں بھالے اچھل رہے ہیں تیر برس رہے ہیں گھمسان کارن پڑا ہوا ہے اور ادھر ادھر لاشیں گر رہی ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ كَاتَ أَوْ قَتَلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ
الشَّكِرِينَ ﴿١٥﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّوجَّلاً وَمَنْ
يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَ
سَنَجْزِي الشَّكِرِينَ ﴿١٦﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا

لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الصَّابِرِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا
 فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۷﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ
 الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۸﴾

(حضرت) محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر انکا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اٹنے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔ بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جان دار نہیں مر سکتا مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے۔ دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دیدیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دیدیتے ہیں احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے بہت سے نبیوں کے ہمراہ ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں بھی راہ اللہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے بہت ہاری نہ سست ہوئے نہ دبے۔ اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے۔ وہ بھی کہتے رہے کہ اسے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بیجا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرمایا اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

وفات النبی ﷺ کی دلیل: میدان احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان میں سے بعض قتل بھی کئے گئے۔ اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) بھی شہید ہو گئے اور ابن قمیہ کافر نے مشرکوں میں جا کر یہ اڑادی کہ میں حضور ﷺ کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بھی بے اصل تھی اور اس شخص کا یہ قول بھی غلط تھا۔ اس نے حضور ﷺ پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپ کا چہرہ قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل تھوڑے کر دیئے ان کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بد دل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ اللہ کا دین جاتا نہیں رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گر پڑا ہے اور خاک و خون میں لوٹ رہا ہے اس سے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ قتل کر دیئے گئے اس نے کہا کہ اگر یہ صحیح ہے تو اپنا کام کر گئے اب آپ کے دین پر سے تم سب بھی قربان ہو جاؤ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت اتری پھر فرمایا کہ حضور ﷺ کا قتل (وفات) ایسی چیز نہیں کہ تم اللہ کے دین سے پچھلے پیروں پھر جاؤ۔ اور ایسا کرنے والے اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسول کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسول زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کی خبر سنا کر حضرت ابو بکر صدیقؓ گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہنے سے حضرت عائشہؓ کے گھر پر آئے یہاں حضور ﷺ پر جبرہ کی چادر اور ہادی گئی تھی۔ آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لے لیے اور روتے ہوئے فرمانے لگے ”میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت نہ لایگا جو موت آپ پر لکھی ہو گئی تھی وہ آپ کو آچکی۔“ اس کے بعد آپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمرؓ خطبہ سنا رہے ہیں۔ ان سے فرمایا کہ خاموش ہو

جاؤ۔ انہیں چپ کر کر آپ نے لوگوں سے فرمایا جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد (ﷺ) مر گئے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ (ﷺ) فوت ہو گئے حضرت صدیق اکبرؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمرؓ کے تو گویا قدم ٹوٹ گئے انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضور (ﷺ) اس جہان فانی کو چھوڑ کے چل بے۔ حضرت علیؓ رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور (ﷺ) کی موت پر مرتد ہوں نہ آپ کی شہادت پر اللہ کی قسم اگر حضور (ﷺ) قتل کئے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مرتد نہیں جس پر آپ شہید ہوئے اللہ کی قسم میں تو آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کا چچا زاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں مجھ سے زیادہ حق دار آپ (ﷺ) کا کون ہوگا؟۔

موت کا وقت مقرر ہے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے مقدر سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا يُعْمَرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَضُ مِنْ عُمرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ﴾ نہ کوئی عمر دیا جاتا ہے نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ﴾ الخ جس اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر پورا وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ کی راہ کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جو نامردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی، موت تو اپنے وقت پر آکر ہی رہے گی خواہ شجاعت اور بہادری بر تو خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ۔ حجر بن عدیؓ جب دشمنان دین کے مقابلہ میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ میں آجاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا، آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو۔ یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے جانوروں کو پانی میں کد دیتے ہیں۔ دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے بھاگو بھاگو چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

دنیا و آخرت سے جو طلب کرو وہی ملے گا: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس کا عمل صرف دنیا کیلئے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے مل جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور جس کا قصد آخرت طلبی ہو اسے آخرت تو ملتی ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اپنے مقدر کا پالیتا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ﴾ آخرت کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم گود نیا دیدیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور جگہ ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ﴾ جو شخص صرف دنیا طلب ہی ہو ہم ان میں سے جسے چاہیں جس قدر چاہیں دنیا دیدیتے ہیں پھر وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے اور جو آخرت کا خواہاں ہو اور کوشاں بھی ہو اور با ایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ کے ہاں مشکور ہے۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتا ہوا فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لیکر دشمنان دین سے لڑے بھڑے اور وہ تمہاری طرح راہ الہی میں تکلیفیں بھی پہنچائے گئے لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر و شاکر رہے ست و ضعیف نہ ہوئے اور اس صبر کے بدلے انہوں نے اللہ کی محبت مول لے لی۔ ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدین احد تم یہ سن کر کہ حضور (ﷺ) شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے؟ اور کفر کے مقابلہ میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے انبیاء علیہ السلام کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے نہ بچھے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈمگا سکی اور ان کے دل تھوڑے نہ کر سکی۔ پھر تم حضور (ﷺ) کی شہادت کی خبر سن کر اتنے بودے کیوں ہو گئے ﴿رَبِّسُونَ﴾ کے معنی آتے ہیں مثلاً علماء ابرار

متقی عابد زاهد تابع فرمان وغیرہ وغیرہ۔ پس قرآن کریم ان کی اس مصیبت کے وقت کی دعا کو نقل کرتا ہے پھر فرماتا ہے کہ انہیں دنیا کا ثواب نصرت و مدد ظفر و اقبال ملا اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی یہ محسن لوگ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرِيدُوا كُفْرًا بِكُمْ فَتَقْلِبُوا
خُسْرَيْن ۗ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۗ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ
كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ
وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ۗ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسُونَهُمْ بِأَذْنِهِ
حَتَّى إِذَا فِشَلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّن بَعْدَ مَا أَرَاكُمْ أَنَا
تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ حَرَفَكُمْ
عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۗ
إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ
فَأَثَابَكُمْ غَنًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ۗ

اسے ایمان والا اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تم کو مر تہ بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے اور اسوجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جسکی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ انکا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر رکھا یا تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کانٹے لگے یہاں تک کہ تم کم ہمت ہو گئے اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تم کو دکھادی۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا۔ پھر تم کو ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا۔ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تم کو تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے پس تم کو غم پر غم پہنچاتا کہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اس ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔

کافروں کی بات ماننے میں ذلت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے ماننے سے روک رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ اگر ان کی باتی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آئے گی۔ ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تم کو دین اسلام سے ہٹا دیں۔ پھر فرماتا ہے کہ مجھ ہی کو مولا اور مددگار جانو مجھ ہی سے دوستیاں کرو مجھ پر ہی بھروسہ کرو مجھ ہی سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا کہ ان شریروں کے

دلوں میں بوجہ ان کے کفر کے میں ڈر خوف ڈال دوں گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر ابن عبد اللہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ باتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) میری مدد رعب سے کی گئی ہے مہینہ بھر کی راہ تک (۲) میرے لئے زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنائی گئی۔ (۳) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے (۴) اور مجھے شفاعت دی گئی اور (۵) ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف ناسخہ "بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت میری نبوت تمام دنیا کے لئے عام ہوئی۔ مسند احمد میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر اور بعض روایتوں میں ہے تمام امتوں پر مجھے چار فضیلتیں عطا فرمائیں ہیں۔ (۱) مجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (۲) میرے اور میری امت کے لئے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آجائے وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے (۳) میرا دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہو وہیں سے اللہ اس کا دل رعب سے پر کر دیتا ہے وہ کاٹنے لگتا ہے۔ (۴) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے۔ اور روایت میں ہے کہ میں مدد کیا گیا ہوں رعب سے ہر دشمن پر۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے۔ مجھے پانچ چیزیں دیں گئیں (۱) میں ہر سرخ و سفید کی طرف بھیجا گیا (۲) میرے لئے تمام زمین وضو اور مسجد بنائی گئی۔ (۳) میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے (۴) میری مدد رعب سے مہینہ بھر کی راہ تک کی گئی۔ (۵) مجھے شفاعت دی گئی تمام انبیاء علیہم السلام نے شفاعت مانگی لیکن میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو چھپا رکھی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔

جنگ احد کے واقعات: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح مندی حاصل ہوئی۔ لیکن پھر تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا رک گیا۔ پس فرماتا ہے کہ تم انہیں اپنے ہاتھ سے کاٹتے تھے۔ شروع دن میں ہی اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بزدلی دکھائی اور نبی کی نافرمانی کی ان کی بتائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ اللہ نے تم کو تمہاری رغبت کی چیز دکھادی تھی۔ یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آگئے تھے مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا خیال نہ کر کے مال غنیمت کی طرف لپکے گو بعض نیک نیت آخرت طلب بھی تھے لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بنا پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہو گئی غالب ہو کر مغلوب ہو گئے فتح کے بعد شکست ہو گئی۔ لیکن پھر بھی اللہ نے تمہارے اس جرم کو معاف فرمادیا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے۔ خطا کا معاف ہونا بھی ﴿عَفَا عَنْكُمْ﴾ میں داخل ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ کچھ یونہی ہی گوشمالی کر کے کچھ بزرگوں کی شہادت کے بعد اس نے اپنی آزمائش کو اٹھالیا اور باقی والوں کو معاف فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ با ایمان لوگوں پر فضل و کرم لطف و رحم ہی کرتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی مدد جیسی احد میں ہوئی ہے کہیں نہیں ہوئی۔ اس کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا۔ بعض لوگوں نے دنیا طلبی کر کے رسول کی نافرمانی کی یعنی بعض تیر اندازوں نے جنہیں حضور ﷺ نے پہاڑ کے درے پر کھڑا کیا تھا اور فرمادیا تھا کہ تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو وہ ہماری پیٹھ کی طرف سے نہ آجائیں۔ اگر تم دیکھو ہم ہار بھی گئے تو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم دیکھو کہ ہم ہر طرح غالب آگئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کیلئے بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ جب حضور ﷺ غالب آگئے تو تیر اندازوں نے حکم عدولی کی وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آئے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا صفوں کا کوئی خیال نہ رہا درے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ

حملہ کر دیا۔ چند مسلمان جو اب تک وہاں تھے کھڑے تھے وہ شہید ہو گئے اور اب ان لوگوں نے مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پیر نہ جم سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست میں بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس کا یقین کرادیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کہ مسلمانوں کی نظریں چہرہ مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضور ﷺ کی طرف لپکے۔ آپ ادھر آرہے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کا سخت غضب نازل ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ کو خوناً خون کر دیا انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب آجائیں تھوڑی دیر میں ہم نے سنا کہ ابوسفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا ﴿أَعْلَىٰ هُبْلَىٰ أَعْلَىٰ هُبْلَىٰ﴾ ہبل بت کا بول بالا ہو ہبل بت کا بول بالا ہو ابو بکر کہاں ہے؟ عمر کہاں ہے؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا حضور! سے جواب دوں؟ آپ نے اجازت دی تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے جواب میں فرمایا ﴿اللَّهُ أَعْلَىٰ وَأَعْلَىٰ وَاللَّهُ وَأَعْلَىٰ﴾ اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے اللہ بہت بلند اور جلال و عزت والا ہے۔ وہ پوچھنے لگا بتاؤ محمد ﷺ کہاں ہیں؟ ابو بکرؓ کہاں ہیں؟ عمرؓ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ہیں رسول اللہ ﷺ اور یہ ہیں ابو بکر صدیقؓ اور یہ ہوں میں عمر فاروقؓ۔ ابوسفیان کہنے لگا یہ بدر کا بدلہ ہے یونہی دھوپ چھاؤں الٹی پلٹی رہتی ہے لڑائی کی مثال تو کونوئیں کے ڈول کی سی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا برابر ہی ہر گز نہیں تمہارے مقتول جہنم میں گئے اور ہمارے شہداء جنت میں پہنچے۔ ابوسفیان کہنے لگا اگر یوں ہی ہے تو یقیناً ہم نقصان اور گھائے میں رہے، سنو تمہارے مقتولین میں بعض ناک کان کئے لوگ بھی تم پاؤ گے گو یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں ہوا لیکن ہمیں برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہ قصہ بھی عجیب ہے یہ ابن عباسؓ کی مرسلات سے ہے۔ وہ یا ان کے والد جنگ احد میں موجود نہ تھے۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی کی دلائل النبوة میں بھی یہ مروی ہے اور صحیح احادیث میں اس کے بعض حصوں کے شواہد بھی ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخموں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی ایک بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اس وقت اگر مجھے اس بات پر قسم کھوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن میں یہ آیت اتری ﴿مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا﴾ یعنی تم میں بعض طالب دنیا بھی ہیں۔ جب صحابہؓ سے حضور ﷺ کا خلاف ہوا اور آپ ﷺ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے۔ جب مشرکین نے حضور ﷺ کو گھیر لیا تو آپ فرمانے لگے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انہیں ہٹائے تو ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے مقابلے میں تنہا اور شجاعت دینے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر کفار نے حملہ کیا۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ پھر ایک انصاری تیار ہو گئے اور اس بے جگری سے اڑے کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا لیکن بالا آخر یہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ ساتوں صحابہؓ اللہ کے ہاں پہنچ گئے اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو۔ حضور ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا افسوس ہم نے اپنے ساتھیوں سے منصفانہ معاملہ نہ کیا۔ اب ابوسفیان نے ہانک لگائی کہ "اعل ہبل" آپ نے فرمایا کہو ﴿اللَّهُ أَعْلَىٰ وَأَعْلَىٰ﴾ ابوسفیان نے کہا ﴿لَنَا الْعَزَىٰ وَلَا عَزَىٰ لَكُمْ﴾ ہمارا عزی بت ہے تمہارے کوئی عزی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو ﴿اللَّهُ مَوْلَانَا وَالْكَافِرُونَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ﴾ اللہ ہمارا مولا ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ کوئی دن ہمارا اور کوئی دن تمہارا یہ تو ہا بھوں ہاتھ کا سودا ہے ایک کے بدلے ایک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر گز برابر ہی نہیں اور ہمارے شہداء زندہ ہیں اور مرنے والے دیکھے جاتے ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں عذاب کئے جا رہے ہیں۔ پھر ابوسفیان بولا تمہارے مقتولوں میں تم دیکھو گے کہ بعض کے کان ناک وغیرہ کاٹ لئے گئے ہیں لیکن میرا نہ نہ یہ کہنا اس سے روکنا اس میں نے پسند کیا نہ ناپسند کیا نہ مجھے یہ بھلا معلوم ہوا نہ ہرا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت: اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا اور ہندہ نے ان کا کلبہ چبایا تھا لیکن نگل نہ سکی تو اگل دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ناممکن تھا کہ اس کے پیٹ میں حمزہؓ کا ذرا سا گوشت بھی چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ حمزہؓ کے کسی عضو بدن کو جہنم میں لیجانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی پھر ایک انصاریؓ کا جنازہ لایا گیا وہ حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ ﷺ نے پھر نماز جنازہ پڑھی انصاریؓ کا جنازہ اٹھالیا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا۔ اسی طرح ستر شخص لائے گئے اور حضرت حمزہؓ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی (مسند)۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ احد والے دن مشرکوں سے ہماری مدد بھیجی ہوئی حضور ﷺ نے تیر اندازوں کی ایک جماعت کو الگ بٹھا دیا اور ان کی سرداری حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو سونپی اور فرمایا کہ اگر تم ہمیں ان پر غالب آیا ہوا دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور وہ ہم پر غالب آجائیں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ کے فضل سے مشرکوں کے قدم پیچھے پڑنے لگے یہاں تک کہ عورتیں بھی تہہ اونچا کر کے پہاڑوں میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں۔ اب تیر انداز گروہ غنیمت کہتا ہوا نیچے اتر آیا۔ گوان کے امیر نے ہر چند انہیں سمجھایا لیکن کسی نے ان کی نہ سنی۔ پس اب مشرکین مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف سے آن پڑے اور ستر بزرگ شہید ہو گئے۔ ابوسفیان ایک ٹیلہ پر چڑھ کر کہنے لگا کیا محمدؐ حیات ہیں؟ کیا ابو بکرؓ موجود ہیں؟ کیا عمرؓ زندہ ہیں؟ لیکن حضور ﷺ کے فرمان سے صحابہؓ خاموش رہے تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا یہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ اتر گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اب حضرت عمرؓ کو تاب ضبط نہ رہی۔ فرمانے لگے اے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے بھم اللہ ہم سب موجود ہیں اور تیری تباہی اور بربادی کرنے والے اللہ نے باقی رکھے ہیں۔ پھر وہ باقی ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جنگ احد میں مشرکوں کو ہزیمت ہوئی اور ابلیس نے آواز لگائی اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اپنے پیچھے کی خبر لو۔ اگلی جماعتیں کچھلی جماعتوں پر ٹوٹ پڑیں۔ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے والد حضرت یمان پر برس رہی ہیں۔ ہر چند کہتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ یمانؓ ہیں مگر کون سنتا تھا وہ تو یونہی شہید ہو گئے لیکن حضرت حذیفہؓ نے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا اللہ تم کو معاف کرے۔ لیکن حضرت حذیفہؓ کی یہ بھلائی انکے آخر دم تک ان میں رہی۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کے اول حملہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہندو غیرہ تہہ اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں۔ لیکن اس کے بعد جب تیر اندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سمٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا اور اوہر کسی نے آواز لگائی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے پس پھر معاملہ برعکس ہو گیا اور نہ ہم مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جہنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ حارثہ عورت نے اسے تھام لیا اور قریش کا مجمع پھر یہاں جمع ہو گیا۔ حضرت انسؓ بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضرؓ یہ رنگ دیکھ کر حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ حضور ﷺ تو شہید ہو گئے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا پھر تم جی کر گیا کرو گے؟ یہ کہا اور مشرکین میں گھسے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے۔ یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقع آیا تو میں ذکھادوں گا چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا اللہ میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور ہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں۔ پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے۔ راہ میں حضرت سعد بن معاذؓ ملے اور کہنے لگے کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں احد پہاڑ سے چلی آرہی ہیں چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی۔ اسی سے اوپر تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے پوریاں دیکھ کر پہچانے گئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک حاجی نے بیت اللہ شریف میں ایک مجلس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا قریشی ہیں۔ پوچھا ان کے شیخ کون ہیں؟ جواب ملا حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ہیں۔ اب وہ آیا اور کہنے لگا میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا پوچھو۔ اس نے کہا آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان ابن عفان احد والے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے جواب دیا "ہاں" کہا گیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر والے دن بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا "ہاں" کہا گیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب اس نے خوش ہو کر تکبیر کہی۔ حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا ادھر آ اب میں تجھے پورے واقعات سناؤں۔ احد کے دن کا بھاگنا تو اللہ نے معاف فرمادیا۔ بدر کے دن کی غیہ حاضری کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور وہ سخت بیمار تھیں تو خود حضور ﷺ ان سے فرمایا تھا کہ تم نہ آؤ مدینہ میں رہو تم کو اللہ تعالیٰ اس جنگ میں حاضر ہونے کا اجر دے گا اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ ہے۔ بیعت رضوان کا واقعہ یہ ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے مکہ والوں سے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا اس لئے کہ مکہ میں جو عزت انہیں حاصل تھی کسی اور نے نہیں۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد یہ بیعت لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا یہ عثمان کا ہاتھ ہے پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا (گویا بیعت کی) پھر اس شخص سے کہا اب جا اور اسے بھی ساتھ لے جا۔

پھر فرمایا: اذ توضع ذؤنہ الخ یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور مارے خوف و وحشت کے وہ ساری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا وہ تم کو آواز دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ بھاگو نہیں لوٹ آؤ۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں مشرکین کے اس خفیہ اور پر زور اور اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اللہ کے نبی آوازیں دیتے رہے اللہ کے بندو میری طرف آؤ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے۔ عبد اللہ بن زبیری شاعر نے اس واقعہ کو نظم میں بھی ادا کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رو گئے تھے۔ مسند احمد کی طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے۔ دلائل النبوا میں ہے کہ جب ہزیمت ہوئی تب حضور ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ اشخاص رو گئے تھے جن میں ایک حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ تھے۔ آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے لیکن مشرکین نے آگھیر آئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے۔ حضرت طلحہؓ نے اس آواز پر فوراً البیک کہا اور تیار ہو گئے لیکن آپ نے فرمایا تم ابھی ٹھہر جاؤ۔ اب ایک انصاری تیار ہوئے اور وہ ان سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ اسی طرح سب کے سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اب صرف حضرت طلحہؓ رہ گئے۔ گویا بزرگ ہر مرتبہ تیار ہو جاتے تھے لیکن حضور ﷺ انہیں روک لیا کرتے تھے۔ آخر یہ مقابلہ پر آئے اور اس طرح جم کر لڑے کہ ان سب کی لڑائی ایک طرف اور ایک طرف صرف ان کی۔ اس لڑائی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو زبان سے حس نکل گیا آپ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہہ دیتے یا اللہ کا نام لیتے تو تم کو فرشتے اٹھا لیتے اور آسمان کی بلندی کی طرف لے چڑھتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔ اب نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کے مجمع میں پہنچ چکے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت طلحہؓ کا وہ ہاتھ جسے انہوں نے سپر بنایا تھا شل ہو گیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میرے پاس حضور ﷺ نے اپنے ترکش سے احد والے دن تمام تیہ پھیلا دیئے اور فرمایا "تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں" اے مشرکین کو مارو۔ اب آپ اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور میں تاک تاک کر مشرکین کو مارتا جاتا تھا اس دن میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ حضور ﷺ کے دائیں بائیں تھے اور سخت تر قتل کر رہے تھے۔ میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا نہ اس کے بعد۔ یہ دونوں حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو

بزرگ حضور ﷺ کے ساتھ بھاگنے کے بعد تھے اور ایک ایک ہو کر شہید ہوئے تھے انہیں آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے کوئی ہے جو انہیں روکے اور جنت میں جائے۔ جنت میں میرا رفیق بنے

ابن بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کروں گا۔ جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ تو نہیں بلکہ میں انشاء اللہ اسے قتل کروں گا۔ احد والے دن یہ خبیث سر تا پا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آتا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں اپنے تئیں بلاک کر ڈالوں گا۔ ادھر سے حضرت مصعب بن عمیرؓ اس ناہنجار کی طرف بڑھے لیکن آپ شہید ہو گئے۔ اب حضور ﷺ اسکی طرف بڑھے اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا صرف زرا سی پیشانی نظر آرہی تھی۔ آپ نے نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیور اکر گھوڑے پر سے گرا۔ گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا۔ لوگوں نے اسے اٹھالیا لشکر میں لے گئے اور تشنی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں لگا کیوں اسقدر نامردی کرتا ہے۔ آخر ان کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے میں ابی کو قتل کروں گا۔ سچ مانو اب میں کبھی نہیں بچ سکتا تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کل اہل حجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے۔ پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور ہلکتے ہلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا۔

مغازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضور ﷺ کے سامنے ہوا تو صحابہؓ نے اس کے مقابلے کی خواہش کی لیکن آپ نے انہیں روک دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا اسے آنے دو۔ جب وہ قریب آگیا تو آپ ﷺ نے ہارث بن سہمہ سے نیزہ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ ہم نے اسی وقت سمجھ لیا کہ اس کی خیر نہیں۔ آپ نے اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی۔ ایک مرتبہ میں کچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کوزنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا یہ پیغمبر ﷺ کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے اپنے سامنے کے چار دانٹوں کی طرف جنہیں مشرکین نے احد والے دن شہید کیا تھا اشارہ کر کے فرمایا ہے تھے اللہ کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی اللہ کا غضب ہے جسے اللہ کا رسول ﷺ اللہ کی راہ میں قتل کرے۔ اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسول کا چہرہ زخمی کیا۔ عقبہ بن ابی وقاص کے ہاتھوں حضور ﷺ کو یہ زخم لگا تھا سامنے کے چار دانٹ ٹوٹ گئے تھے رخساروں پر زخم آیا تھا اور ہونٹ پر بھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کرتے تھے مجھے جس قدر اس شخص کے قتل کی حرص تھی کسی اور کے قتل کی نہ تھی یہ شخص بڑا بد خلق تھا اور قوم بھر اس کی دشمن تھی اور اس کی برائی میں حضور ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے کہ نبی کو زخمی کرنے والے پر اللہ سخت غضب ناک ہے۔ عبدالرزاق میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے بد دعا کی کہ اے اللہ سال بھر میں یہ ہلاک ہو جائے اور کفر پر اس کی موت ہو۔ چنانچہ یہی ہو اور یہ بد بخت کافر مر اور جہنم واصل ہوا۔ ایک مہاجر کا بیان ہے کہ چو طرف سے احد والے دن حضور ﷺ پر تیر باری ہو رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت سے وہ سب پھیر دیئے جاتے تھے۔ ابی بن خلف نے اس دن قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمد ﷺ کو دکھا دو وہ آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا اگر وہ نجات پا گیا تو میری نجات نہیں۔ اب وہ حضور ﷺ کی طرف لپکا اور بالکل آپ کے پاس آگیا اور اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اسے حضور ﷺ نظر ہی نہیں آئے۔ جب وہ نامراد پلٹا تو صفوان نے اسے طعنہ زنی کی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں واللہ وہ اللہ کی طرف سے محفوظ ہیں

ہمارے ہاتھ نہیں لگنے کے۔ سنو ہم چار شخصوں نے ان کے قتل کا پختہ مشورہ کیا تھا اور آپس میں مہم و پیمانہ کئے تھے ہم نے ہر چند چاہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ واقعہ یہی کہتے ہیں لیکن ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیشانی کو زخمی کرنے والا ابن قعبینہ اور ہونٹ اور دانتوں پر صدمہ پہنچا نیوالا عتبہ بن ابی وقاص تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابو بکرؓ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ کے سر ہے جب میں لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کی حمایت میں جان نگائے لڑ رہا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ کرے یہ طلحہؓ ہو اب جو قریب آ کر دیکھا تو طلحہؓ ہی تھے میں نے کہا ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ میری قوم کا ایک شخص ہے میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے۔ غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے۔ اب جو میں نے بغور حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں کھپ گئی ہیں۔ میں آپ ﷺ کی طرف لپکا لیکن آپ نے فرمایا ابو طلحہؓ کی خبر لو۔ میں نے چاہا کہ حضور ﷺ کے چہرہ میں سے وہ دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں ان کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ میں نے اب پھر چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے پھر قسم دی تو میں رگ گیا۔ انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی۔ اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہؓ کی طرف متوجہ ہو گئے ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں۔ انگلیاں کٹ گئی ہیں ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی۔ حضور ﷺ کے زخم کا خون حضرت ابو سعید خدریؓ نے چوسا تا کہ خون تھم جائے پھر ان سے کہا گیا کہ کئی کر ڈالو لیکن انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں کئی نہ کروں گا پھر میدان جنگ میں چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ زخمی ہوا سامنے کے دانت ٹوٹے سر کا خود ٹوٹا۔ حضرت فاطمہؓ خون دھوتی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال میں پانی لالا کر ڈالتے جاتے تھے جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہؓ نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا۔ پھر فرماتا ہے تم کو غم پر غم پہنچا۔ غم کا ”ب“ معنی میں ﴿عَلِيٌّ﴾ کے بے جیسے ﴿فَسِيٌّ﴾ جُدُوْع النَّخْلِ ﴿﴾ میں فی معنی میں ﴿عَلِيٌّ﴾ کے ہے۔ ایک غم تو شکست کا جب کہ یہ مشہور ہو گیا کہ اللہ نے کرے حضور ﷺ کی جان پر بن آئی۔

دوسرا غم مشرکوں کا پہاڑ کے اوپر غالب آ کر چڑھ جانے کا جبکہ حضور ﷺ فرماتے تھے انہیں یہ بلندی لائق نہ تھی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں ایک غم شکست کا دوسرا غم حضور ﷺ کے قتل کی خبر کا اور یہ غم انکے غم سے بھی زیادہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک غم تو غنیمت کا ہاتھ میں آ کر نکل جانے کا دوسرا غم ہمت ہونے کا۔ اسی طرح ایک غم اپنے بھائیوں کے قتل کا دوسرا غم حضور ﷺ کی نسبت ایسی منحوس خبر کا۔ پھر فرماتا ہے جو غنیمت اور فتح مندی تم سے فوت ہوئی اور جو زخم و شہادت ملی اس پر غم نہ کھاؤ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو بلندی اور جلال والا ہے وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ
وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ

يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ
 فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا
 قَتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ
 إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُبَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥١ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ
 إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ
 غَفُورٌ حَلِيمٌ ٥٢

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی
 پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ تو کہہ دے کہ کام تو کل کا
 کل اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں کے مجید تھے نہیں بتاتے کہتے ہیں کہ اگر ہم کو کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے کہہ دے
 کہ گو تم اپنے گھ وں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو قتل کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کی باتوں
 کا آزمانا اور تمہارے دل کے ارادوں کا نکھارنا تھا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے مجید سے آگاہ ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن
 دونوں جماعتوں کی مدد بھڑ ہو گئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطانی اغوا میں آ گئے۔ لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما
 دیا۔ اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا اور رحیم والا۔

جنگ احد کے واقعات: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس غم و رنج کے وقت جو احسان فرمایا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس
 نے ان پر اونگھ ڈال دی ہتھیار ہاتھ میں ہیں دشمن سامنے ہے لیکن دل میں اتنی تسکین ہے کہ آنکھیں اونگھ سے جھکی جا رہی ہیں جو امن و
 امان کا نشان ہے جیسے سورہ انفال میں بدر کے واقعہ میں ہے ﴿إِذَا يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسُ أَمِنَةً مِّنْهُ﴾ یعنی اللہ کی طرف سے امن
 بصورت اونگھ نازل ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں لڑائی کے وقت کی اونگھ اللہ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا
 شیطانی حرکت ہے۔ حضرت ابو طلحہؓ کا بیان ہے کہ احد والے دن مجھے اس زور سے اونگھ آنے لگی کہ بار بار تموار میرے ہاتھ سے چھوٹ
 چھوٹ گئی۔ آپ فرماتے ہیں جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا۔ ہاں الہتہ ایک جماعت وہ بھی تھی جن
 کے دلوں میں نفاق تھا یہ مارے خوف و دہشت کے پکان ہو رہے تھے اور ان کی بدگمانیاں اور بے خیال حد کو پہنچ گئے تھے۔ پس اہل ایمان
 اہل یقین اہل ثبات اہل توکل اور اہل صدق تو یقین کرتے تھے کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی ضرورت دیکھ کر اور انکی منہ مانگی مراد پوری ہو
 کر رہے گی لیکن اہل نفاق اہل شک بے یقین و حیل اہل ایمان والوں کی عجب حالت تھی ان کی جان عذاب میں تھی وہ ہائے وائے کر رہے تھے
 اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ اب مرے وہ جان چکے تھے کہ رسول اور مومن
 نہیں رہے اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ فی الواقع منافقوں کا یہی حال ہے کہ جہاں ذرا نیچا پانسہ دیکھا اور نام امید کی گھنگو گھنگاؤں نے

انہیں گھیر لیا۔ برخلاف ان کے ایماندار بد سے بدتر حالت میں بھی اللہ سے نیک گمان رہتا ہے۔ ان کے دلوں کے خیالات یہ تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی بس چلتا تو آج کی موت سے بچ رہتے اور چپکے چپکے یوں کہتے بھی تھے۔ حضرت زبیرؓ کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں میں نے اپنی اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے تو مقدرات اللہ میں مرنے کا وقت نہیں ملتا گو تم گھروں میں ہوتے لیکن پھر بھی جن پر یہاں کتنا لکھا جا چکا تھا وہ گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور یہاں میدان میں آڈٹے اور اللہ کا لکھا پورا کرتا۔ یہ وقت اس لئے تھا کہ اللہ تمہارے دلوں کے ارادوں اور تمہارے فحشی بھیدوں کو ظاہر کر دے اس آزمائش سے بھلے اور برے نیک اور بد میں تمیز ہو گئی اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف ہیں اس نے اس ذرا سے واقعہ سے منافقوں کو ظاہر کر دیا اور مسلمانوں کا بھی ظاہری امتحان ہو گیا۔ اب سچے مسلمانوں کی لغزش کا بیان ہو رہا ہے جو انسانی کمزوری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی۔ فرماتا ہے یہ لغزش ان سے شیطان نے کرا دی اور دراصل یہ ان کے عمل کا نتیجہ تھا نہ یہ نافرمانی رسول اللہ ﷺ کرتے نہ ان کے قدم اکھڑتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ معذور جانتا ہے اور ان سے اس نے درگزر فرمایا اور انکی اس خطا کو معاف کر دیا۔ اللہ کا کام ہی تجاوز کرنا بخشنا معاف فرمانا علم اور بردباری برتنا تحمل اور غفور کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ وغیرہ کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

مسند احمد میں ہے کہ ولید بن عقبہؓ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا آخر تم امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا ان سے کہہ دو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا بدر کے غزوہ میں غیر حاضر نہیں رہا اور نہ سنت عمر ترک کی۔ ولید نے جا کر حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کہہ رہا ہے ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ یعنی احد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا اس پر عار دلانا کیسا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیؓ اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال نعیمت میں سے پورا حصہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں پس حکما میری موجودگی ثابت ہوئی۔ رہی سنت عمرؓ تو اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمن میں۔ جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچادو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي
الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ
حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥٦﴾ وَلَئِنْ
قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٧﴾
وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥٨﴾

ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں کہا کہ اگر یہ ہمارے

یاس ہوتے تو نہ مارتے نہ مار ڈالے جاتے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی ولی حسرت کا سبب بنا سے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ قسم ہے اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کئے جاؤ یا اپنی موت مرؤ بیشک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔ بالیقین خواہ تم مر جاؤ خواہ مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ کی طرف ہی کئے جاؤ گے۔

ایمان والوں کو فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرما رہا ہے۔ یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے اور وہ شہید اور لڑائی سے کرتے تو نہ مارتے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت و افسوس کا بڑھا ہوا لالچہ و حاصل موت و حیات اللہ کے ہاتھ ہے مارتا ہے اس کی چاہت سے اور زندگی مانتی ہے تو اس کے ارادے سے تمام امور کا چارٹی کرنا اس کے قبضہ میں ہے اسکی قضاء و قدر مانتی نہیں اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی باہر نہیں تمام مخلوق کے ہر ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ راہ اللہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی معجزات و رحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً دینا و مافیہا سے بہتر ہے کیوں کہ یہ فانی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑ کر یا قتل ہو کر لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے پھر اہو تو اور بھلا ہو تو۔

فَمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ
 حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ
 فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٠﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ
 يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٥١﴾
 وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَغْلُظَ وَمَنْ يَغْلُظْ يَأْتِ بِغَالٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ
 نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٥٢﴾ أَفَمَنْ أَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ
 مِّنَ اللَّهِ وَمَا أَوْهَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥٣﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ
 بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٥٤﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ
 أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا
 مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٥٥﴾

اللہ کی رحمت کے باعث تو ان پر نرم دلی ہے۔ اور اگر تو بے زبان اور سخت دل ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے استغفار کر اور کام کا مشورہ ان سے کر لیا کر۔ پھر جب تیرا پتہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد

کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے۔ ہر خیانت کرنیوالا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضگی لیکر لوٹتا ہے؟ اور پس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔ اللہ کے پاس یہ بڑے مرتبوں پر ہیں ان کے تمام اعمال اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔ بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنا تا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

نبی اپنی امت پر رحم دل ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر اور مسلمانوں پر احسان جتا ہے کہ نبی کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے اللہ نے نبی کے دل کو نرم کر دیا ہے اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ﴿مَا﴾ صلہ ہے جو معرفہ کے ساتھ عرب ملا دیا کرتے ہیں جیسے ﴿فَمَا نَقْصَهُمْ﴾ الخ میں اور نکرہ کے ساتھ بھی ملا دیتے ہیں جیسے ﴿عَمَّا قَلِيلٍ﴾ میں اسی طرح یہاں ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم دل ہوا ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں حضور ﷺ کے اخلاق ہیں جن پر آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ آیت ٹھیک اس آیت جیسی ہے ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ﴾ یعنی تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے جو تم پر حرص والے ہیں جو مومنوں پر شفقت اور رحم والے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوامامہ ہابلیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے ابوامامہ! بعض مومن وہ ہیں جن کے لئے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ ﴿فَطَّأ﴾ سے مراد یہاں سخت کلام ہے کیوں کہ اس کے بعد ﴿غَلِيظَ الْقَلْبِ﴾ کا لفظ ہے یعنی سخت دل۔ فرمان ہے کہ اے نبی! اگر تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے اور تم کو چھوڑ دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کا والد و شہید بنا دیا ہے اور ان کے دل لگے ہیں اس لئے آپ کو بھی ان کی طرف سے محبت اور نرمی عطا فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی صفوں کو اگلی کتابوں میں بھی پاتا ہوں کہ آپ سخت کلام سخت دل بازروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے نہیں بلکہ درگزر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی آؤ بھگت خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔

مشورہ کرنا سنت ہے: اس آیت میں بھی فرمان ہے۔ تو ان سے درگزر کر ان کے لئے استغفار کر اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر۔ اسی لئے حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے کہ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لئے مشورہ لیا اور صحابہ نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو بھی ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک انعماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم وہ نہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح آپ نے اس بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمروؓ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو۔ اسی طرح احد کے موقع پر بھی آپ نے مشورہ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں؟ اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا۔ اور آپ نے جنگ احزاب کے موقع پر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینے کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے۔ تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ نے اس کا انکار کیا اور آپ نے بھی اس مشورہ کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی۔ اسی طرح آپ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں پر دھاوا بول دیں؟ تو حضرت

صدیقؓ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف عمرے کا ہے۔ چنانچہ اسے بھی آپ نے منظور فرمایا۔ اسی طرح جب منافقین نے آپ کی بیوی صاحبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان مسلمانوں مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں اللہ کی قسم میرے علم میں تو میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں واللہ میرے نزدیک تو وہ بھی بھلائی والا ہی ہے اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جدائی کیلئے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ لیا۔ غرض لڑائی کے کاموں میں بھی دیگر امور میں بھی حضور ﷺ صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشورہ کا حکم آپ کو بطور واجب کے تھا یا اختیاری امر تھا تاکہ لوگوں کے دل خوش رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کرنا حکم ہے (حاکم) یہ دونوں حضور ﷺ کے حواری اور آپ ﷺ کے وزیر تھے اور مسلمانوں کے باپ ہیں (کلبی)۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بزرگوں سے فرمایا اگر تمہاری دونوں کی کسی امر میں ایک رائے ہو جائے تو میں تمہارا خلاف کبھی نہ کروں گا۔ حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ غم کے کیا معنی ہیں تو آپ نے فرمایا جب عقلمند لوگوں سے مشورہ ہو جائے پھر انکی مان لینا (ابن مردویہ)۔ ابن ماجہ میں آپ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے۔ ابوداؤد ترمذی نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے بھلی بات کا مشورہ دے (ابن ماجہ) پھر فرمایا جب تم کسی کام کا مشورہ کر چکو پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

پھر دوسری آیت کا ارشاد بالکل اسی طرح کا ہے جو پہلے گزرا کہ ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ یعنی مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے اور حکمتوں والا ہے پھر حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو توکل اور بھروسہ ذات باری ہی پر ہونا چاہئے

نبی صادق و امین ہیں: پھر فرماتا ہے نبی کو لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں بدر کے دن ایک سرخ رنگ چادر نہیں ملتی تھی تو لوگوں نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو اس پر یہ آیت اتری (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ منافقوں نے حضور ﷺ پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی جس پر آیت ﴿وَمَا تَكَاثُرُ﴾ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سردار ہر قسم کی خیانت سے بیجا ظرداری سے مبرا اور منزہ ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی غلول نہیں کر سکتا کہ بعض لشکریوں کو دے اور بعض کو ان کا حصہ نہ پہنچائے۔ اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی اللہ کی نازل کردہ کسی چیز کو چھپالے اور امت تک اسے نہ پہنچائے ﴿يَغْلُ﴾ کو ”یہ“ کے پیش سے بھی پڑھا گیا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ نبی کی ذات ایسی نہیں کہ ان کے پاس والے ان کی خیانت کریں۔ چنانچہ حضرت قتادہؓ اور حضرت ربیعؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آپ ﷺ کے اصحاب نے مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا تھا اس پر یہ آتی اتری (ابن جریر)۔

خائن کیلئے سخت عذاب ہے: پھر خائن لوگوں کو ذرا یا جاتا ہے اور سخت مذاہبوں کی خبر دیا جاتی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بابت بہت کچھ سخت وعید ہے چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والے وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت کی زمین یا اس کے گھر کی زمین دبالے اگر ایک ہاتھ زمین بھی ناحق اپنی طرف کر لے گا تو ساتوں زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائیگا۔ مسند کی اور حدیث میں ہے جسے ہم حاکم بنائیں گے اگر اس کا گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے بیوی نہ ہو تو کر سکتا ہے خادم نہ ہو تو رکھ سکتا ہے سواری نہ ہو تو

مہیا کر سکتا ہے اس کے سوا اگر کچھ اور لے گا تو خاں ہوگا۔ یہ حدیث ابوداؤد میں بھی دیگر الفاظ سے منقول ہے۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلائی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئیگا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا۔ میں کہہ دوںگا کہ میں اللہ کے پاس تیرے کچھ کام نہیں آسکتا میں تو پہنچا چکا تھا اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اٹھائے ہوئے آجائیگا۔ جو بول رہا ہوگا یہ بھی ہے گا کہ اے محمد اے محمد میں کہوں گا میں تیرے لئے اللہ کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تو تبلیغ کر چکا تھا اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئیگا جو ہنہنار رہا ہوگا وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دوںگا کہ میں تو پہنچا چکا تھا آن کچھ کام نہیں آسکتا اور اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لئے ہوئے حاضر ہوگا اور کہہ رہا ہوگا یا محمد یا محمد میں کہوں گا میں اللہ کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا میں تو تجھے بتا چکا تھا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے قبیذہ ازد کے ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجا جسے ابن التبیہ کہتے تھے۔ یہ جب زکوٰۃ وصول کر کے آئے تو کہنے لگے یہ تو تمہارا ہے اور یہ مجھے تمہارے ملا ہے۔ نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ہم انہیں کسی کام پر بھیجتے ہیں تو آکر کہتے ہیں یہ تمہارا اور یہ ہمارے۔ تحفے کا یہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز بھی لے لیگا وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اونٹ ہے تو چلا رہا ہوگا گائے ہو تو بول رہی ہوگی بکری ہے تو چیخ رہی ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اس قدر بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟ مسند احمد کی ایک ضعیف حدیث میں ہے ایسے تحصیلداروں اور حاکموں کو جو تحفے بیس وہ خیانت ہیں۔ یہ روایت صرف مسند احمد میں ہے جو ضعیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اگلی مطول روایت کا حاصل ہے۔ قرندی میں ہے حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا جب میں چل دیا تو آپ نے مجھے بلوایا جب میں واپس آیا تو فرمایا میں نے تجھے صرف ایک بات کہنے کے لئے بلوایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کوئی چیز لو گئے وہ خیانت ہے اور ہر خاں اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا بس یہی کہہ کر تھا جاؤ اپنے کام میں لگو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز کھڑے ہو کر خیانت کا ذکر کیا اور اس کے بڑے بڑے گناہ اور وبال بیان فرما کر ہمیں ڈرایا۔ پھر جانوروں کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے حضور ﷺ سے فریاد رسی کی عرض کرنے اور آپ ﷺ کے انکار کر دینے کا ذکر کیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس میں سونے چاندی کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اے لوگو جسے ہم عامل بنائیں اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی ہلکی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے جسے لے کر وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ یہ سن کر ایک سانولے رنگ کے انصاری حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ حضور ﷺ میں تو عامل بننے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ فرمایا کیوں؟ کہا آپ نے جو اس طرح فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اب بھی سنو جسے ہم کوئی کام سونپیں اسے چاہئے کہ تھوڑا بہت سب کچھ لائے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے روک جائے۔ یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عموماً نماز عصر کے بعد بنو عبد الشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے بقیع میں آکر فرمانے لگے تف ہے تجھے تف ہے تجھے میں سمجھ آپ مجھے فرما رہے ہیں چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے۔ میں نے کہا حضور ﷺ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے میں روک گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے اسے میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا اس نے ایک چادر لے لی وہ چادر اب آگ بنکر اس کے

اور بھڑک رہی ہے (مسند احمد)۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مالِ غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیتے اور فرماتے میرا بھی اس میں وہی حق ہو جو تم میں سے کسی ایک کا خیانت سے بچو خیانت کرنے والے کی رسوائی قیامت کے دن ہوگی سوئی دھاگے تک پہنچاؤ اور اس سے حقیر چیز بھی اللہ کی راہ میں نزدیک والوں اور دور والوں سے جہاد کرو ووطن میں بھی اور سفر میں بھی۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے اور رنج و غم سے نجات دیتا ہے اللہ کی حدیں نزدیک و دور والوں میں جاری کرو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں منہ رو کے (مسند احمد)۔ اس حدیث کا بعض حصہ ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر بھیجا چاہا تو فرمایا "اے ابو مسعود! جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تم کو قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو۔ میں نے کہا حضور! پھر میں تو نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا اچھا میں تم کو زبردستی بھیجتا بھی نہیں (ابوداؤد)۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلا جائے لیکن تہہ تک نہیں پہنچتا۔ خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا پھر خیانت والے سے کہا جائے گا جا سے لے آ۔ یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے ﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ والے دن صحابہ کرام آنے لگے اور کہنے لگے فلاں شہید ہے فلاں شہید ہے۔ جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے غنیمت کے مال کی ایک چادر خیانت کر لی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا اے عمر بن خطاب! تم جاؤ اور لوگوں میں منادی کرو کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے۔ چنانچہ میں چلا اور سب میں یہ ندا کر دی۔ یہ حدیث مسلم اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن انیسؓ سے صدقات کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ آپ نے صدقات میں خیانت کر نیوالے کی نسبت فرمایا اس میں سے جو شخص اونٹ یا بکری لے لے وہ اسے قیامت والے دن اٹھائے ہوئے ہوگا۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا ہاں یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ابن جریر میں سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ انہیں صدقات وصول کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے بھیجا چاہا اور فرمایا اے سعد! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تو بلبلاتے اونٹ کو اٹھا کر لائے۔ تو حضرت سعدؓ کہنے لگے کہ نہ میں اس عہدہ گولوں اور نہ ایسا ہونے کا احتمال رہے چنانچہ حضور ﷺ نے بھی اس کام سے انہیں معاف رکھا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسلمہ بن عبد الملکؓ کے ساتھ روم کی جنگ میں حضرت سالم بن عبد اللہؓ بھی تھے ایک شخص کے اسباب میں کچھ خیانت کا مال بھی نکلا۔ سردار لشکر نے حضرت سالمؓ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ان سے ان کے باپ عمر بن خطابؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اسباب میں تم چوری کا مال پاؤ اسے جلا دو۔ راوی کہتا ہے میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا اسے سزا دو۔ چنانچہ جب اس کا مال بازار میں نکالا تو اس میں ایک قرآن شریف بھی تھا۔ حضرت سالمؓ سے پھر اس کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اسے بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کر دو۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام علی بن مدینیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت سالمؓ کا اپنا فتویٰ ہے۔ حضرت امام احمدؒ اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت حسنؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کا اسباب جلا دیا جائے اور اسے مملوک کی حد سے کم مارا جائے اور اس کا حصہ نہ دیا جائے۔ ابو حنیفہؒ مالکؒ شافعیؒ اور جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے یہ کہتے ہیں اس کا اسباب نہ جلا دیا جائے بلکہ اس کے مثل اسے تعزیر یعنی سزا دی جائے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے کی نماز سے انکار کر دیا اور اس کا

اسباب نہیں جلا یا واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ قرآن شریفوں کے جب تغیر کا حکم کیا گیا تو حضرت ابن مسعودؓ فرماتے گئے تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اسے چھپا کر رکھ لے کیونکہ جو شخص جس چیز کو چھپا کر رکھ لے گا اسی کو لے کر قیامت کے روز آئیگا۔ پھر فرماتے گئے میں نے ستر دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی پڑھا ہے۔ پس کیا میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھائی ہوئی قرأت کو چھوڑ دوں؟ امام وکیعؒ بھی اپنی تفسیر میں اسے لائے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لیکر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس یہ رہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے حضرت بلال کی منادی سنی تھی؟ جو تین مرتبہ ہوئی تھی۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟ اس نے عذر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اب میں ہرگز نہ لوں گا تو ہی اسے لیکر قیامت کے دن آنا۔

ایمان دار اور بے ایمان برابر نہیں:- اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شرع پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق ہو نیوالے اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے اس کے عذابوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جو مر کر جہنم میں ٹھکا پائیں گے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں اور جگہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو حق ماننے والا اور اس سے اندھا رہنے والا برابر نہیں اسی طرح فرمان ہے کہ جن سے اللہ کا اچھا وعدہ ہو چکا ہے اور جو اسے پاک کرنے والا ہے وہ اور دنیا کا نفع حاصل کر نیوالا برابر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں وہ جنت کے درجوں میں ہیں اور یہ جہنم کے طبقوں میں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ مِمَّا عَمِلُوا﴾ ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ پھر فرمایا اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا نہ نیکی ماری جائے گی اور نہ بدی بڑھائی جائے گی بلکہ عمل کے مطابق ہی جزا و سزا ہوگی

نبی انسانی جنس سے ہی ہیں:- پھر فرماتا ہے کہ مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس سے ان میں اپنا پیغمبر بھیجا تاکہ اس سے بات چیت کر سکیں پوچھ گچھ کر سکیں ساتھ اٹھ بیٹھ سکیں اور پوری طرح نفع حاصل کر سکیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾

یہاں بھی مطلب ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے اس نے پیدا کئے اور جگہ ہے ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ﴾ کہدے کہ میں تم جیسا ہی انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے اور فرمان ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لِيَأْكُلُوا الطَّعَامَ وَيَمْشُوا فِي الْأَسْوَاقِ﴾ یعنی تم سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اور جگہ ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى﴾ یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کو ہی وحی کی تھی جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔ اور ارشاد ہے ﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ﴾ یعنی اے جنو اور انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ الغرض یہ پورا احسان ہے مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول بھیجے گئے تاکہ وہ پاس بیٹھ اٹھ کر بار بار سوال جواب کر کے پوری طرح دین سیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ اللہ کی آیتیں یعنی قرآن کریم انہیں پڑھاتا ہے اور اچھی باتوں کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر انکی جانوں کی پاکیزگی کرتا ہے اور شرک و جاہلیت کی ناپاکی کے اثرات ان سے زائل کرتا ہے اور انہیں کتاب اور سنت سکھاتا ہے اس رسول ﷺ کے آنے سے پہلے تو یہ صاف بھٹکے ہوئے تھے ظاہر برائی اور پوری

جہالت میں تھے۔

أَوْلَئِكَ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلِهَا قُلْتُمْ إِنَّا هَذَا قَوْلَ هُوَ مِنْ
عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْجَبْعِ
فِي إِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْادُفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَأَتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمِيذٍ
أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا
يَكْتُمُونَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِخْوَانِ وَقَعْدُوا لَوِ اطَّاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَأُوا عَنْ
أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۰﴾

کیا جب کبھی تم کو کوئی تکلیف پہنچے کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آگئی؟ کہہ دے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اور تم کو جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مذہب بھیز ہو گئی تھی وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے۔ جن سے کہا گیا کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ۔ تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی ٹیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ ہی ہماری جان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو۔

جنگ احد کے بقیہ واقعات: یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے تھے اور اس سے دو گنی مصیبت مسلمانوں نے کافروں کو پہنچائی تھی یعنی بدر والے دن ستر کافر قتل کئے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آگئی؟ اللہ فرماتا ہے یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لیکر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کئے گئے اور صحابہ میں بھاگڑ پڑ گئی حضور رسالت مآب (ﷺ) کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کے سر مبارک پر خود تھا وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا۔ اس کا بیان اس آیت مبارکہ میں ہو رہا ہے (ابن ابی حاتم و مسند امام احمد بن حنبل)۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا محمد ﷺ! آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ کو پسند نہ آیا اب انہیں دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر ان مسلمانوں میں سے اتنی ہی تعداد شہید ہوگی۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں۔ تو انہیں نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ ہمارے قبائل کے ہیں ہمارے رشتہ دار بھائی ہیں ہم کیوں ان سے فدیہ لیکر نہ چھوڑ دیں؟ اور اس مال سے ہم طاقت قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے؟ چنانچہ جرمانہ

وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد کے غزوہ احد میں شہید ہوئی (ترمذی۔ نسائی)۔ پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں تو وہ شہید ہوئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی گئی اس باعث تم کو یہ نقصان پہنچا۔ تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے جو ارادہ ہو حکم دے کوئی نہیں جو اس کا حکم نال سکے۔

دونوں جماعتوں کی مدد بھینٹ کے دن جو نقصان تم کو پہنچا کہ تم دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تم میں سے بعض لوگ شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے یہ سب اللہ کی طرف قضاء و قدر سے تھا اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ثابت قدم غیر متزلزل ایمان والے صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے جیسے عبد اللہ بن ابی بن رسول اور اس کے ساتھی کہ راستے میں سے واپس لوٹ آئے۔ ایک مسلمان نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کم از کم ان چیزھ آنے والوں کو تو ہٹاؤ لیکن انہوں نے نال دیا کہ ہم تو فنون جنگ سے بے خبر ہیں اگر جانتے ہوتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ یہ بھی مدافعت میں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی یا دعائیں کرتے رہتے یا تیاریاں ہی کرتے۔ ان کے جواب کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم سچ مچ دشمنوں سے لڑو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ لڑائی ہونیکلی ہی نہیں۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ احد کی جانب بڑھے آ رہے راستے میں عبد اللہ بن ابی بن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی اللہ کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدہ کو مد نظر رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو کیوں جانیں کھورے ہو۔ جس قدر نفاق اور شک و شبہ والے لوگ تھے اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حزام بنو سلمہ کے بھائی ہر چند انہیں سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم اپنے نبی کو اپنی قوم کو رسوا نہ کرو انہیں دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر پیٹھ نہ پھیرو لیکن انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی ہونے ہی نہیں۔ جب یہ بیچارے عاجز آ گئے تو فرمانے لگے جاؤ تمہیں اللہ غارت کرے اللہ کے دشمنو تمہاری کوئی حاجت نہیں اللہ اپنے نبی ﷺ کا مددگار ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ بھی انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت ہی نزدیک تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے احوال مختلف ہیں کبھی وہ کفر سے قریب ہو جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا یہ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں جیسے ان کا یہی قول کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ حالانکہ انہیں یقیناً معلوم ہے کہ مشرکین دور دراز سے چڑھائی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی ٹھان کر آگئے ہیں وہ بڑے جلعے کئے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے سردار بدر والے دن میدان میں رو گئے تھے اور ان کے اشراف قتل کر دیئے گئے تھے تو اب ان ضعیف مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور یقیناً جنگ عظیم برپا ہونے والی ہے۔ پس جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے انکے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے۔ اس کے جواب میں جناب باری جل و علا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات پر سچے ہو کر بیٹھ رہنے اور میدان جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل و موت سے بچ جاتا ہے تو چاہیے کہ تم تو مر رہی نہیں اس لئے کہ تم تو گھروں میں ہی بیٹھے ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل پڑو گے گو تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ پس ہم تو تم کو تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے نال دو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں یہ آیت عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۱﴾
 فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ
 خَلْفِهِمْ أَلا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۶۲﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ
 وَفَضْلِهِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۳﴾ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ
 مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶۴﴾ الَّذِينَ
 قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا
 حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿۱۶۵﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ لَمْ يَسْسُ لَهُمْ سُوءُ
 وَابْتَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۶۶﴾ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ
 أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۷﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو اتناک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر برباد نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد انہیں پورے زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پھیر گاری برتی ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ۔ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا یا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوگ۔ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی انہوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی۔ اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم ایمان دار ہو۔

شہادت کی فضیلت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شہید فی سبیل اللہ دنیا میں مار ڈالے جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور روزیادوں پاتی ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس یا ستر صحابیوں کو بیہ معونہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہ جماعت جب اس غارتگ پہنچی جو اس کنوئیں کے اوپر تھی تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور آپس میں کہنے لگے کون ہے جو اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر اللہ کے رسول ﷺ کا کلمہ ان تک پہنچائے۔ ایک صحابی اس کے لئے تیار ہوئے اور ان لوگوں کے گھروں کے پاس آکر بہ آواز بلند فرمایا اے بیہ معونہ والو سنو میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں میری گواہی ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی ایک کافر اپنا تیر سنبھالے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس طرح تاک کر لگایا کہ ادھر کی پسلی سے ادھر کی پسلی میں اور پار نکل گیا۔ اس صحابی کی زبان سے بیساختہ نکلا ﴿قُرْآنٌ وَرَبُّ الْكُفَّةِ﴾ کعبہ

کے رب کی قسم میں مراد کو پہنچ گیا۔ اب کفار نشانات ٹٹولتے ہوئے اس غار پر جا پہنچے اور عامر بن طفیل نے جو ان کا سردار تھا ان سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں انکے بارے میں قرآن اتر آکہ ہماری جانب سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔ ہم ان آیات کو برابر پڑھتے رہے پھر ایک مدت کے بعد یہ منسوخ ہو کر اٹھالی گئیں اور آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ الخ اتری (محمد بن جریر)۔ صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت مسروق فرماتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہؓ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا ان کی روہیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش کی قدیلیں ان کے لئے ہیں ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں چلیں اور قدیلوں میں آرام کریں۔ ان کی طرف ان کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا کچھ چاہتے ہو؟ کہنے لگے اے اللہ اور کیا مانگیں ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں کھائیں پیئیں اختیار ہے پھر کیا طلب کریں؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے پھر یہی پوچھا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کچھ مانگے چارہ ہی نہیں تو کہنے لگے اے رب ایم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دے پھر ہم دنیا میں جا کر تیری راہ میں جہاد کریں اور مارے جائیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا کہ کیا چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو لوگ مر جائیں اور اللہ کے یہاں بہتری پائیں وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹا جائے اور دوبارہ راہ اللہ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے (مسند احمد)۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے فرمایا جابر تم کو معلوم بھی ہے کہ اللہ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہا اللہ دنیا میں پھر بھیج تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں دوبارہ لوٹا نہیں جائیگا۔ ان کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام انصاری تھا اللہ ان سے رخصتا مند ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور ابا کے منہ سے کچھ اٹھنا نہ سکا بار بار ان کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا۔ صحابہؓ مجھے منع کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ خاموش تھے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا جابر رومت جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے رہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد والے دن شہید کئے گئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی روہیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پیئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لنگتی ہوئی قدیلوں میں آرام و راحت حاصل کریں۔ جب کھانے پینے سنبے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی تاکہ وہ جہاد سے منہ پھیریں اور راہ اللہ کی لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم بے فکر رہو میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آستیں نازل فرمائیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہؓ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیتیں اتریں (مستدرک حاکم) یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ احد کے شہیدوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ابو بکر ابن مردودہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے جابر کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سن امیں تجھے بتاؤں جس کسی سے اللہ نے کلام کیا پر اس کے پیچھے سے کلام کیا لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی فرمایا مجھ سے مانگ جو مانگے گا دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ میں دوسری

مرتبہ شہید ہو جاؤں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا کہنے لگا پھر اللہ میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ الخ نازل فرمائی۔ بیعتی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا میں تو اسے اللہ تیرمی عبادت کا حق بھی ادا نہیں کر سکا۔ مسند احمد میں ہے شہید لوگ جنت میں دروازے پر نہر کے کنارے گنبد سبز میں ہیں صبح و شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں۔ دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روہیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھرتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر یہ کھانے پینے کھلائے جاتے ہوں واللہ اعلم۔ یہاں پر وہ حدیث بھی وارد کرتا بالکل بر محل ہو گا جس میں ہر مومن کیلئے یہی بشارت ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔ اس حدیث کے روایوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جا رہے ہیں۔ ایک تو امام احمد بن حنبلؒ آپ نے اس حدیث کو روایت کیا امام محمد بن ادریس شافعیؒ سے ان کے استاد ہیں حضرت امام مالک ابن انسؒ اصحی۔ پس امام احمدؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ تینوں زبردست پیشوا اس حدیث کے راوی ہیں۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایماندار کی روح جنتی پرند کی شکل میں جنت میں رہتی ہے اور شہیدوں کی روہیں جیسے کہ پہلے گزر چکا سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں۔ یہ روہیں مثل ستاروں کے ہیں جو عام مومنین کی روہوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں اپنے طور پر آپ ہی اڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو بہت بڑا مہربان اور زبردست احسانوں والا ہے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ایمان و اسلام پر موت دے آمین۔

پھر فرمایا کہ یہ شہید جن جن نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں ان سے بیحد مسرور اور بہت ہی خوش ہیں اور انہیں یہ بھی خوشی اور راحت ہے کہ ان کے بھائی بند جو ان کے بعد راہ اللہ میں شہید ہوں گے اور ان کے پاس آئیں گے انہیں آئندہ کا کچھ خوف نہ ہو گا اور اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں پر انہیں حسرت بھی نہ ہو گی اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ خوش ہیں کہ ان کے اور بھائی بند بھی جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی شہد ہو کر ان کی نعمتوں میں ان کے شریک حال ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے کہ فلاں دن تیرے پاس فلاں آئے گا پس جس طرح دنیا والے اپنے کسی غیر حاضر کے آنے کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں اسی طرح یہ شہداء ان شہیدوں کی آنے کی خبر سے مسرور ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب شہید جنت میں گئے اور وہاں اپنی منزلیں اور رحمتیں اور راحتیں دیکھیں تو کہنے لگے کاش کہ اس کا علم ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہوتا جو اب تک دنیا میں ہی ہیں تاکہ وہ جواں مروی سے جان توڑ کر جہاد کرتے اور ان جگہوں میں جاگتے جہاں سے زندہ واپس آنے کی امید نہ ہوتی تو وہ بھی ہماری ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے۔ پس نبی ﷺ نے ان لوگوں کو ان کے اس حال کی خبر پہنچا دی اور اللہ نے ان سے کہدیا کہ میں نے تمہاری خبر تمہارے نبی کو دیدی ہے اس سے وہ بہت ہی مسرور و مخطوظ ہوئے۔ بخاری و مسلم میں میر معونہ والوں کا قصہ بیان ہو چکا ہے جو ستر اشخاص انصاری صحابی تھے اور ایک ہی دن صبح کے وقت سب کو بے دردی سے کفار نے تہ تیغ کیا تھا جن کے قاتلوں کے حق میں ایک ماہ تک نماز کے قنوت میں رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی تھی اور جن پر لعنت بھیجی تھی جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری تھی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچاؤ کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہو اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔ وہ اللہ کی نعمت و فضل کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہیں۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ آیت ﴿يَسْتَبْشِرُونَ﴾ تمام ایمانداروں کے حق میں ہے خواہ شہید ہوں خواہ غیر شہید۔ بہت کم ایسے موقعہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی فضیلت اور ان کے ثوابوں کا ذکر کرے اور اس کے بعد مومنوں کے ثوابوں کا ذکر نہ ہو۔

پھر ان سچے مومنین کا بیان تعریف سے ہو رہا ہے۔ جنہوں نے حمرہ الاسد والے دن حکم رسول اللہ ﷺ پر باوجود زخموں سے چور ہونے کے جہاد پر کمر کس لی تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کو مصیبتیں پہنچائیں اور وہ اپنے گھروں کی طرف واپس چل دیے لیکن پھر انہیں اس کا خیال آیا کہ موقعہ اچھا تھا مسلمان ہار چکے تھے زخمی ہو گئے تھے ان کے بہادر شہید ہو چکے تھے اگر ہم اور ہم کر لڑتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا۔ نبی ﷺ ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے مسلمانوں کو تیار کرنے لگے کہ میرے ساتھ چلو ہم ان مشرکین کے پیچھے جائیں تاکہ ان پر رعب طاری ہو اور یہ جان لیں کہ مسلمان ابھی نا طاقت نہیں ہوئے۔ احد میں جو لوگ موجود تھے صرف انہی کو ساتھ چلنے کا حکم ملا ہاں صرف حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو ان کے علاوہ بھی ساتھ لیا۔ اس آواز پر بھی مسلمانوں نے لبیک کہی باوجود یہ کہ زخموں میں چور اور خون میں شرابور تھے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو راستے میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا افسوس تم نے کچھ نہ کیا واپس لوٹو۔ جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تیساری کا حکم دیا یہ تیار ہو گئے اور مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حمرہ الاسد تک یا بیر ابی عیینہ تک پہنچ گئے۔ مشرکین کے دل رعب و خوف سے بھر گئے اور یہ کہہ کر مکہ کی طرف چل دیے کہ اچھا گلے سال دیکھا جائیگا۔ حضور ﷺ بھی واپس مدینہ تشریف لائے یہ بھی بالاستقلال ایک الگ لڑائی گئی جاتی ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ احد کی لڑائی پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی تھی سولہویں تاریخ بروز اتوار منادی رسول ﷺ نے ندا دی کہ لو گوا دشمن کی طلب میں چلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں تھے۔ اس آواز پر حضرت جابر حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کل کی لڑائی میں میں نہ تھا اس لئے کہ میرے والد حضرت عبد اللہؓ نے مجھ سے کہا کہ بیٹے تمہارے ساتھ یہ چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اسے تو نہ میں پسند کروں نہ تو کہ انہیں یہاں تنہا چھوڑ کر میں اور تم دونوں ہی چل دیں ایک جائیگا اور ایک یہاں رہے گا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تم جاؤ اور میں بیٹھا رہوں اس لئے میری خوشی ہے کہ تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جاتا ہوں اس وجہ سے میں وہاں رہا اور میرے والد آپ ﷺ کے ساتھ آئے اب میری مین تمنا ہے کہ آج مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ چلوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت دی۔

حضور ﷺ کا یہ سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن دہل جائے اور پیچھے آتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ ان میں بہت کچھ قوت ہے اور ہمارے مقابلہ سے یہ عاجز نہیں قبیلہ بنو عبد الاشہل کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ غزوہ احد میں ہم دونوں بھائی شامل تھے اور سخت زخمی ہو کر ہم واپس لوٹے تھے جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے منادی نے دشمن کے پیچھے جانے کی ندا دی تو ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ افسوس نہ ہمارے پاس سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ جائیں نہ زخموں کے مارے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل ساتھ ہو لیں افسوس کہ یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا ہمارے بیٹھا گہرے زخم ہمیں آج کے جانے سے روک دیں گے لیکن پھر ہم نے ہمت باندھی۔ مجھے اپنے بھائی کی نسبت ذرا ہلکے زخم تھے جب میرے بھائی بالکل عاجز آجاتے قدم نہ اٹھتا تو میں انہیں جوں توں کر کے اٹھا لیتا جب تھک جاتا اتار دیتا یوں ہی جوں توں کر ہم لشکر گاہ تک پہنچ ہی گئے (سیرت ابن اسحاق)۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عروہؓ سے کہا اے بھانجے تیرے دونوں باپ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں ﴿الذین استجابوا﴾ الخ آیت اتری ہے یعنی حضرت زبیر اور حضرت صدیقؓ جبکہ نبی ﷺ کو احد کی جنگ میں نقصان پہنچا اور مشرکین آگے چلے تو آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ کہیں یہ پھر واپس نہ لوٹیں لہذا آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو ان کے پیچھے جائے۔ اس پر ستر شخص اس کام کیلئے مستعد ہو گئے جن میں ایک حضرت ابو بکرؓ تھے دوسرے حضرت زبیرؓ تھے۔ یہ روایت اور بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ ابن مردودہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تیرے دونوں باپ ان لوگوں میں

سے ہیں لیکن یہ مرفوع بیان کرنا محض خطا ہے اس لئے بھی کہ اس کی اسناد میں ثقہ راویوں کا خلاف ہے جو حضرت عائشہؓ کے باپ دادوں میں نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے لڑکے عروہ سے کہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور باوجودیکہ وہ احد کی لڑائی میں قدرے کامیاب ہو گیا تھا لیکن تاہم مکہ کی طرف چل دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان تم کو نقصان پہنچا کر لوٹ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مرعوب کر دیا ہے۔ احد کی لڑائی شوال میں ہوئی تھی اور تاجر لوگ ذیقعدہ میں مدینہ آتے تھے اور بدر صغریٰ میں اپنے ذریعے ہر سال اس ماہ میں ڈالا کرتے تھے۔ اب کے بھی اس واقعہ کے بعد لوگ آئے مسلمان اپنے زخموں میں چور تھے حضور ﷺ سے اپنی تکالیف بیان کرتے تھے اور سخت صدمہ میں تھے۔ نبی ﷺ نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور پھر یہ قدرت انہیں اگلے سال تک نہ ہوگی لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو دھمکایا اور بہکانا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ لوگوں نے تمہارے استیصال کیلئے لشکر تیار کر لئے ہیں جس بناء پر لوگ ڈھیلے پڑ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو خواہ تم میں سے ایک بھی نہ چلے میں تن تنہا جاؤں گا۔ پھر آپ ﷺ کے رغبت دلانے پر حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت زبیر حضرت سعد حضرت طلحہ حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت حذیفہ بن یمان حضرت ابو عبیدہ بن جراح (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ ستر صحابہ آپ ﷺ کے زیر رکاب چلنے پر آمادہ ہوئے۔ یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی جستجو میں بدر صغریٰ تک پہنچ گیا انہی کی اس فضیلت اور جانبازی کا ذکر اس مبارک آیت میں ہے۔ حضور ﷺ اس سفر میں مدینہ سے آٹھ میل حراء اسد تک پہنچ گئے مدینہ میں اپنا نائب آپ ﷺ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بنایا تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے پیر منگل بدھ تک قیام کیا پھر مدینہ لوٹ آئے۔ اثناء قیام میں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی یہاں سے نکلا تھا یہ خود مشرک تھا لیکن اس پورے قبیلے سے حضور ﷺ کی صلح و صفائی تھی اس قبیلہ کے مشرک و مومن سب آپ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے کہا کہ حضور ﷺ کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی اسپر ہمیں سخت رنج ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو انکی خوشی نصیب فرمائے۔ حراء اسد پر آپ ﷺ پہنچے اس سے پہلے ابوسفیان چل دیا تھا اس نے اور اسکے ساتھیوں نے واپس آئیکا ارادہ کیا تھا کہ جب ہم ان پر غالب آگئے انہیں قتل کیا مارا بیٹا زخمی کیا پھر اوھو راکام کیوں چھوڑیں واپس جا کر سب کو تہ تیغ کر دیں۔ یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ کہو کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا کہ آنحضرت ﷺ مع صحابہؓ کے تم لوگوں کے تعاقب میں آرہے ہیں وہ لوگ سخت غصے میں ہیں جو پہلے لڑائی میں شریک نہ تھے وہ بھی آگئے ہیں سب کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور بڑی پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوئے ہیں میں نے تو ایسا لشکر کبھی دیکھا نہیں یہ سن کر ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا اچھا یہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہم تو خود ان کی طرف جانے کے لئے تیار تھے۔ معبد نے کہا ہرگز یہ ارادہ نہ کرو اور میری بات کا کیا ہے غالباً تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ہی لشکر اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لو گے میں ان کے لشکر ان کے غصے ان کی تیاری اور اولوالعزمی کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے صاف کہتا ہوں کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں اسلامیوں کے غیظ و غضب اور تہور و شجاعت اور سختی اور پختگی کا بیان کر سکوں پس مختصر یہ ہے کہ جان کی خیر مناتے ہو تو فوراً یہاں سے کوچ کرو۔ ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہیں نے یہاں سے مکہ کی راہ لی۔ قبیلہ عبد القیس کے آدمی جو کاروبار کی غرض سے مدینہ جا رہے تھے ان سے ابوسفیان نے کہا کہ تم حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے انہیں تہ تیغ کر دینے کے لئے لشکر جمع کر لئے ہیں اور ہم واپس لوٹنے کے ارادے میں ہیں۔ اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا تو ہم تم کو سوق عکاظ میں کشمش بہت ساری دیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حراء اسد میں آکر بطور ڈراوے کے نمک مرچ لگا کر یہ وحشت اثر خبر سنائی لیکن صحابہؓ نے نہایت استقلال اور پامردی سے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کار ساز ہے۔ جناب رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا میں نے ان کے لئے ایک پتھر کا نشان مقرر کر رکھا ہے اگر یہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر اس طرح مٹ جائیں گے جیسے گذشتہ نکل کا دن۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر یہی ہے کہ حمراء اسد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اعداء اللہ تعالیٰ نے ان کو پڑمردہ کرنے کے لئے دشمنوں کے ساز و سامان اور ان کی کثرت و بہتات سے ڈرایا لیکن وہ صبر کے پہاڑ ثابت ہوئے ان کے غیر متزلزل یقین میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ وہ توکل میں اور بڑھ گئے اور اللہ کی طرف نظریں کر کے اس سے امداد طلب کی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ﴾ الخ حضرت ابراہیمؑ نے آگ میں پڑتے وقت پڑھا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت جب کہ کافروں کے ٹڈی دل لشکر سے لوگوں نے آپ ﷺ کو خوفزدہ کرنا چاہا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام حاکم نے اس روایت کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ یہ بخاری و مسلم میں نہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آخری کلمہ تھا جو خلیل اللہ علیہ السلام کی زبان سے آگ میں پڑتے وقت نکلا تھا۔ حضرت انسؓ والی روایت میں ہے کہ احد کے موقع پر جب حضور ﷺ کو کفار کے لشکروں کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے یہ کلمہ فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ کی سرداری کے ماتحت جب حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا اور راہ میں خزانہ کے ایک امراہی نے یہ خبر سنائی تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آپڑے تو تم ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ﴾ آخر تک پڑھو۔ مسند احمد میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان حضور ﷺ نے فیصلہ کیا تو جسکے خلاف فیصلہ صادر ہوا تھا اس نے یہی کلمہ پڑھا۔ آپ ﷺ نے اسے واپس بلا کر فرمایا عاجزی اور کابلی پر اللہ کی ملامت ہوئی ہے دانائی و دراندیشی اور عقلمندی کیا کرو پھر کسی امر میں پھنس جاؤ تو یہ پڑھ لو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کس طرح نجات اور فارغ ہو کر با آرام رہو حالانکہ صاحب صور نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے حکم اللہ کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔ صحابہؓ نے کہا حضور! کیا گیا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَيَّ اللَّهُ تَوَكَّلْنَا﴾ پڑھو۔

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فخر سے فرمایا میرا نکاح تو خود اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور تمہارے نکاح تمہارے ولی و وارثوں نے کئے ہیں۔ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری برأت اور پاکیزگی کی آیتیں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے پاک کلام میں نازل فرمائی ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مان گئیں اور پوچھا یہ تو بتاؤ۔ تم نے (حضرت) صفوان بن معطل کی سواری پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ﴿حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ یہ سن کر مائی صاحبہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تم نے ایمان والوں کا کلمہ کہا تھا۔

چنانچہ اس آیت میں بھی رب رحیم کا ارشاد ہے کہ ان توکل کرنے والوں کی کفایت اللہ تعالیٰ نے کی اور ان کے ساتھ جو لوگ برائی کا ارادہ رکھتے تھے انہیں ذلت اور بربادی کے ساتھ پسپا کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے شہروں کی طرف بغیر کسی نقصان اور برائی کے لوٹے دشمن اپنی مکاری میں ناکام رہا ان سے اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کی خوشی کا کام انجام دیا تھا اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ نعمت تو یہ تھی کہ وہ سلامت رہے اور فضل یہ تھا کہ حضور ﷺ نے تاجروں کے ایک قافلہ سے مال خرید لیا جس میں بہت ہی نفع ہوا اور اس کل منافع کو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم فرمادیا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضور ﷺ سے کہا اب وعدہ کی جگہ بدر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ممکن ہے چنانچہ آپ ﷺ وہاں پہنچے یہ ڈر پوک آیا نہیں وہاں بازار کا دن تھا مال خرید لیا جو نفع سے بکا۔ اس کا نام عزوہ بدر صغریٰ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تم کو دھمکا رہا تھا اور گیدڑ بھلیاں دے رہے تھے تم کو چاہئے کہ ان سے نہ ڈرو صرف میرا ہی خوف دل میں رکھو کیونکہ ایمان داری کی یہ شرط ہے کہ جب کوئی ڈرائے دھمکائے اور دینی امور سے تم کو باز رکھنا چاہے تو مسلمان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اسکی طرف سمت جائے اور یقین مانے کہ کافی اور ناصر وہی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿الْيَسَّ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟ یہ لوگ تجھے اس کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں (یہاں تک فرمایا) تو کہہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اور جگہ فرمایا اولیاء شیطان سے لڑو شیطان کا مکر بڑا ہوا ہے اور جگہ ارشاد ہے یہ شیطانی لشکر ہے یاد رکھو شیطانی لشکر ہی گھائے اور خسارے میں ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ غلبہ یقیناً مجھے اور میرے رسولوں کو ہی ہوگا اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ﴾ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ اس کی امداد فرمائے گا۔ اور فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد کرے گا الخ۔ اور آیت میں ہے ﴿إِنَّا النُّصُرُ رُسُلَنَا﴾ بالیقین ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان داروں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جس دن ظالموں کو عذر معذرت نفع نہ دے گی ان کے لئے لعنت ہے اور ان کیلئے برا گھر ہے۔

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ
 أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِزًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا
 الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُنزِلُ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ إِنَّمَا نُنزِلُ لَهُم لِيُزِدُوا إِثْمًا
 وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٧٩﴾ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ
 يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي
 مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ فَاٰمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِن تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ
 عَظِيمٌ ﴿٨٠﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ
 لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخَلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٨١﴾

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں یقین مان کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت

کا کوئی حصہ نہ کرے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہر گز ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان ہی کے لئے المناک عذاب ہے۔ کافراؤں کی ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ یہ مہلت تو صرف اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں ان ہی کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں۔ جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو چھوڑ دے گا جب تک پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو فیہ سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان رکھو اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں۔ بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے۔ عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔

اللہ کے ساتھ کفر کرنا نبیؐ پر گراں گزرتا ہے؛ چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں پر بیحد مشفق و مہربان تھے اس لئے کفار کی بے راہ روی آپ ﷺ پر گراں گزرتی تھی وہ جوں جوں کفر کی جانب بڑھتے رہتے تھے حضور ﷺ غمگین خاطر ہوتے جاتے تھے اس لئے جناب باری آپ ﷺ کو اس سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ حکمت الہی اسی کی مقتضی ہے ان کا کفر آپ ﷺ کو یا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا یگا یہ لوگ اپنا خردی حصہ برباد کر رہے ہیں اور اپنے لئے بہت بڑے عذابوں کو تیار کر رہے ہیں ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو محفوظ رکھے گا آپ ﷺ ان پر غم نہ کریں۔ پھر فرمایا میرے ہاں کا یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو کفر سے بدل ڈالیں وہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے لئے المناک عذاب مہیا کر رہے ہیں۔ پھر کافروں کا اللہ تعالیٰ کی مہلت پر اترانا بیان فرماتا ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿إِيْحْسِنُونَ إِنَّمَا نُمَدِّلَهُمْ﴾ الخ یعنی کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ان کے مال و اولاد کی بڑھوتری ہماری طرف سے ان کی خیریت کا نشان ہے؟ نہیں بلکہ وہ بے شعور ہیں۔ اور فرمایا ﴿فَذَرْنِي وَمَنْ يُكذِبُ﴾ الخ یعنی مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور ارشاد ہے ﴿وَلَا تَعْبُجْكَ أَهْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ﴾ الخ یعنی ان کے مال اور اولاد سے کہیں تو دھوکے میں نہ پڑ جانا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے باعث دنیا میں بھی عذاب کرنا چاہتا ہے اور کفر پر ہی ان کی جان جائے گی۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بعض احکام اور بعض امتحانات سے اللہ تعالیٰ جانچ لیگا اور ظاہر کر دے گا کہ اس کا ولی کون ہے؟ اور اس کا دشمن کون ہے؟ مومن صابر اور منافق فاجر بالکل یکسو ہو جائیں گے اور صاف کھل پڑیں گے۔ اس سے مراد احد کی جنگ کا دن ہے جس میں ایمانداروں کا صبر و استقامت پختگی اور توکل فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اور منافقین کی بے صبری اور مخالفت تکذیب اور ناموافقت انکار اور خیانت صاف ظاہر ہو گئی غرض جہاد کا حکم ہجرت کا حکم یہ گویا ایک آزمائش تھی جس نے بھلے برے میں تمیز کر دی۔ سدی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ذرا بتلا میں تو کہہ ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر آیت ﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيُخَلِّقَ لَكُمْ سُبُلًا﴾ الخ نازل ہوئی (ابن جریر)۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیب کو تم نہیں جان سکتے ہاں وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مومن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پسندیدہ کر لیتا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿عَالَمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے اس کے بھی آگے پیچھے تمہیں فرشتوں کو چلا تار ہوتا ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ پر اسکے پیغمبروں پر ایمان لاؤ یعنی اطاعت کرو شریعت کے پابند رہو یاد رکھو ایمان اور تقویٰ میں تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

بخل سے ممانعت: پھر ارشاد ہے کہ بخیل شخص اپنے مال کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھے وہ تو اس کے لئے سخت ضرر دناک چیز ہے دین میں تو ہے ہی لیکن بسا اوقات دنیوی طور پر بھی اس کا انجام اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بخیلی کے مال کا اسے قیامت کے دن طوق ڈالا جائیگا۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے طوق کی طرح اسکے گلے میں لپٹ جائیگا اور اس کی باجھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائیگا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ الخ کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ بھانگتا پھر یگا اور وہ سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر طوق کی طرح لپٹ جائیگا اور کاٹتا رہے گا۔ مسند ابویعلیٰ میں ہے جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دونوں آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اس کے پیچھے دوڑے گا یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے جو شخص اپنے آقا کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ باوجود بچت ہونے کے نہ دے اس کیلئے قیامت کے دن زہریلا اژدھا چھین پھیناتا ہو بلایا جائیگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو رشتہ دار محتاج اپنے مالدار رشتہ دار سے سوال کرے اور یہ نہ دے اس کی یہ سزا ہوگی اور وہ سانپ اسکے گلے کا ہار بن جائیگا (ابن جریر)۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اہل کتاب جو اپنی کتابی باتوں کے پہچانے میں بخل کرتے تھے ان کی سزا کا بیان اس آیت میں ہو رہا ہے، لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے گو یہ قول بھی آیت کے عموم میں داخل ہے بلکہ یہ بطور اولیٰ داخل ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے جو تم کو دے رکھا ہے اس میں سے اس کے نام خرچ کرو تمام کاموں کا مرجع اسی کی طرف ہے سخاوت کرو تاکہ اس دن کام آئے اور خیال رکھو کہ تمہاری نیتوں اور دلی ارادوں اور کل اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٨٦﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ إِلَيْنَا الْآلَاءُ مِنْ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا بَقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٨٨﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٨٩﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تو غمگین ہیں ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والے عذاب چکھو۔ یہ ہے بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے بھیجا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں بیشک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی

لائے جسے آگ کھا جائے۔ تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں بھیجے اور منور کتاب لے کر آئے۔

یہود کا اللہ کی شان میں گستاخی کرنا: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسد دے اور وہ اسے چند در چند کر کے دے تو یہود کہنے لگے کہ اے نبی! تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت ﴿لَقَدْ نَزَّلَ الْبُرْجَانُ﴾ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ یہودیوں کے مدرسے میں گئے جہاں کا بڑا معلم فنحاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشعیق تھا لوگوں کا مجمع تھا اور ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا فنحاص! اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لیکر آئے ہیں ان کی صفتیں توراہ و انجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فنحاص نے جواب میں کہا ابو بکر! سن اللہ کی قسم اللہ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں اس کی طرف اس طرح نہیں گڑ گڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پروا ہیں ہم غنی اور تو نگر ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبر کہہ رہا ہے ہمیں تو سود سے روکے اور خود سود دے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔ اس پر حضرت صدیقؓ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا میں تیرا اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا جاؤ بد نصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو۔ فنحاص نے جا کر اس کی شکایت سرکار محمدی ﷺ میں کی۔ آپ ﷺ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ اسے کیوں مارا؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے واقعہ بیان کیا لیکن فنحاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔ اس بارے میں یہ آیت اتری۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی خبر دیتا ہے کہ انکے یہ قول اور ساتھ ہی اسی جیسا ان کا بڑا گناہ یعنی قتل انبیاء علیہ السلام ہم نے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے۔ ایک طرف جناب باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرنا دوسری جانب نبیوں کو مار ڈالنا ان کاموں پر انہیں سخت ترسزا ہوگی۔ ان کو ہم کہیں گے کہ جلتے والے عذابوں کا ذائقہ چکھو۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہاری پہلی کڑوتوت کا بدلہ ہے۔ یہ کہہ کر انہیں ذلیل و رسوا کر کے عذاب پر عذاب ہوں گے یہ سراسر عدل و انصاف ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ان کو ان کے اس خیال میں جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے یہ کہتے تھے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اسکی امت میں سے جو شخص قربانی کرے اس کی قربانی کو کھا جانے کے لئے آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے۔ ان کے اس قول کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس معجزے والے پیغمبروں کو جو اپنے ساتھ دلائل اور براہین لیکر آئے تھے تم نے کیوں مار ڈالا؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دے رکھا تھا کہ ہر ایک قبول شدہ قربانی آسمانی آگ کھا جاتی تھی لیکن تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا ان کی بھی مخالفت اور دشمنی کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم کو تمہاری اپنی بات کا بھی پاس و لحاظ نہیں نہ تم حق کے ساتھی ہونہ کسی نبی کے ماننے والے ہو تم یقیناً جھوٹے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے جھٹلانے سے آپ ﷺ تنگدل اور غمناک نہ ہوں اگلے اولو العزم پیغمبروں کے واقعات کو اپنے لئے باعث تسلی بنائیں کہ وہ بھی باوجود دلیلیں ظاہر کر دینے کے اور باوجود اپنی حقانیت کو بخوبی واضح کر دینے کے پھر بھی جھٹلائے گئے ﴿ذُبُورًا﴾ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو ان صحیفوں کی طرح آسمان سے آئیں جو رسولوں پر اتارے گئے تھے اور ﴿الْمُنِيرُ﴾ سے مراد واضح جلی اور روشن اور چمکیلی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ
النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُورِ ۝ لَتُبْلَوُنَّ
فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ
الَّذِينَ أُشْرِكُوا إِذَى كَثِيرًا ۝ وَإِنْ تَصَبَرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے پس جو شخص آگ سے بنا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جھنس ہے۔ یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ تم کو ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی اور تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی نعمت کا کام ہے۔

ہر جاندار چیز کو موت ہے: تمام مخلوق کو امام اظہار ہے کہ ہر جاندار مرنے والا ہے جیسے فرمایا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيُنْقَضُ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ یعنی اس زمین پر جتنے ہیں سب فانی ہیں۔ صرف تیرے رب کا چہرہ باقی ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے پس صرف وہی رب واحد بیشکی کی زندگی والا ہے جو کبھی فنا نہ ہو گا۔ جن اور انسان کل کے کل مرنے والے ہیں اسی طرح فرشتے اور حاملان عرش بھی مر جائیں گے اور صرف اللہ واحد لا شریک دوام اور بقا والا باقی رہ جائے گا پہلے بھی وہی تھا اور آخر بھی وہی رہے گا۔ جب سب مر جائیں گے مدت ختم ہو جائیگی صلب آدم سے یعنی اولاد ہونے والی تھی ہو چکی اور پھر سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ مخلوقات کا خاتمہ ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور مخلوق کو ان کے کل اعمال کی چھوٹے بڑے چھپے کھلے صغیرہ کبیرہ سب کی جزا سزا ملے گی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ یہی اسکے بعد کے جملہ میں فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے آ کر کہا اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائیگا ہر مصیبت کی تلافی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ہر مرنیوالے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا حاصل کر لینا ہے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اسی سے بھلی امیدیں رکھو سمجھ لو کہ سچ سچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن ابی حاتم)۔ حضرت علیؑ کا خیال ہے کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔

جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات ہی کامیابی ہے: حقیقت یہ ہے کہ پورا کامیاب وہ انسان ہے جو جہنم سے نجات پالے اور جنت میں چلا جائے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک گوڑے کے برابر جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اگر تم چاہو تو پڑھو: فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ لِحْنَةَ فَازَ ۝ اس تکبیلی زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے اور زیادتی سمیت ابن ابی حاتم میں ہے اور ابن مردودہ میں بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کی خواہش آگ سے بچ جانے اور جنت میں داخل ہو جائیگی ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ سلوک کرے جسے خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔ یہ حدیث پہلے آیت ۝ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند احمد میں بھی و کعب بن جراح کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے۔

زماں بعد دنیا کی حقارت اور ذلت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نہایت ذلیل فانی اور زوال پذیر چیز ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلْيَتُوبُوا إِلَىٰ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ خَيْرًا مِّنْهُ﴾ یعنی تم تو حیات دینا پر رہتے جاؤ حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخرت ہے۔ دوسری آیت میں ہے تم کو جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو حیات دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی زینت بہترین اور باقی رہنے والی اشیاء تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ حدیث شریف میں ہے اللہ کی قسم دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو لے اس انگلی کے پانی کو سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے وہی دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں۔ حضرت قتادہ کا ارشاد ہے دنیا کیا ہے ایک یونہی سی دھوکے کی ٹٹی ہے جسے چھوڑ چھوڑ کر تمہیں چل دینا ہے اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ یہ تو عنقریب تم سے جدا ہونے والی اور برباد ہو جانے والی چیز ہے پس چاہئے کہ ہو شمندی بر تو اور یہاں طاعت الہی کر لو اور طاقت بھر نیکیاں کما لو اللہ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔ پھر انسانی آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ﴾ الخ مطلب یہ ہے کہ مومن کا امتحان ضرور ہوتا ہے کبھی جانی کبھی مالی کبھی اہل و عیال میں کبھی اور کسی طرح یہ آزمائش دینداری کے انداز کے مطابق ہوتی ہے سخت دیندار کی ابتلا بھی سخت اور کمزور دین والے کا امتحان بھی کمزور۔

صبر کی تلقین: پھر پروردگار جل شانہ صبح و شام کو خبر دیتا ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ میں تم کو کتابوں اور مشرکوں سے ایذا دہندہ باتیں اور سرزنش سنی پڑے گی پھر تسلی دیتا ہو طریقہ سکھاتا ہے کہ تم صبر و سہار کر لیا کرو اور پرہیزگاری پر تو یہ بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگزر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو سہہ لیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے یہودی بھی تھے مشرکین بھی تھے اور عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی تھا یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھا۔ مسلمانوں میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی تھے۔ حضور ﷺ کی سواری سے گرد و غبار جواڑا تو عبد اللہ بن ابی بن سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار اڑاؤ حضور ﷺ پاس پہنچ ہی چکے تھے سواری سے اتر آئے سلام کیا اور انہیں سلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔ تو عبد اللہ بول پڑا سنئے صاحب آپ ﷺ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں آپ ﷺ کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ کہ آپ ﷺ ہماری مجلسوں میں آکر ہمیں ایذاؤں اپنے گھر جائیے جو آپ ﷺ کے پاس آئے اسے سنائیے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے فرمایا حضور بے شک آپ ﷺ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے اب ان سب میں آپس میں خوب تکرار ہوئی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں لیکن حضور ﷺ کے سمجھانے سے آخرش امن و امان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعد کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعد سے فرمایا کہ ابو حباب عبد اللہ بن ابی نے تو آج یوں یوں کیا۔ حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ جانے دیجئے معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ قسم اللہ کی جس نے آپ ﷺ پر قرآن اتارا سنئے اسے تو آپ ﷺ سے بے حد دشمنی ہے اور ہونی چاہئے اس لئے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اور اسے چودھراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا مشورہ طے ہو چکا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو نبی مانا اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے اسی باعث یہ اپنے جلعول کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے۔ جو کہہ دیا کہہ دیا آپ ﷺ اسے اہمیت نہ دیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے درگزر کر لیا اور یہی آپ ﷺ کی عادت تھی اور آپ ﷺ کے اصحاب کی بھی یہودیوں سے مشرکوں سے درگزر فرماتے سنی

ان سنی کر ڈالا کرتے اور اس فرمان پر عمل کرتے۔ یہی حکم آیت ﴿وَدَثَائِرٌ﴾ میں ہے جو حکم مفلو و در گزر کا اس آیت ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ﴾ میں ہے۔

پھر بعد آپ ﷺ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور پہلا غزوہ بدر کا ہوا جس میں سرداران لشکر کفار قتل و غارت ہوئے۔ یہ حالت اور یہ شوکت اسلام دیکھ کر اب عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی گجر اے بجز اس کے کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آیا کہ بیعت کر لیں اور بظاہر مسلمان ہو جائیں۔ پس یہ کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر حق والے پر جو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتا ہے اور جو برائی اور خلاف شرع کام سے روکتا ہے ضرور مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اسے چاہئے کہ ان تمام تکلیفوں کو جھیلے اور راہ اللہ میں صبر و سہار سے کام لے اسی کی پاک ذات پر بھروسہ رکھے اسی سے مدد طلب کرتا ہے اور اپنی کامل رغبت اور پورا رجوع اسی کی طرف رکھے۔

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۗ

فَبَدُّوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۳۷﴾

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا ۗ

أَفَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے بیان کرتے رہا کرو اور اسے چھپاؤ نہیں پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں تو انہیں عذاب سے چھٹکارہ میں نہ سمجھ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ یہاں اہل کتاب کو ڈانٹ رہا ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے جو عہد ان کا جناب باری تعالیٰ سے ہوا تھا کہ حضور پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر یہ ایمان لائیں گے اور آپ کے ذکر کو اور آپ ﷺ کی بشارت کی پیش گوئی کو لوگوں میں پھیلائیں گے اور انہیں آپ کی تابعداری پر آمادہ کریں گے اور پھر جس وقت آپ آجائیں تو یہ بدل آپ کے تابعدار ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اس عہد کو چھپا لیا اور اس کے ظاہر کرنے پر جن دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا ان کے بدلے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں الجھ کر رہ گئے ان کی یہ خرید و فروخت بد سے بدتر ہے۔ اس میں علماء کو تنبیہ ہے کہ وہ ان کی طرح نہ کریں ورنہ ان پر بھی وہی سرزنش ہوگی جو ان پر ہوئی اور انہیں بھی اللہ کی وہ ناراضگی اٹھانی پڑے گی جو انہوں نے اٹھائی۔ علماء کرام کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع دینے والا دینی علم ہو جس سے لوگ نیک عمل جم کر سکتے ہوں اسے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں۔ حدیث شریف میں ہے جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔

دوسری آیت میں ریاکاری کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادتی چاہے اسے اللہ تعالیٰ اور کم کر دے گا۔ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث ہے جو نہ دیا گیا ہو اس کے ساتھ آسودگی جتانے والا مثل دو جھوٹے

کپڑے پہننے والے کے ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کئے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے کے باعث اللہ کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی اس سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ حضرت عبداللہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم کو اس آیت سے کیا تعلق ہے تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ پھر آپؓ نے ﴿وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّاسِ مَالًا فَمَا يَكْفُرُ أَلَّا يَقُولُوا لَوْلَا سَخَّرَ اللَّهُ أَعْيُنَنَا عَنْ مَا هَذَا وَإِنَّا لَكَاذِبُونَ﴾ سے اس آیت کے ختم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ ان سے نبی ﷺ نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا کچھ اور ہی غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ ﷺ کے سوال کا جواب دیدیا اور ساتھ ہی ان کی یہ بھی چاہت تھی کہ آپ ﷺ کے پاس ہماری تعریف ہوگی اور اصلی سوال کے جواب کے چھپالینے پر اور یہ فقرہ چل جانے پر بھی وہ خوش تھے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے اور صحیح بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے ساتھ لے جاتے پھر خوشیاں مناتے کہ ہم لڑائی سے بچ گئے اب جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ واپس لوٹتے تو یہ باتیں بناتے جھوٹے سچے عذر کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے معذور ہونے کا آپ ﷺ کو یقین دلاتے اور چاہتے کہ نہ کئے ہوئے کام پر بھی ہماری تعریفیں ہوں جس پر یہ آیت اتری۔

تفسیر ابن مردودہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابو سعیدؓ سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح اوپر گزرا کہ حضرت ابن عباسؓ سے پچھو لیا تو حضرت ابو سعیدؓ نے اس کا مصداق اور اس کا شان نزول ان منفقوں کو قرار دیا جو غزوہ کے وقت بیٹھ جاتے اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح اور نصرت کی خوشی کا اظہار کرتے۔ اس پر مروان نے کہا کہاں یہ واقعہ کہاں یہ آیت؟ تو حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا کہ یہ زید بن ثابتؓ بھی اس سے واقف ہیں مروان نے حضرت زیدؓ سے پوچھا آپ نے بھی اس کی تصدیق کی پھر حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا اس کا علم (حضرت) رافع بن خدیجؓ کو بھی ہے جو مجلس میں موجود تھے لیکن انہیں ڈرنے کہ اگر یہ خبر کر دیں گے تو آپ انکی اونٹنیاں جو صدقہ کی ہیں چھین لیں گے۔ باہر نکل کر حضرت زیدؓ نے کہا میری شہادت پر تم میری تعریف نہیں کرتے؟ حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا تم نے کئی شہادت ادا کر دی تو حضرت زیدؓ نے فرمایا پھر بھی کئی شہادت پر میں مستحق تعریف تو ہوں۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ پر امیر تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مروان کا یہ سوال رافع بن خدیجؓ سے ہی پہلے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کی روایت میں یہ گزر چکا ہے کہ مروان نے اس آیت کی بابت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پچھو لیا تھا تو یاد رہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت عام ہے اسے بھی شامل ہے اور اسے بھی مروان والی روایت میں بھی ممکن ہے پہلے ان دونوں صاحبوں نے جواب دیئے ہوں پھر مزید تشفی کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروان نے بذریعہ اپنے آدمی کے سوال کیا جو واللہ اعلم۔

حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا یہ حال ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور ہاتھ ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے۔ یہ خوش ہو کر کہنے لگے کیوں نہیں یا رسول اللہ! یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے پہنچا یہی ہوا کہ آپؓ کی زندگی حمید ہوئی اور موت شہید ہوئی۔ مسلمانہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جو جنگ ہوئی اس میں آپؓ نے شہادت پائی ﴿تَحْسَبُهُمْ﴾ ﴿كُوفًا﴾ ﴿يَحْسَبُهُمْ﴾ بھی پڑھا لیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ تو انہی عذاب سے نجات پانچواں خیال نہ کر انہیں عذاب ضرور ہوگا اور وہ بھی دردناک۔ پھر ارشاد ہے کہ

ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ ہے اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کی مخالفت نہ کرو اس کے غضب سے بچنے کی کوشش کرو اس کے عذابوں سے اپنا بچاؤ کر لو نہ تو کوئی اس سے بڑا نہ اس سے زیادہ قدرت والا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي
الْأَلْبَابِ ۗ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ
فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ۗ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ
أَنْصَارٍ ۗ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۗ رَبَّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مِنَ الْآبْرَارِ ۗ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا
عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۗ

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنی گروٹیوں پر لیٹے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو پاک ہے پس ہمیں عذاب آگ سے بچالے اے ہمارے پالنے والے تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا آیا اور بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ جس ہم ایمان لائے۔ اے اللہ! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیکیوں کے ساتھ کر۔ اے ہمارے پروردگار نے والے اللہ! ہمیں وہ اے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تفکر فی الخلق: طبرانی میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے؟ انہوں نے کہا اڑھان جانیاں کھڑی اور چمکیلا ہاتھ پھر نصرانیوں کے پاس گئے ان سے کہا تمہارے پاس (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کیا نشانیاں لائے تھے؟ جواب ملا کہ مادر زائد ہوں کو پینا کر دینا اور کورحی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب قریش آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ آپ ﷺ نے دعا کی جس پر آیت ﴿إِن فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ لکھنے والوں کیلئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں یہ اسی میں غور و فکر کریں گے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔ لیکن اس روایت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ سوال مکہ شریف میں نازل ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے واللہ اعلم۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت والی مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت لمبی پوزی مخلوق پھر آسمان میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جاتھیرے رہنے والے ستارے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ اور جنگل اور درخت اور گھاس اور کھیتیاں اور پھل اور مختلف قسم کے جاندار اور کائیں اور الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے اور مختلف خواص

والے میوے وغیرہ کیا یہ سب آیات قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتیں؟ جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے۔ پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا پھر برابر ہو جانا یہ سب اس عزیز و عظیم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں۔ اسی لئے آخر میں فرمایا کہ اس میں عقلمندوں کے لئے کافی نشانیاں ہیں جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظریں ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں۔ جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے ان میں سے اکثر باوجود اللہ کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا نام لیا کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمران بن حصینؓ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی۔ یعنی کسی حالت میں ذکر اللہ تعالیٰ سے غافل مت رہو دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے ذکر اللہ کرتے رہا کرو۔ یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت علم و حکمت اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت شیخ سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لئے وہ باعث عبرت ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔ حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن کا قول ہے کہ غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے۔

﴿ اِذَا الْمَرَاكِبُ لَهُ فِكْرَةٌ فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ عِبْرَةٌ ﴾

یعنی جس انسان کو باریک بینی کی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو۔ لقمان حکیمؑ کا یہ حکمت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اسی قدر غور و فکر اور انجام بینی زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر وہ راستے انسان پر کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں۔ حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں جس قدر مراقبہ زیادہ ہوگا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اور جتنی سمجھ زیادہ ہوگی اتنا علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم زیادہ ہوگا نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے۔ حضرت مغیث اسودؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ لوگو! قبرستان ہر روز جایا کرو تاکہ تم کو انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو پھر ایک جماعت کو جہنم میں لے جائیگا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے، اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کرو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو۔ جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اسکے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ، اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور ایک کوڑا ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا اے راہب! تیرے پاس اس وقت دو خزانے ہیں ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ آواز نکالتے اور فرماتے اے اجڑے ہوئے گھر! تمہارے رہنے والے کہاں ہیں؟ پھر خود فرماتے سب زیر زمین چلے

گئے 'سب فنا کا جام پی چکے' صرف ذات اللہ کو بیشکلی والی بقا ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے 'دور کعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گزار دی لیکن دلچسپی نہ تھی۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے تیسرے حصہ میں کھا، تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لئے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور و فکر کر سکے۔ بعض حکیموں کا قول ہے جو شخص دنیا کی چیزوں پر بغیر عبرت حاصل کئے نظر ڈالتا ہے اس غفلت کے اندازے سے اس کی دل کی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ حضرت بشیر ابن حارث حافیؒ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہر گزان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں۔ حضرت عامر بن عبد اقیسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہؓ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی اور جوت غور فکر اور مراقبہ ہے۔ مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابن آدم! اے ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ اپنا گھر مسجدوں کو بنالے اپنی آنکھوں کو روٹا سکھا اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا، اپنے دل کو غور و فکر کرنے والا بنا، کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور و فکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری آنکھیں ختم ہو گئیں حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کیلئے اس میں عبرت و نصیحت ہے اور وعظ و پند ہے۔ حسین بن عبد الرحمنؒ نے بھی اپنے اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی مدح و ثنائیاں کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت لیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں، مومنوں کی مدح میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے لینتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اس خلق کو عبث اور بے کار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو برائی کا بدلہ اور نیکوں کو نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو مہمل بنائے اے خالق! خلق اے عدل و انصاف سے کائنات کو رچانے والے! اے نقصانوں اور بیہوشوں سے پاک ذات ہمیں اپنی قوت و طاقت سے ان اعمال کی توفیق رفیق فرما جن سے ہم تیرے عذابوں سے نجات پالیں اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ جسے تو جہنم میں لے جائے اسے تو نے برباد کر دیا، ذلیل و خوار کر دیا اور مجمع حشر کے سامنے انہیں رسوا کیا، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں انہیں نہ کوئی چھڑا سکے نہ بچا سکے نہ تیرے ارادے کے آگے آسکے اے رب! ہم نے پکارنے والے کی پکار کو سن لیا جو ایمان اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ ہیں جو فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ ہم ایمان لاچکے اور تابعداری بجالائے پس ہمارے ایمان دار اتباع کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمانا کی پردہ پوشی کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے تو نے ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی زبانی کئے ہیں انہیں پورے کر۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو وعدہ تو نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا لیا تھا۔ لیکن پہلا معنی ظاہر ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے عسقلان دو عروس میں سے ایک ہے یہیں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار شخصوں کو کھڑا کرے گا جن پر حساب و کتاب ہی نہیں، یہیں سے پچاس ہزار شہید اٹھیں گے جو وفد بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے، یہیں شہیدوں کی صفیں ہوں گی جن کے سر کئے ہوئے ان کے ہاتھوں میں ہونگے ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہو گا یہ کہتے ہوں گے اے اللہ! ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تو نے کئے ہیں انہیں پورے کر ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر تو وعدے خلافی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے یہ بندے سچے ہیں انہیں نہر بیضہ میں غسل دلو اور یہ اس میں غسل کر کے پاک صاف گورے چٹے

رنگ کے ہو کر نکلیں گے اور ہماری جنت ان کے لئے مباح ہوگی جہاں چاہیں جائیں آئیں جو چاہیں کھائیں پیئیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور بعض تو کہتے ہیں موضوع ہے واللہ اعلم۔ ہمیں قیامت کے دن تمام لوگوں کے مجمع میں رسوا نہ کر تیرے وعدے سچے ہی ہیں تو نے جو کچھ تمہیں اپنے رسولوں کی زبانی پہنچائی ہیں سب اٹل ہیں روز قیامت ضرور آتا ہے پس تو ہمیں اس دن کی رسوائی سے نجات دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندے پر رسوائی ذانت ذیبت عار اور شرمندگی اس قدر ڈالی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے اہل قافل معقول آیا جائے گا کہ وہ چاہے گا کہ کاش مجھے جہنم میں ہی ڈال دیا جاتا (ابو یعلیٰ)۔ اس حدیث کی سند بھی غریب ہے۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لئے جب اٹھتے تب سورہ آل عمران کی ان دس آخری آیات کی تلاوت فرماتے۔ چنانچہ بخاری شریف میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رات گزاری یہ مائی صاحبہ حضور ﷺ کی زوجہ تھیں حضور ﷺ جب آئے تو تھوڑی دیر تک تو آپ ﷺ حضرت میمونہ سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے ﴿فِي حَلْقِ السَّمَوَاتِ﴾ آج سے آخر سورہ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں پھر کھڑے ہوئے مسواک کر کے وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی حضرت بلالؓ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی زوجہ صاحبہ ام المومنین حضرت میمونہؓ لیٹیں آج رات کے قریب قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضور ﷺ جاگے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملاتے ہوئے ان دس آیات کی تلاوت کی پھر ایک لگی ہوئی مشک میں سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا اور نماز کو کھڑے ہو گئے میں نے بھی کھڑے ہو کر اسی طرح سب کچھ کیا اور آپ ﷺ کی بائیں جانب آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا حضور ﷺ نے اپنا داہنہ ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعتیں کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن نے آکر نماز کی اطلاع کی آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر دو بلکی رکعتیں ادا لیں اور باہر آکر صبح کی نماز پڑھائی۔

ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضور ﷺ کی آل میں گزارو اور آپ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو۔ رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے میں بیٹھا رہا۔ جب حضور ﷺ جاگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا کون عبد اللہ؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیوں رگے ہوئے ہو؟ میں نے کہا والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ ﷺ کے گھر گزاروں۔ تو فرمایا بہت اچھا آؤ۔ گھر آکر فرمایا بستر بچھاؤ۔ ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضور ﷺ اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی پھر آپ ﷺ جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ﴾ پڑھا پھر سورہ آل عمران کے خاتمہ کی آیتیں پڑھیں۔ اور روایت میں ہے کہ آیات کی تلاوت کے بعد حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی ﴿اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَعَنْ شِمَالِي نُورًا وَمِنْ بَيْنِ يَدَي نُورًا وَمِنْ خَلْفِي نُورًا وَمِنْ فَوْقِي نُورًا وَمِنْ تَحْتِي نُورًا وَأَعْظَمْ لِي نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (ابن مردویہ)۔ یہ دعا بعض صحیح طریق سے بھی مروی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالہ سے جو حدیث گزری ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ہی ہے لیکن مشہور اس کے خلاف ہے یعنی یہ کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش ہو سکتی ہے جو ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت عطاءؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عبید بن عمیرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے آپ کے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ حضرت

صدیقہ نے پوچھا عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبید نے جواب دیا ماں جان صرف اس لئے کہ کسی شاعر کا قول ہے ۵ ذر عبا
تزدد حبا ۵ یعنی کم کم آتا کہ محبت بڑھے۔ حضرت ابن عمر نے کہا اب ان باتوں کو چھوڑو انہی سامعہ ہم یہ پوچھتے کیلئے حاضر ہوتے ہیں
کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو تم نے آنحضرت ﷺ کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ
کے تمام کام عجیب کرتے۔ اچھا ایک واقعہ سنو ایک رات میری باری میں حضور ﷺ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ سوئے پھر مجھ
سے فرمانے لگے عائشہ! میں اپنے اللہ تعالیٰ کی چھ عبادت کرنی چاہتا ہوں مجھے جانے دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم
میں آپ ﷺ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کی عبادت بھی کریں۔ اب آپ ﷺ کھڑے
ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر آپ ﷺ نے ہا کا سا وضو کیا اور نماز کیلئے کھڑے ہو گئے پھر جو روٹا شروع کیا تو اتنا روئے کہ
ازھی مبارک تر ہو گئی پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی پھر کروٹ کے بل لیٹ گئے اور روٹے ہی سے یہاں تک کہ
(حضرت) بلالؓ نے آکر نماز کے لئے بلایا اور آپ ﷺ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے سچے رسول ﷺ آپ کیوں
رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلال! میں کیوں نہ روؤں؟ مجھ
پر آج کی رات یہ آیت اتری ہے ۶ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ۵ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ۵ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ۵ اور پھر اس میں غور و تدبیر نہ
کرتے۔

عبدالحمید کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہم حضرت عائشہ کے پاس گئے ہم نے سلام کیا تو آپ
نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے اپنے نام بتائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ اپنی داہنی گروت پر لیئے رخسار تلے
ہاتھ رکھا اور روتے رہے یہاں تک کہ آنسو رواں زمین تر ہو گئی اور حضرت بلال کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا میں
شکر گزار بندہ بنوں؟ اور آیات سے نازل ہونے کے بارے میں ۷ عَذَابُ النَّارِ ۷ تک آپ ﷺ نے تلاوت کی۔ ابن مردویہ کی ایک
ضعیف سند والی حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورہ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں ہر رات کو
پڑھتے۔ اس روایت میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلًا عَامِلًا مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْدُوْا فِي
سَبِيْلِیْ وَقَتَلُوْا وَقُتِلُوْا الْاَكْفَرِيْنَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ۗ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝۶

ان کے رب نے انکی دعا قبول فرمائی تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت میں ہر عمل صالح نہیں کرتا تم آپس میں ایک
دی دوسرے کو ہلاک نہیں کرتے اور اپنے گھر سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے
گئے میں ضرور ضرور اس کی برائیاں ان سے دور کروں گا اور پانچیں ان جنہوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ ہے ثواب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

دعا میں اللہ قبول کرنے والا ہے۔ یہاں استجاب یعنی میں احباب کے سے اور یہ مٹی میں برابر مویج ہے۔ حضرت ام سلمہ نے ایک روز حضور ﷺ سے پوچھا کہ یہ بات ہے عورتوں کی ہجرت کا کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ ذکر نہیں کرتا اس پر یہ آیت اتری۔ انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں حضرت ام سلمہ ہی تھیں مائی صاحبہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں اتری ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ صاحب قتل اور صاحب ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلے ہی آیتوں میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی منہ مانگی مراد انہیں عطا فرمائی۔ اسی لئے اس آیت "ف" سے شروع کیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي﴾ الخ یعنی میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو تو کہدے کہ میں تو بہت ہی نزدیک ہوں جب کبھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کو قبول فرماتا ہوں پس انہیں بھی چاہئے کہ میری مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان لیں۔ یہ رشد و ہدایت پالیں۔ پھر قبولیت و دعا کی تفسیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ میں کسی عامل کے عمل کو راز کیاں نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ مرد ہو خواہ عورت ہر ایک میرے پاس ثواب میں اور اعمال کے بدلے میں یکساں ہے پس جو لوگ شرم کی جگہ کو چھوڑیں اور ایمان کی جگہ آجائیں اور اللہ سے ہجرت کریں بھائیوں دوستوں پر و سیوں اور اپنوں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ترک کر دیں مشرکوں کی ایذا نہیں سہ سہ کر تھک کر عاجز آکر ایمان کو نہ چھوڑیں بلکہ اپنے پیارے وطن سے منہ موڑ لیں۔ لوگوں کا انہوں نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں انہیں ستایا جاتا بلکہ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ میری راہ کے پیچھے لگنے والے تھے صرف میری توحید کی وجہ سے دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی میری راہ پر چلنے کے باعث طرح طرح سے ستائے جاتے تھے جیسے اور جگہ ہے ﴿يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِنَّا لَهُم بِرَبِّكَ﴾ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے۔ اور ارشاد ہے ﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ ان سے دشمنی اسی وجہ سے ہے کہ یہ اللہ عزیز و حمید پر ایمان لائے ہیں۔

پھر فرماتا ہے انہوں نے جہاد بھی کئے اور یہ شہید بھی ہوئے یہ اعلیٰ درجہ ہے اور بلند مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے سواری کٹ جاتی ہے منہ خاک و خون میں مل جاتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر کے ساتھ نیک نیتی سے اور دیر سے پیچھے نہ ہوں کہ راہ اللہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطا میں معاف فرما دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" پھر دوبارہ آپ نے اس سے سوال کیا کہ ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا اس نے پھر دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں مگر قرض معاف نہ ہو گا۔ یہ بات جبرئیل علیہ السلام مجھ سے ابھی ابھی کہہ گئے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ میں ان کی بدیاں معاف فرما دوں گا اور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جس میں چو طرف نہریں بہ رہی ہیں جن میں سے کسی میں دودھ ہے کسی میں شہد کسی میں شراب کسی میں صاف پانی اور دودھ نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنی نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی انسانی دل پر کبھی خیال گزرا یہ ہے بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ظاہر ہے کہ جو ثواب اس شہنشاہ عالی کی طرف سے ہو وہ کس قدر زبردست اور بے انتہا ہو گا؟ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ اگر وہ عذاب کرے تو وہ بھی مہلک اور برباد کر دینے والا اور اگر انعام دے تو وہ بھی بے حساب قیاس سے بڑھ کر ہو گا۔ اسکی ذات بے پرواہ ہے۔ نیک اعمال لوگوں کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

حضرت شداد بن اوس فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین اور بے صبر نہ ہو جایا کرو۔ سنو! مومن پر ظلم و جور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر و سہار کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔

لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ
 وَبِئْسَ الْبِهَادُ ۗ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ۗ

تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈالے۔ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے۔ اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہیں انکے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے مہمانی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور نیک کاروں کیلئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔

ایمان کے بغیر دنیاوی آسائش آخرت میں کام نہ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کافروں کی بد مستی ان کے ناز و نعم انکی راحت و آرام ان کی خوش حالی اور فارغ البالی کی طرف اسے نبی آپ نظریں نہ ڈالے یہ سب عنقریب زائل ہو جائیگا اور صرف انکی بد اعمالیاں عذاب کی صورت میں ان پر باقی رہ جائیں گی کی یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بالکل بیچ ہیں۔ اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں مثلاً ﴿ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں کافر ہی جھگڑتے ہیں۔ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے اور جگہ ہے ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ﴾ الخ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا میں چاہے پونہی سا فائدہ اٹھالیں لیکن آخری بازگشت تو ہماری طرف ہی ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت تر سزا میں دیں گے۔ اور جگہ ہے انہیں ہم تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر پھر گاڑھے عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کو کچھ ڈھیل دیدے۔ اور جگہ ہے کیا وہ شخص جو ہمارے عہدگی کے وعدے کو پالینے والا ہے اور وہ جو دنیا میں آرام سے گزار رہا ہے اور قیامت کے دن عذابوں میں حاضری دینے والا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟ چونکہ کافروں کا دنیاوی اور آخروی حال بیان ہو اس لئے ساتھ ہی مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ متعلق گروہ قیامت کے دن نہروں والی بہشتوں میں ہوگا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک والے تھے۔ جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے۔ یہی روایت ابن عمرو سے موقوفاً بھی مروی ہے اور موقوف ہونا ہی زیادہ ٹھیک نظر آتا ہے واللہ اعلم۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذا نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہر شخص کیلئے خواہ نیک ہو خواہ بد موت اچھی چیز ہے اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کے لئے اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے پاپ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے اب بڑھوتری ختم ہوئی پہلے کی دلیل ﴿ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ﴾ ہے اور دوسرے کی دلیل ﴿ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّئُهُمْ خَيْرًا لَّا أَنفُسَهُمْ ﴾ الخ یعنی کافر ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں یہ ڈھیل انہیں گناہوں میں بڑھا رہی ہے اور ان کیلئے رسوا کن عذاب ہیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَ صَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۴﴾

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اتر اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر بیچتے بھی نہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو تاکہ تم مہمراہ کو پیچھو۔

اہل کتاب جو ایمان لے آئیں وہ کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے اس فرقے کی تعریفیں کرتا ہے جو پورا ایمان والا ہے قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کی کتاب پر بھی ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھ کر رب تعالیٰ کے فرمانوں کی بجا آوری میں نہایت تندہی کے ساتھ مشغول ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کرتا رہتا ہے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے یہ پاک اوصاف اور صاف نشانیاں ان کی کتابوں میں ہیں اسے وہ پا کر چھپاتا نہیں بلکہ ہر ایک کو دکھاتا ہے اور آپ ﷺ کے مان لینے کی رغبت دلاتا ہے ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے پاس اجر پائیگی خواہ یہودیوں کی ہو خواہ نصرانیوں کی۔ سورہ ق ﷺ میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے ﴿الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ أَكْبَرُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اہل جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دے رکھی ہے وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب یہ کتاب ان پر پڑھی جاتی ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ برحق کتاب ہمارے رب تعالیٰ کی ہے ہم تو پہلے ہی سے اسے مانتے تھے۔ انہیں ان کے صبر کا اجر دیا جائے گا۔ اور جگہ ہے جن کو ہم نے کتاب دی اور جو اسے صحیح طور پر پڑھتے ہیں وہ تو اس قرآن پر بھی فورا ایمان لاتے ہیں الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَمَنْ قَوْمَ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾ حضرت موسیٰ کی قوم میں سے بھی ایک جماعت حق کی ہدایت کرنے والی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی ہے۔ اور مقام پر بیان ہے ﴿لَيْسُوا سَوَاءً﴾ اہل جنہیں اہل کتاب سب یکساں نہیں ان میں ایک جماعت راتوں کے وقت بھی کتاب اللہ پڑھنے والی ہے اور سجدے کرنے والی۔

اور جگہ ہے اے نبی تم کہو کہ لوگو! تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ پہلے سے جنہیں علم دیا گیا ہے جب ان پر ان کلام مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اپنے چہروں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے اور جو کر رہے والا ہے یہ لوگ روتے ہوئے منہ کے بل گرتے ہیں اور خشوع و خضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ صفات یہودیوں میں پائی گئیں جو بہت کم لوگ ایسے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ ہی جیسے اور باایمان یہودی علماء لیکن ان کی کتنی دس تک بھی نہیں پہنچتی ہاں نصرانی اکثر ہدایت پر آگئے اور حق کے فرمانبردار ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ سے ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ آخر آیت تک مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں سے عداوت اور دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے یہود ہیں اور مشرک اور ایمان والوں سے محبت رکھنے والوں میں پیش پیش نصرانی ہیں الخ۔ اب فرماتا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم کے مستحق ہیں حدیث میں یہ بھی آچکا ہے کہ حضرت جعفر بن ابوطالب نے جب سورہ مریم کی تلاوت شاہ نجاشی کے دربار میں بادشاہ اور اراکین سلطنت اور علماء نصاریٰ کے سامنے کی اور اس میں آپ پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ کے روئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی جش میں انتقال کر گیا ہے اس کے جنازے کی نماز ادا کرو اور میدان میں جا کر صحابہ کی صفیں مرتب کر کے آپ ﷺ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب نجاشی فوت ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنے

بھائی کیلئے استغفار کرو تو بعض لوگوں نے کہا دیکھئے حضور ﷺ ہمیں اس نصرانی کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔ گویا اس کے مسلمان ہونے کی شہادت قرآن کریم نے دی۔ ابن جریر میں ہے کہ ان کی موت کی خبر حضور ﷺ نے دی کہ تمہارا بھائی اصحہ انتقال کر گیا ہے۔ پھر حضور ﷺ باہر نکلے اور جس طرح جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے اسی طرح چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اسپر منافقوں نے وہ اعتراض کیا اور یہ آیت اتری۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ نجاشی کا ایک دشمن اسی کی سلطنت میں سے نجاشی پر چڑھائی لایا تو مہاجرین نے کہا کہ آپ اس سے مقابلہ کرنے کے لئے چلئے ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں آپ ہماری بہادری کے جوہر دیکھ لیں گے اور جو حسن سلوک آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ بھی اتر جائے گا۔ لیکن نجاشی نے فرمایا کہ لوگوں کی امداد کے ساتھ بچاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی امداد کا بچاؤ بہتر ہے اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد اہل کتاب کے مسلمان لوگ ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو حضور ﷺ سے پہلے تھے اسلام کو پہچانتے تھے اور حضور ﷺ کی تابعداری کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا تو انہیں اجر بھی دوہرا ملا ایک تو حضور ﷺ سے پہلے کے ایمان کا دوسرا آپ ﷺ پر ایمان لانے کا۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو وہ اجر ملتا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا اور باقی دو کو بھی ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے یعنی اپنے پاس کی علمی باتوں کو نہیں چھپاتے جیسے کہ ان میں سے ایک رذیل جماعت کا شیوہ تھا بلکہ یہ لوگ تو اسے پھیلاتے اور خوب ظاہر کرتے ہیں ان کا بدلہ ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی جلد سمیٹنے اور گھیرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلام جیسے میرے پسندیدہ دین پر جسے رہوشدت اور نرمی کے وقت مصیبت اور راحت کے وقت غرض کسی حال میں اسے نہ چھوڑو یہاں تک کہ دم بھی نکلے تو اسی پر نکلے اور اپنے ان دشمنوں سے بھی صبر و سہار کرو جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں۔ امام حسن بصری وغیرہ علماء سلف نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ ﴿مرابطہ﴾ کہتے ہیں عبادت کی جگہ میں ہمیشگی کرنے کو اور ثابت قدمی سے جم جانے کو اور کہا گیا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو۔ یہی قول ہے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، اسہل بن حنیف اور محمد بن لعب قرظیؓ کا صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے تکلیف ہوتے ہوئے کامل وضو کرنا اور سے چل کر مسجدوں میں آنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی مرابطہ ہے یہی مرابطہ ہے یہی اللہ تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ ابو سلمہ سے ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا سنو اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر آؤ کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جسے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں مرابطہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب فلاح ہیں۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں کامل وضو کرنا ناپسندیدگی کے وقت اور انتظار کرنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہئے۔ اور حدیث میں زیادہ قدم چل کر مسجد میں آنا بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں اور یہی اس آیت کا مطلب ہے لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہاں ﴿رابطوا﴾ سے مطلب انتظار نماز ہے۔ لیکن اوپر بیان ہو

چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ہریرہؓ کا ہے واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿رَابِطُوا﴾ سے دشمن سے جہاد کرنا اور اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا ہے۔ اس کی ترغیب میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں اور اس پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

جہاد کی تیاری اور ترغیب دینا: صحیح بخاری میں ہے ایک دن کی (جہاد کی) تیاری ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے افضل ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے ایک دن رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے اور اسی تیاری کی حالت میں موت آجائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے

اور فتنوں سے امن پاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حال میں مر جائے تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اسے امن ملے گا۔ مسند کی اور حدیث میں ہے اسے صبح شام جنت سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور قیامت تک اس کے مرابطہ کا اجر ملتا رہتا ہے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص مسلمانوں کی سرحد کے کسی کنارے پر تین دن تیاری میں گزارے اسے سال بھر تک کی اور جگہ کی اس تیاری کا اجر ملتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا میں تم کو رسول اللہ ﷺ سے اپنی سنی ہوئی بات سناتا ہوں میں نے اب تک ایک خاص خیال سے اسے نہیں سنایا آپ ﷺ کا فرمان راہ اللہ میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں۔ اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی وجہ خلیفہ رسول ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے ڈرتا تھا کہ اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چل دو اب میں سناتا ہوں ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے اس کا پابند ہو جائے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے پھر فرمایا کیا میں نے پہنچادی؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اے جناب باری تعالیٰ تو گواہ رہ۔ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شرجیل بن سمطؓ محافظت سرحد میں تھے اور زمانہ زیادہ گزر جانے کے بعد کچھ تنگ دل ہو رہے تھے کہ حضرت سلمان فارسیؓ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا آمین تجھے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی ایک حدیث سناؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ”ایک دن کی سرحد کی حفاظت ایک مہینہ کے صیام و قیام سے افضل ہے اور جو اسی حالت میں مر جائے وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے اعمال قیامت تک جاری رہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ایک رات راہ اللہ میں پہرہ دینا تاکہ مسلمان امن سے رہیں ہاں نیت نیک ہو گو وہ رات رمضان کی نہ ہو ایک سو سال کی عبادت سے افضل ہے جس کے دن روزے میں اور جس کی راتیں تہجد میں گزری ہوں اور ایک دن کی اللہ کی راہ کی تیاری تاکہ مسلمان باحفاظت رہیں طلب ثواب کی نیت سے بغیر ماہ رمضان کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار سال کے روزوں اور تہجد سے افضل ہے اب اگر یہ غازی سلامتی اور زندگی کے ساتھ اپنے والوں میں آگیا تو ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھی جائیں گی اور نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس مرابطہ کا اجر قیامت تک اسے ملتا رہیگا۔ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے اس کے ایک راوی عمرو بن صحیح متہم ہیں۔

ابن ماجہ کی ایک اور غیر حدیث میں ہے کہ ایک رات کی مسلم لشکر کی چوکیداری ایک ہزار سال کی راتوں کے قیام اور دنوں کے صیام سے افضل ہے ہر سال کے تین سو ساٹھ دن اور ہر دن مثل ایک ہزار سال کے۔ اس کے راوی سعید بن خالد کو ابو زرہؓ وغیرہ آئمہ نے ضعیف کہا ہے بلکہ امام حاکمؒ فرماتے ہیں اس کی روایت سے موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ ایک منقطع حدیث میں ہے لشکر اسلام

کے چوکیدار پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو (ابن ماجہ)

حضرت "سہل بن حنظلہ" فرماتے ہیں کہ حنین کے دن ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ چلے شام لی نماز میں نے حضور ﷺ کے ساتھ ادا کی جو ایک گھوڑے سوار آیا اور کہا یا رسول اللہ! میں آگے نکل گیا تھا اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ میدان میں آگئے ہیں یہاں تک کہ ان کی اونٹنیاں بکریاں غور تیں اور بچے بھی ساتھ ہیں۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا انشاء اللہ یہ سب کل مسلمانوں کی غنیمت میں ہو گا پھر فرمایا بتاؤں آج کی رات پہرہ کون دے گا؟ حضرت انس بن ابومرثد نے کہا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ سواری لیکر آؤ۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس گھائی میں چلے جاؤ اور اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ خبردار تمہاری طرف سے ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ صبح تک نہ ہو۔ صبح جس وقت نماز کے لئے حضور ﷺ نماز کی جگہ آئے دو سنتیں ادا کیں اور لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا پہرہ دار سواری کی تو کوئی آہٹ سنائی نہیں دی؟ لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ اب تکسیر کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز شروع کی خیال آپ ﷺ کا اس گھائی کی طرف تھا نماز سے سلام پھیرتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ تمہارے گھوڑے سوار آ رہا ہے۔ ہم نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا تو تھوڑی دیر میں ہمیں بھی دکھائی دے گیا۔ آکر حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس واہی کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا تھا اور ارشاد کے مطابق وہیں رات گزارنی صبح میں نے دوسری گھائی بھی دیکھ ڈالی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیارات کو وہاں سے تم نیچے بھی اترتے تھے۔ جواب دیا نہیں صرف نماز کے لے اور قضاء حاجت کے لئے تو نیچے اترتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے لئے جنت واجب کر لی اب تم اسکے بعد کوئی عمل نہ کرو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں (ابوداؤد و نسائی)۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک غزوہ کے موقع پر ایک رات کو ہم بلند جگہ پر تھے اور سخت سردی تھی یہاں تک کہ لوگ زمین میں گرے کھو کھو کر اپنے اوپر ڈھالیں لے لیکر پڑے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے اس وقت آواز دی کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری چوکیداری کرے اور مجھ سے بہترین دعا لے تو ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا حضور! میں تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے پاس بلا کر نام دریافت کر کے اس کے لئے بہت دعا کی۔ ابوریحانہ یہ دعا میں سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں بھی پہرہ دوں گا۔ آپ ﷺ نے مجھے بھی پاس بلا لیا اور نام پوچھ کر میرے لئے بھی دعائیں کیں لیکن اس انصاری صحابی سے یہ دعا کم تھی پھر آپ ﷺ نے فرمایا اس آنکھ پر جہنم کی آنج حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ اللہ میں شب بیداری کرے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کے پیچھے سے ان کا پہرہ دے اپنی خوشی سے بغیر سلطان کی اجرت و تنخواہ کے وہ اپنی آنکھوں سے بھی آگ جہنم کونہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری ہونے کے لئے جو اس آیت میں ہے ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ آلَا وَارِذْهَا﴾ یعنی تم سب اس پر وارد ہوؤ گے۔

صحیح بخاری میں ہے برباد ہو اد نیا کا بندہ اور کپڑوں کا بندہ اگر مال دیا جائے تو خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہے یہ برباد ہوا اور خراب ہو گیا اسے اگر کاٹنا چھ جائے تو نکلنے کی کوشش بھی نہ کی جائے خوش نصیب ہو اور خوب پھولا پھلا وہ شخص جو راہ اللہ تعالیٰ کے جہاد کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے بکھرے ہوئے ہال ہیں اور گرد آلود قدم ہیں اگر چوکیداری پر مقرر کر دیا گیا ہے تو چوکیداری کر رہا ہے اور اگر لشکر کے اگلے حصہ میں مقرر کر دیا گیا ہے تو وہیں خوش ہے لوگوں کی نظروں میں اتنا گرا پڑا ہے کہ اگر کہیں جانا چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو۔ الحمد للہ اس آیت کے متعلق خاصی حدیثیں بیان ہو گئیں اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر گزاری سے رہتی دنیا تک فارغ نہیں ہو سکتے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب کو میدان جنگ سے ایک خط لکھا اور اس میں رہ میوں کی فوج کی کثرت ان کے آلات حرب کی حالت اور ان کی تیاریوں کی کیفیت بیان کی اور لکھا کہ سخت خطرہ کا موقع ہے۔ یہاں سے فاروق اعظم کا

جواب گیا جس میں حمد و ثنا کے بعد تحریر تھا کہ کبھی کبھی مومن بندوں پر سختیاں بھی آجاتیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بعد آسانیاں بھی دیتا ہے۔ سنو ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ سنو پروردگار عالم کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا ۝۱۰۱۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے * ۷۷۷ یا ۷۷۸ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم ابن ابی سینہؓ کو جب کہ وہ ان کے وداع کے لئے آئے تھے اور یہ جہاد کو جارہے تھے یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض کو بھجوائے۔

يَا عَابِدِ	الْحَرَمَيْنِ	لَوْ	أَبْصَرْتَنَا	لَعَلَّمْت	أَنَّكَ	فِي	الْعِبَادَةِ	تَلْعَبُ
مَنْ	كَانَ	يُحْضَبُ	حَدَهُ	بِدُمُوعِهِ	فَحُورُنَا	بِدَمَانَا	تَنْحَضِبُ	
أَوْ	كَانَ	يَتَعَبُ	خَيْلَهُ	فِي	بَاطِلِ	فُخْيُولِنَا	يَوْمَ	السَّبِيحَةِ
رِيحِ	الْعَبِيرِ	لَكُمْ	وَ نَحْنُ	عَمِيرُنَا	رَهْجُ	السَّنَابِكِ	وَ	الْغَبَارِ
وَلَقَدْ	آتَانَا	مِنْ	مَقَالِي	بَيْنَا	قَوْلٌ	صَحِيحٌ	صَادِقٌ	لَا
لَا	يَسْتَوِي	غُبَارُ	خَيْلِ	اللَّهِ	أَنْفِ	أَمْرِي	وَ	ذُخَانِ
هَذَا	كِتَابُ	اللَّهِ	يَنْطِقُ	بَيْنَنَا	لَيْسَ	الشَّهِيدُ	بِمَيِّتٍ	لَا
								يَكْذِبُ

”اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے۔ ایک وہ شخص ہے جسکے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن راہ اللہ میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی تھکتے ہیں۔ اگر کی خوشبو تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ناپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار ہے یقین مانو ہمیں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سمر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے کہ جس کسی کے ناک میں اس ربانی لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا۔ اور لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں۔“ محمد بن ابراہیمؓ فرماتے ہیں جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاضؓ کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار و قطار روئے اور فرمایا ابو عبد الرحمن نے اللہ کی رحمتیں ان پر ہوں صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بیحد خیر خواہی کی۔ پھر مجھ سے فرمایا کیا تم حدیث لکھتے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ کہا اچھا تم جو یہ نصیحت نامہ پاس لائے ہو اس کے بدلے میں میں تم کو ایک حدیث لکھواتا ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ یہ رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتائیے جس سے میں مجاہد کا ثواب پالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ نماز ہی پڑھاتا رہے اور تھکے نہیں اور روزے رکھتا چلا جائے اور کبھی بے روزہ نہ رہے۔ اسے کہا حضور! اس کی طاقت کہاں؟ میں اس سے بہت ضعیف ہوں آپ ﷺ نے فرمایا اگر تجھ میں اتنی طاقت ہوتی اور تو ایسا کر بھی سکتا تو بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھم ادھم چڑھ جائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں ہر وقت ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔

جناب رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا اے معاذ! جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تاکہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلاق و مردت کے ساتھ پیش آیا کر۔ پھر فرماتا ہے کہ ان چار کاموں کے کر لینے سے تم کامیاب مقصد اور بامراد ہو جاؤ گے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پالو گے۔ حضرت محمد بن کعب قرظیؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم میرا لحاظ رکھو میرے خوف سے کانپتے رہو مجھ سے ڈرتے رہو میرے

اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے تو نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے اُنھی۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ سوره آل عمران کی تفسیر ختم ہوئی ﴿ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ وَ نَسْأَلُهُ الْمَوْتَ عَلَى الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ اٰمِيْنَ يَا اَللهُ الْعَلِيْمِيْنَ ۝ ﴾

تفسیر سورہ نساء

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مدینہ شریف میں اتری ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابتؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب روک رکھنا نہیں ہے۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سورۃ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا مجھے مل جائے تب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۝ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطور انعام اجر عظیم دے وہ جداگانہ سے اور آیت ﴿ اِنَّ تَحْتِنٰوًا كِبٰۤاۡرًا مَّا تَنْهَوْنَ عَنْهُ ۝ ﴾ الخ اگر تم کہیں گناہوں سے بچ جاؤ تو تمہارے سغیرہ گناہ خود ہی معاف فرمادیں اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے اور آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا ذُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۝ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشتا بقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے اور آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَدْرٰكُوْا اَنۡفُسَهُمْ جَآءُ وَاۡلَآءُ اللّٰهِ لَآ يَخۡفَىٰ عَلٰی اللّٰهِ شَيْۡۡءٌ ۝ ﴾ الخ یعنی یہ لوگ اگر گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آجاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کیلئے استغفار طلب کرتے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پاتے۔

امام حاکمؓ فرماتے ہیں یوں تو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمن کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے۔ عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ ۝ ﴾ الخ کے بدلے ﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْۤاۤءً اَوْ يَظْلِمۡ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ الخ یعنی جس شخص سے کوئی براکام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنے لگ جائے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشے والا مہربان پایگا۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح پر ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں تو رہ گیا یہ اور اس کا بیان دوسری میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث کی اور پانچویں آیت اس حدیث کی ﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ اِثْمًا لَّنَّ جُزْۤاۡءًا يَّوْمَئِذٍ ۝ ﴾ ہے کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۝ ﴾ ہی پر آیت پوری ہے اور ﴿ وَاِنَّ تَكۡ حَسۡبَہٗ لَوَاۡلِکَ اٰیٰتٍ لِّمَنۡ اَرَادَ ۝ ﴾ پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں واللہ اعلم (مترجم)۔

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس سورۃ میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لئے ہر اس چیز سے بہترین ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ پہلی آیت ﴿ یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِبٰیۡنِ لَکُمۡ ۝ ﴾ الخ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان کر دے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی راہ راست دکھا دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے۔ دوسری آیت ﴿ وَاللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنْ یُّتُوْبَ عَلَیۡکُمۡ ۝ ﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ تیسری آیت ﴿ یُرِیۡدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمۡ وَ خُلِقَ الْاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ۝ ﴾ یعنی انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر تخفیف کرنی چاہتا ہے باقی کل آیتیں وہی ہیں جو اوپر گزریں۔ ابن ابی ملیکہؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورہ نساء کی بابت سنا پس میں نے قرآن پڑھا در انحالیکہ میں چھوٹا بچہ تھا (حاکم)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سَبْعُونَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ آيَةً

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ①

شرعاً کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو جو امہریاں نہایت رحم والا ہے۔ لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

تخلیق انسان : اللہ تعالیٰ نے اپنے تقویٰ کا حکم دیا ہے کہ جسم سے اسی ایک کی ہی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا کو پیدا کیا ان کی بیوی یعنی حضرت حوا کو بھی انہی سے پیدا کیا آدم (علیہ السلام) نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے۔ پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ سیزھی ہے پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائیگا تو زردے گا اور اگر اس میں کچھ کچی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہیے گا تو بیشک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم و حوا سے بہت سے انسان مرد و عورت چو طرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں صفتیں رنگ روپ بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ جس طرح یہ سب پہلے اللہ کے قبضہ میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضہ میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس کی اطاعت عبادت بجالاتے رہو اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو مثلاً یہ کہنا میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں۔ اسی کے نام کی قسمیں لکھتے ہو اور عہد و پیمانہ منضبط کرتے ہو

قطع تعلق کی ممانعت : اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو انہیں توڑو نہیں بلکہ جوڑو وصلہ رحمی نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔ ﴿وَارْحَمُوا﴾ بھی ایک قرابت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال پر مطلع ہے خوب دیکھ بجال رہا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر نگران ہے۔

یہاں فرمایا گیا کہ لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ کے ہو ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو کمزور اور ناتوانوں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ سلوک کرو۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادر میں لپیٹے ہوئے آئے

کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی پھر آیت **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَسْتُمْ بِرٰحِمْ لِكُلِّ لَوْغٍ كِى تَعْلَمُوْا كِى تَرْغِيْبُ دِي چنانچہ جس سے جو ہو سکا ان لوگوں کے لئے دیا اور ہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی اٹخ۔ مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے کہ پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔**

**وَ اتُّوْا الِیْتَمٰی اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَّبَدُّوْا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَ لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰی
اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۱۰ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَقْسِطُوْا فِی الْیْتَمٰی فَاَنْكِحُوْا
مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مِمَّنْیْ وَ ثَلَاثَ وَ رُبْعًا فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةٌ
اَوْ مَمْلُوْكَتٌ اٰیْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَّا تَعْوِلُوْا ۝۱۱ وَ اتُّوْا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ مِحْلَةً ۝۱۲
فَاِنْ طَبِنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هٰنِئِنَّمَا مَرِيْكًا ۝۱۳**

یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو۔ اپنے مالوں سے ساتھ ان سے مال ملا کر کھانا جاؤ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگتی ہے تم ان سے نکاح کرو دو دو تین تین چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابر ہی نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی کوئی ہی ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے نا انصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔ عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی کچھ مہر چھوڑیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پو۔

یتیم کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا گناہ ہے: اللہ یتیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں انہیں سو پ دو پورے پورے بغیر کمی اور خیانت ان کے حوالے کرو۔ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گند کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو۔ حلال رزق جب اللہ تعالیٰ تمہیں دے رہا ہے پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی اپنے مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں نہ لو دہلا پتلا جانور دیکر مونا تازہ نہ لو بوٹی دیکر بکرے کی فکر نہ کرو رومی دے کر اچھے کی کھوٹا دے کر کھڑے کی نیت نہ رکھو۔ پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوز میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دہلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے۔ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ خیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے؟ ان کے مال تلف نہ کرو یہ بڑا گناہ ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جیلے کے مروی ہے۔ ابو داؤد کی حدیث میں ایک دعا میں بھی خوب کا لفظ گناہ کے معنی میں آیا ہے۔ حضرت ابو ایوب نے جب اپنی بیوی صاحبہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ اس طلاق میں گناہ ہے چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابو طلحہ اور ام سلیم کا مروی ہے۔

یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت: پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو اس سے باز رہو اور عورتیں بہت

ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کو پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتذی میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ سے اس آیت کا مطالبہ پوچھا تو آپ نے فرمایا بھائی! یہ ذمہ اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے چاہتا ہے کہ یہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع ہو رہا ہے کہ پھر یہ اس کی نیت چھوڑ دے اور دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے۔ پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ الخ نازل ہوئی۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم مال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے ولی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں اور نہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اپنا نکاح کر لیں۔

ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت: اگر چاہیں دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار جیسے اور جگہ بھی یہ الفاظ انہی معنی میں ہیں۔ فرماتا ہے: جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْسَحَةٍ مَّثْنَىٰ وَ ثَلَاثًا وَ رُبَاعًا ۗ یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے بعض چار پروں والے فرشتوں میں اس سے زیادہ پروں والے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباس اور جمہور کا قول ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرمادیا جاتا۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کیلئے چار سے زیادہ بیویوں کا بہ یک وقت جمع کرنا جائز نہیں اسی پر علمائے کرام کا اجماع ہے البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنا جائز ہے بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کوئی تعداد مقرر ہی نہیں۔ ان کا استدلال ایک تو رسول کریم ﷺ کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آپ ﷺ کی بیویاں تھیں اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا تیرہ کی رخصتی ہوئی ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپ ﷺ کے پاس تھیں انتقال کے وقت آپ ﷺ کی بیویاں تھیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہمارے علماء کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت فیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس انکی بیویاں ہوتی ہیں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو باقی کو چھوڑ دو (چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا)۔ پھر حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دیدی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا۔ حضرت عمر کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے شیطان نے بات اچھلی اور تیرے دل میں یہ خیال جما دیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ذمہ سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب قریب الختم ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ

ابو زغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں (مسند احمد شافعی ترمذی ابن ماجہ دار قطنی بیہقی وغیرہ)۔ مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے اگرچہ امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی نظر ہے واللہ اعلم۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنی خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ ان سے یہ نہ فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لائیں تھیں۔ یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں موجود تھیں اس پر بھی آپ ﷺ نے چھ علیحدہ کرادیں پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسری حدیث "ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے حضرت عمیرہ اسدی فرماتے ہیں میں نے جس وقت اسلام قبول کیا میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے جنہیں چاہو چار کو رکھ لو۔ اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں کہ وہ بیویوں کے ہونے پر بھی وہی روایت میں نقل کی گئی ہے۔

"تیسری حدیث" مسند شافعی میں ہے حضرت نوفل بن مویہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو۔ میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور سب سے زیادہ بیوی ساٹھ سال کی تھیں انہیں طلاق دیدی۔ اس پر یہ حدیثیں حضرت فیضان بن ابی حدیث بن شامد میں جیسے کہ حضرت امام بیہقی نے فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل و انصاف نہ ہو سکے تا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو یا لونڈیوں ہی پر جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل و انصاف کو قائم رکھ سکو پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو۔ ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے جو کمرے اس نے اچھا کیا اور چونہ کرے اس پر حرج نہیں۔ اس کے بعد کے جملے کا مطلب بعضوں نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ہے اس کے کہ تمہاری عیال یعنی فقیر ہی زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے ﴿وَ اِنْ حَفِظْتُمْ عَلَيَّ﴾ یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو۔ عربی شاعر کہتا ہے۔

فَمَا يَدْرِي الْفَقِيرُ مَتِيغَاهُ فَمَا يَدْرِي الْفَقِيرُ مَتِيغَاهُ

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائیگا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائیگا۔ جب کوئی مسکین متناج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں ﴿عَالَ الرَّجُلُ﴾ یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا۔ غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ۔ عرب میں کہا جاتا ہے کہ ﴿عَالَ فِى الْحَكْمِ﴾ جبکہ ظلم و جور کیا ہو ابو طالب کے مشہور قصیدے میں ہے۔

بِمِيزَانٍ قِسْطٍ لَا يَخْسُ شَعْبِرَةً لَهُ شَاهِدٌ مِّنْ نَّفْسِهِ غَيْرُ عَائِلٍ

یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتی اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان پر ایک خط میں کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسول نے لکھا کہ ﴿اِنِّى لَسْتُ بِمِيزَانٍ اَعْوَلٍ﴾ میں ظلم کی ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں

مروئی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو۔ ابو حاتم فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے ہاں یہ حضرت عائشہ کا قول ہے۔ اسی طرح لا تَعُولُوا کے بھی معنی یعنی تم ظلم نہ کرو حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عائشہ حضرت مجاہد حضرت مکرّم حضرت حسن حضرت ابومالک حضرت ابوزرین حضرت نخعی حضرت شعبی حضرت نسک اور حضرت عطار خراسانی حضرت قتادہ حضرت سعدی حضرت مقاتل بن حیان وغیرہ سے بھی مروئی ہے۔ حضرت مکرّم نے بھی ابوطالب کا وہی شعر پیش کیا ہے امام ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کرو یا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بیشک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال طیب ہے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹے موت کا نام ہی نام ہو۔ ابن ابی حاتم میں حضرت علی کا قول مروئی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم و پیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمان پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گیں۔ مَرِيْنَا تَوَالِ عَوْرَتِ اَوْرَشَفَاءِ شَهْدَاوْر مَبَارَكِ بَارَشِ كَا پَانِي۔ حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیویوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)۔ اس حکم کو سن کر لوگوں نے رسول مقبول ﷺ سے پوچھا کہ ان میں آپس میں مہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس چیز پر بھی ان کے گھر والے رضامند ہو جائیں (ابن ابی حاتم)۔ حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ رائدوں کا نکاح کر دیا کرو۔ ایک شخص نے گھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان میں آپس کا مہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں۔ اس کے ایک راوی ابن سلمان ضعیف ہیں پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَمًا وَاَرْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝۹۰ وَاَبْتَلُوا الْيَتٰمٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اَنْتُمْ مِنْهُمْ رٰشِدًا فَاَدْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّيَدَارًا اِنْ يَّكْبُرُوْا وَاِنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَاِنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ وَاَكْفٰی بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۹۱

بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزیران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اور کھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزما تے رہا کرو پھر اگر ان میں تم جو شیاری و حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سوئپ دو۔ اور ان کے بڑے ہو جانے کے ذریعے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو و مال داروں کو چاہئے کہ (اس کے مال سے) بچتے رہیں۔ ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے۔ پھر جب انہیں ان کے مال سوئپو تو گواہ کر لیا کرو۔ دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

مال کے تصرف کیلئے عاقل ہونا ضروری ہے: اللہ سبحانہ و تعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیوقوفوں کو مال کے تصرف سے روکیں۔ مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے۔ مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل ہے و قوف ہو اور بے دین ہو بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو۔ اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھا گیا ہو جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کرے تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضہ سے لے لیگا اور اسے بیدخل کر دیگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں سفقہاء سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ حکم بن عیینہ حسن اور شہاک رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یتیم مراد ہیں۔ مجاہد مکرّمہ اور قنابہ کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک عورتیں بیوقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطلق مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزار بسر موقوف ہے اسے اپنی بیوی یا بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تھکتا پھرے بلکہ اپنے مال اپنے قبضہ میں رکھ اس کی اصلاح کرتا رہو اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا۔

حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ایک وہ شخص جس کی بیوی بد خلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بیوقوف کو دیدے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دے تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلح رکھی کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

یتیم کے مال کی حفاظت بلوغت تک کرنا: پھر فرمایا کہ یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں۔ یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ چپ رہنا ہے سارے دن رات تک۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھایا گیا ہے بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو سوتے سے جب تک جاگ نہ جائے مجنون سے جب تک ہوش نہ آجائے۔ پس ایک تو علامت بلوغ یہ ہے دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے اسکی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضور ﷺ نے اپنے ساتھ نہ لیا اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے قبول فرمایا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا نابالغ بالغ کی حد یہی ہے۔ تیسری علامت بلوغت کی زیناف کے بالوں کا ٹکنا ہے۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ علامت بلوغ ہے دوسرے یہ کہ نہیں تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے اسلئے کہ ممکن ہے کسی وہ اسے یہ بال جلد نکل آتے ہوں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو اسے کیوں استعمال کرنے لگا؟ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاد تو جبلی امر ہے علاج معالجہ کا اختتام بہت دور کا احتمال ہے ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں۔ دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے جس میں حضرت عطیہؓ قرظی کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضور ﷺ کے سامنے پیش گئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک شخص دیکھے جس کے یہ بال نکل آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے

اور جس کے نہ نکلے ہوں اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ اس حدیث کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا پھر حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیے جائیں اور بچے قیدی بنائے جائیں۔ غراب ابی عبید میں سے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی حضرت عمر نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا: کیوں لو آئے اس کے زہیر ناف کے بال آگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں۔ دیکھا تو آگے نہیں تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی۔

پھر فرماتا ہے جب دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہیں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دیدیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو خواہ امیر ہو کھاتا پیتا ہو تو اسے چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ نہ لے، مثل مردار اور بچے ہوئے خون کے یہ مال اس پر حرام محض ہے ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بیشک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھاپی لے اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے۔ پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لیا ہے۔ امام شافعی کے ساتھ یوں کے نزدیک یہی صحیح ہے اس لئے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے۔ اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے ہمایار رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے میں سے کھا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لاسکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑانہ جمع کر نہ یہ ہو کہ اپنا مال کو تو بچا رکھے اور اس مال کو کھپائے چلا جائے۔ ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے۔ ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کیلئے ضرورتاً کسی چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے اپنے مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر نہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر۔ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس کتنے اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں ان کے بھی اونٹ ہیں میں اپنی اونٹیاں دودھ پینے سے انھیں کو تحفہ دیدیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپ نے فرمایا اگر ان یتیموں کی اونٹنیوں کی گمشدہ کو تو ہوندا اتنا ہے ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بیشک دودھ سے بھی نفع اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے (موط مالک)۔ حضرت عطاء بن ابورباح حضرت عمرؓ سے حضرت ابراہیم غنظلی حضرت عطیہ عوفی حضرت حسن بصریؒ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدلہ دینا پڑے گا جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھالے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو املاان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے چھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض کے لوں گا جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا)۔ یہ حدیث سعید ابن منصور میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ بیہنی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن عباسؓ سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کے کھائے اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں معروفہ سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے۔ اور روایت میں آپ

سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے۔ حضرت عامر شعمی فرماتے ہیں اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے تو بیشک کھالے لیکن پھر ادا کرنا ہوگا۔ یحییٰ بن سعد انصاری اور ربیعہ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اسے ولی امین کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا۔ عبارت میں یہ ٹھیک نہیں بیٹھا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ وہ فنی ہو تو رک جائے یعنی جو ولی بنتی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہوگا کہ جو ولی فقیر ہونے کے جو یتیم فقیر ہو دوسری آیت میں ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو۔ پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ ہو غت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آچکی ہے اور تو واد رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگران اور باریک حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد و برد کیا کیا اور ہر باگیا جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دلی اور نیک نیتی سے نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی والا بیگانہ نگران و نگہبان کو ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا اے ابو ذر! میں تمہیں ناتوان پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں خبر دار ہر گز ہر گز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بنانا۔ کبھی کسی یتیم کا ولی بنا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ
 الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ
 الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا
 مَعْرُوفًا ۝ وَيَخْشِ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۚ
 فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا
 إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۝

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی جو مال ماں باپ اور خویش و اقارب چھوڑیں خواہ وہ اور خویش و اقارب چھوڑیں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے غمی سے بولو اس بات سے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتوان بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اپنی بات لہا کر لو۔ جو لوگ ناحق غلام سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔ اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے۔

ترکہ میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر ہے۔ مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتوں بالکل محروم رہتیں اسلام نے یہ حکم نازل فرمایا کہ سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وراثت تو سب ہوں گے خواہ

قرابت حقیقی ہو خواہ بوجہ عقدر و جیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم و بیش ہو۔ ام لکن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور امیرنی دونوں بنیاں ہیں ان کے والد فوت ہو گئے اور ان کے پاس کچھ نہیں رہیں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آئیگی واللہ اعلم۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بننے لگا اور وہاں اس کا کوئی دور کارشتہ دار بھی آجائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم و مساکین آجائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دیدو۔ ابتدا اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں مستحب تھا اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں اس میں بھی دو قول ہیں حضرت ابن عباسؓ تو اسے باقی بتاتے ہیں۔ حضرت مجاہد حضرت ابن مسعود حضرت ابو موسیٰ حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر حضرت ابو العالیہ حضرت شعیب حضرت حسن حضرت ابن سیرین حضرت سعید بن جبیر حضرت مہول حضرت ابراہیم نخعی حضرت عطاء بن ابورباح حضرت زہری حضرت یحییٰ بن معمر رحمۃ اللہ علیہما جمعین بھی باقی بتلاتے ہیں بلکہ یہ حضرات سوائے ابن عباسؓ کے و جوب کے قائل ہیں۔ حضرت عبیدہ ایک وصیت کے ولی تھے انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور ان تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا۔ حضرت مروان نے حضرت مصعب کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا۔ حضرت زہری کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ موقوف ہے وصیت پر۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن حضرت ابو بکر کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مانی عائشہ کی موجودگی کا ہے پس گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی حضرت ابن عباسؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا اس نے ٹھیک نہیں کیا اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت باطل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت «يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ» الخ ہے۔ حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو۔ حضرت سعید بن مسیبؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لئے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے۔ بہر حال چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آجائیں تو انہیں دیدو اور یتیم مسکین جو آگئے ہوں ان سے نرم کماؤ اور اچھے جواب سے پیش آؤ لیکن اس میں نظر ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے پس یہ قول امام ابن جریر کے خلاف ہے۔ ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آجائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے جاتے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم کو اچھا نہیں لگتا بطور صدقہ کے راہ اللہ ان سے بھی کچھ سلوک کر دو تاکہ یہ خوش ہو کر جائیں جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور فاقہ زدوں اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی ہے جیسے کہ سورہ ان میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کیلئے چلتے ہیں وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے اس کا مال اس کے باعث غارت ہو جاتا ہے۔

پھر فرماتا ہے ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں الخ۔ یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے اور

اس کے وارثوں کے لئے ایسی بھلائی چاہے جیسے اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے جب کہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو۔ بخاری
 و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس ان کی بیماری کے زمانہ میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعد
 نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو میں اپنے
 مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا آدھے کی تو اجازت دیجئے! آپ ﷺ نے
 فرمایا نہیں۔ کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خیر لیکن ہے یہ بھی زیادہ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تو نگر چھوڑ کر
 جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ لوگ ایک تہائی سے
 بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں اگر میت
 کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو مستحب ہے کہ اس سے کم کی وصیت کرے۔ دوسرا
 مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم چاہتے ہو کہ تمہاری چھوٹی اولاد کا تمہارے مرنے کے بعد
 اور لوگ خیال رکھیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں اسی طرح تم
 دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ۔ یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے اسی لئے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان
 فرمائی کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگار بھرنے والے اور جہنم داخل ہونے والے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سات
 گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں۔ پوچھا گیا کیا کیا؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک، جادو، بیوہ قتل، سود خوری، مال یتیم کا کھانا، جہاد سے
 منہ موڑنا، بھولی بھالی ناواقف مسلمان عورت پر تہمت لگانا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہ نے جب حضور ﷺ سے معراج کی رات کا واقعہ
 پوچھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان
 کا منہ خوب کھول دیتے ہیں پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بے
 طرح چیخ چلا رہے ہیں بائے دائے مچا رہے ہیں۔ میں نے (حضرت) جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یتیموں کا مال کھانے والے ہیں
 جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

حضرت سعدی فرماتے ہیں یتیم کا مال کھانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ نکتھوں اور
 روئیں رہیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن
 مردودہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے۔ اور حدیث میں ہے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان
 دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو عورتوں کا اور یتیم کا ان کے مال سے بچو۔ سورہ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن
 کے پاس یتیم تھے انہوں نے ان کے اناج پانی بھی الگ کر دیا اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی امان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے
 وقت اسی باسی چیز کو وہ کھائے یا سڑ کر پھک جائے گھر والوں میں سے کوئی بھی اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری
 حضور ﷺ کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا اس پر آیت ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ الخ اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں
 یتیموں کی بہتری سمجھو کرو۔ چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ
 اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلَا بُوَيْه

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَ
 وَرِثَةٌ أَبِيهِ فَلِأَبِيهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمَّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ
 وَصِيَّتِ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٌ وَأَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ
 نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور وہ اس سے زیادہ ہوں تو انہیں ماں متروکہ کی دوہائی حصے کی اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا حصہ ہے۔ اور میت سے ماں باپ میں سے ہم ایک کے لئے اس کے چھوٹے حصے ماں کا چھٹا حصہ سے اگر ماں کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے ماں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر یا ہو یا اولاد کے قتل کے بعد۔ تمہارے باپ ہیں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچائے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔

وراثت کی تقسیم۔ یہ آیت کہ یہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں یہ پورا علم آیتوں اور میراث کی احادیث سے استفادہ کیا گیا ہے جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں۔ یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔ باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ علم فرائض کے سیکھنے کی رغبت میں بہت سی احادیث آئی ہیں ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے یہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے علم وراثت میں ہیں اور اس کے مساوا فضول بھرتی ہے آیات قرآنیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں سنت قائمہ یعنی احادیث جو ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مساوات میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ یہ اللہ تعالیٰ علم ہے اور یہ بھول جاتے ہیں اور یہی پہلی چیز ہے جو میراثی امت سے چھین جائے گی حضرت ابن عیینہ فرماتے ہیں اسے آدھا علم اس لئے کہا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میری بیمار پر سی کے تھے ہو سلمہ کے محلہ میں بیاد پاتھ شریف لائے میں اس وقت بے ہوش تھا آپ ﷺ نے پانی منگو کر وضو کیا پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا تو میں نے کہا حضور! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ صحیح مسلم شریف و نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بیوی صاحبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور گھمایا رسول اللہ ﷺ نے دونوں (حضرت) سعد کی لڑکیاں ہیں ان کے والد آپ ﷺ کیساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کرے گا۔ چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہایاں تو ان دونوں لڑکیوں

کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے۔ یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر کے سوال پر اس سورۃ کی آخری آیت اترتی ہوگی جیسے عنقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس لئے کہ ان کی وارث صرف انکی بہنیں ہی تھیں لڑکیاں تھیں ہی نہیں دو تو کمال تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعد بن ربیع کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابر ہیں۔ ہاں حضرت امام بخاری نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی نوالہ اعلم۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے۔ اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیدیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا۔ اس لئے کہ مردوں کے ذمے جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمے نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں تو انہیں ان کی ہاجت کے مطابق عورتوں سے دو گنا دلوا لیا۔ بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے کہ پس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اللہ اپنی مخلوق پر ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا وہ باہلوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جس بچہ کو پالیتی اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلاتی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحاب سے فرمایا بھلا ہوا تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دیگی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار اور حقدار مال کا صرف لڑکا تھا ماں باپ کو بطور وصیت کے مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دو گنا دلوا دیا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوا لیا اور تیسرا حصہ بھی اور بیوی کو آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور چوتھا۔ فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چھٹا اور آٹھواں حصہ دلوا لیا جا رہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھوں دلوا لیا جا رہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لا سکتا ہے اچھا تم جو اس آیت سے خاموشی برتو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے یا ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ﷺ ان احکام کو بدل دیں۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ دشمن سے لڑنے کے قابل آپ ﷺ بچے کو ورثہ دلوا رہے ہیں بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے بھڑنے کے قابل ہو سب سے بڑے لڑکے کو وارث کرتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو) فرمادیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دو گنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے۔ (اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے؟) (مترجم) لفظ **فَوْق** کو بعض لوگ زائد بتلاتے ہیں جیسے **فَاَصْرَبُ فَوْقَ الْأَعْنَاقِ** میں لفظ **فَوْق** زائد ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے نہ اس آیت میں نہ اس آیت میں کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے۔ پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد **فَلَهُنَّ** نہ آتا بلکہ **فَلَهُمَا** آتا۔ ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ٹمٹ ملے گا۔ کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ٹمٹ دلوا لیا گیا ہے اور جب کہ دو بہنیں دو ٹمٹ پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ٹمٹ کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لئے دو تہائی بطور اولیٰ ہونا چاہئے اور حدیث میں آچکا ہے کہ دو لڑکیوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوا لیا جیسا کہ اس آیت کے شان نزول کے بیان میں

حضرت سعد کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا پس کتاب و سنت سے یہ ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکانہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلویا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھائی دینے کا حکم کرنا متصوّر ہو تا تو یہیں بیان ہو جاتا جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائد کا ہے واللہ اعلم۔

والدین کا حصہ : ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا یعنی چھٹا حصہ ماں کو اور چھٹا حصہ باپ کو اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہو تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لیگی اور چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا جو باقی رہا وہ بھی بطور عصب باپ کو مل جائے گا پس اس حالت میں باپ فرض اور عصب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطور عصب بچت کا مال۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل مال باپ کو بطور عصب کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دو گنا باپ کو مل جائے گا۔ اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے یا مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں ماں باپ ہیں اور خاوند ہے یا بیوی تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو چھوٹا حصہ ملے گا۔ پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا وہ دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند کو چھوڑ کر مری خواہ مرد عورت کو چھوڑ کر مری ہو اس لئے باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور دو تیسرے حصے جو باقی رہے وہ باپ لے لیگا۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور باعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علیؓ کا یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا بھی یہی قول ہے ساتوں فقہاء اور چاروں امام اور جمہور علماء کرام کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا اس لئے کہ آیت عام ہے خاوند بیوی ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو دلویا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے حضرت شریحؓ اور حضرت داؤد ظاہریؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابوالحسن بن لبان بصریؓ بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے اسی قول کو پسند کرتے ہیں لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جب کہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو اور جب کہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصہ کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بے شک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں سے ثلث ملے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں تو اسے کل مال کا تہائی ملے گا کیونکہ اس عورت کو کل مال کا چوتھائی ملے گا اگر کل مال کے بارہ حصے کئے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملے باقی بچے پانچ حصے وہ باپ لے لیگا۔ لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلویا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کئے تین تو خاوند لے گیا دو ماں لے گی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے اس لئے اس صورت میں چھ حصے میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے ایک ماں کو اور دو باپ کو۔ حضرت امام ابن سیرینؒ کا یہی قول ہے یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب ہے۔ ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے واللہ اعلم۔ ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں سے کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے۔ اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ ہی لے لیگا۔ دو بھائی بھی حکم میں بہت سے بھائیوں کے ہیں جمہور کا یہی قول ہے ہاں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ

ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے قرآن میں ﴿ اِخْوَةٌ ﴾ جمع کا لفظ ہے دو بھائی اگر مراد ہوتے ﴿ اِخْوَانٌ ﴾ کہا جاتا۔ خلیفہ ثالث نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چو طرف یہ مسئلہ اس طرح پہنچا ہوا ہے تمام لوگ اس کے عامل ہیں میں اسے نہیں بدل سکتا۔ اولاً تو یہ اثر ثابت ہی نہیں اس کے راوی حضرت شعبہ کے بارے میں حضرت امام مالک کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباسؓ کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباسؓ کے خاص اصحاب اور اعلیٰ شامی بھی اس کے خلاف ہیں حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ دو کو بھی ﴿ اِخْوَةٌ ﴾ کہا جاتا ہے۔ ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ ﴾ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالہ میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا۔ علماء کرام کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے اس لئے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے۔ یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بسند صحیح مروی ہے یہ چھنا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا ہے انہیں دیا جائے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں حضرت عبداللہؓ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہوگی: تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض پہلے ادا کر لیا ہے پھر وصیت جاری کی ہے۔ ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہو گا۔ اس کا جس کی ماں دوسری ہو۔ یہ حدیث صرف حضرت حارث سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے لیکن حافظ فرائض تھے اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بھی بڑے ماہر تھے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم بٹادی۔ بلکہ اسلام میں بھی پہلے جو یہ حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جایا کرتا تھا ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباسؓ سے پہلے بیان ہو چکا یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی امید دونوں سے نفع کی ہے یقین کسی پر بھی دوسرے سے زیادہ نہیں ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مقررہ حصے اور میراث کے یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں اس میں کسی کمی بیشی کی کسی امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں نہ کسی کو محروم کر دینا لائق نہ کسی کو زیادہ دلوادینا اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے جو جس کا مستحق ہے اسے اتنا دلوادتا ہے ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں تمہیں چاہئے کہ اسکے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ يُوصِينَ بِهِنَّ أَوْ دِينَ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ
مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

تَرَكَتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ
 كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً وَوَلَةً أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا
 أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ
 دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ١٥

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ میں اور ان کی اولاد نہ ہو تو تمہوں آدھ تمہارا ہے اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے اس وصیت کی اولاد ان کے بعد ہو وہ کرہی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم ترکے ہو اور بعد اولاد انہیں قرض کے۔ جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کا مال ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ دونوں تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اولادوں کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ دانا ہے پرہیزگار

خاوند اور بیوی کی میراث کی تقسیم۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے مرد و اہل عورتیں جو چھوڑ میں اور ان کی اولاد ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کے ہاں بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی سورت میں ملے گا وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے پہلے قرض ادا کیا جائے پھر وصیت پوری کی جائے پھر ورثہ تقسیم ہو۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔ پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں کے ہیں بلکہ ان کی اولاد اور اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کا حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ چوتھائی تو اس حالت میں کہ فوت ہونے والے خاوند کی اولاد ہو اور آٹھویں حصہ اس صورت میں کہ اولاد ہو اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں چار ہوں تو یہ حصہ ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

کلالہ کی تقسیم میراث: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گذر چکی ہے ﴿کَلَلَةً﴾ مشتق ہے ﴿اِثْلِيلٍ﴾ سے ﴿اِثْلِيلٍ﴾ کہتے ہیں اس تان وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث مرد و عورت کے حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق سے ﴿کَلَلَةً﴾ کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میں اپنی رات سے خواب دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہیں ﴿کَلَلَةً﴾ وہ ہے جس کا نہ لڑکا نہ ہونہ باپ۔ حضرت عمر فاروق جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا کہ مجھے ابو بکر کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے (ابن جریر وغیرہ)۔ ابن عباس فرماتے ہیں سب سے آخری زمانہ حضرت عمر کا پانے والوں میں ہے آپ سے سنا فرماتے تھے بات وہی ہے جو میں نے کبھی ٹھیک اور درست نہیں ہے کہنا لہذا کہتے ہیں جس کا نہ والد نہ والدہ۔ حضرت علی ابن مسعود ابن عباس زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین شعیب بن عمیر بن مسعود قتادہ جابر بن زید حکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ اہل کوفہ اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے ساتوں فقہاء چاروں امام اور جمہور سلف و خلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا

ہے۔ ابن لبان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ لیکن صحیح پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد کبھی ہی نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ بعض سلف کی قرابت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اور زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثہ کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں دوسرے سے یہ کہ ان کے مرد و عورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جب کہ میت کلالہ ہو پس باپ دادا کی بیٹی کی بیٹی کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا گو یہ کتنے ہی ہوں مرد ہوں یا عورت۔ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دو ہر اور عورت کے لئے اکہرا۔

حضرت زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تا وقت کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہو۔ آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں۔ اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلویا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلویا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمانؓ سے بھی اس طرح شریک کر دینا اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہی ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ قاضی شریحؓ مسروقؓ طاؤسؓ محمد بن سیرینؓ ابراہیم نخعیؓ عمر بن عبدالعزیزؓ ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبلہ نے بھی اس طرف گئے ہیں باں حضرت علی بن ابوطالبؓ اس میں شریک کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جو ذوی الفروض سے بچ جائے بلکہ وکعب بن جراح کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا قول بھی یہی ہے ابن عباسؓ سے بھی مشہور یہی ہے اشعریؓ ابن ابی لیلیٰؓ ابو حنیفہؓ ابو یوسفؓ محمد بن حسنؓ حسن بن زیادؓ زفر بن ہذیلؓ امام احمدؓ حنی بن آدمؓ نعیم بن حمادؓ ابو ثورؓ داؤد بن علیؓ ظاہریؓ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابوالحسین ابن لبان فرمائی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

شرعی وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے: پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے۔ وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر ظلم و جبر کیا گیا ہو کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو۔ اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے (ابن ابی حاتم)۔ نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت ابن عباسؓ سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس کلمے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ امام ابن جریر کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں موقوف قول ہے۔ آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لئے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض تو کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے۔ حدیث شریف میں بہ سند صحیح آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے اب وارث کے لئے کوئی وصیت

نہیں مالک احمد بن حنبل ابو حنیفہ کا قول یہی ہے شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاہر اس عطاء حسن عمر بن عبدالعزیز کا قول بھی یہی ہے۔ امام بخاری بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت دافع بن خدیج نے وصیت کی کہ فزار یہ ہے جس چیز پر اپنے دروازے بند کرے گا تو وہ نہ کھولے جائیں۔ حضرت امام بخاری نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا یہ اقرار جائز نہیں ہے سب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بدگمانی سے بچو بدگمانی تو سب سے زیادہ صحت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ اسے پہنچا دو۔ اس میں وارث اور فیہ وارث کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر یہ فیہ وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لئے یہ ہمانہ بنایا نہ تو ہوا۔ جماع اسے پورا کرنا حرام ہے۔ اور اس آیت کے سبب الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں (اقرار کے فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا حرام ہے)۔ اور اس آیت کے سبب جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاری کا مذہب ہے (متہجم)۔ پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں جو اللہ علم و علم والا ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ

حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

یہ حدیں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائیگا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی مطلب یابی ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دیا جائے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں ہی کیلئے لعنت کرنے والا عذاب ہے۔

وصیت میں اللہ کی حدود کو قائم کرنے اور توڑنے پر جزا و سزا: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے یعنی یہ فرانس اور یہ مقصد جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا حصہ جسے دلویا ہے یہ سب اللہ کی حدود ہیں تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو جو شخص ان اللہ کے احکام کو مان لے کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو مویشی دوانے کی کوشش نہ کرے اللہ کا حکم اور اللہ کا فریضہ جو ان کا توں بجالائے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بیشکلی والی جاری پانی والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا یہ کامیاب نصیب اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو بدل دے کسی وارث کے ورثے کو کم و بیش کر دے اللہ کی رضا کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کرے اور اس کے خلاف عمل کرے گویا اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص بیشکلی والے رسوائی اور لعنت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے پھر وصیت کے وقت ظلم و ستم کرتا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھو ﴿تِلْكَ خُذُوا ذَلِكُمْ﴾ سے ﴿عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ تک۔ سنن ابی داؤد کے ”باب الاضرار فی الوصیۃ“ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہتے ہیں ہر موت کے وقت وصیت میں ضرر و نقصان پہنچا جاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے من بعد وصیۃ سے آخر آیت تک پڑھی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ حدیث تمام و کمال کے ساتھ موجود ہے۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَقَّعَهُنَّ الْبُؤْسُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادْوُهُمَا فَإِنَّ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھ لو اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے تم میں سے جو مرد ایسا کام کر لیں انہیں ایذا دو۔ اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ابتداءً اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جہنم قید ہو یعنی موت سے پہلے اسے نہ چھوڑا جائے۔ اس کا بیان فرما کر پھر فرماتا ہے کہ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ بتا دے۔ پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ ناسخ ٹھہری اور یہ حکم ہٹ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تک سورہ نور کی آیت اتری زنا کار عورت کا یہی حکم رہا۔ پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترنا۔ حضرت مکرّمہؓ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت حسنؓ حضرت عطاء ثمراسانیؓ حضرت ابوصالحؓ حضرت قتادہؓ حضرت زید بن اسلمؓ اور حضرت شحاکؓ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی اتری تو آپ ﷺ پر اس کا بڑا اثر پڑتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرہ کارنگ بدل جاتا پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی ﷺ پر وحی نازل فرمائی جب وہ ہٹ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میری بات لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا ہے اگر شادی شدہ عورت اور شادی شدہ مرد ہو تو ایک سو کوڑے پھر پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں اسی طرح ابو داؤد میں بھی۔ ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے اس حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ طبرانی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سورہ نساء کے اترنے کے بعد اب روگ رکھنے کا حکم نہیں رہا۔ امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعزؓ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپ ﷺ نے رجم کا حکم دیا

اور درجہ سے پہلے انہیں بھی کوڑے نہیں لگوائے۔ پس جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے ضروری نہیں واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم و غیرت والا کر جو تیاں لگا کر۔ یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور درجہ سے منسوخ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عطاء حسن عبداللہ ابن کثیر فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں۔

حدیثی فرماتے ہیں مرد و عورت دونوں مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں لواطت کے بارے میں یہ آیت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے تم لواطت کرتے دیکھو اسے اور اس دوسرے کو دونوں کو قتل کر ڈالو اگر یہ دونوں باز آجائیں اپنی بدکاری سے توبہ کریں اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ ورثت کلامی اور حقیقی سے پیش نہ آؤ۔ اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور بردباری کرنے والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے یعنی حد تک جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد گناہ ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ
فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝
السِّيَآتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْعَنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ
كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اللہ تعالیٰ صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر لیں پھر جلد اس سے باز آجائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی انہی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔ ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو بددے کہ میں نے اب توبہ کی نہ ان کی توبہ ہے جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

بھولے سے جو گناہ ہو اس کی توبہ ہے: مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانانہ گنہگار ہو کر گویا برا کام کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں گویا توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد غرغری سے پہلے ہو حضرت مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آجائے ابو العالیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ حضرت قتادہ بھی صحابہ کے ایک مجمع سے اس طرح کی روایت کرتے ہیں عطاء اور حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حدیثی توبہ کر لینے کی تفسیر میں مروی ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کو قریب کہا گیا ہے اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہئے۔ غرغری کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کل کی کل قریب ہی ہے۔ اس کے متعلق حدیثیں سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغری شروع نہ ہو (ترمذی)۔ جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے بھی بلکہ ایک ساعت پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب سے

طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ پہلے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو یوسف نے یہ آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضور ﷺ سے اسے سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ کہا میں نے سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔ چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا میں نے تو حضور ﷺ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے زخمے میں روح نہ آجائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔ ابن مردودہ نے یہ مروی ہے کہ جب تک غرغره شروع نہ ہو تب تک توبہ قبول ہے۔ کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون ہے۔

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہا اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے ڈھیل طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی میں اس کے دل سے نہ نکالوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم جب تک اس میں روح رہے گی اس کی توبہ قبول کروں گا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب قریب مروی ہے۔

پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی حیات کی امید ہے تب تک وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے سینے میں گھٹنے لگے حلق میں اگلے غرغره شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا رَاوَابَسْنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ﴾ (دو آیتوں تک) مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا نفع نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف سے چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے اسے نہ اس کا عمل نفع دے نہ اس کا ایمان۔

مشرک کی بخشش ہیں: پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ فائدہ نہ دے گی نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا گوزمین بھر کر سونا دینا چاہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے کہا گیا کہ پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک المناک بیشکلی والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا
بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ

كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۖ وَإِنْ أَرَدْتُمْ
 اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مِّمَّنْ زَوْجِ الْأَتِيمَةِ أَحَدُوهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَ
 بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۖ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَ وَقَدْ أَضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ
 مِنْكُمْ فَيْثًا غَلِيظًا ۖ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ
 فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۙ

ایمان والوا تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے لیجھو۔ انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے
 کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے مینائی کرے۔ ان کے ساتھ اچھے طریقے سے اور دوش۔ کھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت
 ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی نے
 تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟ تم اسے لے لو گے
 حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن کے تمہارے
 باپوں نے نکاح لیا ہے۔ مگر جو گزر چکا۔ یہ بے حیائی کا کام اور نفی کا سبب ہے۔ اور بڑی بری راہ ہے۔

عورت کو ورثہ میں لینے کی ممانعت: صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے
 وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اور وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح
 میں دیدیتے اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے عورت والوں سے زیادہ حقدار اس عورت کے ہیں گئے جاتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم سے
 خلاف یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہ کے حق سے دست بردار ہو
 جائے یا بونہی بے نکاحی بیٹھی رہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے کوئی اگر اس عورت کا خاوند مرتے ہی اس پر اپنا بیچ ازالہ دیتا اور وہ بی
 اس کا مختار سمجھا جاتا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ کپڑا اڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اور یہ بد صورت ہوتی تو اسے بونہی رو
 کے رکھتا یہاں تک کہ مر جائے پھر اس کے مال کا یہ وارث بنتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گارہاؤ دست کپڑا اڈال دیتا پھر آروہ
 عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا اور بونہی مر جاتی۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس مدینہ کا یہ
 دستور تھا وارث اس عورت کا بھی وارث بن جاتا تھا یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے
 وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں وہاں تیرا نکاح ہو۔ اس طرح کی قید و بند سے آزادی کی پھر یہ صورت ہوتی تھی کہ وہ
 عورت کچھ دے دلائے پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمادیا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابو قیس بن اسلم کا انتقال ہوا تو ان
 کے بیٹے نے انکی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں دستور تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ کسی بچہ کی
 سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا اگر چاہتا خود اپنی
 اس سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دیدیتا مثل بھائی کے بھتیجے کے یا جس کے چاہے

حضرت عکرمہ کی روایت میں ہے کہ ابو قیس کی اس بیوی کا نام کیشہ تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس نے اس صورت کی خبر حضور

ﷺ کو دی کہ نہ مجھے یہ لوگ وارثوں میں گنکر میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے نیکے آجائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی اسے یہ روکے رکھتے اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی تو ہم اس سے نکاح کر لیں گے یا اپنے لڑکے سے اس کا نکاح مرادیں گے۔ ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی ممانعت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑادی و اللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ عورتوں کی بود و باش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے اور مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجب حق وغیرہ سے دست برداری پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جا رہا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے دل نہیں ملا چھوڑنا چاہتا ہے لیکن اس صورت میں مہر وغیرہ تمام حقوق دینے پڑیں گے اس سے بچنے کے لئے اسے ستاتا ہے طرح طرح سے تنگ کرتا ہے تاکہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر بھی چلے جانے پر آمادہ ہو جائے تو اس صورت سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روک دیا۔

ابن سلمانی فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو مٹانے کے لئے اور دوسری امر اسلام کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی۔ ابن مہرک بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحیح ہے و تابعین وغیرہ زنا کاری ہے یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہئے اور اسے تنگ کرے تاکہ خلع پر رضامند ہو جیسے سورہ بقرہ کی آیت میں ہے ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ﴾ الخ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لو مگر اس حالت میں کہ وہ نول کو اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو الخ۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے ﴿فَاَحْشَةُ مُبِينَةٌ﴾ سے مراد خاوند کا خلاف کرنا اس کی نافرمانی کرنا بد زبانی کج خلقی کرنا حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ آیت کے الفاظ عام ہیں زنا کو اور اس کو وہ نول کو شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تاکہ وہ اپنا کل حق یا ٹھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے۔ امام صاحب کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے و اللہ اعلم۔ یہ روایت بھی پہلے گذر چکی ہے کہ یہاں تک اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے جس اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان امر جاہلیت اسلام سے ہٹا دینے کے لئے ہوا ہے۔

ابن زید فرماتے ہیں مکہ کے قریش میں یہ بات جاری تھی کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا اور موافقت نہ ہوتی تو یہ اسے طلاق دیدیتا تھا لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی اس بات پر گواہ شاہد مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا۔ اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا کہ مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا۔ اور وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے روکے رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔ اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی۔ بقول مجاہد یہ حکم اور سورہ بقرہ کی آیت کا حکم، نواہی ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی سے رہو سہوان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو تو نرم بات کہو نیک سلوک۔ واپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَلِهِنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہو“ میں اپنی بیویوں سے بہت اچھی گھر داری برتتا ہوں۔“

نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف و خوشی سے بہت نرم اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے ان کو خوش رکھتے تھے ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے۔

کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں۔ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ آپ ﷺ نے دوڑ کی جس دور میں صدیقہ آئے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد پھر دوڑ ہوئی اب کے حضرت عائشہ بیچنے رہ گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا "اولاد ہلا ہو گیا" اس سے بھی آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہ خوش رہیں ان کا دل ٹہلے۔ جس بیوی صاحبہ کے ہاں آپ ﷺ کو رات گزارنی ہوتی وہیں آپ ﷺ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں دو گھڑی بیٹھتیں بات چیت ہوتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضور ﷺ رات کا کھانا تناول فرماتے پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپ ﷺ وہیں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی۔ اپنی بیوی صاحبہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے کہ تا نکال ڈالتے سرف تہ بند بندھا ہوا ہوتا۔ عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہو الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ ﷺ رکھتے تھے۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی محبت پیار سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہاری اچھائی میرے نبی کی پیروی میں ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں والحمد للہ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بود و باش رکھنے میں بسا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی عطا فرمائے ممکن ہے نیک اولاد ہو جائے اور اس سیالہ تعالیٰ بہت سی خیر نصیب کرے۔ صحیح حدیث میں ہے مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہو گا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہوگی۔ پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے گا ایک خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سا مال دینا بھی جائز ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرما دیا تھا پھر اپنے قول سے رجوع کیا جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دینیوی طور پر کوئی بھلی چیز ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ عمل کرتے۔ حضور ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا یا کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سو روپیہ)۔ انسان لمبا مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ رفت رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے تو میرے کندھوں پر مشابہ لنگوادی! یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ایک میں ہے کہ آپ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگو! تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں! رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے اگر یہ زیادتی تقویٰ اور کرامت کا سبب ہوتی تو تم اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے! خبر دار آج سے میں یہ نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا ہے۔ یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشیہ عورت سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المؤمنین! کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا؟ کہا وہ کیا۔ کہا سنئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَآتِيكُمْ مِنْهُ قِنْطَارًا﴾ الخ تم نے انہیں خزانہ دیا ہوا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ مجھے معاف فرما! عمر سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر آپ واپس چلے گئے اور اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا کہ لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے میں نہیں روکتا۔ ایک روایت میں اس عورت کا اس آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے ﴿وَآتِيكُمْ مِنْهُ قِنْطَارًا مِنْ ذَهَبٍ﴾ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں بھی اسی طرح ہے۔ اور حضرت عمر کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمر پر غالب آگئی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی القصد۔ یعنی یزید بن عیینہ جاری کی بیٹی۔ پوچھ

بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے کیا تو وہ زیادتی کی رقم میں بیت المال میں لے لوں گا۔ اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا کہ حضرت! آپ نے حکم نہیں دے سکتے۔ اٹخ۔

مہر واپس نہیں لیا جاسکتا: پھر فرماتا ہے کہ تم اپنی بیوی کے دیئے ہوئے مہر کیسے واپس لوٹا سکتے ہو؟ حالانکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا حاجت روائی کی وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ جس میں ایک شخص کا اپنی بیوی کی نسبت زنا کاری کرنے کا الزام حضور ﷺ کے سامنے عائد کرنا پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ بخوبی علم والا ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟ تین دفعہ یہ فرمایا تو اس نے مرد نے کہا میں نے جو اپنا مال اس کے مہر میں دیا ہے اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسی کے بدلے تو یہ تیرے لئے حلال ہوئی تھی اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی ہے تو اور بھی دور کی بات ہو گئی۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نصرؓ نے ایک کنواری سے نکاح کیا جب اس سے ملے تو دیکھا کہ اسے زنا کا حمل ہے حضور ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے الگ کر دیا اور مہر و لوادیا اور اس عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا جو بچہ ہو گا وہ تیرا غلام ہے اور مہر تو سبب تھا اس کی صلت کا (ابوداؤد)۔ غرض آیت میں بھی مطلب یہی ہے کہ دونوں میاں بیوی میں خلوت و صحبت ہو چکی ہے پھر مہر واپس لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ عقد نکاح جو مضبوط عہد و پیمانہ ہے اس میں تم جکڑے جا چکے ہو اللہ کا یہ فرمان تم سن چکے ہو کہ بساؤ تو اچھی طرح اور الگ کرو تو عمدہ طریقہ سے چنانچہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ تم ان عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سے لیتے ہو اور ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے حلال کرتے ہو یعنی خطبہ نکاح کے تشہد سے۔ رسول اللہ ﷺ کو معراج والی رات جو بہترین انعامات عطا ہوئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا تیری امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک وہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے (ابن ابی حاتم)۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجت الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے تم نے عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سے لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمے سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔

جس سے باپ نے نکاح کیا وہ بیٹے کیلئے حرام ہے: پھر اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا بھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی جو طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ حضرت ابو قیس جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے اس کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے مانگاؤ الا جوان کی سوتیلی ماں تھیں اس پر اس بیوی صاحبہ نے فرمایا بیشک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں۔ یہاں آئیں اور حضور ﷺ سے ساری کیفیت بیان کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے۔ ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادہ سے باز رکھا گیا ایک تو یہی ابو قیس والا واقعہ ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبید اللہ ضمیرہ تھا۔ دوسرا واقعہ خلف کا تھا نئے گھر میں ابو طلحہ کی صاحبزادی تھیں ان کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا کیٹی کہتے ہیں جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا اور اسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کہا گیا۔ کنانہ بن خزیمہ نے بھی یہی کیا تھا کہ اپنے باپ کی بیوی سے اپنا نکاح کیا تھا نصرؓ اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے تو معلوم ہوا کہ یہ بات ان میں برابر جاری تھی اور جائز تھی اور وہ اسے نکاح شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جن جن رشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان سب کو جاہلیت والے بھی حرام ہی جانتے تھے

سوائے اپنی سوتیلی ماں کے اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام سمجھا دیا۔ حضرت عطاء اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ کنبلی نے کنباتہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ غور طلب اور قابل نظر ہے۔ بالکل صحیح نہیں، واللہ اعلم۔ بہر صورت یہ رشتہ اس امت والوں پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا یہ نہایت فحش اور ہر اکام ہے اور بغض کا سبب اور برابر است ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْقَوَاعِشَ﴾ الخ یعنی کسی برائی بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ اور فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَاتِ﴾ الخ۔ زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام ہے اور بری راہ ہے۔ یہاں اس سے بھی زیادہ فرمایا کہ یہ کام ساتھ ہی ساتھ بڑے بغض کا ہے یعنی فی نفس بھی بڑا برا امر ہے۔ اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے اور عموماً پایا جاتا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں امہات المؤمنین قرار دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں، کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویاں ہیں آپ مثل باپ کے ہیں۔ بلکہ اجماع سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے حق باپ دادوں کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی محبت خود اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے لوان اللہ وسلامہ علیہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے بغض کا موجب ہے اور برابر است ہے اب جو ایسا کام کرے وہ دین سے مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فنی کے داخل کر لیا جائے۔ سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کا مال لے لو۔ حضرت جبراء بن عازب فرماتے ہیں کہ میرے چچا حادث بن عمیر اپنے ہاتھ میں نبی ﷺ کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گزرے میں نے پوچھا کہ چچا! حضور ﷺ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں (مسند احمد)۔ مسئلہ: اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے خواہ ملکیت میں لاکے خواہ شہ سے وہ عورت بیٹے پر حرام ہے ہاں اگر جماع نہ ہو اور صرف مباشرت ہو تو یہ عورت باپ کے لئے حرام نہیں ہے۔ حافظ ابن عساکر کے اس واقعہ سے بھی اس مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ حضرت خدیجہ مصعبی نے جو حضرت معاویہ کے مولیٰ تھے حضرت معاویہ کیلئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوب صورت تھی اور بغیر کپڑوں کے اسے انکے پاس بھیج دیا۔ انکے ہاتھ میں ایک چھتری تھی اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے اچھا نفع ہوتا اگر اس کیلئے اسباب ہوتا پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ پھر کہا نہیں ٹھہر دو ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ یہ بڑے فقیہ تھے جب آئے تو حضرت معاویہ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضاء دیکھے یہ کپڑے پہنے ہوئے نہ تھی اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ حضرت ربیعہ نے فرمایا امیر المؤمنین ایسا کہتے ہیں اس کے قابل نہیں رہی۔ فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو اچھا جاؤ عبد اللہ ابن مسعود فزاری کو بلا لاؤ۔ وہ آئے وہ گندمی رنگ کے تھے ان سے حضرت معاویہ نے فرمایا اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو۔ یہ عبد اللہ بن مسعود وہ ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو دیا تھا آپ نے انہیں پالا پرورش کیا پھر اللہ کے نام پر آزاد کر دیا پھر یہ حضرت معاویہ کے پاس چلے آئے تھے۔

حَرِّمْتُ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتِكُمْ وَبَنَاتِكُمْ وَأَخَوَاتِكُمْ وَعَمَّاتِكُمْ وَخَالَاتِكُمْ وَبَنَاتِ الْأَخِ وَبَنَاتِ الْأُخْتِ وَ

أُمَّهَاتِ اللَّيْلِ أَرْضَعْتِكُمْ وَأَخَوَاتِكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتِ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبِكُمُ اللَّيْلِ فِي

جُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
وَخَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ
سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

حرام کی گئیں تم پر تمہاری ماں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری بیویاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ ماں جو جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری دوپدرش اور وہ لڑکیاں جو تمہاری گود پوں میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو یا اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے صلیبی گئے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دودھ بہنوں کا جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وہ عورتیں جو مردوں پر حرام ہیں؛ نسبی رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سات عورتیں بوجہ نسب کے حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ بہن کی لڑکیوں تک تو نسبی رشتے ہیں۔ جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہی مذہب ابو حنیفہ مالک اور احمد بن حنبل کا ہے۔ امام شافعی سے کچھ اس کی اباحت میں بھی حکایت کیا گیا ہے اس لئے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے بارے میں یہ بیٹی کے حکم میں شامل نہ ہو کر ورثہ نہیں پاتی اسی طرح اس آیت کی حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے واللہ اعلم۔ (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم) پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے حرام ہے۔ بعض فقہاء نے اس میں سے چار صورتیں اور بعضوں نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کے فروع کی کتابوں میں ہیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں اس لئے کہ اسی کی مثل بعض صورتیں نسب میں بھی پائی جاتی ہیں اور ان صورتوں میں کی بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں پس حدیث پر کچھ اعتراض نہیں پڑتا والحمد للہ۔ آئمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو گئی۔ امام مالک یہی فرماتے ہیں۔ ابن عمر سعید بن مسیب عمرو بن زبیر اور زہری کا قول بھی یہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے۔ بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پینے تو حرمت ثابت ہو گئی جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوستا یا دو مرتبہ کا پنی لینا حرام نہیں کرتا۔ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام احمد اسحاق بن راہوی ابو عبیدہ ابو ثور بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علی حضرت عائشہ حضرت ام فضل حضرت ابن زبیر سلیمان ابن یسار سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم میں نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کے دودھ پلانے پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ رہ گیا حضور ﷺ کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔ دوسری دلیل سہلہ بنت سمیل کی روایت میں ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابو صدیقہ کے مولیٰ تھے پانچ مرتبہ دودھ پلائیں۔ حضرت عائشہ اسی حدیث کے مطابق جو عورت کسی کا آنا جانا پسند کرتی اسے یہی حکم دیتیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی یہی فرمان ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا

معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے واللہ اعلم) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھننے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو اس کا منضصل بیان آیت ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ کی تفسیر میں سورہ بقرہ میں نزر چکا ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور آئمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا۔ اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر۔ (صحیح قول جمہور کا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)۔

پھر فرماتا ہے ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہو بوجہ نکاح ہونے کے اس کی ماں اس پر حرام ہو گئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے۔ ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہو گئی اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دیدی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی۔ بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور ان پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لٹایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوئی نہ عورت کی بیٹی۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دیدی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ رپیہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی منقول ہے ایک اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے ہاں اگر مدخولہ سے پہلے طلاق دیدی ہے تو اگر چاہے کر سکتا ہے۔ حضرت بکر ابن کنانہؓ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کر لیا بھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا اس کی بیوی یعنی میری ساس بے خاوند رہ گئی اور تمہیں وہ بہت مالدار تو میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کی لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس سے نکاح کر لوں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے یہ جائز ہے پھر میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہیں نے حضرت معاویہؓ کو لکھا اور ان دونوں بزرگوں کے فتوے بھی لکھے۔ اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں اس کے سوا بھی عورتیں بہت ہیں۔ غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا۔ چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا اور میرا نکاح پھر اس سے نہ کر لیا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں۔ لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے ابن جبیر اور حضرت ابن عباسؓ بھی اسی طرف گئے ہیں حضرت معاویہؓ نے اس میں توقف فرمایا ہے شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد صابونی سے بھی بقول رافعیؓ یہی مروی ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو مخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس کی راند ماں کے حسن کی طرف طبیعت جھکی تو حضرت ابن مسعودؓ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا اس سے اولاد بھی ہوئی پھر حضرت ابن مسعودؓ مدینہ طیبہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں۔ چنانچہ آپ واپس کوفہ گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا۔ جمہور علماء اس طرف ہیں کہ لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تا وقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح

ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دیدے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں چونکہ یہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعود، عمران بن حصین، مسروق، طاہر، عکرمہ، عطار، حسن، مکحول، ابن سیرین، قتادہ اور زہری سے بھی اسی طرح مروی ہے چاروں اماموں، ساتوں فقہاء اور جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے واللہ اعلم۔ امام ابن جریج فرماتے ہیں ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو اس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے پھر اس پر اجماع ہے جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز ہی نہیں جب کہ اس پر اتفاق ہو۔ اور ایک غریب حدیث میں یہ بھی مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اسے اس کی ماں سے نکاح کرنا حلال نہیں اس لڑکی سے مل لیا ہو تو اور نہ ملا ہو تو بھی ہاں جس عورت سے نکاح کیا ہے پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دیدی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اس کی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد دوسری گواہی کی ضرورت نہیں (ٹھیک مسئلہ یہی ہے واللہ اعلم مترجم)۔

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں یہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے اپنی ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں یا نہ پلی ہوں حرام ہیں چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ کوئی قید نہیں جیسے اس آیت میں ہے ﴿وَلَا تُكْرَهُوا فِتْيَانِكُمْ عَلَى الْبِعَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ نَحْصِنًا﴾ یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو۔ یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو۔ اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں گونہ ہوں پھر بھی حرام ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی غزوہ سے نکاح کر لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتی ہو؟ مائی صاحبہ نے کہا ہاں میں آپ ﷺ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو مجھے وہ حلال نہیں۔ ام المومنین نے کہا ہم تو سنتی ہیں آپ ﷺ ابو سلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ سے ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا سنو اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے دوسرے یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ بھائی کی بیٹی میری بیٹی ہیں مجھے اور اس کے باپ ابو سلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے خیر دار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو۔ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اگر میرا نکاح ام سلمہ سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں۔ پس حرمت کی اصل صرف نکاح کو آپ ﷺ نے قرار دیا یہی مذہب چاروں اماموں، ساتوں فقہوں اور جمہور سلف و خلف کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مالک بن انس بن حدثان فرماتے ہیں کہ میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں مجھے ان سے بہت محبت تھی اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا حضرت علیؑ سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے اگلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے میں نے کہا ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے فرمایا پھر اس سے نکاح کر لو۔ میں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے

تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ تو بقول تیرے طائف میں ہے تیرے پاس ہے ہی نہیں۔ گو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن یہ قول بالکل غریب ہے۔ داؤد بن علی ظاہری اور اس کے اصحاب بھی اسی طرف گئے ہیں اُرافعی نے حضرت امام مالک کا بھی یہی قول بتلایا ہے ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ہمارے شیخ حافظ ابو عبد اللہ ذہبی نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا واللہ اعلم بحجورہ سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابو عبیدہ سے مروی ہے یہاں جو لونڈی ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو اس کے بارے میں حضرت عمرؓ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوگی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا اس کی سند منقطع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے دوسری آیت سے حرام اس لئے میں تو اسے ہرگز نہ کروں۔ شیخ ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی خلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے بوجہ اس کی ملکیت ہونے کے وطی کرے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بنا پر وطی کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دیا ہے یہ آیت ملاحظہ ہو اور علماء کے نزدیک احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے کی جاتی ہے۔ لیکن آئمہ فتویٰ اور ان کے تبعین میں سے کوئی بھی اس پر نہیں۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اسی طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے سب حرام ہیں۔ حضرت ابو العالیہ سے بھی اسی طرح یہ روایت قتادہ مروی ہے **﴿ذَخَلْتُمْ بُهَنَ﴾** سے مراد حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں ان سے نکاح کرنا ہے حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دی جائے پھر اپنا دیا جائے چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے۔ ابن جریر نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہو اہو۔ فرمایا ہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جائے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دیدی ہے تو تمام کے اجماع سے بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہو گی تا وقتیکہ جماع نہ ہو اہو۔ پھر فرمایا تمہاری بیوی میں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اپنی اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے خسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے **﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ﴾** الخ یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دیدیا تاکہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے۔ حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی اس پر یہ آیت اور آیت **﴿وَمَا جَعَلْ أَدْعِيَائَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ﴾** اور آیت **﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾** نازل ہوئیں یعنی بیشک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے تمہارے لے پالک لڑکے شرمنا تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں آنحضرت ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں حسن بن محمد فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں تمہاری سائیں حضرت طاؤسؓ ابراہیمؓ زہریؓ اور مکحولؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ میں کہتا ہوں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں کو شامل ہیں صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت کیسے ثابت ہوگی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا رضاعت سے وہ حرام ہے جو نسب سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ دو بہنوں کا

نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے۔ اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت و طی حرام ہے، مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا اس سے ہم درگزر کرتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں، جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا يَدْخُلُونَ فِيهَا الْمَوْتِ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى﴾ یعنی وہاں موت نہ پائیں گے ہاں پہلی موت جو آئی تھی وہ آچکی۔ تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحابہ تابعین آئمہ اور سلف و حلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دیدے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا۔ حضرت فیروز فرماتے ہیں میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں پس آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دیدوں (مسند احمد)۔ ابن ماجہ ابو داؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے ترمذی میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دیدو۔ امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ابو خراش سے ایسا واقعہ بھی مذکور ہے ممکن ہے کہ نحاک بن فیروز کی کنیت ابو خراش ہو اور یہ واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔

حضرت دیلمی نے رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو طلاق دیدو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد فیروز ہیں۔ یہ یمن کے ان سرداروں سے تھے جنہوں نے اسود غسی متنبی ملعون کو قتل کیا۔ دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کر کے ان سے و طی کرنا بھی حرام ہے، اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں کو شامل ہے۔ حضرت ابن مسعود سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتلایا۔ سائل نے کہا قرآن میں جو ہے ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی مکروہ جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں، اس پر حضرت ابن مسعود نے فرمایا تیرا اونٹ بھی تو تیرے دائیں ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور آئمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں، گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے دوسری حرام میں تو اس سے منع نہیں کرتا۔ سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی سے ملاقات ہوئی، اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً حضرت علیؑ تھے۔ حضرت زبیر بن عوام سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ استاذ کار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیسہ بن ذویب نے حضرت علیؑ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا۔ حضرت ایس بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں دونوں آپس میں بہنیں ہیں ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمائیں شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کیے ہو۔ اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کر دوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دیدے یا انتقال کر جائے تو وہ لوٹ کر تمہاری طرف آجائے گی اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حالت و حرمت کے لحاظ سے یکساں ہی ہیں ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور ودھ پلائی کے رشتے سے بھی وہ تمام عورتیں اس رشتہ کی حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کی بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہوگی کہ

یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لئے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لئے سود مند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی (واللہ اعلم۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمانؓ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ثابت ہوتا ہے اور دوسری سے حلال۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن ان کے خود آپس میں جو قرابت ہو اس سے مجھ پر حرام نہیں کرتیں 'جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو یعنی جو ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنے کو وہ حرام نہیں جانتے تھے لیکن اسلام نے ان دونوں کو بھی حرام کیا اسی وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا دیا کہ جو نکاح ہو چکے وہ ہو چکے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں عدد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زائد جمع نہیں کر سکتے لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں۔ حضرت شعیبؓ بھی یہی فرماتے ہیں ابو عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہ سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباسؓ بھی ہیں، لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہیں حضرات سے بہت کچھ اختلاف پڑا ہوا ہے دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علماء کرام نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا۔ حجاز، عراق، شام بلکہ مشرق و مغرب کے تمام فقہاء اس کے خلاف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر اور سوچ سمجھ اور غور و خوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کا خلاف کیا ہے۔ کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیاں بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بہ وجہ ملکیت کے ایک ساتھ مل جل نہیں سکتے۔ اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی میل جول حرام ہے غرض نکاح کی اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال۔ اسی طرح ٹھیک یہی حکم دو بہنوں کے جمع کرنا اور ساس اور دوسرے خاوند سے عورت کی جوڑ کی ہو اس کا ہے خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی وہ دلیل ہے جو ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے۔ الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کے رکھ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ تَفْسِيرُ ابْنِ كَثِيرٍ كَأُجُودٍ تَهَارَهُ تَمَامٌ هُوَا ﴾

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ
 لَكُمْ مِمَّا وَّرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا
 اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَ
 ضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ٥١

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آجائیں اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو بڑے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لئے۔ جس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو ملے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

کفار کی قیدی عورتوں کے بارے احکام: یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں، ہاں کفار کی جو عورتیں میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جنگ او طاس میں قیدی عورتیں آئیں جو خاوند والیاں تھیں تو ہم نے نبی اکرم ﷺ سے ان کے بارے میں سوال کیا جس کی بابت یہ آیت اتری اور ان سے ملنا حلال کیا گیا۔ ترمذی ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کامل جانا ہے۔ ابراہیم سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہ کا یہی فتویٰ بیان کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی عورت بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حق دار اس کا مالک ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں بیچنا بھی طلاق سے آزاد کرنا بھی ہبہ کرنا بھی، برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی۔ (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں۔ چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں۔ مترجم)۔

حضرت ابن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے، لیکن لونڈیاں کہ ان کی طلاق ان کا بک جانا ہے۔ حضرت معمر اور حسنؓ بھی یہی فرماتے ہیں جو ان بزرگوں کا قول ہے۔ لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں ہے اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال رہا ہے اور اسے اس سے سب کر کے بیچ رہا ہے۔ ان کی دلیل حضرت بریرہؓ والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح حضرت مغیثؓ سے منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں منسوخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہؓ نے منسوخ کرنے کو پسند کیا۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ پس اگر بک جانا ہی طلاق ہو تا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت ﷺ حضرت بریرہؓ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دیتے۔ اختیار دینا دلیل ہے نکاح باقی رہنے کی۔ تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

محضات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عقیقہ عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابو العالیہ اور طاؤسؓ یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبیدہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں لونڈیوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے یعنی چار کا۔ پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں۔ لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطا کا قول ہے۔ قنادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہی آیت دلیل ہے ان لوگوں کی جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حالت کے قائل ہیں۔ اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت سے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بہ طریق شرح۔ اسی لئے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور شہوت رانی مقصود نہ کر کے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ کا مہر دیا کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمُ إِلَىٰ بَعْضٍ ۚ ﴾ یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لوگے حالانکہ ایک دوسرے سے لٹ چکے ہو۔ اور فرمایا ﴿ وَأَتُوا النِّسَاءَ صِدْقًا لِّبَهُنَّ نِحْلَةً ۚ ﴾ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو۔ اور جگہ فرمایا ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا ۚ ﴾ تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے۔

مہر کی ادائیگی اور نکاح متعدی کی حرمت اس آیت سے نکاح متعدی پر استدلال کیا ہے۔ بے شک متعدی ابتداء اسلام میں مشرور تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا۔ امام شافعی اور علماء کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعدی مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ اور چند دیگر صحابہؓ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے۔ ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ سعید بن جبیر اور سعدیؓ سے ﴿ مَنَّهُنَّ ۚ ﴾ کے بعد ﴿ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ﴾ کی قرأت مروی ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علیؓ والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن نکاح متعدی سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مفسر ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ہر وہ بن معبد جنسی سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعدی کرنے کی رخصت دی تھی یاد رکھو بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔ صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا ﷺ تھا یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے جن کی تفصیل کی جگہ احکام کی کتاب میں ہے۔

پھر فرمایا تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضا مندی کچھ طے کر لو تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے پہلے کو متعدی پر محمول کرنے والے تو اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھالینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ سعدیؓ کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقررہ مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر کہہ دے کہ میں اتنی مدت کے لئے پھر متعدی کرتا ہوں۔ پس اگر اس نے رجم کی پاکیزگی سے پہلے زیادتی ٹھہرائی تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی

دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور ایک حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کرے گی۔ ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث ہوگی نہ یہ مرد اس عورت کا۔ اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی بابت کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ مہر کی ادائیگی کی تاکید بیان ہو رہی ہے۔ جیسے فرمایا مہر یا سانی اور خوشی سے دیا کرو ہاں اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنا پورے حق کو یا تھوڑے حق کو چھوڑے معاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت حضرت فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں پھر ممکن ہے تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنے حق چھوڑ دے تو جائز ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ علیم و حکیم ہے ان احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں جو حکمتیں ہیں اور مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مِمَّا مَلَكَتْ

أَيْمَانُكُمْ مِنْ فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَإِنْ كُنْتُمْ

هُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِّحَاتٍ وَ

لَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ

مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا

خَيْرٌ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤٥﴾

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی تو ہو۔ تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہر ان کو وہ وہ پاک و امن ہوں نہ طمانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں جب یہ لونڈیاں نکاح میں آگئیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدمی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ کئیوں کے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان سے لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو لونڈی سے نکاح کر لو: ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت و قدرت نہ ہو۔ ربیعہ فرماتے ہیں ﴿طول﴾ سے مراد قصد و خواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش۔ امام ابن جریر نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے توڑ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا حال جب ہو تو مسلمانوں کی ملکیت میں جو مسلمان لونڈیاں ہیں ان سے وہ نکاح کر لے۔ تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر آشکارا ہے۔ تم تو صرف ظاہر بین ہو۔ تم سب آزاد غلام ایمانی رشتہ میں ایک ہو۔ لونڈیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کیا کرو۔ معلوم ہوا کہ لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضا مندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے

جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے وہ زانی ہے۔ ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرے جو عورت کا نکاح کر سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرے نہ عورت اپنا نکاح کرے نہ عورتیں زنا کار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتیں ہیں۔

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوش نفسی سے دے دیا کرو گھٹنا کر کم کر کے تکلیف پہنچا کر لونڈی سمجھ کر کمی کر کے نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں نہ ایسی ہوں کہ اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں نہ تو علامتہ زنا کار ہوں نہ خفیہ بد کردار ہوں کہ اوہ اوہر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چپاتے دوست آشنا بناتی جائیں۔ جو ایسی بد اطوار ہوں ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے ﴿أَحْصَنَ﴾ کی دوسری قرأت ﴿أَحْصَنَ﴾ بھی ہے کہا گیا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے، لیکن یہ حدیث منکر ہے اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں، ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی۔ دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اس کا نام نہیں، ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہے۔ امام شافعیؒ سے ابو علی طبری نے اپنی کتاب ایضاح میں یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کر لے۔

ابن عباسؓ سے بھی یہ منقول ہے۔ شععی اور نخعی بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قرأتوں کے اعتبار سے معنی کبھی بدل جاتے ہیں۔ ﴿أَحْصَنَ﴾ سے مراد تو نکاح ہے اور ﴿أَحْصَنَ﴾ سے مراد اسلام ہے۔ ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہی ہے واللہ اعلم۔ اس لئے کہ سیاق آیت کی دلالت اسی پر ہے۔ ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے۔ بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں ابھی اشکال باقی ہے۔ اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ باوجودیکہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو، پس اس کے مختلف جوابات ہوئے ہیں۔ جمہور کا قول ہے کہ ب شک منطوق مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ ”لو گوا اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو وہ محصنہ ہوں یا نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا۔ چونکہ وہ نفاس میں تھی اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مرنے جائے۔ چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا۔“

مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا فرماتے تھے۔ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے، پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑگ نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی کے بدلے ہی ہو۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے۔ عبد اللہ بن عیاش بن ابوربیعہ مخزومی فرماتے ہیں کہ ”ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروقؓ نے امارت کی لونڈیوں میں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا۔ ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے۔“ دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا بطور ادب سکھانے اور بازار کھنے کے ہے۔ ابن عباسؓ

اسی ظرف گئے ہیں۔ طاؤس "سعید" ابو سعید "داؤد" طاہری کا مذہب بھی یہی ہے کہ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے۔ اور ابو ہریرہ "اور زید بن خالد" کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور محض نہ ہو یعنی نکاح نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر بیچ ڈالو گوا ایک بالوں کی رسی کے عوض ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ راوی حدیث ابن شہاب فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا جو تھی مرتبہ کے بعد۔

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محضہ کے بارے میں صاف فرمادیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محضات کی نسبت نصف حد ان پر ہے۔ پس آیت و حدیث میں اس طرح تطبیق دینی واجب ہو گئی واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباس نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احسان والی نہ ہو جائے۔ یعنی جب تک کہ وہ نکاح والی نہ ہو جائے۔ پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے۔ یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اسے مرفوع کرنا خطا ہے یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ نتیجی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر والی احادیث ۳ ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں۔ اور ابو ہریرہ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں ایک تو یہ کہ یہ معمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور وہ دو والی مقدم ہے ایک والی پر۔ اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ پھر جب زنا کاری کرے تو بیچ دو اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد پر لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو بیمار زنی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کتوارے کو سو کوڑے اور بیابے ہوئے کو یا وطنی کو رجم واللہ اعلم۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیر کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا اسے زنا پر مارا نہ جائے۔ اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ تو یہ قول بالکل غریب ہے۔ ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو یہ اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا دی جائے پس یہ حضرت ابن عباس وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا واللہ اعلم۔ تیسرا جواب یہ ہے آیت میں دلالت ہے کہ محضہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے لیکن محضہ ہونے سے پہلے کتاب و سنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مانے جائیں۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ یعنی زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔ اور جیسے حدیث

میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میری بات لے لو میری بات سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اسی طرح کی اور احادیث بھی ہیں۔ حضرت داؤد بن علی ظاہری کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محضہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محضہ نہ ہوں اس سے بھی زیادہ سزا کی سزا اور وہ کیسے ہو سکتی ہیں حالانکہ قاعدہ شریعت یہ ہے کہ احسان سے پہلے سزا ہے اور احسان کے بعد زیادہ سزا ہے پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ دیکھئے شارح علیہ السلام سے آپ ﷺ کے سن پہلے غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ ﷺ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ۔ پس اگر اس کا وہی حکم ہو تا جو داؤد سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضور اکرم ﷺ پر واجب تھا اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے سو کوڑے مارنے کا بیان نہیں اور نہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا اگر یہ آیت اتری ہوتی نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضور اکرم ﷺ نے جواب دے کر معلوم کر دیا۔

جیسے بخاری و مسلم میں ہے کہ جب صحابہ نے حضور اکرم ﷺ سے آپ ﷺ پر رو د پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** نازل ہوا اور صلوة و سلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہ نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں صلوة کی کیفیت بیان فرمائیے۔ پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے۔ منہبوم آیت کا پوچھا جواب ابو ثور کا ہے جو داؤد کے جواب سے زیادہ بوجہ ہے وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زنا کاری کی حد ان پر آدھی ہے اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زنا کاری کی حد ہے تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔ پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خائف ہے بلکہ امام شافعی تو فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں اس لئے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان پر محضات کا نصف عذاب ہے اور محضات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محضات جن کا بیان آیت کے شروع میں **وَإِنْ يَتَّبِع الْمُحْصَنَاتُ** میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں ہیں۔ اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زنا کاری کی جو سزا تھی اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں وہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس سے حصے نہیں ہو سکتے واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابو ثور سے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے۔ اس میں ہے کہ صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زنا کاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا عوی زانی سے یہاں۔ مقدمہ حضرت عثمان کے پاس پہنچا۔ آپ نے حضرت علیؑ کو اس کا تصفیہ سونپا۔ اللہ کے شہر نے فرمایا میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہے۔ بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد منہبوم سے تنبیہ ہے اعلیٰ کے

ساتھ ادنیٰ پر یعنی جب کہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے ادھی حد ہے پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد از نکاح دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے۔ صاحب الايضاح یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعی سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں۔ امام بیہقی اپنی کتاب "سنن و آثار" میں بھی اسے لائے ہیں لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے اس طرح کہ ادھی حد ہونے کی دلیل صرف آیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے سوا میں ادھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے اس لوٹڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا۔ امام احمد کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد ادھی ہی ادھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں اور آریہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لوٹڈیوں کے بارے میں ادھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے۔ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ لوگو! اپنے ماتحتوں پر حد جاری کرو شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ اور وہ عام احادیث جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوند والی اور بے خاوند والی کی کوئی تفصیل نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کی لوٹڈی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (ملخصاً)۔

الغرض لوٹڈی کی زنا کاری کی حد میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہونے کے بعد بھی یہی حد رہے گی۔ اور اسے جلا وطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلا وطنی ہوگی دوسرے یہ کہ نہ ہوگی تیسرے یہ کہ جلا وطنی میں ادھواڑ کو ٹھوڑا رکھا جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا نہ کہ پورے سال کا۔ پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے۔

یہ تینوں قول امام شافعی کے مذہب میں ہیں لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک جلا وطنی تعزیر کے طور پر ہے وہ حد میں سے نہیں ہے امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلا وطنی دے یا نہ دے۔ مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ ہاں امام مالک کے مذہب میں ہے کہ جلا وطنی صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں پر نہیں اس لئے کہ جلا وطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلا وطن کیا گیا تو حفاظت میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالنے کی حدیث صرف حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری)۔ اس سے معنوی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکالے جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

دوسرا قول یہ ہے کہ لوٹڈی کو اس کی زنا کاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی۔ لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا جائے گا جیسے حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے۔ لیکن اگر اس سے یہ مراد نہ لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ تاویل مذہب ہوگا ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جاسکتا ہے۔ اور قول یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب۔ پھر فرمان ہے کہ لوٹڈیوں سے نکاح کرنا ان شرط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے

لئے ہے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد ان پر بہت شاق گزر رہا ہو اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہوں تو بے شک انہیں پاک و امین لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں کبھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے مانگ کی لونڈی غلام ہوگی۔

ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعی کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔ پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ اس وقت میں ہے جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ رکے رہنے کی طاقت ہو بلکہ زنا واقعہ ہونے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے دوسرے ایک طرح کی سببی ہے کہ آزاد عورتوں سے ہٹ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔

ہاں جمہور کے مخالف امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی ہیں وہ کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو گو اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور گو اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو۔ اس کی بڑی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دینے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں آیت عام ہے آزاد غیر آزاد سب کو شامل ہے اور محصنات سے مراد پاک و امین ہائے عورتیں ہیں۔ لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ

الشَّهَوَاتِ أَنْ تَسِيلُوا مِيدًا عَظِيمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ

الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھال کریاں کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لو مادم اللہ تعالیٰ پورے علم و حکمت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے۔ اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور رہت جاؤ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بائیں تخفیف کرے۔ یوں کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام میں سختی نہیں کیونکہ انسان کمزور ہے؛ فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال و حرام تم پر کھول کھول کر بیان فرمادے (جیسے کہ اس سورت میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا) وہ چاہتا ہے کہ اگلے لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تاکہ تم اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور اس کی رضامندی کی ہے وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے جس گناہ سے جس حرام کاری سے تم توبہ کرو وہ فوراً قبول فرمالیتا ہے۔ وہ علم و حکمت والا ہے اپنی شریعت اپنے اندازے اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے۔ خواہش نفسانی کے پیروکار یعنی شیطانوں کے غلام یہود و نصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم و احکام

میں روکنے ہٹانے میں شریعت اور اندازے مقرر کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدا کنشی کمزور ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور یہاں آکر بالکل بے وقوف بن جائے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرة المنتہی سے لوٹے اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا ہر دن رات میں پچاس نمازیں۔ تو کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف طلب کیجئے آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں وہ اس سے بہت کم میں گھبرائے تھے اور آپ کی امت تو کانوں آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

چنانچہ آپ واپس گئے دس معاف کرائے پھر بھی یہی باتیں ہوئیں پھر گئے پھر دس کم ہوئیں یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ ہی رہ گئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ١٩
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى
اللَّهِ سِيرًا ٢٠ إِنَّ تَجْتَنِبُوا كَبِيرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُنْذِرْ
خَلْقًا مُّذْخَلًا كَرِيمًا ٢١

اے ایمان والو امت کھاؤ اپنے آپس کے مال نامجاز طریقہ سے مگر یہ کہ ہو خرید و فروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔ اور جو شخص کمرے گایہ سر نشی اور ظلم سے تو منقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں اور وہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔ اگر تم بچتے رہو گے ان سے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔

خلاف شرع تجارت اور بیع خیاری: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خواری، قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی گو اسے شرعی صورت جو ازگی دیدی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ نے اس آیت کی تاویل کر دی یعنی اسے باطل مال کھانے میں شامل کیا۔ حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں یہ آیت محکم ہے یعنی مسنوخ نہیں نہ قیامت تک مسنوخ ہو سکتی ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے کھانا چھوڑ دیا جس پر آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ﴾ اتری۔ ﴿تِجَارَةٌ كَوِ تِجَارَةٌ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت

والے اسباب سے مال نہ ہو ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی رضامندی سے ہو۔ جیسے اور جگہ ہے کسی بے گناہ جان کو نہ مارا ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔ اور جیسے دوسری آیت میں ہے ہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔ حضرت امام شافعیؒ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں خرید و فروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے۔ صرف لین دین کر لینا کبھی بھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا۔ اور جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ تینوں اور اماموں کا قول ہے کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کم قیمت معمولی چیزوں میں تو صرف لینا دینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ ہو صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے واللہ اعلم۔ مجاہد فرماتے ہیں خرید و فروخت ہو یا بخشش ہو سب کو یہ حکم شامل ہے۔ ابن جریر کی مرفوع حدیث میں ہے تجارت رضامندی ہے اور بیوپار کے بعد اختیار ہے کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو دھوکہ دے۔ یہ حدیث مرسل ہے پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری اختیار والے ہیں جب تک جدا نہ ہوں۔ بخاری شریف میں ہے جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو ہر ایک کو اختیار ہے جب تک الگ الگ نہ ہوں۔ اسی حدیث کے مطابق امام احمدؒ امام شافعیؒ اور ان کے سب ساتھیوں کا فتویٰ ہے اور جمہور سلف و خلف کا بھی اور اسی پوری رضامندی میں داخل ہے خرید و فروخت کے تین دن بعد میں اختیار دینا بھی گو وہ اختیار سال بھر تک کا ہو جیسے گاؤں والوں میں وغیرہ۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ گوان کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب میں بھی ایک قول یہ ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کے مال بیجا طور پر مار کر کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے اور ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمم کر کے اپنی جماعت کو صبح کی نماز پڑھادی۔ جب وہاں سے واپس ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھادی۔ میں نے کہا حضور ﷺ اجازت تھی اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اپنے تین ہلاک نہ کرو اللہ رحیم ہے میں نے تیمم کر کے نماز پڑھادی تو آپ ﷺ ہنس دیے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا اور پھر آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ عذر پیش کیا۔ بخاری و مسلم میں ہے جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مر جانے کی نیت سے زہر کھالے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا۔ اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے تین جس چیز سے قتل کرے گا وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک کے زخم لگے اس نے چھری سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالا خون نہ تھا اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا میرے بندے نے اپنے تین فنا کرنے کی جلدی کی میں نے اس پر جنت کو حرام کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے جو شخص اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ کرے یعنی حرام جانتے ہوئے اس کا مرتکب ہو اور ولیہ انہ طور سے حرام پر کاربند ہو وہ جہنمی ہے۔ پس ہر عاقل کو اس سخت ڈراوے سے ڈرنا چاہئے۔ دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام

کاریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

کون کون سے گناہ کبیرہ ہیں: پھر فرماتا ہے اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرمادیں گے اور تمہیں جنتی بنادیں گے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم نے نہیں دیکھا مثل اس کے جو ہمیں ہمارے رب کی طرف سے پہنچی ہے۔ پھر ہم اس کے لئے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے سوائے کبیرہ گناہوں کے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی احادیث بھی ہیں۔ تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟" میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کی پیدائش کو جمع کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اب جو میں جانتا ہوں وہ سنو جو شخص اس دن اچھی طرح پائیزگی حاصل کر کے نماز جمعہ کے لئے آئے اور نماز ختم ہو جانے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ قتل سے بچا ہوا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تین مرتبہ یہی فرمایا پھر سر نیچا کر لیا اور ہم نے بھی سر نیچا کر لیا اور لوگ رونے لگے اور جی دھل گیا کہ اللہ تعالیٰ جانے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کس چیز پر قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے تھوڑی دیر میں آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور آپ ﷺ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو اس قدر خوش نہ ہوتے۔ اب آپ ﷺ فرماتے لگے جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔

جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے ان کی تفصیل بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح پر آئی ہے کہ آپ نے فرمایا ان سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پوچھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور اسے قتل کرنا جس کا قتل حرام ہو ہاں اگر کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے اور جادو کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے سے بھاگ کھڑا ہونا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو تہمت لگانا۔ ایک روایت میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس میں قیام کر لینا۔ یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہ ہیں جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت بودا قول اور غلط اصول ہے بالخصوص اس وقت جب کہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجت الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! سن رکھو اللہ تعالیٰ کے ولی سرف نمازیں ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجالاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں فرض جان کر اور ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھ کر اسی طرح ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا شرک، قتل، میدان جنگ سے بھاگنا، یتیم کھانا، سود خواری، پاک دامنوں کو تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندہ اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے وہ نبی اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں سونے کے محلوں میں ہوگا۔

حضرت طیلہ بن میاسؓ فرماتے ہیں مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا۔ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ

سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا وہ کبیرہ گناہ نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا کسی کو بلا وجہ مار ڈالنا میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا سود کھانا یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا مسجد حرام میں الخاد پھیلانا اور جاہ و جائزہ جانا اور ماں باپ کو بوجہ نافرمانی کے رانا۔ حضرت طیبہ بن میاس فرماتے ہیں کہ اس کے بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمر نے دیکھا کہ میرا ڈر خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا۔ کیا تجھے جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا ہیت ہے۔ فرمایا سنو کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا صرف والدہ حیات ہیں۔ فرمایا بس تو تم ان سے نرم گامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیبہ حضرت ابن عمر سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے اس وقت حضرت عبداللہ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہا رہے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے تہمت دھرنے کا ذکر کیا تو میں نے کہا کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں۔ اور اس میں گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کہا تم کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کہا تم سات ہیں۔ میں نے پوچھا کیا کیا تو فرمایا شرک اور تہمت۔ میں نے کہا کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے۔ فرمایا ہاں ہاں اور کسی مومن کو بے سبب مار ڈالنا اور لڑائی سے بھاگنا اور جادو اور سود خوری اور مال یتیم کھانا اور نافرمانی والدین اور بیت اللہ میں الخ۔ جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے نماز قائم رکھنے زکوٰۃ ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے وہ جنتی ہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہا تم کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا مسلمان نفس کو قتل کرنا لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض تھے سنن تھیں ویت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزم کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی تھی۔ اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایمان دار شخص کا قتل بغیر حق کے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے ہمارے دی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ناکردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا۔ ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے اور حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ﷺ ایک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب یہ بیان فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات اس وقت آپ ﷺ تلے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کو بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش اب تو آپ نہ دہرائیں۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا حضور ﷺ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے یا جو دیکے تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔ میں نے پوچھا پھر کونسا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے آیت **وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِلَّا مِنْ نَابٍ تَكْ پڑھی۔**

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر

جھوٹ بول سکتا ہے؟ شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے یہ کام تمام خباثوں کی ماں ہے شرابی تارک نماز ہوتا ہے وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپھی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے بہت سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر نکالا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے تو کسی کے پاس انتہائی جواب نہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے دریافت کر آؤ میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے واپس آ کر اس مجلس میں جواب سنایا۔ اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا پھر اس سے کہا یا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی ایک کو کر۔ یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کریا کر یا سورا کا گوشت کھا۔ اس نے غور و تامل کے بعد جان کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا۔ جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں وہ ان تمام کاموں کو کر گزرا جن سے وہ پہلے رکاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ واقعہ گوش گزار فرمایا کہ ہم سے فرمایا جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی عادت میں ہی مر جائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیتا ہے۔ اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے (بخاری وغیرہ) ابن ابی حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر زیادتی کرے اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے۔ جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی اس نے اس کے باپ کو اس نے اس کی ماں کو برا کہا اس نے اس کی ماں کو۔ بخاری شریف میں ہے سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے اکبر الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔

ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دو نمازوں کو عذر بغیر جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں گھسا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی اس میں بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ الغرض ظہر عصر یا مغرب عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے اس کے گناہ کا تو کیا ٹھیک ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔ اور روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کے اعمال غارت ہو گئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی گویا اس کا مال اور اس کے اہل و عیال ہلاک ہو گئے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا گیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے مکر سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے۔ اسی کی مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود پر موقوف ہے۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ پہلے وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آکر بسنے کو بھی بیہ گناہ فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے۔ سات کبیرہ گناہوں میں سے ایک اسے گناہ لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور اسے مرفوع کہنا غلط ہے۔ ٹھیک بات وہ ہے جو تفسیر ابن جریر میں مروی ہے کہ حضرت علیؓ کو فنی کی مسجد میں ایک مرتبہ کھڑے ہو کر منبر پر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے۔ جس میں فرمایا لوگو! کبیرہ گناہ سات ہیں۔ اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے اسی کو پھر دہرایا پھر دہرایا پھر فرمایا تم مجھ سے اس کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المؤمنین فرمائیے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا جس جان کو اللہ تعالیٰ نے مار ڈالنا حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا پاک دامن عورتوں پر تہمت چڑھانا یتیم کا مال کھا جانا سود خوری کرنا لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا ہجرت کے بعد پھر دار الکفر میں آسنا۔ راوی حدیث حضرت محمد بن سہل بن اپنے والد حضرت سہل بن خنیسہ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہو گا کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے مجاہدین میں اس کا نام درج کر دیا جائے پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دار الکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا خبردار ہو جاؤ وہ چار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ خون ناحق سے بچو ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے زنا کاری نہ کرو، چوری نہ کرو۔ وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا یتیم کا مال کھانا لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا پاک دامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا ماں باپ کی نافرمانی کرنا جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، خیانت کرنا، جادو کرنا، سود کھانا، یہ سب کبیرہ گناہ ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور اس گناہ کو کہاں رکھتے ہو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں، آخر آیت تک آپ نے تلاوت کی۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے۔

کبیرہ گناہوں کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال: اب اس بارے میں سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے جو اقوال ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ ابن جریر میں ہے چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبد اللہ بن عمرو سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لئے ہم امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرو انہیں لے کر مدینہ آئے، حضرت عمرؓ سے ملے۔ آپ نے پوچھا کب آئے؟ جواب دیا کہ اتنے دن ہوئے۔ پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا جواب دیا پھر ان لوگوں کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا انہیں جمع کرو۔ پھر ان کے پاس آئے اور ان میں سے ایک سے پوچھا تجھے اللہ تعالیٰ اور حق اسلام کی قسم ہے تو نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو نے اپنے جی میں اسے محفوظ بھی کر لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں اور کہاں کہہ دیتا تو حضرت عمرؓ سے دلائل سے عاجز کر دیتے۔ پھر فرمایا اپنی نگاہ میں اپنی زبان پر اپنی چال میں اسے گھیر لیا ہے۔ پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا۔ پھر فرمایا تم عمر کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ ہمارے رب کو پہلے ہی سے ہماری خطاؤں کا علم تھا۔ پھر آپ نے آیت **إِنْ تَجْتَنِبُوا** کی

تلاوت کی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آتے کا یہ سبب معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کہنا پڑتا۔ اس کی اسناد حسن ہے اور متن بھی حسن ہے گو یہ روایت حسن کی حضرت عمرؓ سے ہے جس میں انقطاع ہے۔ لیکن اتنے سے نقصان کو اس کی پوری شہرت کافی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کبیرہ گناہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، کسی کو مار ڈالنا، یتیم کا مال کھانا، پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا، لڑائی سے بھاگ جانا، ہجرت کے بعد دارالکفر میں قیام کر لینا، جادو کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، سود کھانا، جماعت سے جدا ہونا، خرید و فروخت توڑ دینا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کشادگی سے مایوس ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کے مکر سے بے خوف ہونا ہے۔ ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورہ نساء کے شروع سے لے کر تیس آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿ اِنْ تَحْتَسِبُوا ﴾ کی تلاوت کی۔

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں۔ کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کو ناخوش کرنا، آسودگی کے بعد بچے ہوئے پانی کو حاجت مندوں سے روک رکھنا، اپنے پاس کے نر جانور کو کسی مادہ کے لئے بغیر کچھ لئے نہ دینا ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے بچا ہو یا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے۔ اور روایت میں ہے تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ایک شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔ مسند احمد میں ہے جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روک رکھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت ﴿ عَلٰی اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا ﴾ میں۔ حضرت انس بن مالکؓ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں۔ یعنی آیت ﴿ اِنْ تَحْتَسِبُوا ﴾ کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے لوگوں نے کہا۔ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے فرمایا، کئی کئی مرتبہ سات ہیں۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا سات ہلاک و درجہ ہے ورنہ ستر ہیں ایک اور شخص کے اس کہنے پر آپ نے فرمایا وہ سات سات ہیں اور سات تو بہت ہی قریب ہیں ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار اور ہمیشگی اور دوام کرنے سے صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور سند سے مراد ہے کہ آپ نے فرمایا جس گناہ پر جہنم کی وعید ہے یا غضب الہی کی یا لعنت کی یا عذاب کی وہ کبیرہ ہے۔ اور روایت میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرمادے وہ کبیرہ ہے جس کام میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہؓ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، قتل نفس بغیر حق، میدان جہاد میں پیٹھ دکھانا، یتیم کا مال اڑا دینا، سود خواری، بہتان طرازی، ہجرت کے بعد وطن دوستی۔ راوی حدیث ابن عمیر نے اپنے استاد محمدؓ سے پوچھا کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آگیا۔ یہ لفظ بہت سی برائیوں کو شامل ہے۔ حضرت عبیدہ بن عمیرؓ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں شرک پر ﴿ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا۔ پس اسے پرندے لپک لیجائیں گے یا ہو کسی دور دراز نامعلوم اور بدترین جگہ سے پھینک دے گی۔ یتیم کے مال پر ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ یَا کُلُوْنَ اَمْوَالِ الْیَتٰمٰی ظَلْمًا ﴾ یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال مار کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔ سود خواری پر ﴿ الدِّیْنَ یَا کُلُوْنَ الرِّبَا ﴾ یعنی جو لوگ سود خواری کرتے ہیں وہ قیامت کے دن مذبذب الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔ بہتان پر ﴿ وَالدِّیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ﴾ جو لوگ پاک دامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔ میدان جنگ سے بھاگنے پر ﴿ یَاٰیُّهَا الدِّیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الدِّیْنَ کَفَرُوْا ﴾

رَحْفَاهُ اَلْحُ-

ایمان والواجب کافروں سے تمہاری مت بھیڑ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ۔ ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر ﴿ اِنَّ الدِّينَ اَرْتَدُّوا عَلٰی اَدْبَارِهِمْ اَلْحُ﴾ یعنی جو لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں۔ قتل مؤمن پر ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمَّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا اَلْحُ﴾ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔ حضرت عطاء سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے۔ حضرت مغیرہ فرماتے ہیں یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں علماء کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا کہے۔

حضرت امام مالک بن انس سے یہ مروی ہے۔ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو اور وہ حضرت ابو بکر صدیق سے دشمنی رکھے (ترمذی)۔ حضرت زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کبائر یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا چاہنا اور اولاد کو مار ڈالنا اللہ تعالیٰ کی اولاد اور بیوی مقرر کرنا۔ اور اسی جیسے وہ اعمال اور اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ ہاں جو ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جاسکتا ہے ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عزوجل معاف فرمادیتا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کبیرہ گناہوں سے بچو ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔ مسند عبد الرزاق میں مسند صحیح رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔ امام ترمذی بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں ان میں بھی صحیح روایات ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مومنوں کے لئے ہی ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطاکاروں اور گناہوں میں آلودہ لوگوں کے لئے ہی ہے۔

اب علماء کرام کے قول سنئے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کے کہتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ وہ ہے جس پر حد شرعی ہو بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دینداری کم ہوتی ہو اور دیانتداری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابو سعید ہروی فرماتے ہیں جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس کا فرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی رویانی فرماتے ہیں کبائر سات ہیں بے وجہ کسی کو مار ڈالنا زنا لواطت شراب نوشی چوری انصاف تہمت۔

اور ایک آٹھویں چیز بھی دوسری روایت میں مروی ہے یعنی جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کئے گئے ہیں سوہ خواری رمضان کے روزے کا بلا عذر ترک کر دینا جھوٹی قسم قطع رحمی ماں باپ کی نافرمانی جہاد سے بھاگنا مال یتیم کھا جانا ماپ تول میں خیانت کرنا نماز وقت سے پہلے یا وقت گزار کر بے عذر ادا کرنا مسلمان کو بے وجہ مارنا رسول اللہ ﷺ پر جان کر جھوٹ باندھنا آپ ﷺ کے صحابیوں کو گالی دینا بے سبب گواہی چھپانا رشوت لینا مردوں عورتوں میں ناچاقی کر دینا بادشاہ کے پاس چغفل خواری کرنا زکوٰۃ روک لینا باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا بری باتوں سے نہ روکنا قرآن سیکھ کر بھول جانا جاندار چیز کو آگ سے جلانا عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جانا اللہ تعالیٰ کے مکر سے بے خوف ہو جانا اہل علم اور حاملان قرآن کی برائیاں کرنا ظہار کرنا سور کا گوشت کھانا مردار کھانا ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطراب کے کھایا ہو تو

اور بات ہے۔ امام رافعیؒ فرماتے ہیں ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے۔ کہاؤں کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ حافظ ابو عبد اللہ ذہبی نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہے اس قسم کے گناہ ہی اگر گئے جائیں تو بہت نکلیں گے اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے واللہ اعلم۔

وَلَا تَمْتَنُوا مَافَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا

اَكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ وَسَأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۷﴾

اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے۔ اور عورتوں کے لئے ہے حصہ ان کا جو انہوں نے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں۔ اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی)۔ اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت ﴿اَنْسَى لَا اَصِيْعُ عَمَلٍ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَى﴾ اترتی۔ اور روایت میں سے عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے پھر عمل میں اس طرح ہیں کہ ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ مردوں نے تو کہا تھا کہ جب دوہرے حصہ کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے۔ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں اور ہم نہیں کرتے تو شہادت کا ثواب ہمیں کیوں نہ ملے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال او لا د میرا ہوتا۔ اس پر اس حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہو سکتا جس میں ہے کہ حسد کے قابل صرف دو ہیں ایک مالدار جو براہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا۔ پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں یہاں اس جیسی چیز اس جیسے نیک کام کے کرنے کی غرض سے حاصل ہونے کی تمنا ہے جو محمود ہے اور وہاں اس کی اپنی چیز خود کے قبضے میں کرنے کی نیت ہے جو ہر طرح مذموم ہے۔ پس دینی اور دنیوی فضیلت کی تمنا اس طرح منع ہے۔ پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے۔ ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں کریم ہوں وہاں ہوں دوں گا اور بہت کچھ دوں گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اللہ تعالیٰ سے مانگنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت

کشادگی اور وسعت و رحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہے اور روایت میں ہے ایسی امید رکھنے والے اللہ تعالیٰ کو بہت بھارتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے۔ اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسمان کر دیتا ہے۔

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ

فَأَتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

ماں باپ اور قرابتدار جو چھوڑ میں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گروہ باندھی انہیں ان کا حصہ دینا۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔

قریبی رشتہ داروں کی بجائے منہ بولے بیٹے بھائی کو وراثت سے حصہ دینا: بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ بعض کہتے ہیں عصب مراد ہیں۔ چچا کی اولاد کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل ابن عباسؓ کے شعر میں ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اسے لوگوں میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے عصب بنا دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابتدار چھوڑ میں اور جو تمہارے منہ بولے بھائی ہیں قسمیں کھا کر جن کے تم بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیمان ہوئے ہیں وہ بھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں لیکن میراث انہیں نہیں پہنچ سکتی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ اور بعد کے جملے سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ میں آئے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا اس کے ذور ہم رشتہ دار وارث نہ ہوتے پس اس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو انہیں فائدہ پہنچاؤ ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں پہنچتی ہاں وصیت کر جاؤ۔

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیمان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث اسی طرح قبائل عرب عہد بندیاں کر لیتے تھے پس حضور علیہ السلام نے فرمایا جاہلیت کی قسمیں اور عہد و پیمان کو اسلام اور مضبوط کرتا ہے لیکن اب اسلام میں قسمیں اور اس قسم کے عہد نہیں اسے اس آیت نے منسوخ قرار دیا اور فرمایا ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ اولیٰ ہیں۔ نسبت معاہدہ والوں کے ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید کی کہ فرمایا اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دارالندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا۔ ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں اپنے بچپن میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف طہمین میں تھا مجھ کو سرخ اونٹ ملیں لیکن اس قسم کو توڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ پس یاد رہے کہ قریش و انصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کیلئے تھا لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ۔ اب اسلام میں کوئی حلف نہیں۔ فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اس بات کا اعلان کیا تھا۔

داؤد بن حصین کہتے ہیں میں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھ رہے تھے۔ جو حضرت ابو بکرؓ کی گود میں تیشی کے ایام گزار رہے تھے۔ میں نے اس آیت میں ﴿عَاقِدْهُ﴾ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا ﴿عَقَدْتُ﴾ پڑھو۔ سنو یہ آیت حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمنؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ پہلے اسلام کے منکر تھے حضرت صدیقؓ نے قسم کھالی کہ اسے وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کی بے پناہ تلواروں سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیقؓ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول رد ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی بناء پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اس قسم کی ہے۔

لیکن صحیح مذہب جمہور کا ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا اور مشہور قول کی بناء پر امام احمدؒ کا بھی۔ پس آیت میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں حصہ وار وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بیچ رہے تو عصبہ کو ملے اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرانس کی دو آیتوں میں ہے۔ اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسم قسمی کی ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو وہ تاثیر والی نہ سمجھی جائے گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے بعد ہوں سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلیفوں کو میراث نہ ملے گی۔ اور بقول حضرت ابن عباسؓ ان کا حصہ نصرت امداد خیر خواہی اور وصیت ہے میراث نہیں آپ فرماتے ہیں کہ لوگ عہد و پیمان کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا بعد والا دوسرا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾ نازل فرما کر حکم دے دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولیٰ ہے ہاں اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرو۔ یعنی اگر ان کے لئے ثلث مال میں وصیت کر جاؤ تو جائز ہے معروف و مشہور امر بھی یہی ہے۔ اور بھی بہت سے سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ﴾ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک صاحب کو اپنا مولیٰ بنایا تھا تو انہیں وارث کیا۔

ابن المسیبؓ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں سے دینے کو فرمایا اور میراث کو مولیٰ یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں کی اور عصبہ کی طرف لوٹا دیا اور اس سے منع فرمایا اور اسے ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعویٰ اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ دیا جائے ہاں ان کے لئے وصیت میں سے دینے کو فرمایا۔ امام ابن جریرؓ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت نصیحت اور معونت کا یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے ہیں انہیں وفا کر دے پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ لیکن امام صاحبؒ کے اس قول میں ذرا نظر ہے اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان ورثے کے ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباسؓ کی تفسیر بھی گزری جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصاری کا وارث ہوتا تھا۔ اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے نہ ذی

رحمہ رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہو گیا۔ پھر امام صاحب کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکمہ اور غیر منسوخ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنِ اطَّعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿۳۱﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ سے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں رات کی سزاؤں پر آمروں کے بعد اپنی کمرے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو اب شک اللہ تعالیٰ بڑی بلند ہے اور بڑا ہی والا ہے۔

نافرمان بیوی کو سمجھانے کے ترتیب وار تین طریقے: جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم رئیس اور سر دار ہے اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے اس لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شریعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنا لیں (بخاری)۔ اسی طرح منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر میں نان نفقہ میں اور دیگر ضروریات کے پورا کرنے میں۔ پس مرد فی نفسہ افضل اور باعتبار نفع کے اور جہت برآمدگی کے بھی اس کا درجہ بڑا ہے۔ پس اس کو عورت پر سر دار بنایا گیا جیسے اور جگہ فرمان ہے **وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی چڑے گی اس کے بال بچوں کی نگہداشت اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے پس آپ ﷺ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اس عورت نے حضور اکرم ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے حق نہ تھا وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اور چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ شعبیؒ فرماتے ہیں مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے۔ دیکھو اگر مرد عورت پر زنا کاری کی نسبت رکے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے۔ پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوں اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے بجالائے اور جب انہیں باہر جائے تو اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند

کے مال کی محافظت کرے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے جنت میں چلی جا۔

پھر فرمایا جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہوں یا فرمائی کرتی ہو بے پرواہی برتی ہو دشمنی رشتہ ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو ہر طرح سمجھاؤ بھجاؤ اتار چڑھاؤ بناؤ اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ حقوق رو بیت یاد دلاؤ اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ وہ ما سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کو کوئی عورت بطور روٹھنے کے اپنے خاوند کے بسترے کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں۔ تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ بھجاؤ پھر بستروں سے الگ کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے گروت موڑ لے اور مجامعت نہ کرے۔ بات چیت اور کلام بھی ترک کر سکتا ہے اور یہ عورت کی بری بھاری سزا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے۔ حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ جب تو کھا تو اسے بھی کھلا جب تو پہن تو اسے بھی پہنا اس کے منہ پر نہ مارا گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال۔ پھر فرمایا اس سے بھی اگر تھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیت سے بھی راہ راست پر لاؤ۔

صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو وہ تمہاری خدمت گزار اور ماتحت ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہو اسے نہ آنے دیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو نہیں مار سکتے۔ تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے پلاتے اور پہناتے اڑھاتے رہو۔ پس ایسی مار نہ ماری چاہیے جس کا نشان باقی رہے جس سے کوئی عضو لوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لے لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ اب عورتیں آپ ﷺ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر ولیہ ہو گئیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑا مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زد و کوب کرتے ہیں وہ اتنے آدمی نہیں (ابوداؤد وغیرہ)۔

حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہو گئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا پھر مجھ سے فرمانے لگے اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی (نسائی) پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں تمہاری فرمانبرداری نہیں جاتیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیڑو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ تعالیٰ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔ یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد

ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یاد رکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے پر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یقیناً تو بہت زور آور اور زبردست ہے۔

وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ

يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝

اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔

میاں بیوی کے جھگڑے میں حکمین کا تقرر: اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ نافرمانی اور کجی عورتوں کی جانب سے ہو، اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے۔ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھ دار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم و زیادتی کس طرف سے ہے پس ظالم کو ظلم سے روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور یہ دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرادیں خواہ میل ملاپ کرادیں۔

لیکن شارع علیہ السلام نے تو اسی امر کی طرف شوق دلایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے گوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی ثابت ہو تو یہ اس کی عورت کو اس سے روک لیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے۔ اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا بلکہ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے ہیں اگر دونوں بیچ اس پر متفق ہو گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کو ایک نے منظور کر لیا اور دوسرا انہیں کرتا اور اسی حالت میں ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کا وارث بنے گا جو ناراض تھا۔ لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا جو راضی تھا (ابن جریر)۔

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حاکم مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی۔ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں۔ یہ فرماتے تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ یہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ المسلمین اس پر بنے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو ان کا بیچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے کہ ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے۔ لیکن حضرت معاویہؓ فرماتے تھے ہو عید مناف میں یہ تفریق میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل کے گھر آئے آ کر دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ

کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑالے کر آئے اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے۔ حضرت علیؑ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور اسے حکم مقرر کیا پھر دونوں بچوں سے کہا جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اجتماع کرادو اگر چاہو تفریق کرادو۔ یہ سن کر عورت نے تو کہا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں۔ مرد کہنے لگا مجھے جدائی نا منظور ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں۔ حضرت قتادہؒ اور زیدؒ بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد اور ابو ثور اور داؤدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل ﴿ اِنْ يُرِيدَا اَصْلَاحًا ﴾ والا جملہ ہے کہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا اور اس میں تو کسی کا خلاف منقول بھی نہیں۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں بیچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے، گو ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کے بنائے ہوئے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔

امام شافعیؒ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول جن کا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علیؑ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ جب تک عورت نے دونوں صورتوں کا اقرار کیا ہے تو بھی نہ کرے تب تک تو جھوٹا ہے واللہ اعلم۔

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں بچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے ہاں اگر وہ جدائی کرنا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گوا نہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَ

الْيَتَامَىٰ وَالسَّائِلِينَ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَ

ابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ سے سلوک و احسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

حسن سلوک کے مستحق افراد: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ خالق رازق نعمتیں دینے والا تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش

برسائے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی نہ ہو وہی ہو۔ حضرت معاذ سے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر فرمایا جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو وہی سبب بنے ہیں تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک و احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرمایا: **ان اشکروا لى ولوالدینک** اور **وقضى ربك ان لا تعبدوا الا اياه و بالوالدین احسانا**۔ یہاں بھی یہ بیان فرمایا کہ تم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک و احسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے مسکین کو صدقہ صرف صدقہ ہی ہے لیکن قرابتی رشتہ داروں کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک و احسان کرو اس لئے کہ ان کی خیر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے لاؤ چاؤ اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں خالی ہاتھ ہیں محتاج ہیں ان کی ضرورتیں تم پوری کرو ان کی احتیاج تم رفع کرو ان کے کام تم کر دیا کرو۔ فقیر و مسکین کا پورا بیان سورہ بقرہ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

پڑوسیوں کے حقوق احادیث کی روشنی میں: اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ان کے ساتھ بھی بھلا برتاؤ اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابتدار ہوں یا نہ ہوں خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود و نصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ **جار ذی القربنی** سے مراد بیوی ہے اور **جار الجنب** سے مراد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے (حضرت) جبرئیل علیہ السلام پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے۔ فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوک میں زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک زیادہ ہو۔ فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اس عورتوں سے زنا کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔ پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اس گھروں سے چوری کرنے والا کے گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضرت ابن مسعود سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔ ایک انصاری صحابی فرماتے ہیں میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضور اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپ ﷺ سے کچھ کام ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں۔ بڑی دیر ہو گئی یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا۔ بہت دیر کے بعد آپ ﷺ لوٹے اور میرے پاس آئے۔ میں نے کہا حضور (ﷺ) اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا میں تو پریشان ہو گیا

آپ ﷺ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تم نے انہیں دیکھا؟ میں نے کہا ہاں خوب اچھی طرح دیکھا۔ فرمایا جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہو کہ غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرا دیں گے (مسند امام احمد)۔ مسند عبد بن حمید میں ہے حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا حضور ﷺ کے ساتھ یہ دوسرا کون شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی۔ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ۔ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو۔ دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو ایک حق اسلام دوسرا حق پڑوسی۔ تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو پڑوسی بھی ہو اور رشتہ ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام حق بمسائگی حق سلسلہ رحمی تین حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ایک کو بدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھیجاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا دروازہ قریب ہو۔ دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا لوگوں نے آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا آپ ﷺ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جسے یہ خوش لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہوارہ گیا ہے جس کا صحیح تعلق اس مسئلہ سے ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے پڑوسی کے ساتھ سلوک و احسان کرے۔ مترجم)۔ گیارہویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا وہ دو پڑوسیوں کا ہو گا۔

اپنی بیوی، مہمان، مسافر، خادم وغیرہ سے حسن سلوک: پھر حکم ہوتا ہے ﴿صَاحِبِ بِالْحَنْبِ﴾ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں مراد سفر کا ساتھی ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں۔ ابن السبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو راہ گزرتے ہوئے ٹھہر گیا ہو۔ پس اگر مہمان سے بھی یہی مراد لی جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے۔ اس کا پورا بیان بھی سورۃ براءۃ کی تفسیر میں آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر غلاموں کے بارے میں فرمان ہو رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو اس لئے کہ وہ غریب تو تمہارے ہاتھوں اسیر ہیں اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو۔ رسول کریم ﷺ تو اپنے آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرماتے ہیں لوگو! نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔ بار بار اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔ مسند کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ تم خود جو کھائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے بچوں کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے خادم کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا اب تک نہیں دی۔ فرمایا جاؤ دے کر اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے ان سے روک رکھے۔ مسلم میں

ہے کہ مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پایا پہنایا اڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو خیال کرو کہ اس کے پکانے کی گرمی اور تکلیف اسی نے اٹھائی ہے اور روایت میں ہے چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمہ ہی دے دیا کرو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے سینے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ لے کہ وہ عاجز ہو جائے اور کوئی ایسا ہی مشکل کام آپرے تو خود بھی اس کا ساتھ دے۔ (بخاری و مسلم)۔

پھر فرمایا کہ خود بین معجب متکبر خود پسند لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا اپنے آپ کو تولنے والا اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں وہ گواہی آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو آدمی کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے۔ لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے رکھی ہیں شکر نہ بجالائے لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میرے پاس یہ ہے اور وہ ہے۔ حضرت ابو جہر وہی فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا ہر ماں باپ کا ناقرا مان مرگس اور بد نصیب ہوتا ہے۔

پھر آپ نے آیت ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَ لَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ پڑھی۔ حضرت عوام بن حوشبؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مطرفؓ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابو ذرؓ کی ایک روایت پہنچی تھی اور میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود حضرت ابو ذرؓ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہو گئی تو میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل ﷺ پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا پھر وہ تین کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اسے تو تم کتاب اللہ میں بھی پاتے ہو۔ جو حجیم کا ایک شخص رسول مقبول ﷺ سے کہتا ہے مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پکڑا گھنٹے سے نچاؤ لگاؤ کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند رکھتا ہے۔

الَّذِينَ يَخْلُونُ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۷﴾ وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿۸﴾ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿۹﴾

جو لوگ خود بخلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں۔ ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مارتیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان

نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو پس وہ بدترین ساتھی ہے۔ جملان کا گیا نقصان تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انہیں دے رکھا ہے اس کے نام پر دیتے اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔

بخیلی اور ریاکاری کی مذمت: ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کے موقع پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا، قرابتداروں سے سلوک کرنا، یتیم مسکین پڑوسی رشتہ دار اور غیر رشتہ دار پڑوسی ساتھی مسافر غلام اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت اللہ فی اللہ دینا اور اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل کا اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ کسی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے اور حدیث میں ہے لوگو! بخیلی سے بچو! اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت و تاراج کیا اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق و فجور جیسے بد کام نمایاں ہوئے۔ پھر فرمایا یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پینے اوڑھنے میں اور نہ دینے لینے میں۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ. وَإِنَّ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدًا﴾ یعنی انسان اپنے رب کا ناشکر ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور اس خصلت پر گواہ ہے۔ پھر ﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ﴾ وہ مال کی محبت میں مست ہے۔ پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے۔ پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپالینا پس بخیل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چھپانے والا ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا ہے۔ پس وہ ان نعمتوں کا کافر ہوا۔ حدیث مبارکہ میں ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر اپنی نعمت انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ دعاء نبوی میں ہے: ﴿وَاجْعَلْنَا شَاكِرِينَ لِنِعْمَتِكَ مُشِينِينَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيهَا وَآتَمَّهَا عَلَيْنَا﴾ اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر گزار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا شاکر بنانا قبول کرنے والا بنا اور ان نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما۔ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو اپنی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے۔ اسی لئے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا حمل ان پر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولیٰ داخل ہے۔ خیال کیجئے کہ بیان آیت اقرباء، ضعفاء کو مال دینے کے بارے میں ہے۔ اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریاکاری کے طور پر اللہ مال دینے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ یہاں بیان ہوا ان ممسک اور بخیلوں کا جو کوڑی کوڑی گودانتوں سے تھام رکھتے ہیں۔

پھر بیان ہوا ان کا جو دیتے تو ہیں لیکن بدیعتی سے دنیا میں اپنی واہ واہ ہونے کی خاطر۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی وہ یہی ریاکار ہوں گے۔ ریاکار عالم، ریاکار غازی، ریاکار سخی۔ یہ سخی کہے گا کہ باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں نے اپنا مال خرچ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا۔ یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی وہ میں تجھے دنیا میں ہی دے چکا پس تیری مراد حاصل ہو چکی۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا تھا وہ اسے مل گیا۔ حضور اکرم ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مسکین و فقراء کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور اللہ کے نام بہت سے غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا۔ اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر نہیں ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلانہ سمجھ بیٹھتے۔ یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔

ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

﴿عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلُ وَاسْأَلْ عَنْ قَرِينِهِ﴾
﴿فَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارِنِ يَفْتَدِي﴾

”انسان کے بارے میں نہ پوچھ اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کر لے ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے۔“
پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریاکاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص و یقین پر قائم ہو جانے سے کوئی چیز مانع ہے۔ ان کا اس میں کیا نقصان ہے بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی یہ کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگ دی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا مندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں۔ وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے ﴿عِيَاذًا بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ﴾

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ

أَجْرًا عَظِيمًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَاكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ

لَاءِ شَهِيدًا ۝ يَوْمَئِذٍ يُؤدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ

وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝

بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔ پس کیا حال ہو گا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے۔

نیکی کا اجر کئی گنا ملے گا ذرہ برابر ایمان والا بھی جنتی ہو گا: باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ﴾ ہم عدل کی ترازو رکھیں گے۔ اور فرمایا کہ (حضرت) لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا ﴿يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ﴾ اسے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ تعالیٰ اسے لا حاضر کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿يَوْمَئِذٍ يَصُدُّ النَّاسَ﴾ اس دن لوگ مختلف احوال پر لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ بخاری و مسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہو گی۔ حضرت ابو سعید یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے اگر تم چاہو تو آیت قرآنی کے اس جملے کو پڑھ لو ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ

ذَرَّةً ﴿۱﴾ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ تعالیٰ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا تمام اہل محشر کو سنا کر باواز بلند کہے گا یہ فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے اس کا فلاں نام ہے جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے۔ اس وقت یہ حالت ہوگی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی پر یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے۔ رشتے نامطے کٹ جائیں گے کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے معاف فرما دے گا لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا۔ جب حقدار آجائیں گے تو اسے کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر۔ یہ کہے گا دنیا تو ختم ہو چکی آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں۔ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے۔ اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اور اگر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں ہے بلکہ بد بخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہوگا کہ فرشتہ کہے گا ہاری تعالیٰ اسکی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے۔ حکم ہوگا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لا دو پھر اسے جہنم میں داخل کرو انما ذنابہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمرؓ کا فرمان ہے کہ آیت ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا﴾ اعراب کے بارے میں اترتی ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے بہت ہی اچھی آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ﴾

مشرک و کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ: حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے ہاں جہنم سے نکلے گا تو نہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ کی پشت پناہ بنے ہوئے تھے آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے آپ ﷺ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہوتا۔ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ صرف ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں۔ اس لئے کہ مسند طرابلسی کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں جزا اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے۔ قیامت میں اسکے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی۔ اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضا مندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے آمین۔ مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے حضرت ابو عثمانؓ فرماتے ہیں مجھے خبر لگی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں تم سب سے زیادہ میں رہا ہوں میں نے تو کبھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہؓ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں۔ چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ وہ توجح کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت کر کے وہاں پہنچا ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا اے ابو ہریرہؓ! میں نے سنا آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اللہ تعالیٰ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دو لاکھ ملیں گی۔ یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی کا بیان فرما رہا ہے کہ اس دن انبیاء (علیہم السلام) کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿وَاشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ﴾ "زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی گی نامہ اعمال دیے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا۔" اور جگہ فرمان ہے ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ "ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے۔" صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عبداللہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا آپ ﷺ پر تو قرآن اترا ہے۔ فرمایا ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ پس میں نے سورۃ نساء کی تلاوت شروع کی پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت ﴿فَكَيْفَ﴾ کی تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور اس صحرا پر بیٹھ گئے۔ جواب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپ کے ساتھ ابن مسعود، معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ایک قاری سے فرمایا قرآن پڑھو وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت ﴿فَكَيْفَ﴾ تک پہنچے تو آپ ﷺ اس قدر روئے کہ دونوں رخسارے اور داڑھی تر ہو گئی اور عرض کرنے لگے کہ یارب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہو گی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں ان کی ہا بت کیسے؟ (ابن ابی حاتم)۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ میں ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تب تو تو ہی ان پر گواہ بنے ہو۔ ابو عبداللہ قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے۔ اس میں حضرت سعید بن مسیب کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی اکرم ﷺ پر آپ ﷺ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے پس آپ ﷺ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ لیکن اولاً تو یہ حضرت سعید کا خود کا قول ہے دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام ہی نہیں تیسرے یہ حدیث مرفوعہ کر کے بیان ہی نہیں کرتے۔

ہاں امام قرطبی اسے قبول کرتے ہیں وہ اسکے لانے کے بعد فرماتے ہیں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں پس وہ انبیاء علیہم السلام پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے نبی ﷺ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن بھی (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں واللہ اعلم۔) (متجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر اور منافقان رسول آرزو کرے گا کہ کاش از زمین پھٹ جاتی اور یہ اس میں سما جاتا پھر برابر ہو جاتی کیونکہ ناقابل برداشت ہولناکیوں رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال اپنی آنکھوں دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا۔ پھر فرمایا یہ ان تمام بد اعمالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے ﴿وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ "اللہ تعالیٰ کی قسم رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا اور دوسری جگہ ہے ﴿لَا يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ حَدِيثًا﴾ "اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے" پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا اور وقت ہے اس کا وقت اور ہے۔ جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو کیا عجب کام چل جائے۔ پھر ان کے منہ پر مہر لگ جائیں

گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے (ابن جریر)۔ مسند عبد الرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آکر کہا تھا بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کیا مطلب؟ تجھے کیا قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آ رہا ہو ان مقامات کو پیش کر تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے۔ تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھا دی۔ ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ نافع بن ازرع تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی مجلس سے آ رہے ہو وہاں بھی تذکرہ ہو رہا ہو گا تم نے کہا ہو گا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباس سے دریافت کرتا ہوں۔ اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی سنا دو۔ پھر یہی جواب دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِن كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ
أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَايِبِ أَوْ لِمَسْتُمْ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿۵﴾

اے ایمان والو! تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے بخشنے والا ہے۔

جنابہت کے احکام حرمت شراب کا واقعہ: اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی معلوم ہی نہیں کر سکتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے بھی ممانعت ہے اسے بھی اور جنبی شخص کو بھی یعنی جسے نہانے کی حاجت ہو ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے جا کر دوسرے سے نکل جائے وہاں ٹھہرے نہیں تو یہ گزرنا جائز ہے۔ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورۃ بقرہ کی آیت ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ کی تفسیر میں ذکر کی ہے نبی اکرم ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمرؓ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما۔ پھر یہ آیت اتری یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی۔ اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اسے سن کر بھی جناب فاروقؓ نے یہی دعا مانگی تو آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْوَاجُ حَرَامٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُدْعَرُونَ﴾ سے ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ﴾ تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے۔ اسے سن کر فاروق اعظمؓ نے فرمایا ہم باز آئے۔ اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایگ شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔ ابن ماجہ شریف میں ہے حضرت سعدؓ فرماتے ہیں میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں ایک انصاری نے کھانا کیا اور بہت سے لوگوں کی دعوت کی ہم سب نے خوب کھایا پیا پھر شرابیں پیں

اور مخمور ہو گئے پھر آپس میں فخر جتانے لگے ایک شخص نے اونٹ کے جڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعد کو ماری جس سے ناگ پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے دعوت کی لوگ گئے کھانا کھایا پھر شراب پی اور مست ہو گئے اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۃ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ میں اس طرح پڑھا ﴿مَا آعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ و ﴿نَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ اس پر یہ آیت اتری اور نشہ کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمنؓ اور تیسے سے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمنؓ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قرات غلط ملط کر دی اس پر یہ آیت اتری۔ ابو داؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ابن جریر کی ایک اور روایت میں ہے حضرت علیؓ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہتے تھے پڑھ سکے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے امامت کرائی اور اس طرح پڑھا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ ﴿أَعْبُدْ مَا تَعْبُدُونَ﴾ ﴿وَ أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا آعْبُدُ﴾ ﴿وَ أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ﴾ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَ لِي دِينِي﴾ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کو کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا (ابن جریر)۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہوئی۔ حضرت ضحاکؓ فرماتے ہیں اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ ٹیند کا خمار مراد ہے۔ امام ابن جریرؓ فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن نہ اتنے کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں کیونکہ نشہ کی ایسی حالت ہے کہ شخص مجنون کے حکم میں ہے۔ بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو کلام کو سمجھ سکیں نہ ایسے نشہ والوں کی طرف جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ خطاب کا سمجھنا شرط ہے تکلیف کی اور یہ بھی کہا گیا کہ الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ ہے کہ نشہ کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے واللہ اعلم۔ پس یہ حکم بھی اسی طرح ہو گا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا اس کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے۔ یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے۔ نشہ والا انسان قرات میں غلط مدظ کر دے گا اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقع نہ ملے گا نہ اس سے عاجزی اور خشوع خضوع ہو سکتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی اونگھنے لگے اور ہو وہ نماز میں تو اسے چاہئے کہ وہ لوت جائے اور سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے جو کچھ کہہ رہا ہے۔ بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ چاہے تو وہ اپنے لئے استغفار کرنا لیکن زبان سے اس کے خلاف نکلے۔

جنابت کی حالت میں مسجد میں داخلہ: پھر فرمان ہے کہ نہ جنسی نماز کے قریب جائے جب تک غسل نہ کر لے۔ ہاں بطور تندرستی جانے کے مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کی

ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے میں کوئی حرج نہیں مسجد میں بیٹھے نہیں۔ اور بھی بہت صحابہؓ اور تابعین کا یہی قول ہے۔ حضرت یزید بن ابوجیبؓ فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے ارد گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے گھر میں پانی نہیں ہوتا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے انہیں اجازت ہوئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گزر سکتے ہیں۔ بخاری کی حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں سب کو بند کر دو صرف ابو بکرؓ کا دروازہ رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین حضرت ابو بکرؓ ہوں گے تو انہیں ہر وقت اور بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ ﷺ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبرؓ کا دروازہ کھلارنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے حضرت ابو بکرؓ کے حضرت علیؓ کا نام ہے وہ بالکل خطا ہے۔ صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے اس آیت سے اکثر آئمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے ہاں گزر جانا جائز ہے اسی طرح حیض و نفاس والی عورتوں کو بھی۔ اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گزرنا بھی جائز نہیں ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو۔ اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گزرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے بوری اٹھا دو تو مائی صاحبہ نے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ! میں حیض سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے آ جا سکتی ہیں۔ ابو داؤد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ میں حائض اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ امام ابو مسلم خطابی فرماتے ہیں اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ افلت اس کا راوی مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے اس میں افلت کی جگہ محمد بن زہلی ہیں۔ پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہؓ ہے اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہؓ ہے لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہؓ کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ اسے علیؓ اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں۔ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص اس حالت میں بغیر غسل کے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ مسافر میں ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے ابن عباسؓ سعید بن جبیرؓ ضحاکؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت مجاہدؓ حسنؓ زید اور عبدالرحمنؓ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ عبداللہ بن کثیرؓ فرماتے ہیں ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے۔ اس حدیث سے بھی اس مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا پاک منی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے اور جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے (اہل سنن اور احمد)۔ امام ابن جریرؓ فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں اولی قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد بطور گزر جانے کے مسجد میں جانا ہے کیونکہ جس مسافر کو جذب کی حالت میں پانی نہ ملے اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا ہے پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر اسے لوٹانے کی دوسرے جملہ میں کچھ ایسی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو! نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جب کہ تم نشے میں ہو جب تک تم اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو اسی طرح جب کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہانہ لوہاں بطور گزر جانے کے راستہ کاٹنے کے جائز ہے۔ ﴿عَابِرٌ﴾ کے معنی آنے جانے یعنی گزر جانے والے کے ہیں اس کا مصدر ﴿عَبَّرَ﴾ اور ﴿عَبَّرَا﴾ آتا ہے جب کوئی نہر سے گزر جائے تو عرب کہتے ہیں ﴿عَبَّرَا فَلَانَ النَّهْرَ﴾ فلاں شخص نے نہر سے عبور کر لیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو ﴿عَبَّرَ﴾

الأسفار کہتے ہیں۔ امام ابن جریر جس قول کی تائید کرتے ہیں یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرما رہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے۔ اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت سے آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو یہ دلیل ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی کی کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک کہ غسل نہ کر لے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے۔ حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ جب جنبی نے وضو کر لیا تو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطاء ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھتے رہتے واللہ اعلم۔ پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے۔ جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہو جاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے کسی عضو کے فوت ہو جانے یا اس کے خراب ہو جانے یا مرض کی مدت بڑھ جانے کا خوف ہو۔ بعض علماء نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے نہ تو کھڑے ہو کر وضو کر سکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے۔ انہوں نے آپ حضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا اس پر یہ حکم اترتا۔ یہ روایت مرسل ہے۔ دوسری حالت تیمم کے جواز کی سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا۔ غایط کہتے ہیں نرم زمین کو یہاں اس سے کنا یا کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے۔

لمس کی تحقیق قرآن و حدیث کی روشنی میں: ﴿لَمَسْتُمْ﴾ کی دوسری قرأت ﴿لَمَسْتُمْ﴾ ہے۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ﴾ یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو جماعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہو اس سے آدھا دے دو۔ اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر جماعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں۔ یہاں بھی لفظ ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ﴾ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ﴿أَوْلَمَسْتُمْ النِّسَاءَ﴾ سے مراد جماعت ہے۔ حضرت علیؑ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت مجاہدؓ حضرت طاؤسؓ حضرت حسنؓ حضرت عبید بن عمیرؓ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت شعبیؓ حضرت قتادہؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا جماع ہے۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا بیان کیا آپ نے پوچھا تم کن کے ساتھ تھے میں نے کہا موالی کے۔ فرمایا موالی مغلوب ہو گئے۔ لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں کنا یا کیا ہے۔ بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ کسی حصہ جسم کو عورت کے کسی حصہ جسم سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں لمس جماع کے سوا کو کہتے ہیں آپ فرماتے ہیں بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا۔ فرماتے ہیں مباشرت سے ہاتھ لگانے سے بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا، لمس سے مراد چھونا ہے۔ ابن عمرؓ بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اسے لمس میں داخل جانتے تھے۔ عبیدہ ابو عثمان ثابتؓ ابراہیم زیدؓ بھی کہتے ہیں لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملا مست ہے اس سے وضو کرنا پڑے گا (موطا امام مالک)۔ دارقطنی میں خود حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے کہ آپ با وضو تھے آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کے ثابت ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب مانتے تھے واللہ اعلم۔ مطلق چھونے سے

وضو کے قائل امام شافعی اور ان کے ساتھی ہیں اور امام مالک ہیں اور امام احمد بن حنبل سے بھی یہی منقول ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قراتیں ہیں ﴿لَمَسْتُمْ﴾ اور ﴿لَمَسْتُمْ﴾ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قُرْطَابٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ﴾ ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا ہی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت معز بن مالکؓ کو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو گا یا ہاتھ لگایا ہو گا۔ وہاں بھی لفظ لَمَسْتُمْ ہے۔ اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہی ہے۔ اور حدیث میں ہے ﴿وَالْيَدُ نَزَلَتْهَا اللَّيْسُ﴾ ہاتھ کا زنا چھونا اور ہاتھ لگانا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آکر بوسہ نہ لیتے ہوں اور ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیچ ملامت سے منع فرمایا۔ یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیچ ہے۔ پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے۔ ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے ﴿وَلَمَسْتُمْ كَفِي كَفَهُ أَطْلُبُ الْعِنَى﴾ ”میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا میں تو نگری چاہتا تھا“۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سر کار محمد بن ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ! اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک اجنبیہ عورت کے ساتھ وہ تمام کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے تو آیت ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ﴾ نازل ہوتی ہے اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں وضو کر کے نماز ادا کرے۔ اس پر حضرت معاذؓ پوچھتے ہیں کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ آپ ﷺ جواب دیتے ہیں تمام ایمان والو کے لئے ہے۔ امام ترمذیؒ اسے زائدہ کی حدیث سے روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند متصل نہیں امام نسائیؒ اسے مسلسل روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس قول کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا تھا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ منقطع ہے ابن ابی لیلیٰ اور معاذ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض نماز کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیقؓ والی حدیث میں ہے کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے آج۔ یہ پوری حدیث سورۃ آل عمران میں آیت ﴿ذُكِّرُوا بِاللَّهِ فَاسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِهِمْ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں سے اولی قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد اس سے جماع ہے نہ کہ اور کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آپ کا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کا بوسہ لیا اور وضو نہ کیا اور نماز پڑھی۔ حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت رسول مقبول ﷺ وضو کرتے پھر بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔ حضرت حبیبؓ فرماتے ہیں مائی عائشہؓ نے فرمایا حضور اکرم ﷺ اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز کو جاتے اور وضو نہ کرتے۔ میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرا دیں۔ اس کی سند میں کلام ہے۔ لیکن دوسری سندوں سے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت صدیقہؓ سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیرؒ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ وضو کے بعد حضور اکرم ﷺ میرا بوسہ لیتے پھر وضو نہ دہراتے۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا۔ اور نماز ادا کی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بوسہ لیتے حالانکہ آپ ﷺ روزہ سے ہوتے پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضو کرتے (ابن جریر)۔ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں حضور اکرم ﷺ بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔

تیمم کا وقت اور طریقہ: پھر فرماتا ہے کہ اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ اس سے اکثر فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے تیمم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ یکسو ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز نہیں پڑھی تو آپ ﷺ نے اس سے

پوچھا تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی کیا تو مسلمان نہیں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی تھی۔ تیمم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں عرب کہتے ہیں۔ تَيَمَّمْتُ اللّٰهَ بِحِفْظِهِ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے۔ امر او القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا کہ ہر وہ چیز جو زمین سے اوپر کو چڑھے پس اس میں مٹی ریت درخت پتھر گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالک کا قول یہی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت ہڑتال اور چونا یہ مذہب ابو حنیفہ کا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہی۔ یہ قول ہے حضرت امام شافعی امام احمد بن حنبل اور ان کے تمام ساتھیوں کا۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں ۞ فَتُصَبِّحُ صَعِيدًا زَلَقًا ۞ یعنی ہو جائے وہ مٹی پھسلتی دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کے کی گئیں ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جب کہ ہم پانی نہ پائیں۔ الفاظ حدیث میں تربت کا لفظ ہے اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتانے کے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔ یہاں پر لفظ طیب جو ہے اس معنی میں کہا گیا ہے کہ مراد حلال ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے گو اس سال تک پانی نہ پائے پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم سے لگائے یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابوالحسن قحطان بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے۔ بلکہ تفسیر ابن مردودہ میں تو اسے مرفوعاً وارد کیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو۔ تیمم وضو کا بدل ہے صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ماننا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے لیکن کیفیت تیمم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعی یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس لئے کہ ۞ يَدَيْنِ ۞ کا اطلاق باطنوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں اور اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد صرف ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا ۞ فاقطعوا ايديهما ۞ کہتے ہیں۔ یہاں تیمم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم میں متعید ہے اس لئے اس مطلق کو متعید پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ظہوریت جامع موجود ہے۔ اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دارقطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تیمم کی دو ضروریں ہیں ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ماننا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ماننا۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنی دونوں ہاتھوں پر ملے۔ لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ یہی حدیث بعض ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا فعل بتلاتے ہیں۔ امام بخاری و امام ابو زرعة اور امام ابن عدی کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا۔ حضرت ابو جہم فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے ہیں میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہو کر آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے پھر دیوار پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں

تک ملے پھر میرے سلام کا جواب دیا (ابن جریر)۔ یہ تو تھا امام شافعی کا جدید مذہب آپ کا قدیم مذہب یہ ہے کہ ضربیں تو تیمم میں دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں ہاتھوں کو پہنچوں تک ملنا چاہئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے۔

گرد آلود ہاتھوں کو منہ پر پھیرے اور دونوں پہنچوں تک۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ دربار میں حضرت عمارؓ بھی موجود تھے فرماتے لگے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے تھے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی جب ہم واپس پلے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اتنا کافی تھا پھر حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماری اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیمم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا ہے جو چہرے کے لئے اور دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں کے لئے ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت شقیقؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ابو یعلیٰ نے حضرت عبداللہؓ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پاوے تو نماز نہ پڑھے اس پر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کیا تمہیں یاد نہیں (حضرت) عمار نے (حضرت) عمرؓ سے کیا کہا تھا یہ کہا تھا کہ اے عمر! آپ کو یاد نہیں) جب کہ مجھے اور آپؐ کو رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں میں بھیجا تھا وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا واپس آکر حضور اکرم ﷺ سے یہ بیان کیا تو آپ ﷺ ہنس دیے اور فرمایا تجھے اسی طرح کرنا کافی تھا پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے ضرب ایک ہی رہی تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا لیکن حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی۔ یہ سن کر حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا پھر تم اس کا کیا کرو گے جو سورۃ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اس کا جواب حضرت عبداللہؓ نے دے سکے اور فرماتے تھے۔ سنو اگر ہم نے لوگوں کو تیمم کی رخصت دے دی تو بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہو گا تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ سورۃ مائدہ میں فرمان ہے ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ اے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعی نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابو جہم والی حدیث میں گزرا کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر پھر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت انعام فرمائی تاکہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں مہینے بھر کی راہ تک میری مدد و رعیت سے کی گئی ہے میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آجائے وہ وہیں پڑھ لے اس کی مسجد اور اس کا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے میرے لئے نعمت کے مال حلال کئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے مجھے شفاعت دی گئی تمام انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیج گیا۔ اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی

گئی اور اس کی منی وضو بنائی گئی جب کہ ہمیں پانی نہ ملے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کر لو پانی نہ ملنے کے وقت اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اسکے عفو و درگزر کی شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمم مشروع کر کے نماز گزار لینے کی اجازت مرحمت فرمائی اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں نماز کو ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشہ کی حالت ہو یا جنابت کی حالت ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن بیماری کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمم کر دیا پس اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر ہم اسکے شکر گزار ہیں الحمد للہ۔

تیمم کی رخصت اور اس کا پس منظر: تیمم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے ہم اس واقعہ کو سورہ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں جو تیمم کی آیت ہے وہ نازل ہونے میں اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے کی ہے اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد جب کہ نبی ﷺ بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حرام ہوئی ہے اور سورہ مائدہ آخری آخری جو قرآن نازل ہوا اس میں سے ہے بالخصوص اس سورت کی ابتدائی حصہ۔ تو مناسب یہی ہے کہ تیمم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے اللہ نیک توفیق دے اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک بار واپس کر دینے کے وعدہ پر مستعار لیا تھا وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا حضور اکرم ﷺ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجا انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں ہی آگیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی اس پر تیمم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیر کہنے لگے اے مائی عائشہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے قسم اللہ تعالیٰ کی جو تکلیف تم کو پہنچتی ہے اس کا انجام تمہارے اور مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ بخاری میں ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیدار یا ذات الحیش میں میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضور اکرم ﷺ مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں اس میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابو بکر صدیق کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کہیں مصیبت میں پڑ گئے۔ چنانچہ میرے والد صاحب میرے پاس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے۔ آتے ہی مجھے کہنے لگے تو نے حضور اکرم ﷺ کو اور لوگوں کو روگ دیا اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ تعالیٰ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچھ کے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو حضور اکرم ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہوا ساری رات گزر گئی صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیر کہنے لگے اے ابو بکر کے گھرانے والو! یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں۔ اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ صاحبہ مائی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ اولات حیش سے گزرے مائی صاحبہ کا ہمیشہ خر مہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گئے۔ ساری رات آپ ﷺ کے ساتھ کے مسلمانوں نے اور آپ ﷺ نے یہیں گزاری صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر پاک مٹی سے تیمم کر کے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتاری اور مسلمان حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوئے زمین پر اپنے ہاتھ مارے اور جو مٹی ان میں لگی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے

سے بغل تک مل لی۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سخت غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی۔ پھر مسلمانوں نے ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ۔

ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلم بن شریکؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضور اکرم ﷺ سوار تھے جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا اور ادھر حضور اکرم ﷺ نے کوچ کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی اس حالت میں حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا۔ میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی تکمیل تمام لیجئے چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اسلم کیا بات ہے اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیوں؟ میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اس پر اللہ عزوجل نے آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ سے ﴿غَفُورًا﴾ تک نازل فرمائی۔ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی۔

الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَاةَ وَ
يُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۗ
وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۗ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهَا
وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِبِئْسَ لِيًّا بِالسِّنْتِهِمْ وَ
طَعْنًا فِي الدِّينِ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانظُرْنَا لَكَانَ
خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا ۗ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے ہٹک جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا بس ہے۔ بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو بیچ دیتے ہیں اور دین میں طعن دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرما کر داری کی اور آپ سننے اور ہمیں دیکھنے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔

یہودیوں کی ایک قابل مذمت خصلت: اللہ تبارک و تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ

گمراہی کو ہدایت پر اختیار کرتے ہیں۔ نبی آخر الزماں ﷺ پر جو اترے اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور جو علم اللہ تعالیٰ ان کے اپنے پاس ہیں انہیں بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ خود اپنی کتابوں میں نبی موعود ﷺ کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن تاہم اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی چاہت رکھتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منکر بن جائیں ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے وہ تمہیں ان سے ہوشیار کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ اللہ تعالیٰ کی حمایت کافی ہے تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے وہ ان کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقہ کی جس تحریف کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ تعالیٰ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشا تفسیر کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ان کا جان بوجھ کر قصدا ہوتا ہے جس سے یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے افتراء پر دازی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبر ﷺ! جو آپ ﷺ نے کہا ہم نے سنا لیکن ہم ماننے کے نہیں۔ خیال کیجئے ان کے کفر والحاد کو دیکھئے کہ جان کر سمجھ کر کھلے لفظوں میں ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے اللہ کرے آپ نہ سنیں یا یہ مطلب کہ آپ سنئے آپ کی نہ سنی جائے، لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا اللہ تعالیٰ انہیں لعنت کرے۔ اور راعنا کہتے تھے جس سے بظاہر سمجھا جاتا تھا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگائے۔ لیکن وہ اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعوت والے ہو اس کا پورا مطلب ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے۔ دراصل حضور علیہ السلام کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے پس انہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ان دو معنی والے الفاظ کا بولنا چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا مانا آپ ہماری عرض سنئے آپ ہماری طرف دیکھئے۔ یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے۔ لیکن ان کے دل بھلائی سے دوڑ ڈال دیئے گئے ہیں۔ اصل ایمان کامل طور سے ان کے دل میں جگہ ہی نہیں پاتا۔ اس جملہ کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

يَأْتِيهَا الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ اِنْوَايْمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

تَطْيِسَ وُجُوْهَا فَنرُدُّهَا عَلٰى اَدْبَارِهَا اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعْنَا اَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ

اَمْرًا لِّلّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

يَشَاءُ وَاَمَّنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿١٦﴾

اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچا ہے ولا ہے جو تمہارے پاس ہے اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف گردیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے نختہ کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہوا ہوا ایسا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا ظوفان باندھا۔

نافرمانوں کا انجام برائے شرک ناقابل معافی جرم ہے۔ اللہ عز و جل یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے۔ اس پر

ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسح کر دیں یعنی منہ اٹھائیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں۔ یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے منادیں آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے۔ یہ عذاب ان کے کروت کا بدلہ ہے۔ یہ بھی حق سے ہٹ کر باطل کی طرف ہدایت سے بچ کر ضلالت کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں دھمکاتا ہے کہ میں بھی اسی طرح تمہارا منہ الٹ دوں گا تاکہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں گا۔ اور اسی جیسی تفسیر بعض نے ﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ الْخَالِجَ﴾ کی آیت میں بھی کی ہے۔ غرض یہ بری مثال ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بیان ہوئی ہے۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ حق کے راستے سے و تکلیل دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بند روں جیسے کر دیں۔ ابو زید فرماتے ہیں کہ لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر کعب احبار مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے حضرت کعب کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا (حضرت کعب) (حضرت) عمر کے زمانے میں مسلمان ہوئے یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے حضرت عمرؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعب! مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا تم تو قرآن میں پڑھتے ہو تو راقہ جن سے اٹھوائی گئی اور انہوں نے اسے نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو بوجھ لاوے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو تو راقہ اٹھوائے گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے وہاں سنا کہ ایک شخص جو ان کے گھرانے میں سے تھا اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے۔ جب اس نے آیت ختم کی انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آجائے اور میرا منہ مٹ کر پلٹ نہ جائے۔ یہ جھٹ سے کہنے لگے ﴿يَا رَبِّ اسْلَمْتُ﴾ میرے اللہ تعالیٰ میں ایمان لایا۔ پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کے حضور ﷺ سے دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے تھے۔ پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوش خبری اور اوصاف تو راقہ میں ہیں۔ یہ آئے تو فرماتے ہیں جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ناگہاں میں نے سنا کہ ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے کہ اے اہل کتاب جو ہم نے اتنا ہے جو تمہارے پاس کی کتاب کو سچانے والا ہے اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ منادیں اور انہیں الٹا کر دیں۔ میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ ہو جائے۔ پھر میں بہت جلد آکر مسلمان ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلنا حالانکہ انہیں اس کام سے ممانعت کر دی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ ان کا مفصل واقعہ سورۃ اعراف میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا اللہ کے کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے۔

پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں۔ اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں جس کے چاہے بخش دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔ پہلی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں وہ شرک ہے۔ اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں کرتا۔ اور جگہ ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لے اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔

اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی ایسی وقعت نہیں وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے جس کا تعلق اس سے اور اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز پس اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کوئی چیز ترک نہیں کرتا وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔ دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ تیسری حدیث بحوالہ مسند احمد ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرے اور وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالا۔ چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے! تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا میں بھی جو تقصیریں تیری ہیں انہیں معاف فرماتا رہوں گا اے میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر تک خطائیں لے کر میرے پاس آئے گا تو میں زمین بھر جائے اتنی مغفرت لے کر تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد جو بندہ لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی پر اس کا انتقال ہو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر حضرت ابو ذرؓ نے دریافت کیا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا گو اس نے زنا کاری اور چوری بھی کی ہو۔ تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا گو ابو ذر کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابو ذرؓ ہاں سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے کہ گو ابو ذر کی ناک خاک آلود ہو اور اس کے بعد بھی جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ بھی مروی ہے اس میں ہے کہ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جا رہا تھا۔ احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے ابو ذر! میں نے کہا بلیک یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا سنو! میرے پاس اگر اس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کے جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں باقی تمام مال میں اس طرح اور اس طرح راہ اللہ کے بندوں کو دے ڈالوں گا۔ اور آپ ﷺ نے دائیں بائیں اور سامنے لپٹیں پھینکیں۔ پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے جو حضور اکرم ﷺ نے مجھے پکارا اور فرمایا جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح اور اس طرح کرے اور آپ ﷺ نے اپنے دائیں سامنے اور بائیں لپٹیں بھر کر دیتے ہوں اس طرح اشارہ کیا۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا ابو ذر! میں ابھی آتا ہوں تم یہیں ٹھہرو۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے او جھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں، دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن آگیا ہو۔ میں نے قصد کیا کہ پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہو چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ واپس آئے تو میں نے کہا حضور اکرم ﷺ! یہ آوازیں کیسی آرہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو انتقال کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں میں رات کے وقت نکلا دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ ﷺ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چھاؤں چھاؤں میں حضور اکرم ﷺ کے پیچھے ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مڑ کر مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابو ذر اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر سے قربان کر دے۔ تو آپ ﷺ

نے فرمایا تو میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر تو ہم چلتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر وہ دائیں بائیں آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے ارد گرد پتھر تھے فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ ﷺ آگے نکل گئے یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کو زیادہ دیر لگ گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لارہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آتے ہیں گوزنا کیا ہو گو چوری کی ہو جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا پوچھا کہ اے نبی اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے اس میدان کے کنارے آپ ﷺ کس سے باتیں کر رہے تھے میں نے سنا کوئی آپ ﷺ کو جواب بھی دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جبرئیل تھے یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہو گا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں میں نے پھر یہی سوال کیا۔ جواب دیا ہاں۔ میں نے پھر یہی پوچھا تو فرمایا ہاں اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو۔ چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید۔ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بغیر شرک کئے مر اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مر اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو امر اس کے لئے بخشش حلال ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے (ابن ابی حاتم)۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔ دریافت کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ! پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا شرک جو شخص شرک نہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے بخشش ربانی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ الْإِثْمَ﴾ تلاوت فرمائی (مسند ابویعلیٰ)۔ ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو شخص مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ آٹھویں حدیث حوالہ مسند احمد۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کے پاس آئے اور فرمایا تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کر لوں یا اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کے بابت پوشیدہ محفوظ ہے اسے تو بعض صحابہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا۔ آپ ﷺ یہ سن کر اندر تشریف لے گئے۔ پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی عطا فرمائی اور وہ پوشیدہ حصہ بھی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ کیا چیز ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضور اکرم ﷺ کے لئے اختیار کردہ چیز۔ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی دینداری کیسی ہے؟ کہا نمازی ہے اور توحید والا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے شریک لو۔ اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے آکر حضور اکرم ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اسے اپنے دین پر چمنا ہو پایا اس پر آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ الْإِثْمَ﴾

نازل ہوئی۔ دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابو یعلیٰ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا مگر میں سب کر کر اچکا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تین مرتبہ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ان سب پر غالب آجائے گا۔ گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ضم ضم ابن جوش یمامی سے کہا کہ اے یمامی کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ یمامی نے کہا حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبر دار ہرگز نہ کہنا سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں سے دو شخص تھے ایک تو عبادت میں بہت چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دو ستانہ اور بھائی چارہ تھا۔ عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا اور کہتا رہتا تھا اسے شخص باز رہ۔ وہ جواب دیتا تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا افسوس تجھ پر باز آ۔ اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کر لیں جب یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا میری رحمت کی بناء پر جنت میں داخل ہو جا اور اس عابد سے فرمایا کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دعا اور آخرت برباد کر دی۔

بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی۔ جس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ شریک نہ کرے۔ تیرھویں حدیث بحوالہ بزار و ابو یعلیٰ۔ جس مثل پر اللہ تعالیٰ نے کسی ثواب کا وعدہ کیا ہے اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے وہ اس کے اختیار میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھا جانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ﴾ اتری اور اصحاب رسول اللہ ﷺ گواہی سے رک گئے (ابن ابی حاتم)۔ ابن جریر کی یہ روایت اس طرح پر ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک ہی نہ تھا یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت سے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سوئپ دیئے۔ بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے یہ آیت سنی اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ ابو جعفر رازی کی روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا﴾ نازل ہوئی یعنی اے میرے وہ بند و جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ تو ایک شخص نے کہڑے ہو کر پوچھا حضور اکرم ﷺ! شرک کرنے والا بھی؟ آپ ﷺ کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا پھر آپ ﷺ نے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ﴾ پڑھ کر سنائی۔ سورہ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں شرک بھی آجائے گا اور پھر مطلب صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے کی بخشش نہیں۔ ہاں اس کے سوا جسے چاہے

یعنی گو اس نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اس نے بڑے گناہ کا افتراء باندھا جیسے اور آیت میں ہے شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔

پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتلاتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ﴿ اِنۡ اَشْكُرْ لِيۡ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَى الْمَصِيۡرِ ﴾ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا شکر یہ کہ میری طرف لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡۗ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيۡ مَنْ يَّشَآءُ وَاِلٰهُ الظّٰلِمِيۡنَ

فَتِيۡلًا ۙ اُنۡظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوۡنَ عَلٰۤى اللّٰهِ الْكِذِبَ وَاَكْفٰى بِهٖ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۙ اَلَمْ

تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالْحَبۡتِ وَالطّٰغُوۡتِ

وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰؤُلَاءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ۙ اُولٰٓئِكَ

الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمۡ اللّٰهُ وَمَنْ يَّלَعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ يَجۡدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ۙ

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے کسی پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا۔ دیکھ تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہ صریح گناہ سے کافی ہے۔ کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

منہ پر تعریف اور خود پسندی کی مذمت: یہود اور نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی۔ ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت ﴿ اَلَمْ تَرَ ۙ اِنۡحٰ نَازَلَ هُوۡنًا ۙ ﴾ اور بقول مجاہد اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں وہ ہمارے لئے قربت اللہ ہیں ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ پاک کر دیں گے پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباسؓ یہودیوں کا اپنے بچوں کو آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے پاک نہیں کر دیتا۔ یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح و ثناء بیان کرنے کے رد میں اتری ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح

وسائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا افسوس تو نے اس اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی۔ پھر فرمایا اگر تم میں سے کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں۔ حقیقی پاکیزگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے نہ کرے۔ مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے جو کہے میں مومن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں وہ جہنمی ہے۔ ابن مرویہ میں آپ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ مجھے تم پر حسب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمع ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور یہ مال بیٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لگے گا اسے اس میں برکت دی جائے گی تم آپس میں ایک دوسرے کی مدح و ستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ چھری پھیرنا ہے۔ یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ انسان صبح کو اپنا دین لے کر نکلتا ہے پھر جب کہ وہ لوٹتا ہے تو اس کے پاس اس کے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا (اس طرح کہ) وہ کسی سے ملا اور اس کی مدح سرائی شروع کی اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا آپ ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا ممکن ہے کہ ان تعریفی کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ تعالیٰ کو ناخوش کر دیا پھر آپ نے اسی آیت ترکیب کی تلاوت فرمائی (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت ﴿فَلَا تَزُكُّواْ اَنْفُسَكُمْ﴾ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی چھوڑ نہ دے گا۔ فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی سے درمیان کا دھاگا اور مروی ہے کہ وہ دھاگا جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے۔

پھر فرماتا ہے ان کی افترا پر دازی تو دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں اور کسے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہو گا اور کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے ہوئے ہیں حالانکہ کسی کا عمل دوسرے کو کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے ارشاد ہے ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب و افتراء ہی ان کے لئے بس ہے۔ ﴿جِبْتٌ﴾ کے معنی حضرت فاروق اعظمؓ وغیرہ سے جادو کے اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں۔ یہ بھی قول ہے کہ ﴿جِبْتٌ﴾ جیش کا لفظ ہے اس کے معنی شیطان کے ہیں۔ شرک بت کا بن وغیرہ کے معنی بھی آئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد جی بن اخطب ہے۔ بعض کہتے ہیں کعب ابن اشرف ہے۔ ایک حدیث میں ہے فال اور پرندوں سے یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا یہ سب جبت ہے۔ حسن کہتے ہیں جبت شیطان کی غمغناہٹ ہے۔ طاغوت کی نسبت پہلے سورہ بقرہ میں کلام گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت جابرؓ سے جب طاغوت کی نسبت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے پاس شیطان آتے تھے۔ مجاہد فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں اس سے مراد وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کی جائے۔

پھر فرمایا کہ ان کی جہالت بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضلیت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے

کہا تم اہل کتاب ہو اور اہل علم ہو بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد ﷺ انہوں نے کہا تم کیا ہو اور وہ کیا ہیں۔ تو اہل مکہ نے کہا ہم صلہ رحمی کرتے ہیں تیار اونٹنیاں ذبح کر کے کھلاتے ہیں، کسی پلاتے ہی غلاموں کو آزاد کرتے ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد ﷺ تو صنوبر ہیں ہمارے رشتے ناتے تڑوائے ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں اب بتلاؤ ہم اچھے ہیں یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں ﴿إِنَّ شَانِكَ هُوَ الْآبَتْرُ﴾ اتری ہے۔

بنو اکل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضور اکرم ﷺ کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ کی عظیم تیاری میں تھے اس وقت جب یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتلاؤ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد ﷺ کا؟ تو ان لوگوں نے کہا تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے اور ان کا مدد و معاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھ لیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ یہی ہوا زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنا کر کے تمام تر قوت و طاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے ارد گرد خندق کھودنی پڑی۔ لیکن بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ ان کا مکر انہی پر لوٹ آیا یہ خائب و خاسر رہے، نامراد و ناکام پٹے دامن مراد خالی رہا، بلکہ نامرادی اور مایوسی و نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی کفایت آپ کی اور اپنی قوت و عزت سے انہیں اوندھے منہ گرا دیا، فالحمد للہ الکریم المتعال۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذْ الْأَيُّوتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝ أَمْ يَحْسُدُونَ
النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ
الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۗ
وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝

ایمان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔ یا یہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے۔ پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے۔ اور کافی ہے جہنم کا جلانا۔

یہود و نصاریٰ کا بخل اور حسد: یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں، یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان ہوتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغمبر ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی کھٹلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي ۖ لَعَنَىٰ اللَّهُ الْكٰفِرِينَ﴾ یعنی اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے، گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی۔ اسی لئے فرمادیا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے۔ اس بخل کے بیان کے بعد پھر ان کا حسد بیان ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو بڑی بھاری نبوت عطا فرمائی ہے اور آپ ﷺ چونکہ عرب

میں سے ہیں بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں اس لئے یہ جلے جاتے ہیں اور لوگوں کو آپ ﷺ کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں ﴿النَّاسِ﴾ سے مراد ہم ہیں کوئی اور نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آل ابراہیم کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہیں نبوت دی کتاب نازل فرمائی طریقے تعلیم کئے ان میں بادشاہت بھی دی باوجود اس کے ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اس انعام و اکرام کو مانا لیکن بعضوں نے پھر بھی اس کے ساتھ کفر کیا اسے تسلیم نہ کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جب کہ یہ اپنے والوں سے ہی منکر ہو چکے ہیں۔ تو پھر اے نبی آخر الزماں! آپ ﷺ کا انکار ان سے کیا دور ہے جب کہ آپ ﷺ ان میں سے بھی نہیں۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا کہ بعض اس پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ لہذا یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت کپے ہیں اور ہدایت و حق سے بہت ہی دور ہیں۔ پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس سے ان کے کفر و عناد کی ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا كَلْبًا نَصَبَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلًا لَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۸۷﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا ظِلِيلًا ﴿۸۸﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے جن مغربیہ انہیں ان جنات میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ بیٹھ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی۔ اور ہم انہیں کھنی چھاؤں اور پوری راحت میں لے جائیں گے۔

جہنم کے عذاب اور جنت کی راحتیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے نامائے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بد انجام کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے اور ان کے رو نگھٹے رو نگھٹے کو سگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ہو ایک چہرہ جل گیا تو دوسرا بدل دیا گیا جو سفید کاغذ کے مثل ہو گا۔ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوتے ہوں گے۔ ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہوگی یعنی کہہ دیا جائے گا کہ پھر لوٹ آئے وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی ہے تو آپ پڑھنے والے سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے ہیں وہ دوبارہ پڑھتا ہے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے (ابن مردویہ وغیرہ)۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا بیان کرو اور وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کر لیں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے۔ تو آپ نے فرمایا ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے

فرمایا میں نے اسی طرح حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے۔ حضرت ربیع ابن انسؓ فرماتے ہیں یہی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھتر ہاتھ کی ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھالے گی تو اور کھالیں آجائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے مونڈھاسات سال کی راہ پر ہو گا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہو گی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہو گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

پھر نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جنت عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی کہ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں اپنے محلات میں باغات میں راستوں پر غرض جہاں جی چاہے وہیں وہ پاک نہریں پہنچے لگیں گی۔ پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشگی والی ہوں گی نہ انہیں زوال آئے نہ ان میں کمی ہو نہ وہ واپس لے لی جائیں نہ فنا ہوں نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں نہ ختم ہوں۔ پھر ان کے لئے وہاں حیض و نفاس سے گندگی اور پلیدی سے میل کچیل اور بو باس سے رذیل سفتوں اور وہی اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی۔ اور گنتے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت والے بڑے سرور والے راحت افزا دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو یہ شجرۃ الخلد ہے۔ (ابن جریر)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ

تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵۰﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید کی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔ فقہانہ و بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے۔

امانت کی قسمیں اور ادائیگی امانت کی تاکید: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کی خیانت مت کر (امام احمد و اہل سنن)۔ آیت کے الفاظ عام ہیں اللہ تعالیٰ عز و جل کے کل حقوق کی ادائیگی کو بھی شامل ہیں جیسے روزہ نماز زکوٰۃ کفارہ نذر وغیرہ۔ اور بندوں کے آپس کے کل حقوق کو بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہو گی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلویا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہے تو اسے بدلہ بھی دلویا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹی گی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو اہو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کرو۔ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں میں کہاں سے اسے ادا کروں۔ فرماتے ہیں پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہ میں نظر آئے گی اور کہا جائے گا اسے لے آ۔ وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر لے چلے گا لیکن وہ گر پڑے گی پھر اسے لینے جائے گا پس اسی عذاب میں وہ ہنٹا رہے گا۔ حضرت زاذانؓ اس روایت کو سن کر حضرت براءؓ کے پاس آ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں ہر نیک و بد پر یہی حکم ہے۔ ابو العالیہؓ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا وہ سب

امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں عورت اپنی شرمگاہ کی بھی امانت دار ہے۔ رفیع بن انس فرماتے ہیں جو جو معاملات تیرے اور دوسرے کے درمیان ہوں یہ سب کو شامل ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عمید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے۔ اس آیت کے شان نزول میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہ کو جو کعبہ کے کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینی چاہی اتنے میں حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب یہ مجھے سونپے تاکہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا۔ آپ ﷺ نے سہ بار طلب کی۔ حضرت عثمان نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ دیتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے کعبہ کا دروازہ کھولا اندر گئے وہاں جو بت اور تصویریں تھیں سب توڑ کر پھینک دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ میں فال کے تیرے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو غارت کرے بھلا خلیل اللہ علیہ السلام کو ان تیروں سے کیا سروکار۔ پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر انہیں مٹا کر آپ ﷺ باہر آئے کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے کہا کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں خواہ جانی ہاں بیت اللہ شریف کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا۔ اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علی نے آگے بڑھ کر کہا حضور ﷺ کنجی مجھے عنایت فرمائی جائے تاکہ بیت اللہ شریف کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں۔ لیکن آپ ﷺ نے انہیں نہ دی۔ مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپ ﷺ نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارا قبلہ یہی ہے۔ پھر آپ ﷺ طواف میں مشغول ہو گئے۔ ابھی دو پھیرے ہی پھرے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا میرے ماں باپ حضور اکرم ﷺ پر فدا ہوں میں نے تو اس سے پہلے آپ ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا۔ اب آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا اور نیکی اور سلوک کا دن ہے۔

یہ عثمان بن طلحہ جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ کی کنجی چلی آتی ہے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے تھے جب کہ خالد بن ولید اور عمر بن عاص مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کے جھنڈا بردار تھا اور وہیں بحالت کفر مارا گیا تھا۔ الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اس بارے میں اتری ہے۔ اب خواہ اس بارے میں نازل ہوئی یا نہ ہوئی ہو بہر صورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ ہر شخص کو ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔ ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ادائیگی امانت کا اور عدل و انصاف کا حکم اور اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار تمہیں کر رہا ہے

(ابن ابی حاتم)۔ اور روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھا کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتایا) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث ابو زکریا فرماتے ہیں ہمارے استاد مقرئ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث اسی طرح امام ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے اور امام ابن حبان بھی اپنی صحیح میں اسے لائے ہیں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے۔ اس کی سند میں جو ابو یونس ہیں وہ حضرت ابو ہریرہؓ کے مولیٰ ہی ان کا نام سلیم بن جبیر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٤٥

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باقتدار انجام کے بہت اچھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ورسول کی اطاعت واجب جبکہ علماء امراء کی اطاعت مشروط ہے: صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس کو بھیجا تھا ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک دیا ہے۔ فرمانے لگے اچھا لکڑیاں جمع کرو۔ پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو۔ ایک نوجوان نے کہا لوگو! سنو آگ سے بچنے کے لئے ہی تم نے دامن رسول اللہ ﷺ میں پناہ لی ہے تم جلدی نہ کرو جب تک کہ حضور اکرم ﷺ سے ملاقات نہ ہو جائے پھر اگر آپ ﷺ بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم آگ میں چلے جاتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے۔ سنو فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے گوجی چاہے یا طبیعت رکے۔ لیکن اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ) کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی سننے کی اور ماننے کی گو ہماری خوشی ہو یا ہماری ناخوشی ہو ہماری سختی ہو یا ہماری آسانی ہو اور گو ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جا رہی ہو اور ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے اس کام کو نہ چھینیں مگر یہ کہ تم کھلا کفر نہ کیجو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح ربانی دلیل ہو۔ بخاری شریف میں ہے سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو گویا کہ اس کا سر شمشیر ہے۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مآب ﷺ) نے وصیت کی سننے کی اور ماننے کی اگرچہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہو۔ مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا گو تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ لے جانا چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ ایک روایت میں غلام حبشی اعضاء کٹنا کے الفاظ ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ میرے بعد والے تم سے ملیں گے نیکیوں سے نیک اور بدوں سے بد تم ہر ایک اس امر میں جو مطابق حق ہو اس کی سنو اور مانو اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی اگر وہ بدی کریں گے تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر بوجھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں مسلسل لگا تار رسول اللہ آیا کرتے تھے ایک کے بعد ایک اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفاء ہوں گے اور بکثرت ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا پھر حضور اکرم ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرو پھر اسکے بعد والے کی ان کے حق انہیں دے دو۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے اسے صبر کرنا چاہئے جو شخص جماعت سے باشت بھر جدا ہو گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا (بخاری و مسلم)۔ ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجۃ و دلیل بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے گا اس گردن میں بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا (مسلم)۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف میں گیا دیکھا تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع جمع ہے میں بھی اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گیا اس وقت حضرت عبد اللہ نے یہ حدیث بیان کی 'فرمایا ایک سفر میں ہم رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تھے ایک منزل میں اترے کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی کسی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اچانک ہم نے سنا کہ منادی ندا کر رہا ہے۔ ہم تن گوش ہو گئے تو سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے سکھادے اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں آگاہ کر دے سنو! اس میری امت کی عافیت کا زمانہ اس کا اول کا زمانہ ہے آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند رکھیں اور تابڑ توڑ فتنے آتے رہیں گے ایک فتنہ آئے گا کہ مومن سمجھ لے گا اسی میں میری ہلاکت ہے پھر وہ ہٹ کر دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین آجائے گا پس یونہی لگا تار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی پس جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ جہنم سے دوری ہو اور جنت حصہ میں آئے اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر پورا ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے ساتھ پسند کرتا ہے۔ سنو! جس نے امام سے بیعت کر لی اس نے اپنے ہاتھ کا قبضہ اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے اگر کوئی اور آکر اس سے چھیننا چاہے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو۔ عبدالرحمن فرماتے ہیں میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ سے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا اور اپنے اس دل میں محفوظ رکھا۔ میں نے کہا دیکھتے آپ کے بیچازاد بھائی حضرت معاویہ کو کہ وہ ہمیں ہمارے اپنے مال باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کاموں سے ممانعت فرماتا ہے ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ﴾ اسے سن کر حضرت عبد اللہ ذرا سی دیر خاموش رہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم جو وہ دیں اسے نہ مانو (مسلم)۔ اس بارے کی حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں۔

اسی ممانعت کی تفسیر میں حضرت سعدی سے مروی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالد بن ولید تھا۔ اس لشکر میں حضرت ثمار بن یاسر بھی تھے۔ یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا چلا رات کے وقت اس کی بہتی کے پاس

پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور وہ سب کے سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اور انہوں نے اس کا سب اسباب جمع کیا پھر یہ رات کے اندھیرے میں حضرت خالدؓ کے لشکر میں چلا آیا اور پتہ چلا کہ حضرت عمارؓ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میری ساری قوم تمہارا یہاں آنا سن کر بھاگ گئی ہے صرف میں باقی رہ گیا ہوں تو کیا کل میرا یہ اسلام مجھے نفع دے گا اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں نفع دے گا تم نہ بھاگو بلکہ ٹھہرے رہو۔ صبح کے وقت جب حضرت خالدؓ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جب حضرت عمارؓ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالدؓ کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو۔ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہو گئی اور اس پر قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمارؓ کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا۔ پھر دونوں میں تیز کلامی ہونے لگی۔ اس پر حضرت خالدؓ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا اس ناک کئے غلام کو آپ ﷺ کچھ نہیں کہتے۔ دیکھئے یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خالد اعمار کو برائے کہو۔ عمار کو گالیاں دینے والے کو اللہ تعالیٰ گالیاں دے گا عمار سے دشمنی رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھے گا عمار پر جو لعنت بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوگی۔ اب تو حضرت خالدؓ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ حضرت عمارؓ غصہ میں چل دیئے تھے آپ دوڑے بھاگے ان کے پاس گئے دامن تھام لیا عذر معذت کی اور اپنی تقصیر معاف کرائی پچھانہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمارؓ راضی رضامند نہ ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (امر امامت و خلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ مترجم) حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ)۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علماء۔ ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے آگے حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں امراء علماء دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گزرا۔ قرآن فرماتا ہے۔ ﴿لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ﴾ یعنی ان کے علماء نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا۔ اور جگہ ہے ﴿فَاسْتَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ﴾ حدیث و قرآن کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری فرمان برداری کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس یہ ہیں احکام علماء امراء کی اطاعت کے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنتوں پر عمل کرو اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف اگر ان کا کوئی حکم ہو تو اطاعت نہ کرنی چاہئے کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی مانتی حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گزر چکی کہ اطاعت صرف معروف میں ہے یعنی فرمان ربانی و فرمان رسول اللہ ﷺ کے دائرے میں۔ مسند احمد میں اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے کوئی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف میں نہیں۔

آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت

رسول ﷺ کی طرف جیسے کہ حضرت مجاہد کی تفسیر ہے۔

پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول دین کے متعلق ہو خواہ فروع دین کے متعلق اس کے تصفیہ کی صورت ہے کہ کتاب و سنت کو حاکم مان لیا جائے جو اس میں ہو وہ قبول کیا جائے جیسے اور آیت قرآنی میں ہے ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ یعنی جس کسی چیز میں تمہارا اختلاف پڑے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے نہیں کتاب و سنت جو حکم دے اور جس مسئلہ پر صحت کی شہادت دے وہی حق ہے باقی سب باطل ہے۔ قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت و گمراہی ہے اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اَلرَّحْمَنُ اللَّهُ تَعَالَىٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو جس مسئلہ میں اختلاف ہو جس امر میں جدا جدا رائے ہوں ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے کیا کرو جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب و سنت کی طرف نہ لے جائے وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مجزوں میں اور اختلافات میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آئند ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے۔ بہت اچھی جزا اسی کا پھل ہے۔

الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَمَكَّنُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٢٦﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٢٧﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَهُمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٢٨﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٢٩﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے۔ لیکن اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دو روزا ل دے۔ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آؤ تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کبروت کے باعث کوئی مسیبت آتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آکر اللہ تعالیٰ ہی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا ہید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے تو ان سے پشم پوشی کرا نہیں نصیحت کرتا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرتے والی ہو۔

قرآن و حدیث سے اعراض کر کے کسی اور سے فیصلہ کرانا منع ہے: اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ہمارا ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو جب کبھی کسی اختلاف کو میٹھنا ہو جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن و حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف جاتے ہیں۔ یہ آیت نازل بھی ہوئی ہے ان دو شخصوں کے بارے میں جن میں کچھ اختلاف تھا ایک تو یہودی تھا دوسرا نصاریٰ۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد (ﷺ) سے فیصلہ کر لیں اور نصاریٰ کہتا تھا کعب ابن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے تھے لیکن درپردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے۔ اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے ان تمام واقعات کو شامل ہے ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب و سنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طائفتوں سے ہے (یعنی قرآن و حدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدود سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی پیروی پر رہیں گے۔ ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا كُنُوا إِلَىٰ رَسُولِ اللَّهِ إِذْ دُعُوا إِلَىٰ طَائِفَتِهِمْ أَنَّ لَهُمْ أُمْرًا بِالْأَمْرِ﴾ یعنی ایمان والوں کو جب اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہہ دل سے قبول کیا۔

پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تجھے خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ (ﷺ) کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لئے جانے سے ہمارا مقصود صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھ لیا جائے اور آپس کا میل جول نہ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں۔ جیسے اور آیت میں ﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ سے ﴿نَادِمِينَ﴾ تک بیان ہوا ہے یعنی تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود و نصاریٰ کی دوستی کی تمام تر سعی کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے پس بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے یا اپنا کوئی حکم لائے اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ابو بکرؓ اسلمی ایک کاہن شخص تھا یہود اپنے بعض فیصلے ان سے کراتے تھے۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے اس پر یہ آیات ﴿الْم تَر﴾ سے ﴿تَوْفِيقًا﴾ تک نازل ہوئیں۔

پھر فرماتا ہے کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقوں کے دلوں میں کیا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں وہ ان کے ظاہر باطن کا عالم ہے تو ان سے چشم پوشی کر ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا انہیں نفاق سے اور دل میں شر و فساد رکھنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں گڑنے والی باتیں ان سے کر بلکہ ان کیلئے دعا بھی کر۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجْعَلُوا فِيكُم مِّنْهُمْ

يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٧﴾

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ سے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آجاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول ﷺ بھی ان سے لئے استغفار کرتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ سو قسم ہے تیرے چہ درگاہ کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم اپنے آپس کے اختلاف میں تجھی کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے تو ان میں کر دے ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی سختی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

حضور ﷺ سے دُعا کرنا آپ کی زندگی تک تھا: مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے تمام فرمانوں کو اللہ کے احکام سمجھا جائے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ سے یہ مراد ہے اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿اِذْ تَحْسَبُوْنَهُمْ بِاِذْنِهِ﴾ یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطاکاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ ہمارے لیے دعا کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع کرے گا انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ابو منصور صہبانی نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں لکھا ہے کہ غشی کا بیان ہے میں حضور اکرم ﷺ کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اسے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ! میں نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی اور آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ ﷺ کی شفاعت طلب کروں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

﴿يَا خَيْرَ مَنْ دَفَنْتَ بِالْقَاعِ اعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طَيِّبِ الْقَاعِ وَالْاَكْمُ
نَفْسِي الْفَدَاءَ لِقَبْرِ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيهِ الْعَفَا فِ فِيهِ الْجُوْدُ وَالْكَرْمُ﴾

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور وہ ٹیلے مہک اٹھے ہیں۔ اے ان تمام میں سے بہترین ہستی امیری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی اور سخاوت اور کرم ہے۔

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا حضور اکرم ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف فرمادئے (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے بلکہ آیت کا یہ حکم حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی تھا وصال کے بعد نہیں جیسے کہ ﴿جَاءَ وَكَ﴾ کا لفظ بتا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ حتمی ہے: پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آسکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے اس آخر الزمان افضل تر رسول اللہ ﷺ کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے۔ اور آپ ﷺ کے ہر حکم ہر فیصلے ہر سنت اور ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسول اللہ ﷺ نہ بنا دے۔ غرض ظاہر باطن چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول اللہ ﷺ کو اصل اصول سمجھے وہی مومن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا کریں اپنے دل میں تنگی ترشی نہ لائیں۔ تسلیم کلی کل احادیث کے ساتھ رہے نہ تو احادیث کے ماننے سے رکھیں نہ انہیں ہٹانے کے اسباب ڈھونڈیں نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ

ان کی تردید کریں نہ ان کا مقابلہ کریں نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول اللہ ﷺ ہے اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا پیرو کار نہ بنا دے جسے میں لایا ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا زبیر! تم پانی پلا لو پھر پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو۔ اس پر انصاری نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر! تم پانی پلاؤ تو پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔ پہلے تو حضور اکرم ﷺ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیرؓ کو تکلیف نہ ہو اور انصاری کو کشادگی ہو جائے۔ لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو ان کا پورا حق دلویا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ الخ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری بدری تھے۔ اور روایت میں ہے دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیرؓ کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی روکو مت۔ یونہی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعوی دار حضرت زبیرؓ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ تھے۔ آپ ﷺ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلا لے پھر نیچے والا۔ دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا ایک جھگڑا لے کر دربار محمدی ﷺ میں آئے آپ ﷺ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا اس نے کہا حضور! آپ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس چلے جاؤ۔ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس دوسرے سے پوچھا کیا یہ سچ ہے۔ اس نے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تلوار تانے آگئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیجئے گردن اڑادی۔ دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضور! میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آجاتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں عمر کو ایسا نہ جانتا تھا کہ وہ اس جرات کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خوب برباد کیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا۔ لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری ﴿وَلَوْ أَنَا كَتَبْنَا﴾ جو آگے آتی ہے (ابن ابی حاتم)۔

ابن مردودہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب ہے اور مرسل ہے اور ابن ابی لہیعہ راوی ضعیف ہے واللہ اعلم۔ دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ آپ ﷺ نے حق والے کے حق میں ڈگری دے دی۔ لیکن جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس چلیں۔ دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیقؓ نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے کیا۔ وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمرؓ کے پاس چلو وہاں گئے پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا (تفسیر حافظ ابو اسحاق)۔

وَلَوْ أَنَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اخرجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَ

أَشَدَّ تَثْبِيثًا ۖ وَإِذَا لَاتِيَنَّهُمْ مِّنْ لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَلَهْدِيَنَّهُمْ صِرَاطًا
 مُّسْتَقِيمًا ۖ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
 مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۖ
 ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۖ

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرنا اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجالاتے۔ اور اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان سے لے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔ اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھادیں۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔ یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ بس بے جا نئے والا۔

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے۔ اس لئے کہ ان کی ذلیل طبیعتیں حکم الہی کی مخالفت پر ہی بنائی گئی ہیں۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم کی خبر دی ہے جو ہوا نہیں لیکن ہوتا تو کس طرح ہوتا؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم گزر رہے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچالیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ گراؤ اور ثابت ہے (ابن ابی حاتم) اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کئی ایک صحابہ رضوان اللہ علیہم نے یہ فرمایا تھا۔ حدیث کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے فخر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل فرض کیا تو ہم وہ بھی کر گزرے۔ اس پر حضرت ثابت نے فرمایا واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گزرتے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجالانے والوں میں ایک ابن ام عبد جہمی ہوتے (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اس پر عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے حکم بجالاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ حکم کی مخالفت کریں اور ممانعت میں مبتلا ہوں اور یہی زیادہ سچائی والا ہوتا اس وقت ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا اور آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص اللہ و رسول اللہ ﷺ کی احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا اور نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کا جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں پھر شہیدوں کا پھر تمام مومنوں کا جنہیں صالح کہا جاتا ہے جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے۔ خیال تو کرو یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانہ میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ بیمار پڑے جس سے آپ ﷺ نہ اٹھے تو آپ ﷺ کی آواز بہت بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں ان کا ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جو نبی ہیں صدیق ہی شہید ہیں اور نیک کار ہیں۔ میں نے معلوم کر لیا کہ اب آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا

ہے۔ یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ ”اے اللہ! میں بلند و بالا رفیق طلب کرتا ہوں۔“ تین مرتبہ یہ کلمہ آپ ﷺ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا پھر فوت ہو گئے علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ اس آیت کے شان نزول کا بیان۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں۔ سب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضور ﷺ! یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آ بیٹھتے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھنٹی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے، لیکن کل قیامت کے دن تو آپ ﷺ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے تو ہم آپ ﷺ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لائے آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنا دی۔ یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے۔ حضرت رفیع فرماتے ہیں صحابہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا درجہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے پس جب کہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں گے اور کیسے ملیں گے۔ پس یہ آیت اتری اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور گلزار پر۔ بہار میں سب جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے اور ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔ ابن مردویہ میں ہے ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو اپنی جان سے اپنے اہل و عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بے قرار کر دیتا ہے صبر نہیں ہو سکتا دوڑتا بھاگتا آتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ ﷺ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ ﷺ جنت میں نبیوں کے ساتھ بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے اور بھی طریقے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ربیعہ بن کعب اسلمی فرماتے ہیں میں رات کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کچھ مانگ۔ میں نے کہا جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے سوا اور۔ میں نے کہا وہ بھی یہی۔ فرمایا پس میری مدد کر تو خود بھی بکثرت سجدے کیا کر۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا میں اللہ تعالیٰ کے بے شریک ہونے کی اور آپ ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا وہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہو گا پھر آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتلایا، لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔ مسند احمد میں ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا۔ ترمذی میں ہے سچا امانت دار تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی ایک زبردست جماعت سے بتواتر مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے ملا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ﴾ ہر انسان ان کے ساتھ ہو گا جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔ حضرت انس فرماتے ہیں مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے۔ حضرت انس فرماتے ہیں واللہ میری محبت تو آنحضرت ﷺ سے ہے اور حضرت ابو بکر سے ہے اور عمر سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھانے کا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں (یا اللہ تعالیٰ! تو ہمارے دل بھی اپنے نبی

اکرم ﷺ اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ کر دے (آمین)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکیلے ستارے کو جو مشرق یا مغرب میں ہو دیکھتے ہو ان میں بہت کچھ فاصلہ ہوگا۔ صحابہ نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی کہ کوئی اور تو وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا اور مانا (بخاری و مسلم)۔

ایک حبشی حاضر حضور اکرم ﷺ ہوتا ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں پوچھو اور سمجھو وہ کہتا ہے یا رسول اللہ ﷺ! آپ لوگوں کو صورت میں رنگ میں ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے کیا اگر میں اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ﷺ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجالاؤں جنہیں آپ ﷺ بجالا رہے ہیں تو کیا جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ ملے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنتی حبشی تو ایسا گورا چٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا پنڈ ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد و وعدہ ہے اور ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ﴾ کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس پر ایک اور صاحب نے کہا حضور ﷺ! جب یہ ہے تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا کہ اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو اس پر بھی بوجھل ہو جائیں، لیکن ایک نعمت جو کھڑی ہو گی تو محض اس کے شکر یہ میں ہی یہ اعمال کم نظر آئیں گے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے اور یہ آیتیں اتریں ﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾ سے ﴿مَلِكًا كَبِيرًا﴾ تک۔ تو حبشی صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ ﷺ کی آنکھیں دیکھیں گی میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس پر وہ روئے اور اس قدر روئے کہ اسی میں فوت ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی لغش مبارک کو خود رسول اللہ ﷺ قبر میں اتار رہے تھے۔ یہ روایت غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ خاص اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا فضل ہے اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت و توفیق کون ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُمْصِبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَاهِدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يُلَيْتُنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾ فليقاتل في سبيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ

اللَّهُ فَيُقْتَلُ أَوْ يَغْلِبُ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

اے مسلمانو! اپنے ہتھیار لئے رہو پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو اور یقیناً تم میں سے بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں کہتے ہیں کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔ پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے جو شخص راہ اللہ تعالیٰ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

کافروں سے قتال کے لئے آلات حرب تیار رکھنے کا حکم: اللہ رب العزۃ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں ہر وقت ہتھیار بند رہیں تاکہ دشمن ان پر باآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں اپنی تعداد بڑھاتے رہیں قوت مضبوط کرتے رہیں باقاعدہ مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا بڑی پوری فوج کی صورت میں جیسا موقع ہو آواز آتے ہی کوچ بول دیں۔ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی راہ اللہ سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی ڈھیلا کریں۔ جیسے عبد اللہ بن ابی بن سلول سردار۔ منافقین کا فعل تھا اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت ربانی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی نہ ہوئی دشمن ان پر چھا گیا انہیں نقصان پہنچا ان کے آدمی شہید ہوئے تو یہ گھر بیٹھا پھولتا ہے اور اپنی دانائی پر اکتا رہتا ہے اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام گنتا ہے۔ لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا اس سب سے یہ بد نصیب یک لخت محروم رہا۔ اگر یہ ہوتا تو یہ غازی کا درجہ پاتا اور اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا یا شہادت کے بلند مرتبہ تک پہنچ جاتا۔ اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا فضل مل گیا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آگئے ان کی فتح ہوئی دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لوٹ لیا غلام لے کر خیر و عافیت نظر و نصرت کے ساتھ لوٹے تو اب یہ انگاروں پر لوٹتا ہے اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتا رہا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ کبھی تمہارا تھا ہی نہیں گویا اس کا دین ہی اور ہے۔ کہتا ہے ہائے ہائے میں ان کے ساتھ نہ ہو اور نہ مجھے بھی حصہ ملتا۔ لوٹ لیا غلام و الامال متاع والا بن جاتا۔ الغرض دنیا ہی پر رکتھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہئے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کئے دے رہے ہیں اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو راہ اللہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ قتل کیا گیا تو اجر موجود غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ تعالیٰ ہے یا تو اسے فوت کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا۔

فالحمد لله۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

وَالْوُلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا

يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ نُسِبَهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ
 قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾
 مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَ
 أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

گیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ بھینے دی۔ تو کہہ دے کہ دنیا کی سود مند ہی تو بہت ہی مہربان اور پرہیزگاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے۔ تم پر ایک دھماگے کے برابر بھی ستم روانہ رکھا جائے گا۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آپکڑے گی تو تم مضبوط ہرجوں میں ہو۔ انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ انہیں کہہ دو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔ تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بس ہے سامنے دیکھتا۔

جہاد سے جی نہ چرانا جب جہاد کی طاقت نہ ہو تو: واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتداء اسلام میں جب کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے کمزور تھے، کم تھے، حرمت والے شہر میں تھے کفار کا غلبہ تھا یہ انہی کے شہر میں تھے وہ بکثرت تھے جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذا میں سہتے چلے جائیں ان کی مخالفت برداشت کریں ان کے ظلم و ستم سے لیا کریں جو احکام رب نازل ہو چکے ہیں ان پر عامل رہیں نمازیں ادا کرتے رہیں زکوٰۃ دیتے رہا کریں۔ گوان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ مصلحت خداوندی کا اقتضایہ تھا کہ سردست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر و سہار سے کام لیں۔ ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزا میں دے رہے تھے مسلمانوں کے نام میں دم کر رکھا تھا۔ اسلئے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ ان روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے لیکن اب تک حکم نہ ہوا۔ جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین زر رشتہ کہنہ اللہ تعالیٰ پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ مکرمہ سے بھاگ کھڑے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچے یہاں انہیں اللہ نے ہر طرح کی سہولت دی امن کی جگہ دی امداد کے لئے انصار مدینہ مل گئے تعداد میں کثرت ہو گئی قوت طاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی کہ ہاں اپنے لڑنے والوں سے لڑو۔ جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹ پٹائے خوف زدہ ہوئے جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کئے جانے کا سین عورتوں کے رنڈاپے کا خیال بچوں کی تپسی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ اے اللہ ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نَزَّلَتْ سُورَةٌ﴾ مختصر مطلب

یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں ان پر افسوس ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور آپ کے ساتھی مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہ! ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی حکم برداری ضروری ہے اور آپ ﷺ مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرات بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہ دیں) لیکن آپ ﷺ نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگزر کریں خبردار کافروں سے جنگ نہ کرنا۔ پھر جب مدینہ کی ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ رکنے لگے اس پر یہ آیت اتری (نسائی حاکم ابن مردویہ)۔

سدی فرماتے ہیں صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنا نہیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا کیوں ہمیں اپنی موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور ساتھ ہی بہت ہی کم ہے ہاں آخرت مستقیوں کے لئے دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جو اب کہا گیا کہ پرہیزگاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے کامل اجر ملے گا ایک نیک عمل بھی عارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جا رہی ہے اور آخرت کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے ساری دنیا اول سے آخر تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ ابو مصعب کا یہ کلام کتنا پیارا ہے۔

﴿وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ
مِنَ اللّٰهِ فِي دَارِ الْمَقَامِ نَصِيبٌ﴾
﴿فَإِنْ تَعْجَبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَإِنَّهَا
مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيبٌ﴾

یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے بے خبر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ منے والا نہیں۔ گودنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ سمجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آخرت موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہی ہے کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں اور جگہ ارشاد ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ہر جہاندار مرنے والا ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لئے ہم نے نیشلی کی زندگی مقرر نہیں کی۔

مقصد یہ ہے کہ خواہ کوئی جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ تعالیٰ کے سوا موت کا مزہ تو ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ اس وقت جب کہ آپ بستر مرگ پر ہیں فرماتے ہیں قسم اللہ کی فلاں فلاں جگہ غرض بیسیوں

لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں میں گیا ثابت قدمی پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نشان نیزے یا برہمے تیر یا بھالے کا تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی اب دیکھو اپنے بسترے پر اپنی موت مر رہا ہوں کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد میری ذات سے سبق سیکھیں۔

موت ایک اہل حقیقت ہے: پھر فرمایا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعضوں نے کہا ہے مراد اس سے آسمان کے برج ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گوزینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی جمع کر لے تاہم اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے۔ ﴿مُشِيدَةٌ بِتَشْدِيدٍ أَوْ مَشِيدَةٌ بِغَيْرِ تَشْدِيدٍ﴾ یعنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ اول کا معنی مطول دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقع پر ایک مطول قصہ بزبان حضرت مجاہد مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ۔ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے پوچھتا ہے کہ کیا ہو لڑکی یا لڑکا۔ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے۔ کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرے گی پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے اسی سے اسکا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانگے دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا اب ایک زمانہ گزر گیا ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی بد چلنی میں پڑ گئی ادھر وہ ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو اس سے میرا نکاح کرا دو۔ یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی یہیں پیغام ڈالا منظور ہو گیا نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے یہاں آ بھی گئی دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔

ایک دن ذکر اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا آخر آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں یہاں کیسے آگئے وغیرہ۔ اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا وہاں سے اسکی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے میں وہی ہوں یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے میں تیرے لئے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں اسی میں تو رہتا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی۔ عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ جب ہی سہی کہ میں اس کی جان لوں۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ وہ پکڑ کر لائے اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا اس کی جان

نکل گئی اس میں سے چیپ جو نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر پڑا اس کا زہر چڑھا پیر سیاہ پڑ گیا اور اسی میں آخر مر گئی۔

حضرت عثمانؓ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپ نے امت محمدیہ ﷺ کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد وہ شعر چڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو مانگنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں۔

حضرت کے بادشاہ ساطرون کو کسری سا بور ذوالاکتاف نے جو قتل کیا وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں۔ ابن ہشام میں ہے جب سا بور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی اس کے بدلے میں اس نے جب چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا۔ دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایک روز ساطرون کی بیٹی نصیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی جو اچانک اس کی نظر سا بور پر پڑ گئی۔ یہ اس وقت شاہانہ پر تکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا۔ نصیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو چنانچہ اس نے خفیہ پیغام بھیجنے شروع کئے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر سا بور کا قبضہ کر اے تو سا بور اس سے اپنا نکاح کر لے گا۔ اس کا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا ساری رات اس کی نشہ میں کھتی تھی۔ اس کی لڑکی نے موقع پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سر ہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں پکے سے نکال لیں اور اپنے ایک جہر سے دار غلام کے ساتھ سا بور تک پہنچا دیں۔ جس سے اس نے دروازہ کھول لیا اور شہر میں قتل عام کر لیا اور قابض ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا طریقہ اسے بتلا دیا کہ ایک چیت کمر اکبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو پھر اس کبوتر کو چھوڑ دو وہ جا کر اس قلعہ کی دیوار پر بیٹھے فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھانگ کھل جائے گا۔

چنانچہ سا بور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا تمام لوگوں کو تہ تیغ کیا اور سارے شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ایک رات جب کہ یہ لڑکی نصیرہ اپنے بسترے پر لیٹی ہوئی تھی اسے نیند نہیں آرہی تھی تمسار ہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو سا بور نے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا شاید بسترے میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آرہی۔ شمع جلائی گئی بسترہ مٹوا لیا تو اس کی ایک پتی نکلی۔ سا بور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بسترے میں ہونے کی بناء پر اسے نیند نہیں آتی۔ پوچھا کہ تیرے والد کے ہاں تیرے لئے کیا ہوتا تھا۔ اس نے کہا صرف نرم ریشم کا بسترہ تھا صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی یہ انتظام میرے باپ نے میرے لئے کر رکھا تھا۔ یہ تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا۔

ان باتوں نے سا بور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا اس کے ساتھ تونے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کر لیا اس کے ملک کو تاخت و تاراج کر لیا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہیے۔ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے ' اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہی ہو گا گھوڑا بد کا بھاگا اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعراء نے نظم بھی کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر انہیں ترسالی پھلوار ہی اولاد دیکھتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے تب تک روزی موت اور کمی اولاد و مال کی اور کھیت اور باغ کی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہے نبی کی تابعداری کا یہ فائدہ ہے

مسلمان ہونے کا یہ پھل ہے دیندار بننے کا۔ فرعونی بھی اسی طرح برائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کی طرف سے بد شکونی لیا کرتے تھے۔

جیسے کہ قرآن نے اور جگہ اس کا ذکر کیا ہے ایک آیت میں ہے۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر عبادت الہی کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیس کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں سرک جاتے ہیں یہ ہیں جو دونوں جہاں میں برباد ہوں گے۔ پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور پیٹ کے کھوٹے ہیں برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہو اور چل گئے کہ یہ تو اسلام کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔ سدئی فرماتے ہیں۔

﴿حَسَنَهُ﴾ سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا جانوروں میں زیادتی ہونا بال بچے بکثرت ہونا خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے۔ اگر یہ ہوتا تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا ہے تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ ﷺ کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری طرف سے ہے۔ یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبی ﷺ کی تابعداری اختیار کی اس لئے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں پڑ گئے۔ پس پروردگار انکے ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قضاء و قدر ہر بھلے برے فاسق فاجر نیک و بد مومن کافر پر جاری ہے۔ بھلائی برائی سب اس کی طرف سے ہے۔

پھر ان کے اس قول کی جو محض شک و شبہ کم علمی بے وقوفی جہالت اور ظلم کی بناء پر ہے تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے انہیں کیا ہو گیا۔ جو بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان میں سے جاتی رہی۔ ایک غریب حدیث جو ﴿كُلُّ مَن عِنْدَ اللَّهِ﴾ کے متعلق ہے اسے بھی سنئے۔

بزار میں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ آئے ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور حضور ﷺ کے قریب آکر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے دریافت کیا تیز تیز گفتگو کیا ہو رہی تھی۔

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ (حضرت) ابو بکرؓ تو کہہ رہے تھے نیکیاں اور بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی بحث اول حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل میں ہوئی تھی میکائیل وہی کہتے تھے جو ابو بکر کہہ رہے ہیں اور جبرئیل وہ کہہ رہے تھے۔ جو اے عمرؓ کہہ رہے ہو پس آسمان والوں میں ہی جب کہ اختلاف ہو تو زمین والوں میں تو ہونا ہی تھا آخر (حضرت) اسرافیل کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سعیات دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے دونوں بزرگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کی جانے کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس حضرت ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے اور مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل لطف رحمت ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے جیسے اور آیت

میں ہے ﴿ وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴾ یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے بعض اعمال کی وجہ سے ہے۔ اور ابھی تو اللہ تعالیٰ بہت سی بد اعمالیوں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔

﴿ فَمِن نَّفْسِكَ ﴾ سے مراد بسبب گناہ ہے یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے تھپل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے جسے پسینہ آجائے وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے۔ جنہیں معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت سارے ہیں۔ اس مرسل حدیث کا مضمون ایک متصل صحیح حدیث میں بھی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایماندار کو غم ورنج تکلیف و مشقت پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ جو کائنات بھی لگتا ہے اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ ابوصالحؓ فرماتے ہیں مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے۔ اس کا باعث تیرا گناہ ہے ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ آپ ہے۔

حضرت مطرف بن عبد اللہ فرماتے ہیں تم تقدیر کے بارے میں کیا چاہتے ہو کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں۔ پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی قسم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سوئپ نہیں دیئے گئے۔ انہیں حکم دیئے گئے ہیں اسی کی طرف وہ اوتھتے ہیں۔ یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔

قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی ﷺ اشریعت کی تبلیغ کرنا ہے اسکی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی تیرے ان کے درمیان جو رہا ہے اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ جس طرح عناد اور تکبر تیرے ساتھ بستے ہیں اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۗ

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۗ

وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝۱۱

اس رسول کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت جو کہہ گئی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے ان کی راتوں کی بات چیت اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے۔ تو ان کی طرف التفات بھی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ میرے بندے اور رسول (حضرت) محمد ﷺ کا اطاعت گزار صحیح معنی میں میرا اطاعت گزار ہے۔ آپ ﷺ کا نافرمان میرا نافرمان ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو فرماتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جو میری ماننے والا ہے اللہ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔

پھر فرماتا ہے جو منہ موڑ کر بیٹھ رہے تو اس کا گناہ اے نبی ﷺ! آپ نہیں۔ آپ ﷺ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ نیک نصیب مان لیں گے نجات اور اجر حاصل کر لیں گے ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ ﷺ کو بھی ہو گا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر اس نیکی کے معلم آپ ﷺ ہیں اور جو نہ مانے نہ عمل کریں تو نقصان اٹھائے گا بد نصیب بنے گا اپنی بوجھوں آپ مرے گا اس کا گناہ آپ ﷺ پر نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے سمجھانے بچھانے راہ حق دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا رشد و ہدایت والا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار موافقت کا اظہار ہے۔ لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پہنچے کہ ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چپ چپاتے سر گوشیاں کرنے بیٹھ گئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدگیوں چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان سب کو تو توتوں اور ان تمام باتوں کو اس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پس انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے؟ جو تم ظاہر باطن یکساں نہیں رکھتے ظاہر باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا۔

اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ ﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ

وَاطَعْنَا﴾

پھر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ ان سے درگزر کیجئے بردباری برتیں ان کی خطا معاف کیجئے ان کا حال ان کے نام سے دوسروں کو نہ کہئے ان سے بالکل بے خوف رہئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو اس پر بھروسہ کرے جو اس کی طرف رجوع کرے اسے وہ کافی دانی ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۗ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

كَثِيرًا ﴿۷۷﴾ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۗ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ

وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۷۸﴾

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔ جہاں انہیں کوئی نہر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا۔ اگر یہ لوگ اسے رسول ﷺ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

قرآن حکیم تعارض سے پاک کتاب ہے؛ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور فکر تامل تدبر سے

پڑھیں اس سے اعراض نہ کریں بے پروائی نہ برتنیں اس کے مضبوط مضمون اس کے حکمت بھرے احکام اس کے فصیح و بلیغ الفاظ کو سوچیں۔ ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب اختلاف اضطراب تعارض اور تضاد سے پاک ہے اس لئے کہ حکم و حمید اللہ کا کلام ہے وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے۔ چنانچہ اور جگہ فرماتا ہے۔ ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ یہ لوگ کیوں قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین کا اور منافقین کا زعم ہے اگر یہ فی الواقع کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہوتا کوئی اور اس کا قائل ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں لوگوں کو اختلاف ملتا یعنی ناممکن ہے کہ انسانی کلام اضطراب و تضاد سے سالم ہو پھر تو یہ ہو تاکہ کہیں کچھ پاتے اور کہیں کچھ اور یہاں ایک بات کہی آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ پس اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور جگہ پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے اسی لئے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پالیتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ محکم کو متشابہ کی طرف لوٹا کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اول قسم والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان کی گئی ہے۔ عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں بیٹھے کہ سرخ اونٹوں کا لہنا بھی اس کے پاسنگ میں بھی نہیں۔ ہم دونوں آئے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر چند بزرگ صحابہ کھڑے ہوئے ہیں ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے ان میں قرآن کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا۔ اور کچھ اختلاف تھا آخر بات بڑھ گئی۔ اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا ان پر مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے بس خاموش رہو تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء پر اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری آیت کے خلاف بتلادیا یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک آیت دوسری کی تصدیق کرتی ہے تم جیسے جان لو عمل کرو جسے نہ معلوم کر سکو اس کے جاننے والے کے لئے چھوڑ دو۔ اور روایت میں ہے۔ کہ صحابہ تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ کاش میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں میں دوپہر کے وقت حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوا میں بیٹھا ہی ہوں جو ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہو اور آوازیں اونچی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا۔ (مسند احمد)۔

انہوں کے متعلق ایک اہم اصول: پھر ان جلد باز لوگوں کو روکا جا رہا ہے۔ جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق اسے ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو۔ صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرنے لگ جائے۔ ابو داؤد میں بھی یہ روایت ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیل و قال سے منع فرمایا یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ برا فعل ہے کہ یوں کہتا پھرے لوگوں نے یہ خیال کیا یہ کہا۔ اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے وہ بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔ یہاں پر ہم حضرت عمر والی روایت کا وارد کرنا بھی مناسب جانتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے چلے مسجد میں آئے یہاں بھی لوگوں کو یہ کہتے سنا تو بذات خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور خود

آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا غلط ہے چنانچہ فاروق اعظم نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپ آئے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے رہ کر باہر آواز بلند فرمایا لوگو! رسول مقبول ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حضرت عمرؓ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی۔

استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے ٹھکانے اور مخزن سے نکالنے کو جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں ﴿استنبط الرجل﴾ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب بجز کائنات ایماندار لوگوں کے شیطان کے تابع دار بن جاتے۔ ایسے موقعوں پر یہ بھی معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل چنانچہ عرب سے ایسے شعر بھی ہیں۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ

يَكْفَ بِأَسِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿۱۶﴾ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً

حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَكِفْلٍ مِنْهَا

وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۱۷﴾ وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿۱۸﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ

الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿۱۹﴾

تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے ہاں ایمان والوں کو رغبت والا تارہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ جنگ کو روک دے اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور مزادینے میں بھی سخت ہے۔ جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا۔ اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جب تمہیں سلام لیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہو گا؟

اللہ تعالیٰ کی مدد مجاہدین کے شامل حال ہے: رسول اللہ ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ خود اپنی ذات سے راہ اللہ میں جہاد کرے

اگرچہ کوئی بھی آپ ﷺ کا ساتھ نہ دے۔ ابو اہلقؓ حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان تنہا اکیلا ہو اور

دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو منع ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ تو حضرت براءؓ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ

تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی ترغیب دینا رہ (ابن ابی حاتم)۔ مسند احمد میں اتنا اور

بھی ہے کہ مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے

رکھے والا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے پس

تم بھی جہاد کرو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے جو منوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا۔ چنانچہ بدروالے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا اٹھ کھڑے ہو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے۔ جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں بخاری میں ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے نماز قائم کر کے زکوٰۃ دیتا رہے۔ جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے نماز قائم کرے زکوٰۃ دیتا رہے رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ! کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سنو جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں یہ درجے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کئے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں پس جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں۔ مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد ﷺ کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے حضور ﷺ! دوبارہ ارشاد ہو۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین آسمان میں ہے۔ پوچھا وہ عمل کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ کا جہاد۔

پھر فرماتا ہے جب آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں گے مسلمان آپکی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے گی اللہ تعالیٰ کفر کا دھڑ توڑ دے گا کفار کی ہمت پست کر دے گا انکے حوصلے نہ پڑیں گے کہ تمہارے مقابلہ میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جتنی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت مزادینے والا کوئی نہیں وہ قادر ہے کہ دنیا میں ہی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب کرے اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرْنَا لَهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بد نتیجہ برآمد کرے اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی اس کا بوجھ ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ فارش کرو اور پاؤ گے اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے۔ یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس مہربانی کو بھی دیکھئے کہ فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے یا نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا حافظ ہے ہر چیز پر حاضر ہے ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ہر چیز پر قادر ہے ہر چیز پر نیشکی کرنے والا ہے ہر ایک کو روزی دینے والا ہے ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

سلام کرنے کے احکام و آداب: - مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو یا کم سے کم انہیں الفاظ کو دوہرا دو۔ پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے۔ ابن جریر میں ہے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ﴿السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ﴾ پھر دوسرا آیا اس نے کہا ﴿السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَرَحْمَةُ اللَّهِ﴾ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ﴿وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے کہا ﴿السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ﴿وَعَلَيْكَ﴾ تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ! فلاں اور فلاں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں زیادتی کے ساتھ دیا جو مجھے نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ہمارے لئے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا

فرمان خدا ہے جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لو نادر اس سے تم نے وہی الفاظ لو نادر سے۔ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح معلق مروی ہے۔ اسے ابو بکر ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں اس سے زیادتی نہیں۔ اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔

مسند احمد میں ہے ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور ﷺ السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا اور فرمایا اس نیکیاں ملیں دوسرے آئے اور ﷺ السلام علیکم ورحمة اللہ ﷺ یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں۔ پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔

امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسی کو لو نادرینا اہل ذمہ کے لئے ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا نظر ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گزر چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کے سلام سے اچھا جواب دے اور اگر مسلمان سلام کے سبھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا نبی کو لو نادرے۔ ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتدا کرنا تو ٹھیک نہیں اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے۔ بخاری و مسلم میں ہے جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو یہ کہہ دیتے ہیں ﷺ السَّامُ عَلَیْكَ ﷺ تو تم کہہ دو ﷺ وَعَلَيْكَ ﷺ صحیح مسلم میں ہے یہود و نصاریٰ کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈ بھٹڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطرب کر دو۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے۔ اور علماء کرام کا فرمان بھی یہی ہے پس اگر جواب نہ دے گا تو کتھکار ہو گا اس لئے کہ جواب سلام اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت میں اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمناً قسم بھی ہے اسی لئے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام اگلوں پچھلوں کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی مرنی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَكْسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَلْتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا
مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَذُؤَالُوا تَكْفُرُونَ كَمَا
كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فُحْدُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ
وَلِيَّاءَ وَلَا نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ

أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ
لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَالِبِ
السَّلَامُ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَتَجِدُونَ آخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ
يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلُّ مَا رُدُّوْا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِن لَّمْ يَعتَزِلُوا
وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُوا أَيْدِيَهُمْ فخذُوهُمْ وَاقتلُوهُمْ حَيْثُ تَقِفْتُمُوهُمْ
وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝

تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ زور ہے ہوا نہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کفر کو دیا ہے۔ اب کیا تم یہ منسوب
باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لاکھڑا کرو جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا سے توبہ گزارا اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔ ان کی تو
چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ پس جب تک یہ اسلام کی خاطر و ظن نہ چھوڑیں ان میں
سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ پس اگر یہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں۔ خبر وادان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ
کچھ بیٹھنا سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے
سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس
اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں
کی۔ تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن) جب کبھی فتور انگیزی
کی طرف لوٹتے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں پس اگر یہ لوگ تم سے کٹا رہ گئے نہ کریں اور تم سے صلح کی سلسلہ جنہاں نہ کریں اور
اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مارو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ پس وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے۔

منافقوں کے بارے میں صحابہ کا مختلف موقف: اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس امر میں مسلمانوں کے دو قسم کے
خیالات ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ ﷺ کے
ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا
چاہیے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شہر طیب ہے یہ خود بخود میل کچیل
کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح جھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانت دیتی ہے (بخاری و مسلم)۔ ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر
جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا، عبد اللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے
ساتھ پھر سات سو ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مد میں پٹھ لوگ تھے جو کلمہ گو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے یہ
اپنی کسی ضروری حاجت کے لئے مکہ سے نکلے انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسول ﷺ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ بظاہر
کلمہ کے قائل تھے اور جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض تو کہنے لگے ان نامزدوں سے پہلے جہاد کرو یہ ہم سے

دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعضوں نے کہا سبحان اللہ جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا آپ ﷺ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذ کے لڑکے فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کوئی ہے جو مجھے عبد اللہ بن ابی کی ایذا سے بچائے اس پر اس و خنزرج کے درمیان جو اختلاف ہو اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی تافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا ان کی بدایت کی کوئی راہ نہیں یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں اس قدر عداوت ان کے دلوں میں ہے تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں انہیں اپنا نہ سمجھو یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔ پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنائاً کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان صلح و سلوک ہے تو ان کا حکم بھی وہی ہو گا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔ سراقہ بن مالک مد لہجی کہتے ہیں جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہو گئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مد لہج کی گوشالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ ﷺ کو احسان یاد دلاتا ہوں لوگوں نے مجھ سے کہا خاموش رہ لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اسے کہنے دو کہہ دو کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ ان سے صلح کر لیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ ﷺ چڑھائی نہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کر آؤ۔ پس اس بات پر صلح ہو گئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو۔ یہی روایت ابن مردودہ میں ہے اور اس میں ہے آیت ﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ﴾ نازل ہوئی پس جو بھی ان سے مل جاتا وہ انہیں کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔

صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا کی کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ ﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ پھر ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن بے چارے بے بس ہوتے ہیں وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ بچو لیاں لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جاتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یک سو ہو جائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے جیسے حضرت عباس وغیرہ۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ

صحابہ نے حضرت عباس کے قتل و مروع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ نہ رہنے دیا جائے۔ یہ اور ۵۰۰۰۰ فرمایا جاتا ہے۔ یہ بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت بل ہے یہ اس منافع میں حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے جان مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں اور انہوں میں مل کر ان کے مہربان بن جاتے ہیں۔ ان کے ان میں سے ہونا تھا۔ ان کے ان سے ملے رہتے ہیں تاکہ ان سے مانتوں بھی امن میں ہیں اور اصل یہ کہ ان میں ہونا چاہیے اور جو ان سے اپنے یا ان کی تنہائی میں جا کر کہتے ہیں نام تمہارا۔ ساتھ میں یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب بھی قتلہ اظہار کی نافرمانی ہو جائے تو یہ تو جی ہوا کہ پورے مہر گزری سے اس میں حصہ دیتے ہیں جسے ولی اور مدھے منہ اور انہوں قتلہ سے مراد یہاں تھا ہے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ اس جی مدھے والے تھے یہاں آ کر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان سے بت پوجتے تھے تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی اس دوغلی روش سے باز نہ آئیں تو ہمیں ایدار ساری سے اللہ نہ ہوں گا۔ کہیں تو انہیں امن امان نہ دو ان سے بھی ہمارا سروا نہیں قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ بزن بولو ہے شک ان پر ہم سے تمہیں ظاہر غلام اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَاقُتَلَ مُؤْمِنًا لَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

مُؤْمِنَةً وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمِ عَدُوِّكُمْ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ

فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۶﴾ وَمَنْ يَاقُتَلَ مُؤْمِنًا

مُتَعَدِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ

عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۱۷﴾

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا یا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مارے اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو ہونا چاہیے تاکہ ان سے اور ہر مقتول تمہاری خون قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمانہ ہے تو ہونا بہا لازم ہے جو اس کے کنبہ والوں کو پونچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادی نہیں ہونا چاہیے اس کے لئے اور مہینے کے بعد ہر روز سے اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے والا اور سمجھتے والا ہے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو قصد قتل کرے اس کی ہر روز سزا ہے جس میں وہ بیعت رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے سے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور ان کے لئے عذاب ہے کیا تمہارے گھم ہے۔

قتل خطا کی دیت اور قتل عمد کا بیان ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں، مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا۔ دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو، تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے فرقت کرنے والا پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں امام یا نائب امام کا یہ منصب ہے۔ اسکے بعد استثناء منقطع ہے، عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ریحہ جو ابو جہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس کی ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اترتی ہے اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جیسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی ان کا نام حارث بن یزید غامدی تھا حضرت عیاشؓ کے دل میں یہ خار رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقع پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاشؓ کو یہ معلوم نہ تھا فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑ گئے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اترتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ انہوں نے ایک شخص کا فر پر حمد کیا تلوار تانی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب حضور اکرم ﷺ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداءؓ نے اپنا یہ عذر بیان کیا اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے۔ پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا۔ اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہو گا چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہو گا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو۔ امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔

ایک انصاری سیاح فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور اکرم ﷺ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں۔ آپ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی توقع ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ اس کی استاد صحیح ہے اور صحابی کون تھے اس کا مخفی رہنا سند میں مضمر نہیں۔ یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں۔ دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ ایماندار ہے۔ پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خون بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا یہ عوض ہے ان کے مقتول کا۔ یہ دیت سوا اونٹ ہے پانچ قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیس سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی۔ یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بروایت حضرت عبد اللہ موقوف بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں لٹی ہوئی ہے یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں میں اس میں کسی مخالف نہیں جانتا کہ حضور اکرم ﷺ نے دیت کا فیصلہ انہیں لوگوں پر کیا ہے

اور یہ حدیث خاصہ سے اکثر ہے۔ امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ بذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں ایک نے دوسری کو ایک پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی قصہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بچہ کے عوض تو ایک جان لوغدی یا غلام اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے رشتے داروں کے ذمے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو وہ بھی حکم میں خطا، محض کے ہے یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم ثلث پر ہوگی تین حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شہادت عمد یعنی بالقصد بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے بنو خزیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولیدؓ حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ نادانستگی بجائے ﴿اسلمنا﴾ یعنی ہم مسلمان ہونے کے ﴿صبا﴾ کہا یعنی ہم بے دین ہوئے۔ خالد نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کی یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور براءت تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جو ان کا مالی نقصان ہوا اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجہ بیت المال پر ہو گا۔

پھر فرماتا ہے خون بہا جو اوجب ہے اگر اولیاء مقتول از خود اس سے دست برداری کریں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اسکے اولیاء حربی کافروں تو قاتل پر دیت نہیں قاتل پر اس صورت میں صرف آزادی گردن ہے اور اگر اس کے والی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی اگر مقتول مومن تھا تو کامل خون بہا اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت سے بعض کے نزدیک آدمی بعض کے نزدیک تہائی، تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو۔ اور قاتل پر مومن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اسکے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگا تار پے در پے رکھنے ہوں گے۔ اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں۔ پھر فرماتا ہے قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو وہ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے یا نہیں تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساتھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفار سے میں ہے وہاں صاف بیان فرما دیا یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت و عظمت اتنی باقی نہ رہتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا حاجت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا ٹھیک نہیں (بظاہر قول ثانی ہی اچھا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اس کی تفسیر کئی مرتبہ گزر چکی۔

عمداً قتل کرنے والے کی توبہ صحابہ کا موقف: قتل خطا کے بعد اب قتل عمد کا بیان ہو رہا ہے اس کی سختی بڑی اور نہایت تاکید والی ڈراونی وعید فرمائی جا رہی ہے یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے فرماتا ہے ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمان ہے ﴿فَلْتَعَالُوا آتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي﴾ غلبہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیثیں بھی اس باب میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ مسلم و بخاری میں ہے سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت

کے دن ہو گا۔ ابو اود میں ہے ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں پڑتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے ساری دنیا کا زوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔ اور حدیث میں ہے جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی اعانت کی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا تو قول ہے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔ اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیرؓ ابن عباسؓ کے پاس آ کر دریافت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ﴾ جس میں توبہ کا ذکر ہے وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں۔ حضرت مجاہدؓ سے جب یہ قول ابن عباسؓ بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نام ہو۔ سالم بن ابو الجعدؓ فرماتے ہیں حضرت ابن عباسؓ جب ناپینا ہو گئے تھے ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے اس نے پھر پوچھا اگر وہ توبہ کرے نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے اس کی ماں اسے روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے میں نے تمہارے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے اس کی ماں اسے روئے جس نے مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا اس کی رگوں میں خون اچھل رہا ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری۔ اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی وحی اترے گی۔ حضرت زید بن ثابتؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمنؓ عبید بن عمیرؓ قتادہؓ نضاکؓ بھی حضرت ابن عباسؓ کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے لائے گا دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو گا اور کہے گا میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا پروردگار اس لئے کہ تیری عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا اور یہی کہے گا۔ قاتل جو اب کہے گا اس لئے کہ فلاں کی عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے اس کا گناہ وہ لے کر لوٹا۔ پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ جس گڑھے میں ستر سال تک تو بیچے ہی چلا جائے گا۔

مسند احمد میں ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے، لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا دوسرا وہ جو کسی مومن کو قصداً قاتل بنا۔ ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے۔ محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ سند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ حمید کہتے ہیں میرے پاس ابو العالیہ آئے۔ میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے۔ ہم سے کہنے لگے تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ حفظ والے ہو، آؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت بشر سے فرمایا انہیں بھی وہ

حدیث سنادوں انہوں نے سنائی شروع کی کہ عقبہ بن مالک کیشی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا۔ اس نے ایک قوم پر چھاپا۔ مارا وہ لوگ بھٹا کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا اس کے پیچھے ایک لشکر بھاگا جب اس کے قریب پہلی تلوار لٹے ہوئے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی۔ اس واقعہ کی خبر حضور اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور سخت ست کہا۔ یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی۔ ایک روز رسول اکرم ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا حضور اکرم ﷺ اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لئے کہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سنا رہے۔ اس نے دوبارہ کہا۔ آپ ﷺ نے پھر منہ موڑ لیا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا تیسری بار کہا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپ ﷺ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی فرمانے لگے قاتل مومن پر اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ تین بار یہی فرمایا۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا خشوع خضوع میں لگا رہا نیک اعمال کرنے لگا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عفو دے کر اسے راضی کر لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ بِالْحَمْدِ وَالرِّضْوَانِ فِي رَحْمَتِنَا وَسَنُؤْتُهُمْ آلِهَةً كَمَا أُوتِيَ الْبَنِي إِسْرَائِيلَ لِيُحْمَدُوا بِهَا وَيُسَبِّحُوا بِهَا فِي سُكُوتِ النَّهارِ وَاللَّيْلِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ﴾۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے خواہ کفر و شرک ہو خواہ شک و نفاق ہو خواہ قتل و فسق ہو کچھ ہی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف مائل ہوگا جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔ فرماتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں اس کے سوا تمام گناہ جسے چاہے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کریمی کے صدقے جائے کہ اسے اسی سورت میں اسی آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تا کہ بندوں کو اس کی کامل مغفرت کی کامل امید بندھ جائے واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم کی وہ حدیث بھی اس موقع پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کئے تھے پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہو؟ اور اسے کہتا ہے کہ تو اس بد مستی کو چھوڑ کر نیوے کے شجر میں جا بس۔ چنانچہ یہ ہجرت کرتا ہے اور راستے ہی میں فوت ہو جاتا ہے اور رحمت کے فرشتے اسے لے جاتے ہیں۔ یہ حدیث پوری پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ میں قاتل کی توبہ کے دروازے بند کیوں ہوئے ان پر تو ہم سے بہت زیادہ پابندیاں تھیں جن سب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمت للعالمین جیسے سردار انبیاء کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسمانیوں اور راجتوں والا سیدھا صاف اور سہل ہے۔ پس اب یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی سزا یہ ہے اگر اسے سزا دے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ اور سلف کی ایک جماعت یہی فرماتی ہے۔ بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردودہ میں ہے لیکن سند اوہ صحیح نہیں اور اسی طرح یہ وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں بیان ہوا۔ یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور احتیاط والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور قاتل کے جہنم میں جانے کی تقدیر پر بھی خواہ وہ بقول ابن عباس وغیرہ توبہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو خواہ بقول مہرور دوسرا نیک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے۔ جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رانی کے چھوٹے سے چھوٹے گناہ بھی ایمان ہو گا۔ اور اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل موہن کے معاف فرمادے اس میں عسی ترحمی کا ہے تو ان دونوں صورتوں میں ترحمی یعنی امید گواٹھ جائے پھر بھی وقوع یعنی ایسا ہوتا ان دونوں میں سے ایک میں نہیں اٹھتا اور وہ قتل ہے۔ کیونکہ شرک و کفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا۔ اور جو احادیث ترحمی میں سے کہ قاتل کو مقتول لے کر آئے گا یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ چونکہ اس میں انسانی حق ہے وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس میں جس طرح قتل ہے اسی طرح چوری بھی ہے غضب ہے انتہت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کی صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادا ہوئی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقعہ ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور و قصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگزر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ تعالیٰ بخش دے وغیرہ واللہ اعلم۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لئے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا﴾ جو ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے انہیں اختیار ہے کہ یا توبہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے۔ جو تین قسموں پر ہے، تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ اور تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے اور چالیس گیا بھن اونٹیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔

اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعی اور ان کے اصحاب اور علماء کی ایک جماعت تو اس کی قاتل ہے کہ جب خطا میں یہ ہے تو عمد میں بطور اولے ہونا چاہئے اور ان پر جو ابا جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا عمد اچھوڑ دی ہوئی نماز کی قضاء کو بنایا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے خطا میں۔

امام احمد کے اصحاب اور دوسرے کہتے ہیں قتل عمد کفارے سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے اس لئے اس میں کفارہ نہیں۔ اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لئے ان دونوں صورتوں میں اور عمد اچھوڑی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ عمد اچھوڑی ہوئی نماز کی قضاء کے وجوب کے قاتل ہیں۔ اگلی جماعت کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت وائلہ بن اسقع کے پاس آئے اور کہا کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر جب پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے آپ نے جو سنی ہو۔ کہا ہم حضور اکرم ﷺ کے پاس اپنے میں سے ایک آدمی کی بابت گئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے تئیں جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو اس کے ایک ایک عضو کے بدلہ اس کا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ
السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ
كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

اسے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام ملے تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم زبردگانی دینے سے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی نعمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو و بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

ترمذی وغیرہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور سلام کیا تو صحابہ آپس میں کہنے لگے یہ مسلمان تو ہے نہیں صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ یہ حدیث صحیح ہے لیکن کچھ نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی سے سوائے اس طریقے کے اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے میں بھی تامل ہے اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں محکم بن جشامہ کے بارے میں اتری ہے بعض کہتے ہیں اسامہ بن زید کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ سب کلام مردود ہے سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے عکرمہ سے صحیح میں دلیل لی گئی ہے۔ یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباس سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ سعید ابن منصور میں بھی مروی ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ راستے میں اسے حضور اکرم ﷺ کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک ہزار دینار دیئے اور دیت ادا کی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا اس پر آیت اتری۔

محکم بن جشامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبطا جمعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے پاس پہنچ کر سلام کیا سب تو رگ گئے لیکن محکم بن جشامہ نے کچھ آپس کی بناء پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ انہیں قتل کر ڈالا اور اسباب قبضہ میں کر لیا۔ پھر ہم حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا اس پر یہ آیت اتری۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا۔ لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محکم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے کہا سنا لیکن عیب نے کہا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ محکم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اس امید پر کہ حضور اکرم ﷺ ان کے لئے استغفار کریں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے۔ یہ یہاں سے سخت نادم شرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو

پونچھتے جاتے تھے۔ سات روز بھی نہ گزرنے پائے تھے جو انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی۔ حضور اکرم ﷺ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے اور یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر)۔

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت مقدادؓ سے فرمایا جب کہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان لانے والا تھا اسے قتل کر دیا تھا باوجودیکہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا کہ تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ بزار میں یہ واقعہ پورا اسی طرح مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقدادؓ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی کہا: ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ لیکن تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا مقداد تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضور اکرم ﷺ سے کروں گا۔ جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت مقداد کو بلوایا اور فرمایا تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کے سامنے کیا کرو گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا؟

پھر فرماتا ہے کہ جس غنیمت کے لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک و شبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو، سنو یہ غنیمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا۔ اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ قوم میں چھپے لکے پھرتے تھے 'آج اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا، تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو، تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکے، جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں تمہیں تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور آیت میں ہے ﴿وَإِذْ كُفِرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ﴾ یاد کرو جب کہ تم کم تھے کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا اسی طرح اس سے پہلے جب کہ بے سرو سامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے ایمان چھپائے پھرتے تھے۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔ جو تم کر رہے ہو وہ سب کی پوری خبر رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

عَلَى الْقُعْدِينَ دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى

الْقُعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۙ

اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔ اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہی ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں۔ آپ ﷺ حضرت زیدؓ کو بلا کر اسے لکھوا رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا آئے اور آہنے لگے حضور! میں تو نابینا ہوں۔ اس پر الفاظ غَيْرًا وَّلِي الصَّرْر ۙ نازل ہوئے یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زیدؓ اپنے ہاتھ قدم و اوت اور شان لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ابن ام مکتومؓ نے فرمایا تھا یا رسول اللہ ﷺ! امر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں نہ ور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی ران حضرت زیدؓ کی ران پر تھی اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا کہ ران ٹوٹ جائے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور سکینت آپ ﷺ پر نازل ہوئی میں آپ ﷺ کے پہلو میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ بوجھ مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز بولی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی بہت جانے کے بعد آپ ﷺ نے عَظِيمًا تَك آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتومؓ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی شروع ہوئی۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھائے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد بزرگی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں۔ عز و ہدیر کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ حضور اکرم ﷺ سے منے کے ہمراہوں نابینا ہیں یا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ پس مجاہدین کو جن کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دے دی ہے وہ ہیں جو عسکری و تمدنی والے ہوں۔ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن پھر اس وحی سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہیں مہلک عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے فضیلتی کر لیا جیسے اندھے گنگرے بولے اور یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔ پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ بھی ان لوگوں پر ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوں۔ ہوں جیسے کہ ابن عباسؓ کی تفسیر گزرتی اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں یہ ہے وہ صحابی ہیں۔ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔ صحابہ نے کہا ہاں جو مدینہ میں مقیم ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس لئے کہ انہیں عذر ہے۔ وہ رکھتا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے۔ انی مطلب تو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منقول کیا ہے؟

﴿ يَا رَاجِلِينَ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ لَقَدْ سَرْتُمْ خَسْرًا يَا سِرْنَا نَحْنُ اِرْوَا حَا ۙ﴾

﴿ اَنَا أَنفَسًا عَلَى نَعْدٍ وَعَنْ قَدَرٍ وَمَنْ أَقَامَ عَلَى عَدْرِ فَقَدْ رَاحَا ﴾

"یعنی اے اللہ تعالیٰ سے لڑنے کے لئے جو جانے والا ہو تو تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اس طرف چلے جا رہے ہیں جس سبب معافی اور عذر دینے ہمیں روک رکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عذر سے روک جانے والا کچھ جاننے والے سے کم نہیں"

پھر فرماتا ہے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا مردہ موت کا اور رحمت بڑے اجر کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فریضہ میں نہیں بلکہ فریضہ کفایہ ہے۔ پھر ارشاد ہے مجاہدین کا غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کئے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں۔ اور حدیث میں سے حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلائے اسے جنت کا درجہ ملتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا درجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بارگاہوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا

مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا الْمَرْتَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ فَتَهَاجَرُوا فِيهَا

فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۷﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۱۸﴾ فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ

يَعْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا غَفُورًا ﴿۱۹﴾ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي

الْأَرْضِ مَغْرَبًا كَثِيرًا وَاسِعَةً ﴿۲۰﴾ وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مَهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

ثُمَّ يُدْرِئْهُ الْمَوْتَ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۱﴾

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوں، جب فرشتے ان کی روئے قضاں کرتے ہیں پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جہاد ضرور اور معلوم ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین لشکر تھی کہ تم ہجرت کر چکے تھے اور وہ بڑی جگہ سے پھینچنے کی۔ مگر جو مرد و عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ و کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیامی جگہیں بھی پائے گا اور ایشیاں بھی جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف نکل کر آئے اور پھر اسے موت نے آچکرا تو بھی قیامی جگہیں کا حقدار ہے اور ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جہاں اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو وہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ محمد بن عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں یہ نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباسؓ کے مولیٰ حضرت عکرمہؓ سے سنا کہ اس

بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا اور کہا سنو! حضرت ابن عباسؓ سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی کسی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اترنی ہے یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جب کہ وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آگئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں ان میں سے بعض مارے گئے۔ جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے۔ ان کے لئے استغفار کرنے لگے اس پر یہ آیت اترنی۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہیں تھا۔ کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا۔ پس یہ آیت اترنی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ لِمَا يُغْوِيهِمْ وَيَتَّبِعُ لِمَا يُغْوِيهِمْ﴾ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اترنی ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکہ میں ہی۔ ان میں علی بن امیہ بن خلف اور ابو قیس بن ولید بن مغیرہ اور ابو منصور بن حجاج اور حارث بن زعمہ تھے۔ ضحاک کہتے ہیں ان منافقوں کے بارے میں اترنی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد بھی مکہ میں رہ گئے پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے پھر بعض میدان جنگ میں بھی کام آئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے وہ اللہ کے نزدیک ظالم ہے۔ اور اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔ اس آیت میں ہجرت کے چھوڑ دینے کو ظلم کہا گیا ہے۔ ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ جس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابوداؤد میں ہے جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے انہیں کے ساتھ رہے وہ بھی انہیں جیسا ہے۔ یہ ہے دوستی کا نتیجہ سدیٰ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباسؓ، عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا عباسؓ تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی۔ حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا عباسؓ! تم نے بحث تو چھیڑی لیکن اس میں تم بار جاؤ گے۔ سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟

پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہوگی ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔ عسیٰ کا کلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو ولید بن ولید کو اور تمام بے بس طاقت مسلمانوں کو کفار کے پیچھے سے رہائی دے۔ اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال۔ اے اللہ ان پر ایسی قحط سانی نازل فرما جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آئی تھی۔ ف ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے سے بعد قبلہ کی طرف ہی منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اے اللہ ولید بن ولید کو عیاش بن ابی ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتوان بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ جیسے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔

ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند

کے سوا اور سندوحا سے بھی ہیں جیسے کہ پہلے لکھا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ہمیں

اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔

اجر و ثواب نیت کے مطابق ملے گا: ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایت کرتے ہوئے

فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا ہر سال نہ ہو وہ جہاں جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ

بآرام و ہاں اقامت کر سکے گا۔ مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں وہ اپنے دکھ سے

بچاؤ کی بہت سی صورتیں پالے گا۔ امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے۔ دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی

پائے گا۔ مگر اسی سے ہدایت اسے ملے گی اور فقیری تو نگری سے بدل جائے گی۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا

پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آگئی اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ہر عمل

کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی

طرف ہو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے

کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے

گی۔ یہ حدیث عام ہے ہجرت وغیرہ تمام اعمال کو شامل ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے

نناوے قتل کئے تھے پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کئے پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا

تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے

ہیں۔ چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا راستہ میں ہی تھا جو موت آگئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں

اختلاف ہوا۔ یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں۔ پھر انہیں

حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے۔

پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے۔ جب زمین

ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موت

کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکلا پھر آپ ﷺ نے اپنی تینوں

انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کہا پھر فرمایا کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا یا اسے کسی جانور نے

کاٹ کھایا یا اپنی موت مر گیا تو اس کا ہجرت کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا (راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لئے جو کلمہ

حضور اکرم ﷺ نے استعمال کیا) واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ ﷺ سے پہلے کسی عرب کی زبانی نہیں سنا اور جو شخص غضب کی

حالت میں قتل کیا گیا وہ جگہ کا مستحق ہو گیا۔ حضرت خالد بن حزام ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک

سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں میں چونکہ ہجرت

کر کے حبشہ پہنچ گیا تھا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا

اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا۔

میں ان کا یعنی حضرت خالد کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔

یہ روایت بھی غریب ہے۔ یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ کا ہے اور آیت مدینہ طیبہ میں اترتی ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا قصہ یہ ہو کہ آیت کا حکم عام سے گوشمان نزول یہ نہ ہو اللہ اعلم اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمیر بن جندب نے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے لیکن آپ ﷺ سے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو نعیم و جن و آنکھوں سے دکھائی دیتا تھا جب وہ آیت **إِلَّا الْمُسْتَظْفِينَ** آتے ہیں تو کہتے ہیں میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں مجھے ہجرت کرنی چاہیے۔ چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضور اکرم ﷺ کی طرف چلے گئے۔ وہ اپنے اہلی عقیقہ میں ہی تھے جو موت آگئی ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **تَوَلَّى مَا تَابَ جَوْشَمِ مِثْرٍ رَادٍ فِي غَزْوَةٍ كَرْنِي كَلَّ نَكَاحُ صِرْفٍ مِيرَى وَ مَدْرٍ سِجَابَانِ بَرَاؤِ مِيرَى**۔ مولوں پر ایمان۔ کھڑے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے یا اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں رہیں۔ وہ ہاجر و یتیم اور فضل اللہ کے برابر وہ اپنی موت مر جائے یا مارا والا جائے یا گھوڑے سے مرجائے یا اونٹ پر سے سر پرے یا دفن زیر پیداجوڑ کاٹ لے یا اپنے بسترے پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔ ابو داؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے۔ بعض الفاظ ابو داؤد میں نہیں ہیں۔ ابو یعلیٰ میں ہے جو شخص حج کے لئے نکلا پھر مر گیا قیامت تک اس کے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو عمرے کے لئے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا اس کے لئے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لئے نکلا اور فوت ہو گیا اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ١٥٠

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں سے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ ایسا کافر تمہارے کھسے دشمن ہیں۔ نماز قصر کے احکام و مسائل: فرمان ہے کہ تم نہیں سفر میں جا رہے ہو یہی الفاظ سفر کے لئے سورہ مزمل میں بھی آئے ہیں تو تم پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ کسی یا تو کیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت جیسے کہ جمہور نے اس آیت میں سمجھا ہے۔ گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لئے یا حج و عمرے کے لئے یا طلب علم و زیارت کے لئے وغیرہ۔ ابن عمر عطا اور یحییٰ کی ایک روایت کی رو سے امام مالک کا یہی قول ہے۔ کیونکہ اس سے آگے فرمان سے اگر تمہیں کفار کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ سفر قربت خدہ اندازی کا ہو بلکہ نماز کی کسی ہر مباح سفر کے لئے ہے جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو۔ امام شافعی "امام احمد" وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا یہ حدیث مرسل ہے۔ بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کو قصر کرنا چاہئے۔ سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے آئے اور مسافروں کو ستانے کے لئے نکلا ہو اسے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ ابو حنیفہ "ثوری" اور داؤد کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اشریت کے ہے۔ آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا اس لئے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا گیا۔ ہجرت کے بعد کے سفر مسلمانوں کے سب کے سب

خوف والے ہی ہوتے تھے 'قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لئے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق باعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی کرنا چاہتی ہو اور جیسے فرمایا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔ پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے۔ لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دار و مدار نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی حکم وہی ہے یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور کرنا حرام ہے گو وہ پاک دامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔ اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں قید موجود ہے۔ پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہوتا ہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔ مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے بالکل صحیح روایت ہے۔ ابو حنظلہ حذائے نے حضرت عمرؓ سے سفر کی نماز کو پوچھا تو آپ نے فرمایا دور کعتیں ہیں۔ انہوں نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دور کعت ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن و امان ہے۔ تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی (ابن ابی شیبہ)۔ ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا آسمان سے تو رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو دور کعت پڑھیں (نسائی وغیرہ)۔ اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف چلے بجز خوف ربانی کے کسی دشمن کا خوف نہ تھا اور آپ ﷺ برابر دو رکعت ہی ادا فرماتے رہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ واپسی میں بھی یہی دور کعت آپ ﷺ پڑھتے رہے۔ اور مکہ میں اس سفر میں آپ ﷺ نے دس روز قیام کیا تھا۔ مسند احمد میں حضرت حارثہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دور کعت پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پر امن تھے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعت پڑھی ہیں لیکن حضرت عثمانؓ اب اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں پوری پڑھنے لگے ہیں۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے حضرت عثمانؓ کی چار رکعتوں کا ذکر آیا تو آپ نے ﴿إِنَّا لِلّٰهِ﴾ پڑھ کر فرمایا میں نے تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھی ہیں اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ بھی اور عمر فاروقؓ کے ساتھ بھی کاش کہ بجائے ان چار رکعتوں کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعت آتیں۔ پس یہ احادیث کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دور کعت کے لئے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن و اطمینان کے سفر میں بھی دو گانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لئے بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قرأت قومہ رکوع جو وہ فیہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ سخاک 'مجاہد' اور سدی کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے۔ اس کی ایک دلیل امام مالک کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں نماز دو دور کعت رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی۔ پھر سفر میں تو وہی دور کعتیں ہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھادی گئیں۔ پس علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعت تھی تو پھر

اس آیت میں قصر سے مراد کیت یعنی رکعت کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحتہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمرؓ کی روایت سے ہے کہ بزبان نبی اکرم ﷺ سفر کی دور رکعت ہیں اور سختی کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے یہی پوری نماز ہے قصر والی نہیں۔ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے اس کی سند بشرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمرؓ سے سننا ثابت ہے جیسے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے اور خود اس روایت میں اور اس کے سوا بھی صراحتہ موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے انشاء اللہ۔ گو بعض محدثین اس کے سننے کے قائل نہیں۔ لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں نقصان نہیں آتا کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلیٰ کا ایک راوی سے اور ان کا حضرت عمرؓ سے سننا مروی ہے۔ اور ابن ماجہ میں ان کا کعب بن عجرؤ سے روایت کرنا اور ان کا حضرت عمرؓ سے روایت کرنا بھی مروی ہے واللہ اعلم۔ مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت پس جیسے کہ حضر میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی اسی طرح سفر میں بھی۔ اور اس روایت میں اور حضرت عائشہؓ والی روایت میں جو اوپر گزری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعت ہی فرض کی تھیں کچھ منافات نہیں اس لئے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھادی گئیں پھر حضر کی چار رکعتیں ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے واللہ اعلم۔ الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے اور وہی پوری نماز ہے کمی والی نہیں اور یہی حضرت عمرؓ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے تو مراد اس میں قصر کیفیت ہے جیسے کہ صلوة خوف میں۔ اسی لئے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھا تو۔

پھر قصر کا مقصود صفت اور کیفیت بھی بیان فرمادی۔ امام الحدیث حضرت امام بخاری نے کتاب صلوة خوف کو اسی آیت ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ سے ﴿فَهَيْسًا﴾ تک لکھ کر شروع کی ہے۔

ضحاکؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کا وقت ہے انسان اپنی سواری پر نماز و تکبیریں پڑھ لے اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف ہی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعت پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے۔ ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے اور یہ بجز ایسے خوف کے وقت کے حلال نہیں۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد وہ دن ہے جب کہ حضور اکرم ﷺ مع اپنے صحابہ کرامؓ کے عسکان میں تھے اور مشرک ضحجان میں تھے ایک دوسرے سے برس پیکار بالکل تیار ادھر ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام صحابہؓ کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں۔ ادھر مشرکین نے سامان و اسباب کو لوٹ لینے کا ارادہ کیا۔ ابن جریرؒ اسے مجاہد اور سدیؒ اور جابر اور ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ حضرت خالد بن اسیدؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہتے ہیں صلوة خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوة مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں ہم نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا۔ خیال فرمائیے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوة خوف پر کیا اور آیت سے مراد بھی صلوة خوف ہی اور صلوة مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کے لئے فعل رسول اللہ ﷺ کو سند بتایا۔ اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت ساکؒ آپ سے صلوة سفر کا مسئلہ

پوچھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے قصر نہیں قصر تو صلوة خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھتا ہے دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے۔ پھر یہ چلے گئے وہ آگئے ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعت ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا
أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا
فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ
عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذَى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ
وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۱۷﴾

جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کر لے تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور اپنا ہتھیار اور اپنے ہتھیار لئے رہیں کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو یا بوجہ بادش کے یا بسبب بیمار ہو جانے کے اپنے ہتھیاروں کی چیزیں ساتھ لئے رہو اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مارتیار کر رکھی ہے۔

حالت جنگ میں نماز خوف ادا کرنے کا طریقہ: نماز خوف کی کئی قسمیں ہیں اور مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف ہے کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے نماز بھی کبھی چار رکعت کی ہوتی ہے کبھی تین رکعت کی جیسے مغرب کبھی دو جیسے فجر اور صلوة سفر کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے کبھی لشکر اس طرح گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز باجماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلہ کی طرف اور غیر قبلہ کی طرف پیدل اور سوار جس طرح بن پڑے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے جائیں ان پر برابر حملے کرتے جائیں نماز بھی ادا کرتے جائیں۔ ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز کا علماء کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطا جابر حسن مجاہد حکم قتادہ حماد طاؤس ضحاک محمد بن نصر مروزی ابن حزم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا یہی فتویٰ ہے۔ صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے۔ اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے اشارے سے ادا کرے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ عبداللہ بن عمر کعب وغیرہ صحابہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سہی بھی فرماتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے اس کے بیان کرنے والے اسے

پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔ امیر عبد الوہاب ابن بخت کی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت ہی کر لے فاللہ اعلم (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے نظر سے نہیں گزری واللہ اعلم۔) (مترجم)

بعض علماء نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر عصر کی نماز پڑھی تھی پھر مغرب عشاء کی۔ پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی جو عصر کا وقت آگیا تو بعض نے تو کہا حضور اکرم ﷺ کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلد ہی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی۔ اور انہوں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضور اکرم ﷺ سے ہوا تو آپ ﷺ نے وہ نون جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی، گو دوسری جماعت بھی معذور تھی۔ مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقع پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو موخر کر دیا۔ دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کا خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں صلوة خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا۔ یہ واقعے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں صلوة خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا۔ ابو سعید کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعی نے مروی کی ہے۔ لیکن صحیح بخاری کے باب **بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ** میں ہے کہ اوزاعی فرماتے ہیں اگر فوج کی تیاری ہو اور نماز باجماعت کا امکان نہ ہو تو ہر شخص الگ الگ اپنی نماز اشارے سے ادا کر لے یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کر لیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن مل جائے اس وقت دو رکعت پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کر لیں۔ صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہی ہو تو نماز کو دیر کر کے پڑھیں جب کہ اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضرت مکحول کا فرمان بھی یہی ہے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ تستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت ہنگامہ کارن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰ تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں اس نماز کے بدلے ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔

امام بخاری اس کے بعد جنگ خندق میں حضور اکرم ﷺ کا نمازوں کو تاخیر کرنا بیان کرتے ہیں۔ پھر بنو قریظہ والا واقعہ اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان کہ تم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں۔ گویا امام ہمام حضرت امام بخاری اسی کو پسند کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قریب فتح کے موقع پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ والا فتح تستر کا واقعہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ کا ہے اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے یا کسی اور صحابی نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقع پر بھی صلوة خوف کی آیتیں موجود تھیں اس لئے کہ یہ آیتیں غزوة ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوة غزوة خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علمائے سیر و مغازی کا

اتفاق ہے۔ محمد بن اسحاق، موسیٰ ابن عقبہ، واقعدی، محمد بن سعد کاتب واقدی اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ ہاں امام بخاری وغیرہ کا قول ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بسبب حدیث ابو موسیٰ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے واللہ اعلم۔ لیکن تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابو یوسف، مزنی، ابراہیم بن اسمعیل بن علیہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے رسول اللہ ﷺ کے غزوہ خندق میں دیر کر کے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے۔ اس لئے کہ غزوہ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی احادیث ثابت ہیں اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے۔ یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ کے وقت تاخیر جائز ہے واللہ اعلم۔ آیت میں حکم ہوتا ہے۔ کہ جب تو انہیں باجماعت نماز پڑھائے یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے۔ اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت ہے اور وہ بھی الگ الگ پیدل سوار قبلے کی طرف منہ کر کے یا نہ کر کے جس طرح ممکن ہو۔ جیسے کہ حدیث گزر چکی۔ یہ حال امامت اور جماعت کا بیان ہو رہا ہے۔ جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو یہ صورت جائز نہ کی جاتی۔

کچھ نے اس سے آید اور استدلال بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپ ﷺ کے بعد منسوخ ہے۔ یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ کو خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے ﴿خُدْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ یعنی تو ان لوگوں کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لئے رحمت کی دعا کر تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ تو ہم آپ ﷺ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے سبب سکون بنے۔ لیکن یہ استدلال ان کا وہی تھا۔ اسی لئے صحابہ نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوٰۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی۔

آؤ ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا شان نزول بیان کر دیں۔ ابن جریر میں ہے کہ بنو نجار کی ایک قوم نے حضور رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں تو ہم نماز کس طرح پڑھیں۔ تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا ﴿وَ اِذَا اضْرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ پھر سال بھر تک کوئی وحی نہ آئی پھر جبکہ آپ ﷺ ایک غزوے میں تھے ظہر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقع ہاتھ سے جاتا رہا کاش کہ ان کی نماز کی حالت میں ہم یکبارگی اچانک حملہ ان پر کر دیتے۔ اس پر بعض مشرکین نے کہا یہ موقع تو تمہیں پھر بھی ملے گا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لئے کھڑے ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ سے پوری دو آیتوں تک نازل فرمادیں اور کافر ناکام رہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی۔ گویہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابو عیاش زرقی فرماتے ہیں عسفان میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے خالد بن ولید اس وقت کفر کی حالت میں تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے یہ لوگ ہمارے سامنے پڑے تھے یہ قبلہ رخ ظہر کی نماز جب ہم نے اواکی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھرا آیا اور وہ کہنے لگے افسوس ہم نے موقع ہاتھ سے کھو دیا وقت تھا کہ یہ ادھر نماز میں مشغول تھے اور ہم ان

پر دفعۃً ذہاباً بول دیتے۔ پھر ان میں کے بعض جانے والوں نے کہا خیر کوئی بات نہیں اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اس وقت سہی پس ظہر عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت **وَإِذْ كُنْتُمْ فِيهِمْ** اتاری۔ چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہم نے ہتھیار سجائے اور اپنی دو صفیں کر کے حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ قیام میں رکوع میں قومہ میں سب کے سب ساتھ رہے۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپ ﷺ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے۔ جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے۔ پھر قیام رکوع اور قومہ سب نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا۔ اور جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو صف اول آپ ﷺ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پھر دیتے رہے جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التیحات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التیحات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا۔ صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپ ﷺ نے یہاں عسکان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں۔ یہ حدیث مسند احمد ابو داؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے۔

ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس شلمری نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے پوچھا نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آرہا تھا ہم اس کی طرف چلے جب نخلہ میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کیا آپ ﷺ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے بچالے گا پھر تلوار کھینچ لی اور ڈریا دھمکایا پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ﷺ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا جو آپ ﷺ کے متصل تھے وہ دو رکعت آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے ہٹ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضور اکرم ﷺ نے دو رکعت پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پس حضور اکرم ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لئے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔ مسند احمد کی اسی حدیث میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا اس کا نام غرث بن حارث تھا۔ جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ ﷺ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ ﷺ رحم کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ﷺ ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپ ﷺ سے برسر پیکار ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضور اکرم ﷺ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔

اور روایت میں ہے کہ یزید فقیر نے حضرت جابر سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعت ہیں کیا یہ قصر کی ہیں؟ آپ نے فرمایا پوری نماز ہے قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے سلام کے ساتھ آپ ﷺ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت

پڑھنے کا بیان ہے۔ پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضور اکرم ﷺ کی دو رکعتیں۔ اور روایات میں ہے کہ ایک جماعت آپ ﷺ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی۔ پھر ایک رکعت کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آگئے اور یہ پیچھے آگئے۔ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابر سے مروی ہے۔ ایک اور حدیث جو بروایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہ نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں۔ حافظ ابو بکر ابن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح ابن جریر نے بھی۔ ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں انشاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ یہی ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں۔ اپنا بچاؤ ساتھ لئے رہو یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأَنَّكُمْ

فَأَقِمْو الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝ وَلَا تَهْنَوْا فِي

أَبْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا

لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔ ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو۔ اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں اللہ تعالیٰ دانہ اور حکیم ہے۔

حالات امن میں نماز کو ہر وقت ادا کرنا: جناب ہاربی عزاسمہ اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کیا کرو۔ گو ذکر اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی ترغیب و تاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے لیکن یہاں خصوصیت سے اس لئے بیان فرمایا کہ جہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے نماز میں تخفیف کر دی پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہونا جانا آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا۔ جیسے حرمت والے مہینوں کے متعلق فرمایا ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ گو اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ اور جب اطمینان حاصل ہو جائے ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع خضوع سے ارکان نماز کو پابندی سے مطابق شرع بجالاؤ۔ یہ نماز تم پر وقت مقررہ میں من جانب اللہ فرض عین ہے۔ جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو۔ چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو۔ اگر قتل و زخم و نقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا نہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے ﴿إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ﴾ پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تو تم اور وہ برابر ہو لیکن ہاں فرق اور بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات باری تعالیٰ سے وہ امیدیں اور وہ

آسرے ہیں جو انہیں نہیں۔ تمہیں اجر و ثواب بھی ملے گا تمہاری نصرت و تائید بھی ہوگی جیسے کہ خود اللہ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے۔ نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کا وعدہ ٹلے والا۔ پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تنگ و دو چاہئے۔ تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہئے۔ تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہئے۔ تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کو قائم کرنے مضبوط کرنے پھیلانے اور بند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ مقدر کرتا ہے جو فیصلہ کرتا ہے جو جاری کرتا ہے۔ جو شرع مقرر کرتا ہے جو کام کرتا ہے سب میں پوری خبر والا صحیح اور سچے علم والا ساتھ ہی حکمت والا ہے۔ ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف و حمد کے لائق وہی ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ
لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝۱۵ وَأَسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۶ وَلَا تَجَادِلْ
عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَانًا أَلِيمًا ۝۱۷
يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا
لَا يَرْضَىٰ مِنْ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝۱۸ هَآئِنُمَّ هُوَ آتٍ جَدًّا
لَئِمَّ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ فَمَن يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن
يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝۱۹

یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں لیں چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے۔ خیانت کرنے والوں کا حمایتی نہ بن۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا رہے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں اور غا باز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا۔ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے اور اتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔ خبر دار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟

کیا نبی ﷺ غلط نہیں میں پڑ سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن جو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے وہ سراسر اور یکسر حق ہے اس کی خبریں بھی حق اس کے فرمان بھی حق۔ پھر فرماتا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تمہیں سمجھائے۔ بعض عامانے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار تھا۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ ﷺ باہر آئے اور فرمانے لگے سو میں ایک انسان ہوں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایسے شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو سن کر اس کے حق میں فیصلہ کروں اور فی الواقع وہ حق دار نہ ہو تو وہ

سمجھ لے کہ وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے، اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے۔ مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک دوسرے کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کے پاس اپنا قضیہ لائے، واقعہ کو زمانہ گزر چکا تھا۔ شاید گواہ کوئی نہ تھا۔ تو اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے لے۔ اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گمراہی میں جہنم کی آگ لڑکا کر آئے گا۔ اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اب تم ایسا کر لو کہ جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو پھر قرعہ ڈال کر حصے لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہاسا غلطی کا حق معاف کر دے۔ ابو داؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی نازل شدہ نہیں ہوتی۔

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک مرد ایک جہاد میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھا وہاں ایک شخص کی چادر نسبی نے چرائی اور اس کا گمان اس چوری کا طعمہ ابن ابیرق کی طرف تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بے خبری میں ڈال دیا اور اپنے قبیلے والوں سے کہا میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے تم رات کو حضور اکرم ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ ﷺ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگا لیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے۔ پس آپ ﷺ ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیتے اور اس کی حمایت کیجئے ورنہ ڈر سے کہ نہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے۔ آپ نے ایسا ہی کیا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں ﴿يَسْتَحْفَوْنَ﴾ سے دو آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا جو برائی اور بدی کا کام کرے۔ اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں اور چور کے اور اس کے حمایتی تو ان کے بارے میں فرمان اتر کہ جو گناہ اور خطا کرے اور ناکردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے۔ لیکن یہ سیاق غریب ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنو ابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہؓ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس نے بشر، بشر اور بشر تھے۔ بشر ایک منافق شخص تھا۔ اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی ججو کرتا پھر ان اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے لے کر پڑھا کرتا۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے۔ مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں ہاں تو ٹکر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے، باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے۔ میرے بچا فاعل بن زید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بوجھ میدہ کا خرید اور اپنے بالا خانے میں اسے محفوظ کر دیا جہاں ہتھیار زرہیں تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئیں تھیں۔ راتوں کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج غلہ بھی نکال لیا اور بیٹھا بھی اٹھالے گئے۔ صبح میرے بچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات بنو ابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھانا پکا رہے تھے، غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں۔ اس سے پہلے ہی جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں وہ ایک دیانت دار سچا مسلمان شخص تھا۔ حضرت لبیدؓ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپ سے باہر ہو گئے۔ تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے یا تو تم میری چوری ثابت کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ان لوگوں نے ان کی برائت ان اور معافی چاہی وہ چلے گئے۔ ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے۔ میرے بچا

نے مجھ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ سے خبر لو کرو۔ میں نے جا کر حضور اکرم ﷺ سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوادیتے غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا۔ یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا جن کا نام اسید بن عروہ تھا۔ انہوں نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ظلم ہو رہا ہے بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں انہیں قتادہ ابن نعمان اور ان کے چچا چور بتلاتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بد نما الزام ان پر رکھتے ہیں وغیرہ۔ پھر جب میں خدمت نبوی میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمہ چوری پھینکتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا۔ خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ جسے سن کر انہوں نے کہا ﴿اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ﴾ اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ ان کا جانا تھا کہ حضور اکرم ﷺ پر بڑی وحی یہ آتیں اتریں۔ پس ﴿خَالِئِينَ﴾ سے مراد بنو ابیرق ہیں۔ آپ کو استغفار کا حکم ہو اس فرمان سے جو آپ نے حضرت قتادہ کو فرمایا تھا پھر ساتھ ہی فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا۔

پھر فرمایا ناگرددہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ تک یعنی انہوں نے جو حضرت لبیدہ کی نسبت کہا کہ چوری یہ ہیں۔ جب یہ آیتیں اتریں تو حضور اکرم ﷺ نے بنو ابیرق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا۔ یہ بے چارے بڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے مینا جاو یہ سب ہتھیار اللہ تعالیٰ کے نام خیرات آردو۔ میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ نے یہ بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ آیتیں سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلاف بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ﴾ سے ﴿بَعِيدًا﴾ تک نازل ہوئیں۔ اور حضرت حسان نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ججو اپنے شعروں میں کی۔ ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر اٹح میدان میں پھینک آئی اور کہا تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان کی ججو کے اشعار لے کر آیا ہے میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی۔ یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔

ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں بھلا اس سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے؟ پھر انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ پھر فرماتا ہے مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں جو ظاہر واری پر فیصلے کرتے ہیں تم نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلنے کی۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسًا ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَحْدِثِ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

يَكْسِبُ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ

خَطِيئَةٌ أَوْ إِثْمَانٌ يَرْمِيهِ بَرِيًّا فَقَدْ اِحْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ وَلَوْ لَافْضَلُ
 اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ
 وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
 تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝

الثالثة

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔ جو گناہ کرتا ہے اس کا
 بوجھ اسی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے والا اور پوری حکمت والا ہے۔ جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی ناکرہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بڑا بہتان
 اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا۔ دراصل یہ اپنے تئیں ہی گمراہ کرتے
 ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل
 ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے اللہ اس کی طرف مہربانی سے
 رجوع کرتا ہے، ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے
 صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے گو وہ گناہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو
 اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں اس کا کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر
 پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتر واڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر آسانی کر دی پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی پاکی رکھی اور توبہ کر لینا
 ہی گناہ کی معافی رکھی۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفل سے سوال کیا کہ ایک عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو
 اسے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ نے اسے بلایا اور آیت ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ﴾ پڑھ کر سناکی تو
 اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو
 کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت اور
 آیت اللہ ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً﴾ الخ کی تلاوت کی۔ اس آیت کا پورا بیان ہم نے مسند ابو بکر میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورہ
 آل عمران کی تفسیر میں بھی گزرا ہے۔

حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے
 کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے تھے
 اور ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے
 میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا پھر آپ نے یہ آیت ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ﴾ الخ پڑھی
 اور فرمایا میں اپنے صحابہؓ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ﴾ یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس برائی کا بدلہ ملے گا اتر چکی تھی
 اس لئے صحابہؓ مشقت میں تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! گو کسی نے زنا کیا ہو پوری کی ہو پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ

پیش دے گا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے دوبارہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے پھر کہا ہاں۔ میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اور دوبارہ وہی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔ اس کی بنا پر یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے گناہ کماے والا اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچائے گا ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ اٹھائے۔ رب کا علم رب کی حکمت رب کا عدل رب کی رحمت کے خلاف ہے۔ آیت کے گناہ پر دوسرا پکڑا جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے جو ثواب پر اکام کر کے کسی بے گناہ کے سر چپک دے جیسے بنو ابیرق نے نبید بنام کے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے یا مراد زید بن کعبین یسودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے۔ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خان اور ظالم تھے۔ آیت گوشان نبیوں کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے جو بھی ایسا کرے اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے بعد کی آیت ولولا ہ کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی نبید بن عمرو اور ان کے ساتھیوں نے بنو ابیرق کے چوروں کی حضور اکرم ﷺ کے ماتھے برات کر کے ان کی پاک دامنی کا اظہار کر کے حضور اکرم ﷺ کو اصلیت سے بنانے کا سارا کام پورا کر لیا تھا لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی تمہیان ہے آپ کو اس خطرناک موقع پر خائسوں کی طرفداری سے بچا لیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا جیسے اور آیت میں ہے ﴿ وَ كَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا ۖ لَئِيْلَآءٌ أَتَى الْبَشَرَ مَا خَبَرُوا ۚ ﴾ اور آیت میں ہے ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَرْجُونَ ۗ إِنَّا نُبَلِّغُ الْوَعْدَ لَكُمْ وَنُنَزِّلُ الْوَحْيَ لَكُمْ ۗ إِنَّكُمْ لَعِنْدَنَا لَخَائِفُونَ ۗ ﴾ یہ بھی فرمایا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو آپ کے شامل حال ہے۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ جُؤَاهُمْ إِلَّا مَنَ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ
النَّاسِ ۗ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۗ وَ
مَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ ۖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۗ

ان سے اکثر مستحق مشورے بے خیر ہیں ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔ جو شخص باوجود روایت کی وضاحت ہو جائے بھی رسول اللہ ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے وہاں ہی رہنے والے دیں گے اور بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔

اصلاح بین الناس کی فضیلت: لوگوں کے اکثر کلام بے خیر ہوتے ہیں سوائے ان کی جن کی باتیں خیرات کرنے کی اچھائی کی باتوں میں میل ملاپ کی ہوں۔ حضرت سفیان ثوریؒ کی عیادت کے لئے لوگ جاتے ہیں ان میں سعید ابن حسانؒ بھی ہوتے ہیں آپ فرماتے ہیں سعید تم نے ام صالح کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی آج اسے پھر سناؤ۔ آپ سند بیان کر کے فرماتے

ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انسان کی تمام باتیں اس پر وبال ہی ہیں بجز ذکر اللہ کے اور اچھے کاموں کے بتلانے کے اور برے کاموں سے روکنے کے۔ حضرت سفیان نے کہا یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ یہی مضمون آیت ۵ یَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ ۵ میں ہے یہی مضمون ﴿سُوْرَهٗ وَالْعَصْرِ﴾ میں ہے۔

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ لوگوں میں میل ملاپ اور اصلاح کرنے کے لئے جو بھلی بات کہے یا دھرتے ادھر کوئی اس قسم کی بات کرے وہ جھوٹوں میں داخل نہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ فرماتی ہیں میں نے آپ کو ایسی باتوں کی تین موقعوں پر اجازت دیتے ہوئے سنا ہے، جہاد میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرانے میں اور میاں بیوی کی باتوں میں دونوں کو۔ یہ مانی صاحبہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔

اور حدیث میں ہے، کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں جو روزے نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ لوگوں نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے۔ فرماتے ہیں اور آپس کا فسق نیکیوں کو موند ڈالتا ہے (ابوداؤد وغیرہ)۔ بزار میں ہے حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابویوب سے فرمایا آئیں تجھے ایک تجارت بتاؤں لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرادے جب ایک دوسرے سے ناراض ہو گئے ہوں تو انہیں ملا دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضا مندی کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے وہ اجر عظیم پائے گا۔

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو، فرمان رسول کیچھ ہو اور اس کا منہ تہائے نظر اور ہو، حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو، دلیل دیکھ لی ہو پھر بھی مخالفت رسول کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے پھر وہی اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے، یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ ڈھونڈنا دراصل رسول اللہ ﷺ سے شقاق و خلاف کرنا ہی ہے لیکن ابھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے کبھی اس چیز کا خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہو جس میں انہیں خطا سے اللہ نے بوجہ ان کی شرافت و کرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث الاصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے۔ بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی نے نورہ فکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امت کے دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر چیز ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دوران آیت بھی بتلایا ہے۔

غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ تعالیٰ بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں جیسے فرمان ہے۔ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ اور ﴿فَلَمَّا زَاغُوا﴾ اور ﴿نَذَرْنَاهُمْ﴾ یعنی ہم انہیں ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ بڑھاتے رہتے ہیں ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں۔ بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے ظالموں کا مع ان کے جوڑوں کے حشر کرو۔ اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لیں گے کہ اس میں کو دنا ہے۔ کا سین کوئی صورت چھنکارے کی نہ پائیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ
بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا ۖ ۱۵ ۙ إِنَّ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنثَاءً وَإِنْ يَدُّ

عُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَا ضِلَّتْ لَهُمْ وَلَا مِئْتَهُمْ وَلَا مَرَّتَهُمْ فَلَيُبْتَلَنَّ أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرَّتَهُمْ فَلَيُغَيِّرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَدِّيهِمْ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يُجَدُّونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدُّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝

اسے تو اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے ہاں شرک کے سوا کے گناہ جس کے چاہے معاف فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں۔ اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیزار ٹھہرایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا۔ اور انہیں راہ سے بہکا تا رہو گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھانے گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا۔ شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا۔ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابداً آباد رہیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے۔ کون ہے جو اپنی بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو؟

اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں تبدیلی نیز شیطان کی دھوکہ بازیاں: اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی) مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی چھوٹ جاتی ہے۔ وہ راہ حق سے دور جا پڑتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کو اور اپنے دونوں جہان کو برباد کر لیتے ہیں۔ یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں ہر صنم کے ساتھ ایک جدیہ عورت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ﴿إِنشَاء﴾ سے مراد بت ہیں۔ یہ قول اور مفسرین کا بھی ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ مشرکین فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں مانتے تھے اور کہتے تھے ان کی عبادت سے ہماری اصل غرض اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنا ہے۔ اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل کی قائم کرتے تھے پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ تفسیر آیت ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ﴾ کے مضمون سے خوب ملتی ہے جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری۔ اور آیت میں ہے ﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنشَاء﴾ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ

کے غلام فرشتوں کو مونث سمجھ رکھا ہے۔ اور جگہ ہے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں نسب نکالتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں 'مراد مردے ہیں۔ حسن' فرماتے ہیں 'ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ بھجاتا ہے اور یہ دراصل اسی کی مانتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿الْمُ أَغْهَذَا إِلَيْكُمْ﴾ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟ اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے۔ شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے یک سو کر دیا ہے اور اپنے پاس سے نکال باہر کر دیا ہے۔ اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکالے گا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہوگا۔ اس نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے بہکاؤں گا اور انہیں امیدیں دلاتا رہوں گا کہ یہ تو پہنچیں گے 'خوابوں' کے پیچھے پڑ جائیں گے 'موت کو بھول بیٹھیں گے' 'نفس پروری اور آخرت سے دوری میں پڑ جائیں گے۔ جانوروں کے کان کاٹ کر سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا' اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا' جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا ہے) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چہرے پر گودناگدوانا جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے اور جس کے کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت وارد ہوئی ہے۔ ابن مسعودؓ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں 'پیشانی کے بال نوپنے والیوں اور نچوانے والیوں پر جو حسن و خوبصورتی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں؟ جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ﴾ پڑھی۔ بعض اور مفسرین کرامؒ سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَاقْمِ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ یعنی اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یک طرفہ دین کی جانب یہ اللہ کی ود فطرت ہے جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اس پچھلے جملے کو جب امر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے 'یعنی فطرت اللہ کو نہ بدلو' لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اسی پر رہنے دو۔ صحیحین میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بالکل بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے 'میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا' لیکن شیطان نے آکر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال گوان پر حرام کر دیا۔

شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیوں کہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ فلاح و بہبود ان کی غلط راہ میں انہیں سمجھاتا ہے اور دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن صاف کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں۔ میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے۔ اب مجھے کیوں کوستے ہو اپنے تئیں برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پوری ہونے والی سمجھنے والے آخر جہنم واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہے۔

ان بد بختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے

میرے تابع و ارفیق کرنے والے ہیں میرے احکام پر عمل کرتے ہیں میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا۔ انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بننے لگیں جس میں زوال و انتقال اور نقصان بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوگی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ بجز اس کے کوئی مربی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے سب سے زیادہ سچی بات کلام اللہ ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں غی نغی ہوئی بات ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٣٦﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٣٧﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٣٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٣٩﴾

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی گونہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ تعالیٰ کے پاس کر سکے۔ جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے۔ یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کجیور کے شکاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔ باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنا منہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر دھرتے اور ہو بھی نیک کار ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کر رہا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو کھینچے رکھنے والا ہے۔

ایمان و عمل صالح کے بغیر آرزوؤں سے نجات نہ ہوگی: حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچا ہونے لگا۔ اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتارے تھے کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ﷺ ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کے فیصلے کرنے والی ہے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی اور دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی۔ مجاہدؓ سے مروی ہے کہ اہل عرب نے کہا نہ تو ہم مرنے کے بعد جنیں گے نہ ہمیں عذاب ہوگا۔ یہودیوں نے کہا صرف ہم جنتی ہیں۔ یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے کہ آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت و حقیقت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور خدائی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو نہ تمہاری خواہشیں اور ترے دعوے کوئی وقعت رکھیں نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں۔ نجات کا مدار اقوال ہی نہیں بلکہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی حکم برداری اور رسولوں کی تابعداری ہے برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے ناممکن ہے کہ اس برائی کے

نمیازے سے چھوٹ جائیں بلکہ رتی رتی بھلائی برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں اپنے سامنے دکھ لیں گے۔
یہ آیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بہت گراں گزری تھی اور حضرت صدیقؓ نے کہا تھا کہ حضور ﷺ انجاست کیسے ہو گی؟ جب کہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بخشے ابو بکر! یہ جزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے کبھی تکلیف کی صورت میں کبھی صدمے اور غم و رنج کی صورت میں اور کبھی اور بلا و مصیبت کی شکل میں (مسند احمد)۔ اور روایت میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہر برائی کرنے والا دنیا میں بدلہ پائے گا۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا دیکھو جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دی گئی ہے وہاں تم نہ چلنا۔ غلام بھول گیا اور حضرت عبداللہؓ کی نظر ابن زبیرؓ پر پڑی تو فرماتے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہو گئیں ان کا بدلہ دنیا میں ہی ہو گیا۔ اب تجھے اللہ تعالیٰ کوئی عذاب نہ کرے گا۔ پھر حضرت مجاہدؓ کی طرف دیکھ کر فرماتے لگے میں نے حضرت ابو بکرؓ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے جو شخص برائی کرتا ہے اس کا بدلہ دنیا ہی میں پالیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کو سولی پر دیکھ کر فرمایا۔ ”اے ابو حبیب! اللہ تجھ پر رحم کرے“ میں نے تیرے والد کی زبانی یہ حدیث سنی ہے۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی موجودگی میں یہ آیت اتری۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیقؓ غمناک ہو گئے انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر عمل کا بدلہ ہی مانا جب ٹھہرا تو نجات مشکل ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو صدیق اتم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے۔ ہاں اور لوگ جو ہیں ان کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی۔ یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کاراوی مومنی بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولی بن سباع مجہول ہے۔ اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا حاصل مروی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے حضرت عائشہؓ نے کہا ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے تھوڑی دیر نہ ملے پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہو اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ یونہی مصائب دنیا سے ایسا کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا۔ جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے اسی طرح یہ دنیا سے پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی۔ مسند احمد میں ہے جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہؓ پر اس آیت کا مضمون گراں گزرا تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو، مسلمان کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا بھی۔ اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ روزے تھے اور رنج میں تھے جو حضور اکرم ﷺ نے ان سے یہ فرمایا۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔ اسے سن کر حضرت کعب بن عجرہؓ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج و عمرہ جہاد اور نماز

باجماعت سے محروم نہ ہوں۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا بخار چڑھا رہتا (مسند احمد)۔ حضور اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اسی جیسا اور اسی جتنا، لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں دُباٹیوں سے بڑھ جائیں (ابن مردویہ)۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اس سے مراد کافر ہیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَافِرِينَ﴾ ابن عباس اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہاں برائی سے مراد شرک ہے، یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گزر چکیں واللہ اعلم۔

بد عملیوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے۔ بدی کی سزا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لئے یہی اچھا ہے یا آخرت میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی مافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگزر کرے اور اپنی پکڑ و ہلکڑ اور ناراضگی سے بچالے۔ اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم و رحمت سے انہیں قبول کرتا ہے، کسی مرد و عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ ہو وہ ایمان دار۔ ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا اور ان کی حسنت میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا۔ فقیر کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو ذرا سی لکیر ہوتی ہے۔ فٹیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں۔ اور قلمیہ کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو اور یہ تینوں لفظ اس موقع پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو اپنے اعمال خالص اسی کے لئے کرے۔ ایمان داری اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند دین حق اور ہدایت پر چلنے والے رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا۔ خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مطلوب ہو۔ اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے، اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے، لوگوں کی رضا جوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا، سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت و جہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گرجاتا ہے اور چونکہ مومن کا عمل ریاکاری سے شریعت کے خلاف سے بچا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو۔ یعنی آن حضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کو جو بھی قیامت تک ہوں جیسے اور آیت میں ہے ﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کی حکم برداری کرتے رہے اور یہ نبی اکرم ﷺ اور آیت میں فرمایا ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرک نہ تھے۔ حنیف کہتے ہیں قصد اشْرک سے بے زاری کرنے اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو جانے والے کو جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی بنانے والا بنانہ سکے۔

حضرت ابراہیم کو مقام خلیل اللہ کیونکر حاصل ہوا۔ پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لئے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے اس تک وہ پہنچ

گئے۔ خلت کے درجے سے کوئی درجہ بڑا نہیں، محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام عروج کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے جیسے فرمان ہے ﴿وَابْرَاهِيمَ الذِّينِ وَفِي﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ملا وہ اسے بخوشی بجا لائے، کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے منہ نہ موڑا، کبھی عبادت سے نہ اکتائے، کوئی چیز انہیں عبادت ربانی سے مانع نہ ہوئی۔ اور آیت میں ہے ﴿وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ﴾ جب جب جس طرح اللہ نے ان کی آزمائش لی، وہ پورے اترے، جو اللہ نے فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کیسوی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا ﴿لَقَدْ قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ﴿خَلِيلَ اللَّهِ﴾ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقع پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے کہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں۔ یہاں کچھ نہ ملا، خالی ہاتھ لوٹے۔ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے بوریاں بھر کر لے چلوں تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کر لے چلے۔ قدرت اللہ تعالیٰ سے وہ ریت سچ مچ آنا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیت رہے، تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آنے سے پر پایا۔ آنا گوند ہاروٹیاں پکائیں۔ جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں، تو تعجب سے پوچھنے لگے، آنا کہاں سے آیا؟ جو تم نے روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کہا، آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا۔ لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو، جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے، گو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت حد درجہ کی تھی کامل اطاعت شعاری اور فرماں برداری تھی۔ اپنی عبادتوں سے اللہ کو خوش کر لیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا۔ لوگو! اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور دلی دوست بنانے والا ہوتا تو ابو بکر بن ابوقحافہ کو بناتا، بلکہ تمہارے ساتھی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں (بخاری و مسلم)۔ اور روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا لیا تھا، اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کر لیا ہے۔

ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ ﷺ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے ذکر تذکرے کر رہے تھے، ایک کہہ رہے تھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، دوسرے نے کہا اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا، ایک نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام تو روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں، ایک نے کہا آدم صلی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ جب باہر تشریف لائے سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بے شک تمہارا قول صحیح ہے، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمتہ اللہ ہیں اور آدم علیہ السلام صلی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد ﷺ مصطفیٰ علیہ السلام ہیں۔ سنو میں واقعہ بیان کرتا ہوں کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ میں ”حبیب اللہ“ ہوں، میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں، اور سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کو کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے، قیامت کے تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام و عزت والا میں ہوں۔ یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور واقعہ کے معلوم کرانے کے میں تم سے کہہ رہا ہوں۔

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ نخلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھا اور دیدار حضرت محمد ﷺ کے لئے صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (متدرک حاتم)۔

اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالکؓ اور بہت سے صحابہؓ تابعینؓ اور سلف و خلف سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کیا اس مکان کے حقیقی مالک نے۔ پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتائیے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی قسم گو وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گزاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا حج میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر گن امور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔ اور روایت میں ہے جب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ تعالیٰ نے ملقب کیا تب سے ان کے دل میں اس قدر خوف اللہ تعالیٰ اور ہیبت رب سماگئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کی پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان ﷺ کی نسبت بھی وارد ہے جس وقت خوف اللہ آپ پر غالب آجاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیاں کی کھد بدی کی آواز ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بغیر کسی کے مشورے کے اور بغیر کسی کی شرکت اور مدد کے کر گزرتا ہے کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے وہ عظمتوں اور قدرتوں والا وہ عدل و حکمت والا وہ لطف و رحم والا واحد و صمد اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي
يَتَمَى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا
مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٧﴾

تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔ تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ تعالیٰ اسے پوری طرح جاننے والا ہے۔

یتیم لڑکیوں کے بارے میں چند ہدایات: صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی و وارث وہی ہو مال میں شریک ہو گیا ہو اب چاہتا یہ ہوں کہ اس یتیم سے میں نکاح کر لوں اس بنا پر اور جگہ کی شادی روکتا ہو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضور اکرمؐ سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت **وَيَسْتَفْتُونَكَ** نازل فرمائی۔ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے **وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ** اس سے مراد یہ آیت ہے **وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَقْسُطُوا فِي الْيَتَامَىٰ** الخ ہے۔

آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی و وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تب تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مال دار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی مردھرا نہیں ہوتا تھا ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا سے اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ یہ جب دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیم لڑکی کا ولی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈالتا۔ اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کر سکے۔ اب اگر وہ خوش شکل ہوتی تو اس سے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا۔ اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضے میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے چھوٹے لڑکے کو اور چھوٹی بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسم کو بھی قرآن نے میٹ دیا اور ہر ایک کو حصہ دلویا اور فرمایا کہ لڑکی کو اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے حصہ ضرور دو۔ ہاں لڑکی کو آدھا اور لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر۔ اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی سے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے تو تمہیں چاہئے کہ خیر کے کام کرو، حکم برداری کرو اور نیک بدلے حاصل کرو۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصَلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوا

وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ
النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ
تَصَلِحُوا وَاتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۳۹﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ
سَعَتِهِ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۴۰﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بددعائی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی بے کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر چیز ہے بیچ
ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے۔ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خیر داد ہے۔ تم سے یہ تو کبھی نہ
ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرتے پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو لاکھ ٹھکتی ہوئی نہ
چھوڑو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت
سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔

خاوند کو اپنی متعدد بیویوں سے انصاف کی تاکید: اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی
مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جب کہ عورت کو اپنے شوہر کی
ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کر لے تو کر سکتی ہے۔
مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب بامشب کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے یہ جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی
بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ انہیں جدا کر دینے کا
ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق (حضرت عائشہ کو دیتی ہوں) چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضور اکرم ﷺ نے اسے
قبول فرمایا۔ ابو داؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباس فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔
آپ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کی باریاں تقسیم کر رکھی
تھیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہ کا دن بھی حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ کو دیتے تھے۔ حضرت عمر ؓ کا قول ہے
کہ حضرت سودہ نے بڑی عمر میں جب یہ معلوم کیا کہ حضور انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہ سے پوری محبت
ہے اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک
رہ جاؤں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔
عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں
جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر حضرت سودہ کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گزرا (ابو داؤد) مجھ ابو العباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے
کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت سودہ کو طلاق کی خبر بھجوائی یہ حضرت عائشہ کے ہاں جا بیٹھیں۔ جب آپ تشریف لائے تو کہنے
لگیں آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ ﷺ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ
بنایا آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے میری عمر بڑی ہو گئی ہے مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن

آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں۔ چنانچہ آپ نے یہ منظور فرمایا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوبہ حضرت عائشہؓ کو بہہ کرتی ہوں۔ بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر، تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بد صورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو، اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو، تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بے ہودہ گوئی کی وجہ سے) آپ نے ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے، اولاد نہیں ہوتی اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا پھر یہ دونوں جس چیز پر اتفاق کر لیں جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بد صورتی کے یا بد خلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے چھوڑ دے، تو یہ اپنا پورا ادا ہو اور مہر معاف کر دے، یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ، تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں، واللہ اعلم۔

محمد بن مسلمہ کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیجؓ کے گھر میں تھیں۔ بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا، آپ مجھے طلاق تو دیجئے نہیں ہاں جو آپ چاہیں وہی مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہو، اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں۔ اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کرے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیجؓ انصاری کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آکر طلاق طلب کی آپ نے دے دی، پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا۔ لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے۔ اس نے پھر طلاق مانگی، آپ نے دوبارہ طلاق دے دی، پھر لوٹا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو، تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا مجھے اسی طرح منظور ہے۔ چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کہ دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے، یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ حق چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے، جیسے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہؓ کو بہہ کر دیا۔ آپ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے

کہ ناموافقیت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ اللہ کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرمایا کہ صلح خیر ہے۔

بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں سے تمام حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگزر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا باری میں عین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟ ابن علیہ فرماتے ہیں۔ یہ آیت حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ انہیں بہت چاہتے تھے۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے الہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا (ابوداؤد)۔

اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں کہ دوسری سند سے یہ مرسل مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لڑکا دو، وہ نہ بے خاوند کے رہے نہ خاوند والی تم اس سے بے رنجی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں۔ نہ تو اسے طلاق ہی دو جو وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا (احمد وغیرہ)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارا اختیار ہے عورتوں کے درمیان عدل و انصاف اور برابری ہے کرو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تو اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف پیچھ مائل ہو گئے ہو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے مبرا ہے پھر پورے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰتٰوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تَتَّقُوْا اللّٰهَ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تَتَّقُوْا اللّٰهَ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝۱۰ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۱۱ اِنْ يَنْشَاؤْذْ هَبِكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَاَيُّتْ بِاٰخِرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝۱۲ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۝۱۳

وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے۔ اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے اگر اسے منظور ہو تو اسے لوگو کو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے اللہ تعالیٰ بہت شے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے۔ فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو دیئے گئے تھے۔ اور اگر تم کفر کرو (تو اللہ تعالیٰ کا کیا بازو گے؟) وہ تو زمین و آسمان کا تنہا مالک ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پروا اور لائق ستائش ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿فَكْفُرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللَّهُ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بے نیازی کی اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کر دے اور غیروں کو آباد کر دے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر ذلیل اور فرومایہ ہیں؟ اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

پھر فرماتا ہے اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لئے ہے تو جان لے کہ دونوں جہاں دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور وہ تجھے بے پروا کر دے گا اور آسودہ بنا دے گا۔ اور جگہ فرمایا بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا دے ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں۔ اور ایسے بھی جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا۔ اور جگہ سے جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے۔ اور آیت میں ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعَاجِلَةَ﴾ جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں جتنا چاہیں دنیا میں دے دیں۔

امام ابن جریر نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا انہیں دنیا گو مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں حصہ بٹالیا لیکن آخرت میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس جو تیاری ہے وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گونا گوں عذاب۔

تو امام صاحب مذکور کے نزدیک یہ آیت مثل آیت ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا﴾ کے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے۔ کیونکہ اس آیت کے الفاظ

تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی خیر دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کر دے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو تمہیں دنیا دیتا ہے وہی آخرت کا مالک بھی ہے۔ یہ بڑی پست ہمتی ہوگی کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو۔ نہیں تمہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنا لو۔ عالی ہمتی اور بلند پروازی سے وسعت نظری و کام میں لا کر عیش جاودانی کی کوشش و سعی کرو۔ یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے ہر ہر نفع نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو سعادت و شقاوت اس نے تقسیم کی ہے آخرتوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی ہیں۔ وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اسے وہی پہنچاتا ہے۔ بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا سننا کیسا کچھ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ

أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِمَا فَعَلْتُمْ فَلَا تَتَّبِعُوا

الهُوَىٰ إِن تَعَدِلُوا وَإِن تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۵﴾

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جاؤ۔ الے اور خوشنودی اللہ تعالیٰ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کے پیچھے بڑھ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

سچی گواہی کو چھپانا جائز نہیں خواہ کسی کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ اس سے ایک اونچا دھرا دھرا نہ سرگیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بناء پر یا کسی کی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی کی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں۔ ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور خلق باری میں عدالت کے سکے جمادیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہ بن جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ یعنی گواہیاں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دو جو بالکل صحیح صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ بدلو نہیں چھپاؤ نہیں چپا کر نہ بولو۔ صاف صاف سچی شہادت دو۔ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔ تم حق گوئی سے نہ رو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار نلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے۔ کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہوگا۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو، گو اس شہادت سے رشتہ داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو، گو وہی سچی دے دو۔ اس لئے کہ حق ہر ایک پر حاکم ہے، گو وہی کے وقت نہ تو نگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔ ان کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ تم سے بہت بہتر جانتا ہے۔ تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو۔ دیکھو کسی کے برے میں آکر خود اپنا برانہ کر لو۔ کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل و انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال ہر آن عدل و انصاف کا مجسم بنے رہو۔ جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے عدل کرتے رہو۔ یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو جب رسول کریم ﷺ نے خیبر والوں کے کھیتوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ کی قسم نبی اکرم ﷺ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو، لیکن باوجود اس کے حضور اکرم ﷺ کی محبت میں آکر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر ناممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورہ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی بدل دی غلط گوئی سے کام لیا واقعہ کے خلاف گواہی دی دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے واقعات کم و بیش کردیئے یا کچھ چھپالیا کچھ بیان کر دیا تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ جیسے بانبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے۔ حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ

وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان ضروری ہے۔ ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔ تمام احکام کو کھل شریعت کو ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں۔ یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو اللہ تعالیٰ کو ماننا ہے تو جسے جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر، یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ مدام رکھ اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھاتا رہ۔ اسی طرح یہاں بھی مومنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے۔ اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو جو کتابیں نازل ہوئیں سب ہیں۔

قرآن کے لئے لفظ ﴿نَزَّلَ﴾ بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لئے ﴿أَنْزَلَ﴾ اس لئے کہ قرآن بتدریج و قناتاً تھا توڑا تھا اور باقی کتابیں پوری کی پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ پھر فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے فرشتوں کے ساتھ اس کی کتابوں کے ساتھ اس کے رسولوں کے ساتھ آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرے وہ راہ ہدایت سے بہک گیا اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا گمراہی میں ادھر سے ادھر ہو گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنْ

اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٧﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا
 أَلِيمًا ﴿١٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَلِيتُهُمْ عِنْدَهُمُ
 الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ
 آيَةَ اللَّهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ
 غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿٢٠﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا پھر ایمان آ کر پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں ہرگز کئے اللہ تعالیٰ یقیناً نہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں اور یہ آیت سمجھا
 گا منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب الیمی ہے جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو جیسے کہ کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں
 ایمان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار
 چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے مذاق اڑاتے ہوئے سناؤ تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ
 اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (اور نہ) تم بھی اس وقت انہیں جیسے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو انہم میں جمع کرے گا۔

کافروں سے موالات میں عزت نہیں گناہ کی مجلس میں بیٹھنا بھی گناہ ہے: ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر
 مرتد ہو جائے پھر مومن ہو کر کافر بن جائے پھر اپنے کفر پر تم جائے اور اسی حالت میں مر جائے نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا
 کوئی امکان نہ انہیں چھٹکارا نہ فلاح نہ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علیؑ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے
 تھے مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کرے۔ پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے پھر وہ
 مومنوں کو چھوڑ کافروں سے دوستیاں گانٹتے ہیں۔ اوہر بظاہر مومنوں سے ملے ملتے رہتے ہیں اوہر کافروں میں بیٹھ کر ان مومنوں کا
 مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں دراصل ساتھ تو ہم تمہارے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصد
 اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی نافی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ان کے پاس تمہاری عزت ہو یہ تمہیں
 دھوکہ لگا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو۔ سناؤ عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ اور آیت
 میں ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعِزَّةَ فَلَا يَأْتِ بِهَا إِلَّا بِاللَّهِ الْعِزَّةُ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ یعنی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کی اور
 مومنوں کی، لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ مل
 جاؤ اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری تعالیٰ سے عزت کے خواہاں بنو۔ دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں عزت دے گا۔
 گناہ مسند احمد میں بن حنیبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور سے ظہور پر اپنی
 عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے لگائے اور تو تک پہنچ جائے وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔

پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور انہیں مذاق میں
 اڑایا جا رہا ہو اس میں نہ بیٹھو پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی ان کے شریک کا رہو گے
 جاؤ گے۔ ان کے گناہ میں تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دستہ نوان بر شہاب نوشی ہو رہی ہو اس پر

کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورہ انعام کی جو آیت ہے یہ آیت ہے ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو ان سے منہ موڑ لے۔

حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرِي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ یعنی متقیوں پر ان کے حساب کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ سچ جائیں۔ پھر فرمان باری تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے اور وہاں کے سخت تر دل ہلانے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں وہاں کی قید و بند میں طوق و زنجیر میں گرم پانی کے کڑوے گھوٹ اتارنے میں اور پیپ لبو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِنْ اللَّهِ قَالَوَالَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ

كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ لَقَالُوا لَمْ نَسْتَعِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُمُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝٤

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہتے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تم میں فیصلہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز مدد نہ دے گا۔

منافق کی نماز اور منافقت کی مثال: منافقوں کی باطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں توہ لیتے رہتے ہیں اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ غالب آگئے تو تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لئے آ آ کر کہتے ہیں کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پائی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں۔ ”دھوبی کا کتانہ گھر کا نہ گھاٹ کا“۔ گویا اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے۔ بھلا کچا رنگ کب تک؟ گاجر کی پونگی کب تک بے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟ وقت آ رہا ہے کہ اپنے گئے پر نام ہوں گے اپنی بے وقوفی پر ہاتھ ملیں گے اپنے شر مناک کرتوت پر نسوے بہائیں گے اللہ تعالیٰ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے بھرم کھل جائے گا چھپا کھلا ہو جائے گا از فاش ہو جائے گا اندر کا باہر آ جائے گا۔ یہ پالیسی اور حکمت عملی یہ مصلحت وقت اور اقتضائے موقع نہایت ذراؤنی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مومنوں پر راہ دے دے۔ حضرت علیؑ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے

دن ایسا نہ ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ کبیل سے مراد حجت ہے۔ لیکن تاہم اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام منا دیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے، لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی لازمی طور پر ضرور کریں گے۔ اور اس معنی کے کرنے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کو جو مسلمانوں کی ذلت کے اور ان کی بربادی کے آنے کے وقت کا انتظار تھا مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہ کر دے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ۔ اور وہ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے اس ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مت جائیں گے۔

اسی مطلب کی وضاحت آیت ﴿فَتَسِرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ میں کر دی ہے۔ اس آیت کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلم کی ذلت ہے۔ جن بعض ذمی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے وہ اسے حکم کرتے ہیں اپنی ملک اس سے اسی وقت زائل کر دے۔

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسًا
لِيَُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤﴾ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ
لَا إِلَى هَوْلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿١٥﴾

بے شک منافق اللہ تعالیٰ سے چال بازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چال بازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کالی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ اور یاد ربانی تو یونہی ہی برائے نام کرتے ہیں۔ بیچ میں ہی مطلق ڈگمگا رہے ہیں نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

منافق نہ صحیح مومن نہ صحیح کافر ہے: سورہ بقرہ کے شروع میں بھی آیت ﴿يُخَدِعُونَ اللَّهَ﴾ اس مضمون کی گزر چکی ہے۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس رب کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں، لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کار آمد نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے۔ وہ ڈھیل دیتا ہے بڑھوتری دیتا ہے یہ پھولتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور اپنے لئے اسے اچھائی سمجھتے ہیں۔ قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے وہ آگے نکل جائے گے یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں جو اب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ اور روشنی تلاش کر لاؤ۔ یہ مڑیں گے ادھر

حجاب حاکم ہو جائے گا۔

مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کی طرف زحمت۔ حدیث شریف میں ہے جو سناے گا یعنی کسی کے عیب بیان کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے سناے گا یعنی اس کے عیب ظاہر کر دے گا اور جو ریاکاری کرے گا اللہ بھی اسے دکھائے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ بظاہر لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا انہیں جنت میں لے جاؤ فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر ان منافقوں کی بد ذوقی کا بیان ہو رہا ہے کہ نماز جیسی بہترین عبادت بھی مشغولی اور دلچسپی سے ادا کرئی انہیں نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ نیک نیتی حسن عمل حقیقی ایمان سچا یقین ان میں ہے ہی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ تھکے بارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ نماز کو چاہیے کہ ذوق و شوق سے راضی خوشی پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ تعالیٰ کے کان ہیں اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تعالیٰ تیار ہے۔ یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے بارے تنگدلی کے ساتھ بطور بے کار نالنے کے نماز کے لئے آئے۔ پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں۔ رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے نمازی مشہور ہونے کے لئے لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے نماز میں پڑھ رہے ہیں، بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً عشاء کی نماز اور فجر کی نماز۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے، اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گو گھٹنوں چل کر آنا پڑے یہ ضرور آجاتے میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے ارد گرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یاد دلا دیتے کھرنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ تعالیٰ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔

ابو یعلیٰ میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص لوگوں کی موجودگی میں تو نماز کو سنوار کر ٹھہرا ٹھہرا کر ادا کرے۔ لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی۔ پھر فرمایا یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں۔ یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہو اسورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے ارد گرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہو اور جلدی جلدی چار رکعت پڑھ لیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے نام ہی کیا (مسلم وغیرہ)۔

یہ منافق متحیر ششدر و پریشان حال ہیں۔ ایمان و کفر کے درمیان ان کا دل ڈانواؤں میں ہو رہا ہے۔ نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ، کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے، کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آگئیں تو ایمان سے یکسو ہو گئے۔ نہ تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی طرف ہیں نہ یہودیوں کی جانب۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے دو ریوڑ کے درمیان کی بکری کا کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف۔ اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ اس میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس معنی کی حدیث حضرت

عبید بن عمیر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہم پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے سے ہوئے الفاظ دہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے۔ جس پر حضرت عبیدؓ ناراض ہوئے (ممن ہے آید بزرگ نے آید طرح کے الفاظ سے ہوں دوسرے نے دوسری قسم کے)۔

ابن ابی حاتم میں ہے مومن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے ایک تو ٹنٹا ہے ہی کھڑا رہ گیا دوسرا اتر کر پار ہو کر منزل مقصود کو پہنچ گیا تیسرا اتر چلا جب پتھوں بچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ یہاں بلاگ ہونے چلا ادھر آؤاپس چلا آ۔ ادھر والے نے آواز دی کہ آ جاؤ نجات کے سات منزل مقصود پر میری طرح پہنچ جاؤ آدھراستہ طے کر چکے ہو۔ اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے 'تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں کدھر نہ جاؤں؟ جو ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی غوطے کھا کھا کر مر گیا۔ پس پار ہو جانے والا تو مسلمان ہے کفار سے کھڑا رہے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے۔ اور حدیث میں ہے منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آتی اور سونگھ کر چل دی پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آگئی۔

پھر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ ہی راقع سے پھیر دے اس کا ولی و مرشد کون ہو؟ اس کے گمراہ کردہ کو راہ کون دکھاسکے؟ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کے بدترین بد عملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے۔ اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لاسکے نہ چھٹکارا دلاسکے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا خلاف کون کر سکتا ہے وہ سب پر حاکم ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أترِيدُونَ أَنْ
تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ۝۱۱۱ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝۱۱۲ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلّٰهِ
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۱۳ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ
بَعْدَ اٰيٰكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَاٰمَنَّا ۝۱۱۴

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنا لیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو۔ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے نہ ممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار بنالے۔ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دین داری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار رہو اور با ایمان رہو اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔

کافروں سے دوستی منع ہے: کافروں سے دوستیاں کرنے سے ان سے دلی محبت رکھنے سے ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ مومنوں کو چاہیے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں۔ ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں

اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے، یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں سے ڈرنا چاہیے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے۔ یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہو گا اور پوری دلیل ہو گی اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے۔ کئی ایک سلف مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں داخل کئے جائیں گے۔ ﴿ذَرِكْ﴾ مقابل ہے درجہ کے۔ بہشت میں درجے ہیں ایک سے ایک بالا اور دوزخ میں درک ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھلتے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چو طرف سے بالکل بند ہوں گے اور کوئی نہ ہو گا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے، جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کمی کرا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں، صرف خوشنودی باری اور مرضی مولیٰ کے لئے نیک اعمال پر کمر کس لیں، ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور انہیں سچے مومنوں میں داخل کر لے گا اور بڑے ثواب اور اعلیٰ اجر عنایت فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے، بے نیاز ہے۔ بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشالی ضرور ہے۔ پس فرمایا اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کرے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدر دانی کرنے والا ہے۔ جو اس کا شکر کرے وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے۔ وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی ایمان ہے اور کون سا دل ایمان سے خالی ہے۔ جو اخلاص اور ایمان والے ہیں انہیں بھر پور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور پھر اجر و ثواب سے نہال کرے۔ آمین)

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْمِنَّةُ﴾ کہ ترجمہ تفسیر ابن کثیر اردو پارہ پنجم ختم ہوا۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝ إِن تَبْدُوا خَيْرًا أَوْ تَخَفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا

قَدِيرًا ۝

برائی ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے۔ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگزر کرو، پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

برائی کا چرچا نہ کرنا جبکہ ظالم کے ظلم کو بیان کرنا جائز ہے: حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بدعا کرنی جائز نہیں، ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم کے لئے بدعا کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر و تحمل کرے تو فضیلت اسی میں ہے۔ ابو داؤد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی چیز چور چرا کر لے گئے تو آپؓ نے ان کے لئے بدعا کرنے لگیں حضور رسول مقبول ﷺ نے سن کر فرمایا کیوں اس کا بوجھ پاکا کر رہی ہو؟ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں اس کے لئے بدعا نہ کرنی چاہیے بلکہ یہ دعا کرنی چاہی ﴿اللَّهُمَّ اَعْنِي عَلَيْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّي مِنْهُ﴾ اے اللہ! اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلو اور اسے۔ آپ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ مظلوم کو ظالم کے کونے کے لئے رخصت ہے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے بڑھ نہ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں 'گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہ باندھو۔ ایک دوسری روایت میں ہے ﴿وَلَمَنْ انتصر بعد ظلمه فأولئك ما عليهم من سبيل﴾ جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو گالیاں دینے والے جو کہیں اس کا وبال اس پر ہے جس نے ابتدا کی ہو، ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے۔ جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہ رضوان اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ آپ ﷺ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے ہیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمان داری نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اگر وہ اپنے لائق میزبانی کریں تو خیر ورنہ تم ان سے اپنے لائق لے لیا کرو۔ مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ جو مسلمان کسی اہل قبیلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے ساری رات گزر جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس مہمان کی نصرت ضروری ہے اس شخص کے مال سے اس کی کھیتی سے بقدر اس کی مہمانی دلو اور اسے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے، خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔

ابو داؤد وغیرہ میں ہے ایک شخص سرکار رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے میرا پڑوسی بہت اذیت پہنچاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جا ایک کام کر اپنا کل مال و اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا۔ اب جو گزرتا ہے وہ پوچھتا ہے کیا بات ہے؟ یہ کہتا ہے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے میں تنگ آ گیا ہوں۔ وہ اسے برا بھلا کہتا ہے، کوئی کہتا ہے اللہ کی مار اس پر، کوئی کہتا ہے اللہ غارت کرے۔ جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے

پاس آیا منتیں کر کے لے گیا کہ اپنے گھر چلو اللہ کی قسم اب مرتے دم تک آپ کو کسی طرح نہ ستاؤں گا۔ پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو! تم کسی نیکی کو ظاہر کرو تو اور پوشیدہ کرو تو تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگزر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا ثواب پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ وہ خود بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے بھاتی ہے۔ باوجود انتقام کی قدرت کے پھر بھی معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

بعض تو کہتے ہیں ﴿سُبْحَانَكَ عَلَىٰ حَلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ﴾ اے اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿سُبْحَانَكَ عَلَىٰ عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ﴾ اللہ قدرت کے باوجود درگزر کرنے والے اے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کے لائق ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے صدقہ اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں، عفو درگزر کرنے اور معاف کروینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع، فروتنی اور عاجزی کرے اللہ کے مرتبے اور اس کی توفیق اور بڑھا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ
وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ
سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۗ
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ
أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۙ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے تین تین کوئی راہ نکالیں، یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے ابانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان میں سے سے کسی میں فرق نہیں کرتے، یہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ان کے پورے ثواب دے گا۔ اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

ایمان باللہ کے ساتھ رسالت محمدیہ پر ایمان ضروری ہے؛ اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک نبی کو بھی جو نہ ماننے کا فر ہے۔ یہودی سوائے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے، نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور انبیاء علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زردشت کو مانتے تھے۔ لیکن ان کی شریعت کے جب یہ منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھالی، اللہ اعلم۔ پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا کسی کا انکار کر دیا۔ کسی اللہ کی دلیل کی بناء پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش، جوش تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر

ہے اس لئے کہ اگر اور انبیاء کو بوجہ ان کے نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کا ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا۔ جب وہ ایک گو نہیں مانتا۔ تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے انہیں بھی کسی دنیوی غرض اور ہوا و ہوس کی وجہ سے مانتا ہے۔ پس انکی شریعت ماننے نہ ماننے کے درمیان کی ہے یہ یقینی اور حتمی کفار ہیں۔ کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور نفسی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں۔ پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی والے عذاب ہوں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لاکر ان کی توہین کرتے تھے اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور و فکر نہ کر کے نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو، خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کیا جاتا ہو۔ جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضور ﷺ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر ہو گئے۔ اور آپ ﷺ کی مخالفت عداوت میں آکر مقابلے پر تل گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی ڈالی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ پھر امت محمدیہ ﷺ کی تعریف ہو رہی ہے۔ کہ رب پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو ہا تفریق مانتے ہیں اللہ کی اس آخری کتاب پر ایمان لاکر اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی اللہ کی کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے ایک آیت میں ہے۔ ﴿كُلُّ أُمَّةٍ بِاللَّهِ تُخَلِّقُ﴾ پھر ان کے لئے جو اجر تمیل اور ثواب عظیم اسے تیار کر رکھا ہے۔ اسے بھی بیان فرمادیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر و ثواب عطا ہوں گی۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرمائے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برمائے گا۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ
أَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا
الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنِ ذَلِكَ وَأَتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا
مُّبِينًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِبِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَا
قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ادرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر آوازے کی بجلی آپڑی۔ پھر باوجودیکہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکیں تھی۔ انہوں نے پھینچنے کو اپنا مہود بنالیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرمایا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلب اور مدح و ستائش فرمائی۔ اور ان کا قول لینے کے لئے ہم نے ان کے سر وں پر صور پہناتا لکھنا اور دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں جاؤ اور یہ بھی فرمایا کہ ہفتہ کے دن میں تجاؤ نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سے سخت قول و قرار لئے۔

یہودیوں کی حضرت محمدؐ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی گستاخی؛ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے توراہ ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آئیے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدعتی سے بطور مذاق کے اور بطور کفر کے تھا۔ جیسے کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا جو سورہ سبحان میں مذکور ہے کہ جب تک

عرب کی سرزمین پر دریاؤں کے ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'ان کی اس کی سرکشی اور بیجا سوال پر آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں' ان کی یہ بد عادت پرانی ہے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو دے اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوال کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں۔ یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی جیسے سورۃ بقرہ میں تفصیل واریان گزر چکا ہے ملاحظہ ہو آیت ﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً﴾ یعنی جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پس تمہیں بجلی کے کڑکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے۔ پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے پچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہلاک ہونا اس کے تمام کا نامرادی کی موت مرنا ان کا اس دریا میں سے بچ کر پار نکل آنا بھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر بت پرست گو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں ہمارا بھی ایسا ہی معبود بنا دو۔ جس کا پورا بیان سورۃ اعراف میں ہے اور سورۃ طہ میں بھی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں۔ ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ سالہ پرستوں کو قتل کریں جب قتل شروع ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہونے کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے ہم نے اس سے بھی درگزر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر حجت اور غلبہ عنایت فرمایا۔ اور جب ان لوگوں نے توراہ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو پہاڑ گرا کر دبا دوں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ و زاری شروع کی اور احکام الہی بجالانے کا مضبوط عہد و پیمان کیا یہاں تک کہ دل میں دہشت تھی کہ سجدے میں بھی کنکھیوں سے اوپر کود دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گرنے پڑے اور دب کر نہ مر جائیں پھر پہاڑ ہٹا لیا گیا۔ ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿حَطَّةٌ﴾ کہیں یعنی اے اللہ! ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس (۴۰) سال میدان "تہ" میں سرگشت و حیران و پریشان رہے لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں بھی مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسیٹتے ہوئے دروازے میں جانے لگے اور ﴿حَطَّةٌ فِی شِعْرَةٍ﴾ کہنے لگے یعنی گیسوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سینے ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیمان ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لئے جیسے کہ سورۃ اعراف میں مفصل بیان ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ﴿وَاسْأَلْتَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ الخ ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصۃ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورہ سبحان کی آیت ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ﴾ کی تفسیر میں آئیگی انشاء اللہ۔

فَمَا نَقَّضْنَاهُمْ مِّيثَاقَهُمْ وَكُفِّرْهُمْ بآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ وَبِكُفْرِهِمْ

وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ
رَسُولَ اللَّهِ ۖ وَمَاقْتَلُوهُ وَمَاصَلَبُوهُ ۖ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا
فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۖ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۖ وَمَاقْتَلُوهُ يَقِينًا ۝
بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے پس یہ قدر قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث۔ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کی رسول مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیا۔ حالانکہ نہ تو انہوں نے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے وہی صورت بنا دی گئی تھی۔ یقین کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے۔ اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا ہے اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے۔ اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ پچھے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ قتل ہوئے نہ معلوم: اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے۔ جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے۔ ملعون مطرد ہو گئے۔ اولاً تو ان کی عہد شکنی کہ جو وعدے اللہ سے انہوں نے کئے تھے ان پر قائم نہ رہے دوسری اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر تیسرے بوجہ ناحق انبیائے کرام کا قتل و خون اللہ کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھے ان کا یہ خیال اور یہ قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں جیسے مشرکین نے کہا تھا ۖ فُلُوْنَا فِيْ اَكْبٰثٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ ۖ یعنی اے نبی! تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم و عرفان سے پر ہیں۔ سورۃ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے۔ کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے سورہ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل و تشریح گزر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرمادیا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم علیہ السلام پر زنا کاری جیسی بدترین و شرمناک تہمت لگائی۔ اور اسی زنا کاری کے عمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا شدہ بتلایا۔ بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی ان پر پھینکا ہو کہ ان کی بد زبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بن سکتے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا

ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی اگاتے ہیں کہ ہم نے (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالا جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور ﷺ سے کہتے تھے۔ کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھلانے مثلاً پیدا کئی اندھوں کو بینا کرنا، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا چاند ارہو کر اڑ جانا وغیرہ، تو یہودیوں کو بہت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسائی شروع کر دی، آپ کی زندگی تنگ کر دی۔ کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا، ساری عمر جنگوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گزاری پھر بھی انہیں چین نہ آیا۔ اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے یہ ستارہ پرست مشرک تھا اس مذہب والوں کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا۔ یہاں آکر یہ بہت رونے پٹنے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف آکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے، لوگوں کو بہکا رہا ہے۔ روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے۔ امن میں خلل ڈالتا ہے، لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا ایک فرمان لکھا کہ وہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اور اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ تھے۔ آپ کے ساتھ اس وقت بارہ یا تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کر لیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا، تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ تعالیٰ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے، میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ یہ سن کر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا، تیسری دفعہ کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے (رضی اللہ عنہ) اب آپ نے بھی منظور فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی ہیں اور چھت کی طرف روزن نمودار ہو گیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ کچلت طاری ہو گئی۔ اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔ ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ادْفَعِ الْكِتَابَ بِإِذْنِي وَارْتَقِ الْمَوْتَىٰ﴾ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ امیں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں الخ۔ حضرت روح اللہ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے۔ یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباهت ڈال دی گئی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے ہیں۔ اور یہ فلان شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ شہید ہو گیا، باقی عیسائی بھی یہودیوں کی سی راگنی الاپنے لگے، یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں، واللہ اعلم۔

در اصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرمادیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک اور سچے اور بہترین حکام میں صاف فرمادیا کہ حقیقتاً کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کی

شبیہ جس شخص پر ڈالی گئی تھی اسے عیسیٰ علیہ السلام ہی سمجھ بیٹھے جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے ہیں وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے۔ صرف انکل پچو سنی سنائی باتوں کی تقلیدی چال کے سوا کوئی دلیل نہیں اس لئے پھر اس کے ساتھ فرمایا کہ یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری تعالیٰ نے جو غالب تر ہے۔ اور جس کی قدر تیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آسکتیں۔ اور جس کی حکمتوں کی تہہ تک اور جسکے کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھالیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تو آپ گھر میں آئے اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے فرمایا تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر بارہ بارہ بار مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق بعضوں نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا پھر انکے تین گروہ ہو گئے 'یعقوبیہ' 'نسطوریہ' اور 'مسلمان' یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا جب تک چاہا رہا جب چاہا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا جسے ایک زمانہ تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنے پاس چڑھالیا اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک اللہ نے چاہا ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ ان پہلے دو گروہوں فرعون کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو چلنا اور دباننا شروع کیا۔ چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہؓ سے بھی منقول ہے۔ اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے۔ حضرت وہب بن منبہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چڑھ کر آئے اور محاسرہ میں لے لیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ حواری تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو سب لوگ حضرت عیسیٰ کی شکل و صورت کے ہیں وہ یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے اب یا تو جو حقیقی عیسیٰ علیہ السلام ہوں ہمیں سوئپ دویا سے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ یہ سن کر روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنا اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کر لے؟ ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ علیہ السلام میں ہی ہوں۔ چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا قتل اور سولی پر چڑھایا اور پھر بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس بلا کر رفعت بخشی۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو القا کیا کہ وہ دنیا سے واپس ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گزر اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے اپنے حواریوں کی دعوت کی کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب حواریین آئے تو خود کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑے سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر گراں گزر اور اچھا نہیں معلوم ہوا۔ لیکن آپ نے فرمایا سنو! اس رات میں جو کچھ کر رہاں اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔ چنانچہ تمام معتقدین مسیح علیہ السلام خاموش ہو گئے اور جب آپ اس عزت افزا دعوت کے کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو تمہارے نزدیک میں تم سب میں زیادہ مرتبہ والا ہوں اس کے باوجود میں نے خود تمہاری خدمت کی ہے یہ اس لئے کہ تم میری سنت پر عامل بن جاؤ۔ خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے بلکہ ہر بڑے چھوٹے کی خدمت کرے

جس طرح میں نے خود تمہاری کی ہے۔ اب تم سے میرا خاص کام تھا اور جس کی وجہ سے میں نے آج تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ تم سب مل کر آج رات بھر خشوع و خضوع سے میرے لیے دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ میری اجل کو موخر کر دے۔ چنانچہ سب نے دعائیں کیں، لیکن خشوع و خضوع کا وقت آئے سے پہلے ہی اس بے طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا۔ آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور ایک ایک کو جھنجھوڑ کر کہنے لگے، تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری کچھ مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ! ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک ہی نہیں بلکہ کئی کئی راتیں جاگتے تھے۔ جاگنے کے عادی ہیں، لیکن رب جانے آج کیا بات ہے کہ بے طرح کی نیند نے گھیر رکھا ہے، دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا پھر چرواہانہ رہے گا اور گھریاں تین تیرہ ہو جائیں۔ غرض اشاروں، کنایوں میں صورت حال کا اظہار کرتے رہے پھر فرمایا کچھوں تم میں کا ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہم کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا۔ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے۔ ادھر ادھر چلے گئے۔ یہودی جو اپنی جستجو میں تھے انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے۔ مگر شمعون نے کہا غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں، انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن پلچھ آئے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا اور وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنے آپ کو چھڑوا لیا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ افسوس کرنے لگے اور سخت نمکین ہوئے۔ صبح کو ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دوں تو مجھے کیا دلو اوڑھے؟ انہوں نے کہا تمیں درہم۔ چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتلادیا، اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے، اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعن زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو کوزندہ کر دیا کرتے تھے، جنات کو بھگا دیا کرتے تھے، مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے، اب کیا بات ہے کہ خود اپنی ذات کو بھی نہیں بچا سکتے، ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے تھو ہے تمہارے منہ پر یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوتے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینی تھی اور ارادہ کیا کہ سولی چڑھا دیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا، سولی پر چڑھا دیا۔

پھر سات دن کے بعد حضرت مریم علیہ السلام اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰ نے جن سے نجات دلوائی تھی وہاں آئیں اور گریہ و زاری کرنے لگیں، تو ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور ان سے کہا کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے۔ اور مجھے انکی ایذا میں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے۔ میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں۔ چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے، جس حواری نے آپ کو بچا تھا۔ اسے انہوں نے وہاں پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا ہے۔ اس نے خود کشی کر لی۔ آپ نے فرمایا اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالتا۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے اس کا نام کتنی ہے اب یہ تمہارا ساتھی ہے۔ سنو! صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی۔ ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا۔ تو اسے چاہیے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنو اسرائیل کا یہ بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داؤد تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے، کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان، حواس باختہ اور اس قدر ہائے کرنے والا نہ ہو گا۔ جس قدر آپ نے اس وقت کی، یہاں تک کہ فرمایا "اے اللہ! اموت کے پیالے کو کسی سے بھی نالنے

والا ہے تو مجھ سے نال دے اور یہاں تک گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے ان کے جسم سے خون پھوٹنے لگا۔ اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ (۱۲) حواری تھے جن کے نام یہ ہیں: فرطوس، یعقوب، ابرہہ، تبس، یہ (یعقوب کا بھائی تھا) اندرا بلیس، فیلبس ابن یلما، منتا، طوماس، یعقوب بن حلقایا، اندوسیس، قنابیا، لیودس، وکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں کہ تیسرا آدمی تھے ایک اور کا نام سر جس تھا، اسی نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھالیے گئے اور بقیہ لوگ یہود کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے۔ اب جو شمار کرتے ہیں تو ایک کم ہے۔ ایک شخص کی کمی ہو جانے سے ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپا مارتے اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچانے نہ تھے، تو لیودس وکریا یوطا نے تمیں درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں جس شخص کو جا کر میں بوسہ دوں، تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ علیہ السلام وہی ہیں۔ جب یہ اندر پہنچتے ہیں تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھالیے گئے تھے اور حضرت سر جس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے۔ اس نے جا کر حسب قرار داد انہیں کا بوسہ لیا اور سر جس کو گرفتار کر لئے گئے۔ اس ارتکاب اور مخبری کے بعد یہ حواری بہت نادم ہو اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا۔ اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام لیووس وکریا یوطا تھا۔ یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شناخت کے لئے اس گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اٹھالیے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ یہ ہزار چوٹیا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی عیسیٰ کا پتہ دیا تھا۔ لیکن کون سے؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اب اللہ ہی کو علم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت میں سر فروشی کرنے والا مومن صادق سر جس تھا، یا وکریا یوطا منافق حواری؟ مجاہد کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کی مشابہت جس پر ڈالی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت روح اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ کی وفات سے قبل تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لائینگے اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ علیہ السلام کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن آپ ان کے گواہ ہوں گے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

پہلا قول:- ایک تو یہ کہ موت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یعنی جب آپ قتل و جال کے لئے دوبارہ زمین پر آئیں گے، اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم حنیف کی ملت ہے رہ جائے گی۔ ابن عباس فرماتے ہیں موقہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے۔ ابوماک فرماتے ہیں جب جناب مسیح علیہ السلام اتریں گے اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ ابن عباس سے دوسری روایت میں ہے خاصہ یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصری فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں جب آپ زمین پر نازل ہوں گے۔ اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا جو آپ پر ایمان نہ لائے گا۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے، تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھالیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ علیہ السلام کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ قتادہ اور عبدالرحمن وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بدلائل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول:- یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے، اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر واضح ہو جاتا ہے۔ تو ہر کتابی یعنی ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو اس دار فانی سے روانگی کے پیشتر ہی باور کر لیتا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں 'کوئی یہودی نہیں مگر تا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ پر ایمان نہ لائے۔ مجاہدؒ کا یہی قول ہے بلکہ ابن عباسؓ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ 'اگر کسی اہل کتاب کی گروں تلوار سے اڑادی جائے تاہم اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں ﴿قَبْلَ مَوْتِهِمْ﴾ ہے۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا 'پھر بھی اس درمیانی فاصلہ میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ مگر مہ محمد بن سیرینؒ ضحاکؒ اور حویریہ سے بھی مروی ہے۔ ایک قول امام حسنؒ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب سابقہ قول کی تائید میں بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔

تیسرا قول:- یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر کہ وہ آنحضرتؐ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔ مگر مہ بھی فرماتے ہیں۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان سب اقوال میں زیادہ تر صحیح قول پہلا ہی ہے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے قریب قیامت کے اتریں گے اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے اس لئے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعویٰ کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح علیہ السلام کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے بھی یہ کہا ہے 'ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ علیہ السلام مقتول ہوتے نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کے ایک ہم شکل شخص کو قتل کیا۔ لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو تو اپنے پاس چڑھا لیا وہ زندہ ہیں۔ اب تک باقی ہیں قیامت کے قریب اتریں گے جیسے مسیح متواتر احادیث میں ہے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے 'صیب کو توڑیں گے 'خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہیں کریں گے۔ اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے۔ اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام سے رک سکے یا رک کے پس جسے یہ گمراہ یہود اور جاہل نصرانی مراہو اجانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں 'یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل کی زندگی کے معائنہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گزاری اس میں اس کے سامنے جو کام انہوں نے کئے وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور اللہ کے سامنے انہیں پیش کریں گے۔

ہاں اس کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ فرشتہ موت کے آجانے کے بعد احوال آخرت سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ اسی وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اس سورہ کے شروع میں ہیں۔ ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِيمَانَ﴾ دوسری جگہ فرمان ہے ﴿فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ﴾ یعنی جو لوگ موت کے آجانے تک برائیوں میں مشغول رہیں ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب الہی کو دیکھ کر ایمان لائیں انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال کی جو امام ابن جریرؒ نے تردید کی ہے یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں اس لئے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر مر اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں اور مسلمان کا وارث کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو 'نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباسؓ کے قول پر گہری نظر ڈالنے کہ دیوار سے گرتے ہوئے درندے کو چباتے ہوئے 'تلوار کے چلتے ہوئے

وہ ایمان لاتا ہے، پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں، واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا، اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو وہی ہے جو پہلا قول ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط تفریط انہوں نے کی ہے اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے۔ جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا، اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان گھن کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں، جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا اس کا بھی اثبات کیا اور مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا، جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

حضرت عیسیٰ کا نزول قرب قیامت دوبارہ ہو گا: اب ان حدیثوں کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری جسے ہماری امت نے قبول کیا ہے اس میں امام بخاری علیہ الرحمۃ کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، عادل حاکم بن کر صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ہٹائیں گے، مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی لینا پسند نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت وان من کی آخر تک تلاوت کی۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ اس میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہو گا اور اس آیت کی تلاوت میں قبل موافقہ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ ۱۰ قبل موت عیسیٰ بن مریمؑ پھر اسے حضرت ابو ہریرہؓ کا تین مرتبہ دہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج یا عمرے پر یادوں پر لبیک کہیں گے میدان فخر و حایمیں۔ یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی دوسری حدیث میں ہے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور مال راہ الہی میں اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے، روجا میں جائیں گے اور وہاں حج یا عمرہ کریں گے یادوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت ظلہ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے۔

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہو گا جب تمہارے درمیان مسیح بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہو گا۔ ابوداؤد مسند احمد وغیرہ میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے زیادہ نزدیک تر میں ہوں، اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔ پس تم انہیں پہچان لو درمیانہ قدم ہے، سرخ سفید رنگ ہے، دو مصر کپڑے اوڑھے ہاندھے ہوئے ہوں گے، ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اگرچہ تری نہ پہنچی ہو۔ صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانہ میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا۔ ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ مسیح و جال کو ہلاک کرے گا پھر زمین پر امانت واقع ہوگی۔ یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ چیتے گاؤں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے، اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ چالیس برس

تک ٹھہریں گی پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ابن جریر کی اسی روایت میں ہے۔ آپ لوگوں سے اسلام پر جہاد کریں گے۔ اس حدیث کا ایک نکتہ صحیح بخاری میں بھی ہے اور روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دنیا اور آخرت میں ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے قیامت قائم نہ ہوگی جب تک رومی ائماق یا ابلق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ جائے جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے۔ جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی نہیں گے ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے ہیں ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ لیکن مسلمان کہیں گے 'واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگی' مسلمانوں سے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا ان لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں۔ لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کر لے گا اور پر غالب آجائے گا۔ یہ پھر کسی فتنے میں نہ پڑیں گے۔ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ ابھی تو وہ اپنی تمواریں زمینوں میں لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے جو شیطان بیچ کر گے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آگیا ہے۔ اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ شام میں پہنچیں گے دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے ان کی امامت گرائیں گے۔ جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اس طرح گھٹنے لگے گا جس طرح تمک پانی میں گھلتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی دیں جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی۔ مجھے دیکھ کر اس طرح پھلنے لگے گا کہ جس طرح سیسہ پگھلتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے گا جب وہ مجھے دیکھ لے گا۔ یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان! یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے اور اسے قتل کر۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن و امان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ اور ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے تمام شہروں کو روند لیں گے۔ جس جس چیز پر گزرا ہوگا اسے ہلاک کر دیں گے جس پانی کے پاس سے گزریں گے پی جائیں گے لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دیں گے لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی بدبو پھیل جائے گی۔ پھر مینہ بر سے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہوگی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے گا یا شام کو ہو جائے۔ رات کو پیدا ہو یا دن کو! مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو نضرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان بن ابوالعاص کے پاس جمعہ کے روز آئے کہ اپنا لکھا ہو قرآن ان کے قرآن سے ملائیں جمعہ کا جب وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا غسل کر لو پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی پھر مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے۔ جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی۔ پھر حضرت عثمان بن ابوالعاص آئے ہم کھڑے ہو گئے پھر سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے۔ ایک دونوں سمندر ملنے کی جگہ۔

پر ایک حیرہ میں ' ایک شام میں۔ پھر تین گھبر انہیں لوگوں کو ہوں گی۔ پھر دجال نکلے گا یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا۔ ہاں کے لوگ تین حصوں میں ہو جائیں گے۔ ایک حصہ تو کہے گا۔ ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کیا ہوتا ہے؟ اور دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں سے مل جائیں گے۔ اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی۔ جو ان سے قریب ہو گا۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے ' جن کے سروں پر تاج ہوں گے۔ ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہو گی۔ یہاں کے یہ مسلمان ایک گھائی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے ' ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے ' وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اس وجہ سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کی وجہ سے برا حال ہو جائے گا یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں بھون بھون کر کھالیں گے۔ جب سخت تنگی میں ہوں گے تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو! تمہارے لئے امداد آگئی اس آواز کو سن کی یہ لوگ خوش ہوں گے کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے۔ عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ ان کا امیر آپ علیہ السلام سے کہے گا۔ کہ اے روح اللہ علیہ السلام! آگے بڑھیے اور نماز پڑھائیے۔ لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں۔ چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا۔ فارغ ہونے کے بعد آپ اپنا حر پہ ہاتھوں میں لے کر صبح دجال کا رخ کریں گے۔ دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پکھلنے لگے گا۔ آپ اس کے سینے پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا۔ جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتدا سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا۔ اگر میری موجودگی میں آگیا تب تو میں اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنا آپ خود اس سے پہچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان کو خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا وہاں بائیں خوب گھومے گا۔ لوگو! اے اللہ تعالیٰ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا۔ سنو! میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی۔ وہ ابتداء دعوے کرے گا کہ میں نبی ہوں ' پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں ' پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی دیکھ نہیں سکتا ' ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے۔ اور -نو وہ کا نا ہو گا اور تمہارا رب کا نا نہیں ' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان 'کافر' لکھا ہوا ہو گا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایماندار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہو گی اور باغ ہو گا۔ اس کی آگ دراصل جنت ہو گی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہو گا۔ سنو! تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے ' اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی ' جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام پر نمرود کی آگ ہو گئی تھی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کر دوں ' پھر تو مجھے رب مان لے گا۔ وہ اقرار کرے گا ' اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ اور اس سے کہیں گے بیٹے! یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائے گا۔ اسے آڑے سے چروا کر دو ٹکڑے کر دے گا پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں زندہ کر دوں گا۔ لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا۔ کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے۔ چنانچہ یہ اسے اٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے وہ جواب دے گا میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہو گیا ہے۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند

درجہ کا جنتی ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہوں گے۔ آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسائے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہوگی وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا۔ اور زمین سے پیداوار ہوگی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اسے نہ مانیں گے اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گی دوسرے قبیلے کے پاس جائے گا۔ جو اسے اللہ مان لے گا اسی وقت اسی کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگانے لگی۔ ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گی، سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین (ممالک) کا دورہ کرے گا۔ جب مدینہ کا رخ کرے گا تو یہاں ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تمواریں لے ہوئے پائے گا۔ تو سب کی انتہائی حد پر ظریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا۔ پھر مدینہ میں تین بھونچال آئیں گے اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے سے دور پھینکے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کر دیتی ہیں۔ اس دن کا نام یوم الخصاص ہوگا۔

ام شریک نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس دن عرب کہاں ہوں گے۔ فرمایا اولاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی۔ ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صحیح کی نماز پڑھا رہا ہوگا، جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ یہ امام پچھلے پیروں پیچھے بنے گا تاکہ آپ علیہ السلام آگے بڑھ کر امامت کرائیں، لیکن آپ علیہ السلام اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ، اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے۔ پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ علیہ السلام فرمائیں گے کہ دروازہ کھول دو۔ پس کھول دیا جائے گا۔ اوہ دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لے ہوئے موجود ہوگا جن کے سر پر تاج اور جن کی تمواروں پر سونا ہوگا۔ دجال آپ علیہ السلام کو دیکھ کر اس طرح گھٹنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے۔ اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا۔ لیکن آپ علیہ السلام فرمائیں گے۔ اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا، تو اسے مال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے۔ اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ ہر پتھر ہر درخت ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے آکر اسے مار ڈال۔ ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا۔ سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر کی طرح اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے دروازے سے چلے گا اور ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا ہوگا جو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم کیسے نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اندازہ کر لیا کرو جس طرح ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام میری امت میں حاکم ہوں گے، عادل ہوں گے، امام ہوں گے، باانصاف ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیے کو ہٹادیں گے، صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا۔ ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا، بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے۔ لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچائے گا۔ شیروں سے لڑکے کھیلیں گے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ بھیڑیے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو۔ تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لہالب بھر ہوا ہو۔ سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی، لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی۔ قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے۔ زمین مثل سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدم علیہ السلام تمہیں اگادے گی۔ ایک

جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو گا۔ ایک انار اتنا ہو گا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے، نیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ ہو گی؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی، دریافت کیا گیا کہ نیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین میں کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے ظہور سے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہو گی۔ پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم اللہ روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا۔ پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں کم کر دے۔ اور یہی حکم زمین کو ہو گا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے۔ تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برے گا نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی۔ تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے، مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لالہ اللہ بنا اور اللہ اکبر کہتا اور سبحان اللہ کہتا اور الحمد للہ کہتا ہو گا۔ امام ابن ماجہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھو اس میں تاکہ انہیں یاد رہے۔ یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں، اسی حدیث کے مثل ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے بلند و پست کیا کہ ہم صحیحے کہیں مدینہ کے نخلستان میں موجود نہ ہو۔ پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا دجال کے علاوہ مجھے تو تم پر اور اس سے بھی بڑھ کر خوف ہے، امر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں خود اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا۔ میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بنا تا ہوں، وہ جوان ہو گا آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہو گی۔ بس یوں سمجھ لو عبد العزیز بن قطن کی طرح ہو گا۔ تم میں سے جو اسے دیکھے اس کو چاہئے کہ سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے۔ وہ شام و عراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں کشت کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا، ہم نے پوچھا حضور ﷺ! وہ کتنی مدت رہے گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن، ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینہ کے برابر، ایک دن جمعہ کے برابر، اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں کی طرح۔ پھر ہم نے دریافت کی کہ جو دن سال بھر کے برابر ہو گا کیا اس میں ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہو گی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش ہو گی، زمین سے کھیتی اور پھل آگیں گے، ان کے جانور تازہ و تازہ اور زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے۔ ایک قوم کے پاس جانے کا جو اسے جھٹلانے کی اور اس کا انکار کر دے گی۔ یہ وہاں سے واپس ہو گا تو ان کے ہاتھ میں پتھر رہے گا۔ وہ بجز زمین پر کھرا ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانوں! نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھڑوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے، یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دوڑا لے گا کہ ایک تیر کی رفتار ہو، پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہو اس کے پاس آ جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مستح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے سفید شرفی مینار کے پاس دو چار دریں اوزھے باندھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے، ہر ہاتھ میں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب جھکا میں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے۔ جس کا فرنگ ان کا سانس پینچ جائے گا وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے گی۔ آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اتنے قتل کریں گے۔ پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس نعت سے بچایا ہوا ہو گا، ان کے چہروں پر ہاتھ پھریں گے اور ان کے جنتی درجوں کی انہیں خبر دیں گے۔ اب اللہ

کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی کہ میں اپنے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف سے جاؤ۔

پھر یا جوج ماجوج نکلیں گے۔ پھر یا جوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھرتے آجائیں گے۔ پھر وہ طہر یہ پانی کا پہلا سروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا۔ جب ان کے بعد ہی دوسرا سروہ آئے گا تو وہ ایسا سوکھا پڑا ہوگا کہ وہ نہیں گے شائد یہاں بھی پانی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک نیل کا سوراخ انہیں اس سے بھی اچھالنے کا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوبہ ہیں اب آپ اور مومن اللہ سے دمانیں اور التجائیں کریں گے اللہ تعالیٰ ان پر آمون کی قلمی کی یہ دینی بھیجتا ہے کہ جس میں سارے کے سارے ایک ساتھی ایک دم فنا ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر ہاشت بھر جائے۔ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا میں اور التجائیں کریں گے تو سختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو جہاں اللہ چاہے وال آئیں گے۔ پھر بارش ہوگی جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی ہو جائیگی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا۔ اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے پھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا۔ پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہو چلائے گا جو تمام ایماندار مرد و عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی۔ اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو آپس میں بدصوموں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے۔ ان پر قیامت قائم ہوگی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے کہ ہم نے نبیاء کی آیت ۱۰۰ حتیٰ اذا فطحنا یا خوج و ماخوج کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آجائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں۔ میں نے تو یہ جانتا تھا کہ چھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر و میسورے بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا و غیر وہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جہاں ننگ کا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا مجھے معلوم نہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعود کے ہے آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں گے پھر سات سال لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو میں کچھ عداوت نہ ہوگی پھر ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو وہ بھی فوت ہو جائے گا پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے۔ جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہوگی شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آکر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کر دے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزیوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہوں گے۔ اور زندگی با آرام گزر رہی ہوگی پھر صور پھونکا جائے گا جس سے لوگ اُرنے پڑنے لگیں گے ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی جس سے یہ اور تمام لوگ بیہوش ہو جائیں گے غرض کہ سب کے فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مہینہ برسائے گا جو مثل شبنم کے یا مثل سایے کے ہوگا۔ اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا سب کے سب جی اٹھیں گے۔ پھر کہا جائے گا لوگو! اپنے رب کی طرف چلو! انہیں ٹھہراؤ! ان سے سوال کیا جائے گا پھر فرمایا جائے گا جہنم کا حصہ نکالو۔ پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو نناوے! یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پندلی ٹھولی جائے گی۔

مسند احمد میں ہے ابن مریم علیہ السلام باب لد کے پاس یالد کی جانب مسج و جال کو قتل کریں گے۔ ترمذی میں باب لد ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے اس کے بعد امام ترمذی نے تینہ اور صحابہ کے نام لئے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی احادیث مروی ہیں تو اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں دجال کا مسج علیہ السلام سے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی احادیث تو بے شمار ہیں جنہیں جمع کرنا سخت و شوار ہے۔ مسند میں ہے کہ اسے آتے ہوئے حضور ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع کے پاس سے گزرے اس وقت وہاں قیامت کے ذکر افکار ہو رہے تھے تو آپ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں قیامت قائم نہ ہوگی آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا، دھوگیں کا آنا، وابۃ الارض کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا آنا، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نازل ہونا، دجال کا آنا تین جگہ زمین کا دھنس جانا، شرق میں غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جا کر دے گی، وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کرے گی اور جب دو پہر کو وہ آرام کریں گے یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ سے موقوف بھی مروی ہے، واللہ اعلم۔ پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر احادیث جو حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان بن ابوالعاص، حضرت ابوامامہؓ، حضرت نو اس بن سمعانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، حضرت ابو شریبہؓ، حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے مروی ہیں یہ صاف و الٹ کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے یعنی صبح کی نماز کی اقامت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینارہ پر اتریں گے۔ اس زمانے میں یعنی ۱۲۷۰ھ میں جامع اموی کا مینار سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے اس لئے کہ آگ کے صدمہ سے یہ جل گیا ہے اور یہ آگ لگانے والا غالباً ملعون عیسائی تھے، گیا جب کہ نبی و مینار وہ ہو جس پر مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور خنزیریوں کو قتل کریں گے۔ صلیبوں کو توڑ دیں گے، جزیے کو بتادیں گی اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں پیغمبر ساق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتلایا ہے یہ وہ وقت ہوگا جب تمام شک شبہ ہٹ جائیں گے اور لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کر لیں گے جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے ﴿وَإِنَّ لَعَلْمَ لِّلسَّاعَةِ آتٍ مِّنْ لَّعَلْمِ سَ﴾ یعنی جناب مسیح علیہ السلام کا نزول قیامت کا ایک زبردست نشان ہے یعنی قرب قیامت کا اس لئے کہ علیہ السلام جال کے آپٹنے کے بعد تشریف لائیں گے اسے قتل کریں گے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج نہ مہیا کیا ہو۔ آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے علیہ لکھے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی بھی خبر دیتا ہے فرمان ہے ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْتُمَا بِحُجُوجٍ وَرَأَيْتُمَا مَاءً يَّسْعُوجًا وَهُم مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ۖ﴾ یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصفیہ ملاحظہ ہوں پہلے کی دو حدیثوں میں آپ کی صفت گزر چکی ہے۔

بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں جیسے شہنشاہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا ابھی تمام سے نکلے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ بخاری کی اور روایت میں ہے۔ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ گھونگریا لے بالوں والے چوڑے چکلے سینے والے تھے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے دجال کی شکل و صورت بھی بیان فرمادی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کافی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر کے پٹھے دونوں

موندھوں تک تھے، صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے دو شخصوں کے موندھوں پر ہاتھ رکھتے حواریں کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کافی تھی، ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا سخت الجھے ہوئے ہال تھے وہ بھی وہ شخصوں کے موندھوں پر ہاتھ رکھتے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے کہا گیا یہ کون ہے؟ کہا یہ مسیح الدجال ہے۔ بخاری کی اور روایت میں حضرت عبد اللہ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم حضور نے عیسیٰ علیہ السلام کو سرخ رنگ کا نہیں بتلایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ کا بتلایا ہے پھر اوپر والی پوری حدیث ہے، حضرت زہری فرماتے ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو جاہلیت میں مرچکا تھا، وہ حدیث بھی گزر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ علیہ السلام کے جنارے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام یہاں سات سال رہیں گے تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گزاری ہے جس وقت آپ اٹھائے گئے، اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر تینیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے، واللہ اعلم۔ ابن عساکر بعض کا قول ہے جب آپ علیہ السلام آسمانوں پر چڑھائے گئے اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی یہ بالکل وہی اور دور کا قول ہے، ہاں حافظ ابوالقاسم نے اپنی تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی وارد کیا ہے کہ آپ علیہ السلام حضور ﷺ کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گی، فائدہ علم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے، یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رحمت آپ نے انہیں پیش چا دی تھی۔ اور نبیوں آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا جیسے سورہ بقرہ کے آخر میں ہے: **وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ أَسْمِئْهُمْ بِأَسْمَاءِ** یعنی آپ کی وہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

فِي ظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّت لَّهُمْ وَبِصَدِّقِهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ لَكِن الرُّسُلُ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْبُقِيَّاتِ الصَّلَاةِ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۗ

جو نفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں۔ ان کے ظلم سے باعث اور اللہ کی رحمت سے ان کے گناہوں کو روکنے سے باعث اور سو جس سے وہ منع کئے گئے تھے اسے لینے سے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار گھانے سے باعث۔ ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لئے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو ان پر ایمان لاتے ہیں جو تیر کی طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور تمہارے کو قائل بننے والے ہیں اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے۔

بطور سزا احلال چیزیں اللہ نے حرام کر دیں: اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ حرمت قدری ہو یعنی مقدرات الہی میں یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرائیں صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے۔ دوسرا یہ کہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں تو رات کے اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ الخ یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے ماسوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے پھر تورات میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں۔ جیسے سورہ انعام میں فرمایا ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا﴾ الخ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو ہم نے ان پر حرام قرار دے دی یہ اس لئے کہ یہ باغی طاعی اور مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے۔ پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کی ظلم و زیادتی کے باعث خود راہ اللہ سے یک سو ہو کر دوسروں کو اس سے بھٹکانے کے باعث جو ان کی پرانی عادت تھی رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے انہیں قتل کر ڈالتے تھے انہیں جھٹلاتے تھے مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خوریاں کرتے تھے جو محض حرام تھیں اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال مار کھانے کی تاک میں لگے رہتے۔ اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کئے ہیں جرات سے انہیں گزررتے تھے اس باعث ان پر حلال چیزیں بھی بعض بعض ہم نے حرام کر دیں۔ ان کفار کے لئے دردناک عذاب تیار ہیں لیکن ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں اس جملہ کی تفسیر سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے اور جو با ایمان ہیں یہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام حضرت ثعلبہ بن سعید حضرت زید ابن سعید حضرت اسید بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں جو اسلام میں آگئے تھے اور حضور ﷺ کی نبوت کو مان چکے تھے۔ آگے کا جملہ ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ تمام آئمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعب کے صحیف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریر ابن مسعود کے صحیفہ میں ﴿وَالْمُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ ہے صحیح قرأت اگلی ہی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابت کی غلطی بتایا ہے ان کا قول غلط ہے بعض تو کہتے ہیں اس کی نصی حالت مدح کی وجہ سے ہے جیسے ﴿وَالْمُؤْتِفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ﴾ میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملہ پر یعنی ﴿بِمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ﴾ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور اللہ کی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے امام ابن جریر اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے واللہ اعلم۔

اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔ اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا اس دن میں ملے گی یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى
 إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَ
 يُونسَ وَهُرُونَ وَسُلَيْمَانَ وَأَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۗ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ

قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ﴿۱۳۱﴾ رُسُلًا قُبَّشِرِينَ
وَمُنذِرِينَ لِيَلَّا يَكُونَنَّ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ
عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۳۲﴾

یقیناً ہم نے تیرے طرف سے اس طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف سے اور ہم نے وحی کی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کی طرف اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اور تجھ سے پہلے بہت سے رسولوں سے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔ ہم نے انہیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سننے والے اور سزا کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔

انبیاء کی تعداد درجات اور آسمانی کتابیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ان کے ہمارے محمد ﷺ ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو، اس پر یہ آیت اتریں، محمد کعب قرظی فرماتے ہیں جب آیت ﴿يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ سے عظیم تا تک اترتی اور یہودیوں کے بڑے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل نہیں فرمایا، موسیٰ علیہ السلام پر نہ عیسیٰ علیہ السلام پر نہ کسی اور نبی پر۔ آپ ﷺ اس وقت گوٹ لگائے بیٹھے تھے اسے آپ ﷺ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ﴾ نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ یہ آیت سورہ انعام میں ہے جو مکہ ہے اور سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کے رد میں ہے جب کہ انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں۔ جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا پھر ان کے عیوب بیان فرمائے اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں کھولیں، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے اس طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء کی طرف سے اور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی۔ ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورہ قصص کی تفسیر میں بیان کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے نام قرآن کے لفظوں میں آگئے ہیں یہ ہیں: آدم، اور لیس، نوح، ہود، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، ایسح، زکریا، عیسیٰ، یحییٰ اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل ایوب اور الیاس علیہم السلام اور ان سب کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابو ذرؓ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے پوچھا کہ ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ۔ بڑی جماعت میں نے پھر دریافت کیا، سب سے پہلے کون سے ہیں فرمایا آدم علیہ السلام۔ میں نے کہا کیا وہ بھی رسول تھے؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر ان میں اپنی روح پھونکی پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا، پھر فرمایا اے ابو ذر! چار سریانی ہیں: آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور خنوخ علیہ السلام، جن کا مشہور نام اور یس علیہ السلام ہے۔ انہی نے پہلے قلم

سے خط لکھا۔ چار مہینے ہیں۔ ہو علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور تمہارے نبی ﷺ۔ اسے ابو ذر بنحو اسرار اکیل میں پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخری حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، تمام نبیوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے۔ حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والقیاسیم میں روایت کیا ہے جس پر صحت کا نشان دیا ہے لیکن ان کے برخلاف امام ابو النضر ابن جوزی اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں اور ابراہیم بن ہاشم اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آئمہ جرح و تعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے، واللہ اعلم۔ لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابو امامہ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں معان بن رافع سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم بن عبد الرحمن بھی ضعیف ہیں اور ایک حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں، چار ہزار بنو اسرئیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زید بن اس کے استوار قاشی دونوں ضعیف ہیں، واللہ اعلم۔ ابو یعلیٰ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی ہزار چکے ہیں ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے ان کے بعد میں آیا ہوں۔ اور حدیث میں ہے میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی خوف نہیں بجز احمد بن طارق کے ان کے بارے میں مجھے کوئی عدالت یا جرح نہیں ملی، واللہ اعلم۔

ابو ذر غفاریؓ والی صویل حدیث جو انبیاء کی کتنی کے بارے میں ہے اسے بھی سن لیجئے آپ ﷺ فرماتے ہیں میں مسجد میں آیا اس وقت حضور ﷺ تنہا تشریف فرما تھے میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا آپ ﷺ نے نماز کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ بہتر چیز ہے چاہے کوئی زیادتی کرے۔ چاہے کئی۔ میں نے کہا حضور ﷺ ان سے اعمال افضل ہیں؟ فرمایا اللہ پر ایمان لانا، اس کی راہ میں جہاد کرنا، میں نے کہا حضور ﷺ ان سے افضل ہے؟ فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا میں نے کہا حضور ﷺ ان سے افضل ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔ میں نے پوچھا کہ کونسی جہاد افضل ہے؟ فرمایا بڑیوں کو چھوڑ دینا۔ میں نے پوچھا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا لمبے قنوت والی۔ میں نے پوچھا کونسا روزہ افضل ہے؟ فرمایا فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑھا چڑھا اجر و ثواب ہے۔ میں نے پوچھا کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا جس کا گھوڑا بھی کات دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے۔ میں نے کہا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا جس قدر مالک کو زیادہ پسند ہو۔ میں نے پوچھا کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا کم مال والے کا گوشش کرنا اور چمکے سے محتاج کو دے دینا۔ میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ فرمایا آیت الکرسی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چھیل میدان کے مقابلہ میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر۔ میں نے کہا حضور ﷺ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ بہت بڑی پاک جماعت۔ میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم علیہ السلام۔ میں نے کہا بھی نبی۔ سوال تھے؟ فرمایا ہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا سنو چار تو سب یانی ہیں۔ آدم، شیث، نوح اور یس ہیں علیہم السلام۔ جس نے سب سے پہلے قوم سے لکھا اور نوح علیہ السلام اور چار مہینے ہیں۔ ہو، شعیب، صالح، علیہم السلام اور تمہارے نبی۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار حضرت شیث علیہ السلام، پچاس صحیفے اور حضرت نوح علیہ السلام پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے دس صحیفے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا کہ باہر شاہ مصلط بنا دیا اور بتلا مغرور میں نے تجھے

دنیا جمع کرنے والا اور ملا ملا کر رکھنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو میرے سامنے سے ہٹا دے اور میرے پاس پہنچے تو میں اسے رو نہ کروں گا گو وہ مظلوم کا فریبی ہو اور ان میں مثالیں بھی تھیں یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے حق سے ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے ایک وقت اللہ کی صفت میں غور کرے ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے، عاقل و عاقلین چیزوں کے سوا کسی میں اپنے تئیں منہمک نہ کرنا چاہیے یا تو توشہ آخرت یا حصول معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور لذت۔ عاقل و عاقلین چاہئے کہ اپنا وقت دیکھتا رہے اپنے کام میں لگا رہے۔ اپنی زبان کی گنہگار نہ رہے جو شخص اپنے قول کو اپنے فعل سے ملاتا رہے گا وہ بہت کم گو ہو گا کلام وہی کرو جو تمہیں نفع دے۔ میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا سر اسر عم تیں مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر مست ہے، نقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر ہائے ہائے میں پڑا ہوا ہے، دنیا کی بے ثباتی دیکھتا ہے۔ پھر اس پر اطمینان کئے ہوئے ہے قیامت کے دن کے حساب و جاننا ہے پھر بے عمل ہے۔ میں نے کہا حضور ﷺ اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پر ہمو ۱۰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَرَكَتِي ۱۰ آخر سورت تک۔ میں نے کہا حضور ﷺ! مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں یہی تیرے کام کا سر ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کچھ اور بھی۔ آپ نے فرمایا تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہو وہ تیرے لئے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کا باعث ہو گا۔ میں نے پھر کہا حضور ﷺ! اور زیادہ فرمائیے فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے بچو وہ دل کو مردہ کر دیتی ہیں اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے میں نے کہا اور زیادہ فرمائیے فرمایا جہاد میں مشغول رہو میری امت کی رہبانیت درویشی نہیں ہے۔ میں نے کہا اور وصیت کیجئے۔ فرمایا سوائے بھلی بات کہنے کے زبان بند رکھا کر اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی۔ میں نے کہا کچھ اور بھی فرمادے کیجئے۔ فرمایا اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کر اور اپنے سے اعلیٰ درجے کے لوگوں پر نظریں نہ ڈال اس سے تیرے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت ہوگی۔ میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجئے فرمایا مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو اس سے اللہ کی رحمتیں تجھے بہت بڑی معلوم ہوں گی۔ میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا قرابت داروں سے ملارہ گو وہ تجھ سے نہ ملیں۔ میں نے کہا اور۔ فرمایا حق کوئی کر گو وہ کسی کو کڑوی لگے۔ میں نے اور بھی نصیحت طلب کی۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے بارے ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر۔ میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا اپنے بیہوشوں پر نظر ڈال کر دوسروں کی عیب گیری سے باز آجا۔ پھر میرے سینے پر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا ابوذرتدبیر کے برابر کوئی مظلمدی نہیں اور حرام سے رک جانے کے برابر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ کمی کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ پوچھتے ہیں کہ کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن میرے سامنے اللہ نے اس کی وہ علامات بیان فرمائی ہیں جو کسی اور سے نہیں فرمائی۔ سنو وہ بھینگا ہے اور رب ایسا ہو نہیں سکتا اس کی داہنی آنکھ بھینگی کافی ہے دیدہ اوپر کو اٹھا ہوا ایسا جیسے چوڑے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنکار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک چمکیلے ستارے جیسی ہے۔ وہ تمام زبانیں بولے گا اس کے ساتھ جنت کی صورت ہوگی سر بہر اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہوگی سیاہ دھونیس دار۔ ایک حدیث میں ہے ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا۔ موسیٰ کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا پھر فرمایا "موسیٰ علیہ السلام سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے" ایک شخص ابو بکر بن عیاش کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے ﴿ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے بات کی ہے اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا یہ کسی کافر نے پڑھا ہوگا۔ میں نے اعمش سے اعمش نے یحییٰ سے یحییٰ نے عبد الرحمن سے عبد الرحمن نے علیؓ سے علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے ﴿ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ﴾ غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ اس قدر ناراض ہوئے۔ عجب یہ کوئی معتزلی ہو

اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا نہ کس اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے برا کہہ کر فرمایا، پھر اس آیت میں یہ بے ایمانی کیسے کرے گا جہاں فرمایا ہے۔ ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا، مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہ چلے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو وہ سیاہ چپوٹی کا اندھیرا رات میں کسی صاف پتھر پر چھٹا بھی دیکھ لیتے تھے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابوہریرہؓ ثابت ہو جائے تو بہت اچھی ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ علیہ السلام سے جب اللہ نے کلام کیا تو وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذہب بوج گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیں جو سب وصیتیں تھیں پھر تو لوگوں کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنا نہیں جاتا تھا کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام کی گونج تھی۔ اس کی اسناد بھی ضعیف ہے پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔ ایک اثر ابن مردویہ وغیرہ میں ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں طور والے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام اللہ نے کیا اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس کلام کی صفت سے الگ تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا بھید معلوم کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ! ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کے برابر کی قوت سے کلام کیا ہے۔ حالانکہ مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے بلکہ ان سب سے بھی زیادہ۔ بنو اسرائیل آپ سے صفت کلام ربانی جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے کہا اچھا کوئی تشبیہ تو بیان کرو۔ آپ نے فرمایا تم نے کڑا کے کی آواز سنی ہوگی وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی۔ اس کے ایک راوی فصل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔ حضرت کعب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تمام زبانوں سے سو اپنے کلام کے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے پوچھا باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آئے رب! تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑا کے کے۔

یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعبؓ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح کی صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ رسول ﷺ ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضا مندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں۔ اور اس کے فرمان کا خلاف کرنے والوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب و سزا سے ڈراتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں جو نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول جو بھیجے ہیں اور ان سے اپنی مرضی نامرضی جو معلوم کرائی ہے یہ اس لئے کہ کسی کو کوئی حجت کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بُعْذَابٍ مِّن قَبْلِهِ﴾ یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔

اسی جیسی یہ آیت بھی ہے ﴿لَوْلَا أَن تَصِيَهُمْ﴾ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے زیادہ باغیرت کوئی نہیں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو اسی وجہ

سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو نوحہ و تنبیہاں سنانے والے اور ذمہ دارانے والے بنا کر بھیجا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔

لَكِن اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى
 بِاللّٰهِ شَهِيدًا ﴿١٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا
 بَعِيْدًا ﴿١٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيُهْدِيَهُمْ
 طَرِيْقًا ﴿١٥﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَّكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦﴾
 يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ
 تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَّكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ کوئی شک نہیں ہے کہ اسے اپنے مہم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں، جیسے میں اور کائنات کے گواہ ہیں۔ لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا۔ وہ یقیناً تم ان کی میں اور نکل گئے۔ ان لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا یا نہیں اللہ تعالیٰ۔ انہوں نے اللہ سے اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔ بجز جہنم کی راہ جس میں ہم ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر ہر حال آسان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے پوچھو تمہارے رب کی طرف سے حق کے گورنر سوال آگیا ہے ہاں تم ایمان آؤ تاکہ تمہارے لئے بہتر ہی ہو اور تم کو کفار سے تو اللہ ہی ہے جو وہ تمہارا جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ اناتے نعمت والا ہے۔

اللہ اور فرشتے پیغمبر کی رسالت کے گواہ ہیں۔ چونکہ انہی آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ ﷺ کی نبوت کے منکروں کا رد تھا اس لیے یہاں فرماتا ہے کہ کچھ لوگ تجھے جھٹلاؤ گے، تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود ہی تیری رسالت کا شاہد ہے وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید کو فرقان مہیہ کو تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل چھٹ ہی نہیں سکتا۔ اس میں ان چیزوں کا علم ہے جس پر اس نے اپنے بندوں کو مطلق فرمانا چاہا یعنی وہ ایلیس بدایت اور فرقان اور اللہ کی رضا مندی اور ناراضی کے احکام اور گزشتہ کی اور آئندہ کی خبریں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی وہ مقدس حسنتیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرے جیسے ارشاد ہے۔ ﴿ وَلَا يُحِطُّوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَهُوَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۗ وَلَا يُحِطُّوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۗ﴾

حضرت مظاہر بن سائب جب حضرت ابو عبد الرحمن سلمیؓ سے قرآن شریف پڑھتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ تعالیٰ کا علم لیا ہے پس آج تجھ سے انھیں کوئی نہیں بجز ان کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے پھر آپ نے آیت النزلہ بعلمہ سے اشارہ کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ جو یہ ہے۔ پاس آیات جو وہی تجھ پر اتاری ہے وہ بالکل سچ اور سحر اسحق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آئی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ کی قسم مجھے پتہ ہے کہ یہ سچ ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو۔ ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔

پھر فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا حق کی اتباع نہ کی بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے یہ سچ راہ راست ہے۔

اور حقیقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت سے کھو دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں، ہماری کتاب کو نہیں مانتے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں، ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں، ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں، ہمارے احکام سے روگرداں ہیں، انہیں ہم نہ بخشیں گے نہ خیر بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھادیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ آگئے تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی فرماں برداری کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں یہی قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تمام جہان سے بے پروا ہے وہ علیم ہے جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے۔ وہ حکیم ہے اس کے اقوال اس کے افعال اس کی شرع اس کی تقدیر سب حکمت سے پر ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا

بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ إِنَّهُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ

سُبْحٰنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ

وَكَيدًا ۝۷۱

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کے حکم میں جسے مریم علیہ السلام کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو۔ اور نہ کہو کہ رب تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ کہ تمہاری لئے بہتری ہے۔ اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بس ہے کام بنانے والا۔

عیسائیوں کا اپنے دین میں غلو کرنا: اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے گزر گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر الٰہی مقام تک پہنچا رہے تھے۔ بجائے اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے معصوم محض جاننے لگے تھے، اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ آئمہ دین کہہ دیں اس کا ماننا ہمارے ذمہ ضروری ہے سچ جھوٹ، حق و باطل ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں، جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے: ﴿اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس تم مجھے عبد اللہ اور رسول اللہ کہنا۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ! اے ہمارے سردار! اور سردار کے لڑکے! اے ہمارے سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو تمہیں شیطان ادھر ادھر نہ کر دے۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں، میں رب کا غلام اور اس کا رسول ہوں قسم اللہ

کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے چھو دو۔

پھر فرماتا ہے اللہ پر افتخار نہ باندھو اس کی بیوگی اور اولاد نہ مقہر کرو اللہ اس سے پاک ہے اس سے دور ہے اس سے بلند و بالا ہے اس کی بزرگی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کے سوا تو کوئی معبود نہ رہ۔ مسیح عیسیٰ بن مریم علیہم السلام رسول اللہ ہیں اور رب کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں وہ صرف کلمہ کن سے گئے سے پیدا ہوئے ہیں جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرائیل حضرت مریم صدیقہ علیہ السلام کے پاس کے اور رب کی اجازت سے ان میں چھوٹک دیا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ سے آپ پیدا ہوئے اور اسی خصوصیت سے کلمہ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی اور آیت میں ہے «مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُولٌ» عیسیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام صرف رسول اللہ ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول آئے ہیں ان کی والدہ تھی یہ دونوں آسمان اکلایا کرتے تھے۔ اور آیت میں ہے «اِنْ مَثَلُ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ» عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو چاہے وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے «وَالسَّيِّئَاتِ اُحْصَتْ فَرَحَهَا» جس نے اپنی شر مکہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح چھوٹی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے سے نشان بنایا۔ اور جگہ فرمایا «وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ» سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت اور آیت میں ہے «اِنَّ هُوَ الْاَعْمٰنُ الْعَمْنَٰعِيَّةُ» وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمہ رب عیسیٰ علیہ السلام بن گیا بلکہ یہ کہ کلمہ رب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریر نے «اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ» کی تفسیر میں جو جہاں اس سے یہ مراد لھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت پھونکا گیا اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ مسیح بخاری میں ہے جس نے اللہ کے ایک اور لاشعریک ہونے اور محمد ﷺ کے عبد و رسول ہونے کی اور عیسیٰ علیہ السلام کے عبد و رسول ہونے کی گواہی دی اور یہ مانا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے تھے جو حضرت مریم کی طرف ڈالا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت و دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آسمانوں و دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ جیسے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو آیت وحدیث میں «روح منہ» کہا ہے ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے «وَمَسْحُوۡرٌ لَّكُمْ فَاۡفِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ» اس نے مسخریا تمہارے لئے جو چھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تمام کا تمام اپنی طرف سے یعنی اپنی مخلوق سے اور اپنے پاس سے یہی مطلب «رُوْحٌ مِّنْهُ» کا ہے یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس کی روح سے پس لفظ «من» نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا ایک جزو تھے بلکہ «مِنْ اٰتِیٰتِہٖ» سے ہے جیسے کہ دوسری آیت میں ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں «رُوْحٌ مِّنْهُ» سے مراد «رَسُولٌ مِّنْهُ» ہے اور ہوتے ہیں «مُحَمَّدٌ مِّنْهُ» لیکن زیادہ ظاہر پہلا قول ہے یعنی آپ علیہ السلام پیدا کئے گئے ہیں روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے پس آپ کو روح اللہ کہا گیا ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے یعنی حریف ثوابت کے نظار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ وحدیث میں بھی ہے کہ میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا۔

پھر فرماتا ہے کہ تم کافر نہیں کرو۔ اللہ واحد ہے بیوگی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام رب کے تمام مخلوق اور اس کے نزدیک رسول ہیں۔ تم یقین نہ کہو یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو شریک رب نہ بناؤ اللہ تعالیٰ شہادت سے مبرا ہے۔ سورہ مد میں فرمایا «لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَلٰثَةٌ» یعنی جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین ہیں تاہم اب وہ کافر ہو گئے اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اس سے سوا کوئی اور شریک عبادت نہیں۔ سورہ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہو گا کہ اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا آپ صاف طور پر انکار کر دیں

گئے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے وہ بے طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے تئیں ہر باد گرد ہے ہیں ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود اللہ مانتے ہیں اور بعض شریک الہی مانتے ہیں اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید ابن بطریق اسنادی جو ۴۰۰ھ کے قریب گزرا ہے اس نے اور بعض اگلے اور بڑے علماء نے فرمایا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس زمانے کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاکھ پادری تھے پھر اس قدر اختلاف آپس میں آیا کہ کسی بات پر ستر ہی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے اس کا ایک عقیدہ ہے جس کا ایک خیال ہے چریس اور ہی کہتے ہیں مسیح اور صرف جار ہے ہیں عرض ہوا کہ ان کے عقیدوں میں یہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک قول پر جمع ہوئے بادشاہ نے ان عقیدوں کے میان کو چھوڑ دیا اور ان کی تائید و نصرت کی اور ان کے لئے کلیسے اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے۔ انہیں انہوں نے امانت سہری کا مسد گئے اجور اصل بدترین خیانت ہے۔ ان لوگوں کو مکافئہ کہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا اس وقت جو فرقہ بنائے کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری مرتبہ سے اجتماع میں جو فرقہ بنائے کا نام نسطوریہ ہے۔ یہ تینوں فرقے اقامت ثلاثہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں ان میں کبھی باجمہر اختلاف ہے اور ہر ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس سے باز آؤ یہ باز رہنا ہی تمہاری لئے اچھا ہے اللہ تو ایک ہی ہے وہ توحید والا ہے اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملیت میں ہیں۔ سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں وہ ہر چیز پر وکیل ہے پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے ۱۰۴ سری آیت میں ہے ﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اِنِّىْ يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ﴾ یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدا اور فریض کرنے والا ہے اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے سورہ مریم میں ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ مِنْ فَرْدٍ﴾ تک میں بھی اس کا منحصراً انکار فرمایا ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ
يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِي وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيَّ جَمِيعًا ﴿۱۷۳﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ
اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۷۴﴾

سچ علیہ السلام تو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی شک و عار نہیں انکار و کفر نہ ہی نہیں ملتا اور نہ مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے جو بھی دل چاہے اور تمہارے اور تمہارے پس امدتوں ان سب کو انہیں اپنی طرف جمع کرے گا۔ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور مشائخہ اعمال کئے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا۔ اور جن لوگوں نے شک و عار اور سرکشی اور انکار لیا انہیں اللہ نے عذاب سے اور اپنے لئے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی نہ ہے اور مددگار نہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عیسیٰ اور تمام فرشتے اللہ کی بندگی کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور فرشتے اللہ کی بندگی کرتے ہیں۔

کی بندگی سے تکبر اور کشیدگی نہیں کر سکتے۔ نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے۔ بلکہ جو جس قدر مرتبے میں قریب ہوتا ہے وہ اسی قدر رب کی عبادت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں لیکن دراصل اس کا دلی ثبوت اس آیت میں نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ملائکہ کا عطف متکبر سے اور استنکاف کے معنی رہنے کے ہیں اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح علیہ السلام کے زیادہ ہے اس لئے یہ فرمایا گیا۔ اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والے بتا کر پھر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی ہے۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ اللہ کو پوجتے ہیں پھر ان کی پوجا جیسی اچھی اور آیت میں ہے ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾ اور اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکنے والے اور سرکشی کرے وہ آید وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے۔ اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے۔ جو ایمان لائیں جو نیک اعمال کریں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا۔ رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔ ابن مردودہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں انہیں بھی ان کی شفاعت ہوگی۔ جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں۔ ہاں اگر ابن مسعودؓ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا جو لوگ اللہ کی عبادت اطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں انہیں پروردگار دوزخ عذاب کرے گا۔ اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی اور مددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا۔ کہ ذلیل و حقیر خوار و ناچار ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۱۰﴾
 الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
 وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمًا ﴿۱۱﴾

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتارا دیا۔ پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا انہیں تو وہ نعمت و نفع بہ اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھائے گا۔

قرآن لا جواب برہان اور واضح نور ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی چیز اور شک و شبہ کو الٹ کرنے والی برہان تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور صاف روشنی پورا کیا اور اتارا دیا ہے۔ جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں۔ اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں اسے چمت جائیں اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں۔ مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ پر ایمان لائیں۔ اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تمام لیں ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا۔ اور اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا۔ نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا ان کے ثواب بڑھادے گا ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف کی سیدھی راہ اور صاف راہ دکھائے گا۔ جو کہیں سے نہ خمی ٹھیں کہیں سے تنگ نہیں۔ پس مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا

ہے۔ اور راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راجحت اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔

شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گزری ہے جس میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی سیدھی اور اللہ کی مشیوہ۔

قرآن ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرُؤًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ
أُخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا
اِثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الشُّلْثُ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ
حِظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝٤

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں تو کہہ کہ اللہ تعالیٰ خود تمہیں کلام کے بارے میں فتوے دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہو گا اگر اس سے اولاد نہ ہو۔ پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں چل چھوڑے ہونے کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر کئی شخص اس ہاتھ کے ہیں۔ مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ مثل دو عورتوں کے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے ایسا نہ ہو کہ تم بے جا۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

لفظ کلالہ کے بارے میں صحابہ اور آئمہ کا موقف! حضرت براءؓ فرماتے ہیں سورتوں میں سب سے آخری سورت سورہ برات اتری اور آیتوں میں سب سے آخری آیت يستفتونك اتری ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ میں اپنی بیماری میں بے ہوش پڑا تھا جو اللہ کے رسول ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے وضو کیا اور وہ پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے آفاق ہو اور میں نے کہا حضور! وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی۔ (بخاری و مسلم) اور روایت میں اسی آیت کا اثر نا بھی آیا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گزر چکا ہے۔ کہ لفظ کلالہ ماخوذ ہے اکلیل سے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں۔ اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں جیسے کہ آیت میں ہے۔ وَلَيْسَ لَهُ وَلَدٌ ۝ حضرت عمر ابن خطابؓ پر جو مشکل مسائل پڑے تھے ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اس کی طرف رجوع کرتے 'داوا' کلالہ اور سود کے ابواب۔ اور روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں۔ کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضور ﷺ سے کئے اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے سہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچھ کا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے۔ جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔ اور حدیث میں ہے اگر میں حضور ﷺ سے مزید اطمینان کر لیتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ حضور ﷺ نے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرمیوں میں نازل ہوئی ہو گی۔ واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضور ﷺ نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں کفایت بتلائی تھی اب فاروق اعظمؓ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے۔ جس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں۔ ابن جریرؓ میں ہے کہ جناب فاروق اعظمؓ نے حضور سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا پس فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے بیان نہیں فرمایا پس یہ آیت اتری۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں جو آیت سورہ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے وہ ولد و والد کے لئے ہے اور وہ سرمدی آیت میاں بیوی کے لئے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لئے اور جس آیت سے سورہ نساء کو ختم کیا ہے وہ گئے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں چھتا ہے۔ (ابن جریر) اس آیت کے معنی ہلک کے معنی ہیں مہ گیا جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ﴾ یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذات ربانی کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ یعنی ہر ایک جو اس پر ہے فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و کرام والا ہے۔ پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کمالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ وہ کمالہ ہے۔ بروایت ابن جریر حضرت عمر بن خطابؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیقؓ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ کمالہ وہ ہے جس کا نہ ولد نہ والد اور اسی کی دلالت آیت کے اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرمایا ﴿وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لئے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے۔ اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجتماعاً ملتا نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کمالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد اس لئے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مر گئی اس کا خاوند اور ایک سگی بہن ہے۔ تو آپ نے فرمایا آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو۔ جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ (احمد) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ سے ابن جریر میں منقول ہے کہ دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی۔ اسے کچھ بھی نہ ملے گا اس لئے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا۔ یہ سب فرض کے اور آدھا بہن کو ملے گا۔ یہ سب عصبہ ہونے کے ابراہیم بن اسود کہتے ہیں ہم میں حصہ معاذ بن جبلؓ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو پھر فرمایا ذرا ابن مسعودؓ کے پاس بھی ہو آؤ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے۔ لیکن جب حضرت ابن مسعودؓ سے سوال ہوا اور حضرت ابو موسیٰؓ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور روایات لوگوں میں میرا شمار نہ رہے سنو میں اس میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے آدھا تو بیٹی کو اور چھتا حصہ پوتی کو تو دو ٹکٹ پورے ہو گئے اور جو باقی چاہو بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابو موسیٰؓ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں مجھ سے یہ مسائل نہ پوچھا کرو۔

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہو گا اس کا اولاد نہ ہو یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جب کہ وہ کمالہ مرے یعنی اس کی اولاد اور باپ نہ ہو اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصہ والا وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جیسا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا۔ اور باقی کا وارث بھائی ہو گا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں فرائض کو ان کے اہل سے ملادو پھر جو باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر فرماتا ہے اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ٹکٹ ملیں گے یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے۔ یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم کیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے یا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں۔ ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا

مَا تَرَكَ ﴿ پھر فرماتا ہے اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ یہی حکم عصبیات کا ہے۔ خواہ وہ لڑکے ہو یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں جب کہ ان میں مرد عورت دونوں موجود ہوں تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرانس بیان فرما رہا ہے۔ اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے اپنی شریعت واضح کر رہا ہے۔ تاکہ تم بہک نہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانائے بندوں کی بھلائی رانی کا جاننے والا ہے مستحق کے استحقاق کو پہنچانے والا ہے۔

ابن جریرؒ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کہیں جا رہے تھے سفر میں تھے حدیفہ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمرؓ کی سواری کا سر حدیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری پس حضور ﷺ نے حضرت حدیفہ کو سنائی اور حضرت حدیفہ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو اس لئے کہ جیسے مجھے حضور ﷺ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی۔ واللہ میں تو اس پر کچھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ پس حضرت فاروقؓ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! گو تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوبارہ یہ سوال اپنی خلافت کے زمانہ میں کیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اپنی صاحبزادی زوجہ رسول اللہ ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔ چنانچہ حضرت حفصہ نے ایک روز ایسا ہی موقع پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے، جب حضور ﷺ نے یہ فرمادیا ہے تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم پر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے ایک شانے پر یہ آیت لکھوادی، پھر فرمایا کہ عمرؓ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے۔ کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورہ نساء میں ہے کافی نہیں؟ ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُؤْرَثُ كَلَالَةً﴾ پھر جب لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورہ نساء کے خاتمہ پر ہے اور شانہ ڈال دیا یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے شانے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے اسے وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔ پس آپ نے فرمایا اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کاش میں تین مسکے رسول مقبول ﷺ سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ایک تو یہ کہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہوں لیکن کہیں کہ ہم تیری طرف ادا نہیں کریں گے، ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے قول وہی ہے جو میں نے کہا تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ اور روایت میں ہے حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں میرے اور حضرت صدیقؓ کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہو اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جب کہ وہ جمع ہوں ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابو بکرؓ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریرؒ میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروقؓ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثہ اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار! اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو اسے

جاری کر دے۔ پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگو کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا۔ پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا پھر میرا خیال ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریرؒ میں ہے میں اس بارے میں ابو بکرؓ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں۔ اور ابو بکرؓ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو اور اسی اسی پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور آئمہ دین ہیں اور یہی حال چاروں اماموں اور ساتوں فقہوں کے مذہب کا ہے اور اسی پر دلالت ہے قرآن کریم کی جیسے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے واللہ اعلم۔ سورۃ نسا کی تفسیر ختم ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

تفسیر سورہ مائدہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی تکمیل تھامے ہوئی تھی کہ آپ ﷺ پر سورۃ مائدہ پوری نازل ہوئی قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں (مسند احمد)۔ اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ سفر میں تھے وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔ (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ اس پر سے اتر گئے۔ (مسند احمد)۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورۃ جو حضور اکرم ﷺ پر اتری وہ سورۃ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ﴾ ہے۔ متدرک حاکم میں ہے کہ حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورۃ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا سنو سب سے آخری سورۃ نازل ہوئی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ بلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے ان سے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ وَمِنْهَا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ وَعِزُّ رَبِّكَ وَسِتِّتُكَ كُنُفَا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أُمِينَ

الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۗ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۗ

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَن صَدُّكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِن تَعْتَدُوا ۗ وَمَنْ تَعَا

وَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۗ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ

اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

رحمت و رحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو عہد و پیمانہ پورے کیا کرو تمہارے لئے موبیثی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے کہ حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم کرتا ہے۔ ایمان والو اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پنے والے جانوروں کی جو کعبہ کو جارہے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جارہے ہوں ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ انکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ مجھے کوئی خاص نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا جب تو قرآن میں لفظ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جاؤ کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہو گا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہو گی۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے اس حکم میں نبی ﷺ بھی شامل ہیں۔ حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں کہ توراہ میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کی بجائے ﴿يَا أَيُّهَا الْمَسَاكِينُ﴾ ہے ایک روایت میں جو ابن عباسؓ کے نام سے بیان کی جاتی ہے یہ ہے کہ جہاں کہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ہے ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علیؓ ہیں اصحاب رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے بجز حضرت علی بن ابی طالب کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا۔ یاد رہے کہ یہ اثر بالکل وہی ہے اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے اس کی روایت منکر ہے میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بذیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا شیعہ ہے پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو کیسے قبول کی سکے گی؟ یقیناً وہ اس میں ناقابل قبول ٹھہرے گا۔ اس روایت میں یہ جو ہے کہ تمام صحابہ بجز حضرت علیؓ کے ڈانٹا گیا اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علیؓ ہی نے کیا ہے اور پھر یہ فرمان اترا کہ ﴿أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا﴾ الخ نازل ہوا لیکن یہ غلط ہے کہ آیت میں صحابہ کو ڈانٹا گیا بلکہ دراصل یہ حکم بہ طور وجوب کے تھا ہی نہیں اختیاری امر تھا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا پس حقیقتاً کسی سے اس کا خلاف سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورہ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہ کو ڈانٹا گیا جنہوں نے بدری قیدیوں کو فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ دراصل سوائے حضرت عمرؓ کے باقی تمام صحابہ کا مشورہ یہی تھا پس یہ بجز حضرت عمر کے باقی سب کو ہے جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں پس یہ تمام باتیں کھلی دلیل ہیں اس امر کی کہ یہ عذر بالکل ضعیف اور بوہا ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں جو کتاب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن حزمؓ کو لکھوا کر دی تھی جب کہ انہیں نجران بھیجا تھا اس کتاب کو میں نے ابو بکر ابن حزمؓ کے پاس دیکھا تھا۔ اور اسے پڑھا تھا اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول کے بہت احکام تھے اس میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ تا ﴿إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ بھی لکھا ہوا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزمؓ کے پوتے حضرت ابو بکر ابن محمدؓ نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی یہ کتاب ہے جسے آپ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو لکھ کر دی تھی جب کہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی اس میں عہد و پیمانہ اور حکم احکام کا بیان ہے اور اس میں ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ کے بعد لکھا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے اے

ایمان والو! وعدہ کو عہد و پیمان کو پورا کرو! یہ عہد ہے محمد ﷺ کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے جب کہ انہیں یمن بھیجا انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے یقیناً اللہ تعالیٰ انکے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان خلوص اور سچی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں عقود سے مراد عہد ہیں ابن جریرؒ اس پر اجماع بتلاتے ہیں خواہ قسمیہ عہد و پیمان ہو یا وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ عہد کر پورا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال جاننا اس کے بعد حرام کو حرام جاننا اس کے فرائض کی پابندی کرنا اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے کسی بات کا خلاف نہ کرو کسی حد کو نہ توڑو کسی حرام کام کو نہ کرو اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت ﴿وَالَّذِينَ يَنْتَفِضُونَ عَهْدَ اللَّهِ﴾ کو ﴿سُوءَ الدَّارِ﴾ تک۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو اس کے حرام کو اس کے وعدوں کو جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آجاتے ہیں پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ فرائض کی پابندی حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہ بچہ عہد میں اللہ تعالیٰ کا عہد آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد شریکت کا عہد تجارت کا عہد نکاح کا عہد قسمیہ عہد محمد بن کعب کہتے ہیں کہ پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانے کی قسمیں اور شریکت تجارت کے عہد و پیمان ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔ ابام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔ لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں۔ اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والے کو دوسرے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے۔ جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں۔ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے۔ کہ جب دو شخصوں نے خرید و فروخت کر لی تو ان میں سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے۔ یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید و فروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے۔ بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے مویشی چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں یعنی اونٹ گائے بکری۔ ابوالحسنؒ قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن جریرؒ فرماتے ہیں عرب میں ان کے لغت کے مطابق بھی یہی ہے حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اونٹنی گائے بکری ذبح کی جاتی ہے ان کے پیٹ میں سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھالیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو کھاؤ اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں پیٹ کے اندر والے بچہ کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب مردار اور خون و خنزیر کا گوشت ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مردار اس سے از خود مر اہو جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿خُرُوتٌ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ الخ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب لگنے سے مر جائے۔ اور اونچے سے گر کر مر جائے۔ اور جو کسی ٹکڑے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گو مویشی چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا "لیکن" جس کو ذبح کر ڈالوں اور جو جانور پر ستنش گایوں پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں اس لئے اس سے استدراک نہیں کیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال

ہیں گو وہ جن کا ذکر بھی آئے گا جو بعض احوال میں حرام ہیں اس کے بعد کا جملہ حالت کی بنا پر منسوب ہے مراد انعام سے عام ہے بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں جیسے اونٹ گائے بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں۔ جیسے ہرن نیل گائے اور جنگلی گدھے پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں۔ اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے اللہ تعالیٰ وہ حکم فرماتا ہے۔ جو ارادہ کرتا ہے۔ ایمان دارو ارب تعالیٰ کے نشانوں کی توہین نہ کرو یعنی مناسک حج صفا مروہ قربانی کے جانور اونٹ اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ ہر چیز۔ حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو۔ ان کا ادب کرو ان کا لحاظ رکھو ان کی تعظیم کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچو اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیرو جیسے ارشاد ہے۔ ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ الخ لے نبی ﷺ! لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ کی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجت الوداع میں فرمایا زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز آگیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے۔ جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا جب جسے قبیلہ مضر کا رہا تھا۔ جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ مروی ہے۔ کہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ﴿فَإِذَا نَسَخَ الْأَشْهُرَ الْحُرْمَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گزر جانا ہے جب وہ چار مہینے گزر چکے جو اس وقت تھے تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے۔ اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا بلکہ امام ابو جعفرؓ تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تاہم اس کے لئے امن و امان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو۔ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ ﴿هَذِي﴾ اور ﴿قَلْبِد﴾ کی بے حرمتی بھی مت کرو یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز نہ رہو کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجوان کے گلے میں بطور نشان پنا ڈالنے سے بھی نہ رکو تاکہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے۔ یہ فی اللہ اور راہ اللہ ہو چکا ہے۔ اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس طرح اللہ تعالیٰ کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں بھی اس کی نیکی پر اجر ملے گا کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلائے اسے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ جب حج کے لئے نکلے تو آپ ﷺ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گزاری صبح اپنی نوبیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے گوبان پر نشان کیا اور گلے میں پنا ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا قربانی کے لئے آپ ﷺ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے۔ جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کرے اس کا

دل تقویٰ والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا پایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول ﷺ نے حکم دیا ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں۔ (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیانؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے۔ اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پینتے نہ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بروایت حضرت مجاہد مروی ہے کہ اس سورۃ کی دو آیتیں منسوخ ہیں آیت **فَلَا تَدْرُكُوهُنَّ أَمْشِيًّا وَالنَّكَبَاتُ لِلَّهِ فَإِنْ جَاءَ وَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرَضْ عَنْهُمْ** لیکن حضرت حسنؓ سے جب سوال ہوتا ہے کہ کیا اس سورۃ میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے تو آپ فرماتے ہیں نہیں۔ حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرمادیا۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں ان سے لڑائی مت لڑو یہاں جو آنے وہ امن میں پہنچ گیا پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضامندی کی جستجو ہے تو اب اسے ڈر خوف میں نہ رکھو اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے سے مراد ہے بیوپار تجارت جیسے اس آیت میں ہے۔ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ** یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ”رضوان“ سے مراد حج کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی تلاش کرنا ہے ابن جریرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عظیم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آ رہا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ امام ابن جریرؓ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو مشرک مسلمانوں کی امان لئے ہوئے نہ ہو تو گو وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے اسے قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے واللہ اعلم۔ ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لئے جا رہا ہو اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو وہ تو روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے مومن و مشرک سب حج کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مومن یا کافر کو نہ روکو، لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ **إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا** یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں اور فرمان ہے۔ **مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ** یعنی مشرکین اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں اور فرمان ہے۔ **إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مِنْ آمَنِ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** یعنی اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے ردک دیئے گئے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں آیت۔ **وَلَا الْقَلْبَانِدَ وَلَا آمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ** منسوخ ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا پھر لوتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ ابن جریرؓ کا قول ہے کہ قلاند سے مراد یہی ہے جو بارہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آرہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کی ہجو کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہو گئی۔ جو حکم ممانعت کے بعد ہو اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو

ممانعت کے بعد کامر بھی وجوب کے لئے ہوگا اور اسی طرح مستحب و مباح کو بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے۔ لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم و زیادتی پر نہ اتر آنا۔ بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اس طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے تمہیں کسی قوم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو عدل ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہئے کہ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہی کرے۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہے۔ حضور ﷺ کو آپ کے اصحاب کو جب کہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا اسی رنج و غم میں صحابہ واپس آ رہے تھے جو مشرقی مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہ نے ہمیں روکا ہے ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں اس پر یہ آیت اتری شَنَّان کے معنی بغض کے ہیں۔ بعض عرب اسے ”شنان“ بھی کہتے ہیں لیکن کسی قاری کی یہ قراءت مروی نہیں ہاں عربی شعروں میں شنان بھی آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے۔ برکتے ہیں نیکیوں کے کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ جس کام کے کرنے کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے یہ اثم ہے اور وین میں جو حدیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں۔ جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان سے آگے نکل جانا ﴿عُدْوَانٌ﴾ ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو تو حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کریں تو ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟ فرمایا اسے ظلم نہ کرنے دو ظلم سے روک لو! یہی اس کی مدد ہے یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ اس مسلمان سے زیادہ اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے۔ مسند بزار میں ہے۔ ﴿الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلُهُ﴾ یعنی جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے وہ اس بھلائی کے کرنے والے ہی کی طرح ہے امام ابو بکر بزار اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی ایک مسند سے مروی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں اور اس کی تابعداری کریں لیکن ان کے ثواب میں گھٹا کر نہیں اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے ان سب کو جو گناہ ہو گا وہ سارا اس اکیلے کو ہو گا لیکن ان کے گناہوں کو گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

حَرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذُكِّرْتُمْ وَ

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَسِّرُ الَّذِينَ

كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گا گھسنے سے مرے ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مرے ہو کسی ٹکڑے سے مرے ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھلایا ہو لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو پرستش گاہوں پر چڑھایا گیا ہو تم پر حرام کیا جاتا ہے قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنا۔ یہ سب بدترین گناہ ہیں آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے خیر اور تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔

وہ چیزیں جن کا کھانا حرام ہے: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے۔ یہ خنزیر اور چیزوں کے نہ کھانے کے حکم کو شامل ہے۔ "میت" وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے نہ تو اسے ذبح کیا جائے نہ شکار کیا جائے اس کا کھانا اس لئے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے اس میں رہ جاتا ہے ذبح کرنے سے بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کو مضر ہے ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں کیونکہ موطا امام مالک، مسند شافعی، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیبہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ اس طرح مذی بھی گو خود ہی مر گئی ہو حلال ہے اس کی دلیل کی حدیث آرہی ہے۔ دم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بہ وقت ذبح بہا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے امام شافعیؒ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے لئے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں مچھلی اور مذی، کبھی اور تلی، یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں بروایت عبدالرحمن بن زید بن اسلم مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں حافظ بیہقی فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبد اللہ بھی روایت کرتے ہیں میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔ سلیمان بن بلال نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور وہ ہیں بھی ثقہ، لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمرؓ پر موقوف رکھا ہے۔ حافظ ابو زرہ رازی فرماتے ہیں زیادہ صحیح ان کا صحیح موقوف ہونا ہی ہے ابن ابی حاتم میں حضرت صدیق بن عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ اور رسولؐ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اتفاقاً ایک روز ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باند کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ صدی تم بھی کھاؤ۔ میں نے کہا تم غضب کر رہے ہو میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا ہم سب پر حرام کرتے ہیں۔ تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ﴾ الخ پڑھ کر سنادی یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچا تا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے

ایک دن جب کہ میں سخت پیاسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے تھوڑا سا پانی پلا دو لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کھل منہ پر ڈال کر اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا تو اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لئے ہوئے اور اس میں بہترین اور خوش ذائقہ مزے دار پینے کی چیز لئے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ یہ کہنا چاہیے پیاس نہیں لگی یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے تمہارا مہمان بن کر آیا ہے اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھوٹ پانی بھی ہم سے نہ دیں چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے میں نے کہا اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں میرے رب تعالیٰ نے کھلا پلا دیا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اعشى نے اپنے قصیدے میں کیا خوب ہی کہا ہے کہ مردار کے قریب نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کات کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کر ﴿لَحْمُ الْخَنزِيرِ﴾ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو۔ لفظ "لحم" شامل ہے اس کے تمام اجزاء کو جس میں چربی بھی داخل ہے پس ظاہر یہ کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری آیت میں سے فائزہ رجس لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں آجائیں اور حقیقت یہ لغت سے بعید ہے مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے۔ خیال کیجئے کہ صرف چھوٹا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے پھر کھانے کے بے حد برا ہونے میں کوئی شک رہا؟ اور اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ وہ چربی ہو خواہ اور بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے۔ تو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ حرام ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابو سفیان نے ہر قل سے کہا وہ نبی ﷺ ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا ہے کہ وہ اس کا نام لے کر جانور کو ذبح کریں پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا نہ جائے خواہ وہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چو کے سے وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورہ انعام میں آئے گا حضرت ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں کسی وقت ان میں سے کوئی حلال نہیں ہوئی (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت (۴) اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے پاپوں کے پاپ کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں۔ لیکن بنو اسرائیل نے آپ علیہ السلام کو سچا جاننا اور آپ کی مخالفت کی (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔ حضرت علیؑ جب کوفہ کے حاکم تھے اس وقت ابن ناکل نامی قبیلہ بن رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا فرزدق کے دادا غالب سے مقابل ہوا اور یہ طے پایا کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سواونٹوں کی کوچیں گائیں گے چنانچہ کوفہ کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور اونٹوں کی کوچیں کا نئی شروع کیں اور دکھلاوے سناوے اور فخر و ریاکاری کے لئے

دونوں اس میں مشغول ہو گئے۔ کو فیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور نچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آئے لگے اُتے میں جناب علی المرتضیٰ رسول کریم ﷺ کے شدید نچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ ”لوگو! یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور ہا ماہل بہ لغیر اللہ“ میں داخل ہیں۔ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے ہاں اس کی صحت کی شاہد دو حدیث ہے جو ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچیں کاٹنے سے ممانعت فرمادی۔ پھر ابو داؤد نے فرمایا ہے کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباسؓ پر وقف کیا ہے۔ ابو داؤد ہی کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرمایا جو آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں۔ ﴿مَنْ حَقَّقَهُ﴾ جس کا گلاٹھٹ جائے خواہ کسی نے عملاً لگے گھوٹ کر گلہ مروڑ کر مار ڈالا ہو خواہ از خود اس کا گلاٹھٹ گیا ہو مثلاً اپنے گھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا پھندا گلے میں آپڑا اور کھچ کھچاؤ کرتا ہوا مر گیا۔ پس یہ حرام ہے۔ ﴿مَوْفُوذَةٌ﴾ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھار دار نہیں اور اسی سے وہ مر گیا تو وہ بھی حرام ہی۔ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور لٹھ سے مار ڈالتے پھر کھاتے قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتلایا۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور گوز خم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے۔ اسے نہ کھا۔ پس آپ ﷺ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو فرق کیا اول کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک یہ بھی مسئلہ اتفاقی ہے ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ پہنچایا لیکن وہ مرے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام؟ امام شافعیؒ کے اس میں دونوں قول ہیں ایک تو حرام ہونا اور دوسرے والی حدیث کو سامنے رکھ کر دوسرے حلال ہونا کہتے کے شکار کی حالت کو مد نظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو۔

(فصل) علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا زخمی نہیں کیا یا اسے اس قدر صدمہ پہنچایا کہ وہ مر گیا۔ اور زخمی نہیں ہوا تو کیا وہ حلال ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں۔ ﴿فَكُلُوا مِمَّا افْسَدْنَا عَلَيْكُمْ﴾ یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں تم انہیں کھا سکتے ہو اس طرح حضرت عدیؓ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے نوویؒ اور شافعیؒ میں کہتا ہوں کہ گویوں کہا جاتا ہے۔ لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا ہے ملاحظہ ہو امام ابو مختصر۔ ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس دونوں فریق نے اس کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے گوان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوطی۔ ابن الصبان نے امام ابو حنیفہؒ سے حلال ہونے کا نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا اور امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے یہ صرف اپنا تصریح ہے واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے ’مزنی نے اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صبان کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے واللہ اعلم۔ اور اسی کو روایت کیا ہے ابو یوسفؒ اور محمد نے ابو حنیفہؒ سے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے واللہ اعلم اس لئے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے۔ ابن الصبان نے حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث سے دلیل پڑی ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم گل و شبنوں سے بھڑنے والے ہیں اور

ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اسے کھالیا کرو الخ (بخاری و مسلم) یہ حدیث گواہی خاص موقعہ کے لئے ہے لیکن حکم عام الفاظ کا ہو گا جیسے کہ جمہور علماء اصول و فروع کا فرمان ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بتہ جو شہد کی نمینہ ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے پس یہاں سوال ہے شہد کی نمینہ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا۔ اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا تعین ہے لیکن جواب کے الفاظ اسے اور اس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت۔ اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجئے کہ کتے کے صدے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ اور تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا پس اس حدیث کے مفہوم کے بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے اس لئے حضور ﷺ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے۔ اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں دانت تو ہڈی ہے اور ناخن ہشیشیوں کی چھری ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس پر دلالت کرتی ہے ورنہ متصل نہیں مانا جاسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح ہی کا تھا تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے جواب کے جملے کو دیکھو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو اسے کھالو یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو مزنی کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آچکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے۔ تو نہ کھاؤ اور اسے اپنی دھار اور آنی سے زخم کیا ہے پھر مرے تو کھالو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہو گا گو سبب جداگانہ نہ ہوں جیسے کہ ظہار کے وقت کی آزادی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے قتل کی آزادی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدہ کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں اور نہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ جب تیر اپنی چوڑائی سے لگ کر مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا۔ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَكُلُوا مِمَّا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک لیں اس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ عام ہے اسے بھی شامل ہے جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی لیکن جس صورت میں اس وقت بحث ہے وہ یا تو ٹکرا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گھاٹھوٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں۔ بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہوگی۔ اولاً تو یہ شارع علیہ السلام نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے کیونکہ حضرت عدی بن حاتم سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے یہی فرمایا اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہوا ہے اسے نہ کھاؤ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مراد ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکرا ہوا معتبر نہ ہو پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہو گا جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع

بتلاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت ﴿فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ﴾ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے۔ عموم غیر محفوظ پر۔ ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گزار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میتہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ اس کا خون اور اس کے ردی رطوبات اسی میں رہے پس جس وجہ سے مرور حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ بھی سنئے کہ حرمت کی آیت ﴿حُرْمَتُهَا﴾ بالکل محکم ہے اس میں کسی طرح سے نسخ کا دخل نہیں نہ کوئی تخصیص ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہئے یعنی فرمان باری تعالیٰ ﴿يَسْئَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَ﴾ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے! تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے۔ پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے سمجھنا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اس میں یہ صورت داخل ہے یعنی جب کہ وہ اپنی اودھار اور تیزی کی طرف سے زخم کر لے تو جانور حلال ہوگا کیونکہ وہ طیبات میں آگیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آگیا کہ آیت تحریم میں کوئی صورت داخل ہے یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی سے ہوئی ہے وہ حرام ہو گیا ہے جسے کھایا نہ جائے گا اس لئے کہ وہ وقید ہے اور وقید تحریم کا ایک فرد ہے ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ اور بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح یعنی نکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل کر دی جاتی اور فرمادیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے اس کی عادت یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اپنے پیوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کے حکم کو بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں ﴿مَيْتَةً مِّنْخَقِهِ﴾ موقودہ متردیه نطیحہ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر۔ تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کر دیا کہ عموماً خطا کرتا ہے اس شخص کے ہاتھ سے جو قادر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہے اس لئے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرمادیئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کتے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرمادیا ہے اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لئے ہی شکار گور و کاہو۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے یہی حکایت کیا جاتا ہے حضرت حسنؓ اور نضعیؓ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابو حنیفہؓ اور ان کے دونوں صاحب اور احمد بن حنبلؓ اور مشہور روایت میں شافعیؓ بھی گئے ہیں۔ ابن جریر نے اپنی میں علی سعید سلمان ابو ہریرہؓ ابن عمر اور ابن عباسؓ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہوتا ہم امر سمجھتے تھے۔ بلکہ حضرت سعیدؓ حضرت سلمانؓ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ تو فرماتے ہیں گو کتا آدھواں آدھ کھالیا ہوتا ہم ہے۔ امام مالکؓ اور شافعیؓ بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف ابن صباغ وغیرہ نے کہا ہے۔ ابو داؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تو

اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ تعالیٰ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھالے گو اس نے بھی اس میں سے کھالیا ہو اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے۔ نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھالیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے۔ اس میں اتنی علت ہے کہ موقوفہ حضرت سلمان کے قول سے مروی ہے جمہور نے عدنی والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابو ثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے۔ بعض علماء اکرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھالیا اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید شکاری کتا بھی سدھا ہوا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار کیا ہو بخلاف اس کے کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنے لئے شکار دبوچا ہے واللہ اعلم۔

اب رہے شکاری پرند تو امام شافعی نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے ہاں مزنی کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھالیا ہو تاہم وہ حرام نہیں یہی مذہب ابو حنیفہ اور احمد کا ہے۔ اس لئے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابو علی افصح میں فرماتے ہیں کہ جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں شکاری کتے نے کھالیا ہو تو جس شکار میں شکاری پرند کھالے اس میں دو وجہیں ہیں لیکن قاضی ابوالطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے کیونکہ امام شافعی نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے ﴿واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم﴾۔

﴿مُتَرَدِّبَةٌ﴾ ہے جو پہاڑی سے یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو وہ جانور بھی حرام ہے ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں قتادہؓ فرماتے ہیں کہ یہ وہ ہے جو کنویں میں گر پڑے ﴿نَطِيحَةٌ﴾ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے گو اس سے زخم بھی ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا ہو یہ لفظ معنی میں مفلول یعنی منطوقہ کے ہے یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیر "ت" کے آتا ہے جیسے ﴿عَيْنٌ كَحَيْلٍ﴾ اور ﴿كَفٌّ خَصِيْبٌ﴾ ان مواقع میں ﴿كَحَيْلَةٍ﴾ اور ﴿خَصِيْبَةٌ﴾ نہیں کہتے اس جگہ "ت" اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے جیسے عرب کا یہ کلام ہے ﴿طَرِيْقَةٌ طَوِيْلَةٌ﴾ بعض نحوئی کہتے ہیں کہ تاء تانیث یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے بخلاف کھیل اور خصب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے ﴿مَا أَكَلَ السَّبْعُ﴾ سے مراد وہ جانور ہے جس پر شیر یا بھیڑ یا چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگر ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالاجماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھالیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر لو یعنی گلا گھونٹا ہوا لٹھ مارا ہوا اوپر سے گرا پڑا ہوا سینگ اور ٹکر لگا ہو اور درندوں کا کھالیا ہو اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ اللہ کا نام لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سعید بن جبیرؓ حسنؓ اور سدیؓ فرماتے ہیں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پالو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دم رگزیں یا پیر ہلائیں یا آنکھیں پھرائیں تو بے شک ذبح کر کے کھاؤ۔ ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گزرا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤسؓ حسن قتادہؓ سعید بن جبیرؓ عمیرؓ ضحاکؓ اور بہت سے حضرات

سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی انتہیں نکل آئیں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے۔ تو میری رائے میں نہ کھانی چاہیے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں، کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھانی جائے یہ ہے امام مالکؒ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے اس لئے امام صاحبؒ نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہیے واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیجؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور اکرم ﷺ! ہم کل دشمن سے لڑائی میں گتہ جانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھالو سوائے دانت اور ناخن کے یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔ مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ذبیحہ صرف حلق اور زخروے ہی میں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے۔ یہ حدیث ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہو۔ نصب پر جو جانور ذبح کئے جائیں وہ بھی حرام ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے ارد گرد تھیں۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں یہ تین سو ساٹھ بت تھے زمانہ جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے۔ اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان بتوں پر بطور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو۔ کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ نے اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اور یہی لائق ہے اور اس جملہ سے بھی مطلب یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائیں جائیں۔

﴿آزلام﴾ سے تقسیم کرنا جو حرام ہے وہ ہے جو جاہلیت کے عرب میں دستور تھا انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے ایک پر لکھا تھا ﴿افعل﴾ یعنی کر دوسرے پر لکھا ہو تھا لا تفعل یعنی نہ کر تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا مجھے میرے رب تعالیٰ کا حکم ہے دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے رب تعالیٰ کی ممانعت ہے تیسرا خالی تھا اس پر کچھ بھی نہ لکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے اگر حکم کا تیر نکالا تو اس کام کو کرتے اگر ممانعت کا تیر نکالا تو باز آجاتے اگر خالی تیر نکالا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے۔ ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زلم بھی کہتے ہیں۔ استقسام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے۔ قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنویں پر نصب تھا جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے اس بت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آکر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اوپر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مجسمے گڑھے ہوئے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں غارت کرے انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو جا رہے تھے۔ تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی۔ اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا کہ جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ میں نے پھر نہ مانا تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ یہ حضور ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ تعالیٰ نے اسلام سے مشرف فرمایا۔ ابن مرویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پاسکتا جو کہانت کرے یا تیروں سے فال نکالے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے۔ حضرت مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعے اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعے جو اٹھیل کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان سے جو ابھی گاہے کھیل لیا کرتے تھے واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے ایمان والو! شراب جو اہت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں تم ان سے الگ رہو تاکہ تمہیں نجات ملے شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ ان کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے اس کام کا کرنا فسق اور گمراہی اور جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرو اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو مسند احمد۔

بخاری اور سنن میں مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے اس طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پھر یہ دعا پڑھے۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَأَقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْهُ عَنِ الْخَيْرِ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ﴾ یعنی اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعے بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بہت بڑے فضل کا طالب ہوں یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے اے میرے اللہ تعالیٰ! اگر تیرے علم میں یہ کام بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے پھر مجھے اسی سے راضی رضامند کر دے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ ﴿هَذَا الْأَمْرُ﴾ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے مثلاً نکاح ہو تو کہے ﴿هَذَا النِّكَاحُ﴾ سفر ہو تو کہے ﴿هَذَا السَّفَرُ﴾ بیوپار ہو تو کہے ﴿هَذِهِ التِّجَارَةُ﴾ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں ﴿خَيْرٌ لِي فِي دِينِي﴾ سے امری تک کے بجائے یہ الفاظ ہیں۔ ﴿خَيْرٌ لِي فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ﴾۔ امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط

ملط کر سکیں اپنے دین کو تمہارے دین میں گنڈھ کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں ہاں وہ اس کی کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے ملے جلے رہیں کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا۔ اسی لئے حکم ربانی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں ثابت قدم رہیں اور سو اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں کفار کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا۔ اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل و مکمل کر دیا تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں تھی اس نبی ﷺ کے سوا کسی اور نبی کی تمہیں کوئی حاجت ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کو خاتم النبیین کیا ہے انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں دین وہی ہے جسے وہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھر پور کرنا ہے چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو یہی دین اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول ﷺ کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل مکمل کر دیا ہے اور اپنے نبی ﷺ اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں اسے اللہ تعالیٰ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے کا اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدیؒ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نہیں اترتا۔ اس حج سے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں اس آخری حج میں حضور ﷺ کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تجلی ہوئی حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر اڑھادی۔ ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ ﷺ حیات رہے۔ حج اکبر والے دن جب کہ یہ آیت اترتی تو حضرت عمرؓ رونے لگے حضور ﷺ نے سب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم ابھی دین کی اور زیادتی کی امید میں تھے اب وہ کامل ہو گیا دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اس معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور پردیسی پن سے شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب و انجان ہو جائے گا پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا تم جو اس آیت ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ﴾ کو پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کے فضل سے مجھے علم ہے کہ یہ آیت آپ پر کس وقت اور کس دن نازل ہوئی یہ عرفہ کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے۔ تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الوداع والے عرفہ کا دن جمعہ کو تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپ نے فرمایا ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اترتی ہے عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن شام کو اترتی ہے۔ حضرت معاویہ بن

ابن سفیان سے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفہ کو بہ اترتی ہے۔ حضرت سرہ فرماتے ہیں اس وقت حضور ﷺ مہقف میں تھے۔ ہونے تھے "ابن عباس" سے مروی ہے کہ تمہارا نبی ﷺ پیر والے دن پیدا ہوئے پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینہ میں تشریف لائے یہ اثر غریب ہے۔ اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے پیر کے دن نبی ﷺ بنائے گئے۔ پیر کے دن ہجرت کے ارادہ سے مکہ سے نکلے پیر کے دن ہی مدینہ پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت ہوئے۔ حجر اسود بھی پیر کے دن رکھا گیا۔ اس میں سورہ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباس نے کہا ہو گا دو عیدوں کے دن یہ آیت اترتی تو وہ کے لئے بھی لفظ اثنیس ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنیس کہتے ہیں اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ وہ قول اس میں اور بھی مروی ہیں ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نا معلوم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ آیت تعدیر ٹھمر کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؑ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں اس کا مولا علی ہے۔ تو گویا ذی الحجہ کی اٹھارویں تاریخ ہوئی جب کہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں صحیح نہیں بالکل صحیح اور بے شک و شبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن جمعہ کو اترتی ہے۔ امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ اور اسلام کے پہلے بادشاہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سرہ بن جندبؓ سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعیبؓ حضرت قتادہؓ حضرت شہرؓ وغیرہ آئمہ اور علماء نے کہا ہے یہی مختار قول ابن جریر طبریؒ کا ہے

پھر فرماتا ہے جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کے لئے مجبور رہے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطراب کی حالت میں انہیں کام میں لا سکتا ہے۔ اللہ غفور ورحیم ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے بندے نے اس کی حد نہیں توڑی لیکن بے بسی اور اضطراب کے موقع پر اس نے یہ کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ مسند احمد میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہے اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مرا جاتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جب کہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے۔ اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ اس مسئلہ میں کہ جب بھوک کا شخص جس کے اوپر اضطراب کی حالت ہے مردار اور دوسرے کا کھانا حرام میں شکار تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھالے؟ یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کر لے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی چیز بااجازت کھالے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کر دے۔ اس میں دو قول ہیں امام شافعیؒ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطراب اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ! ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ وہاں ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی ہے۔ تو ہمارے لئے مردار کا کھالینا کب جائز ہو جاتا ہے؟ فرمایا جب صبح و شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے۔ اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخینؒ پر صحیح ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کے پاس حضرت سرہؓ کی کتاب تھی جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ صبح و شام نہ ملنا اضطراب ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تک کہ تو اپنے بچوں کو

۱۱۰ھ سے شکم میر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا ہاں نہ آجائے۔ ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے حلال حرام کا سوال کیا آپ ﷺ نے جواب دیا کہ کل پائیزہ چیزیں حلال اور کل ضعیف چیزیں حرام ہاں جب کہ ان کا محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ تو ان سے نفی نہ ہو جائے۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاج کو کسی بے جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہو جائے وہ نفی ہونا کونسا ہے جس سے مجھے اس سے رک جانا چاہئے؟ فرمایا جب کہ تو صرف رات کو اپنے بال بچوں کو دودھ سے اسودہ کر سکتا ہو تو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت نجیح عامریؓ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اس نے کہا صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ۔ آپ نے کہا یہی ہے اور کونسی بھوک ہوگی؟ پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا بھوک باقی رہتی تھی اس لئے ان پر مردار حلال کر دیا گیا۔ تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں۔ اسی کو وہ نہیں بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطراب کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو یہ قید ٹھیک نہیں واللہ اعلم۔ ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع ابن و عمیل کے آیا اور مرد میں ٹھہرا۔ کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی۔ تو اس نے ان سے کہا اگر میری اونٹنی مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی انہیں مل گئی۔ اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار ہو گئی۔ تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا ہم بھوکے رہا کرتے ہیں تو اسے ذبح کر ڈالو۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی نے کہا اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھاؤ ہم بھوکوں کے کام آجائے گا۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی نہیں کرنے کا ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اجازت دے دیں تو اور بات ہے چنانچہ حاضر ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارا پاس اور کچھ کھانے کو ہے؟ جو تمہیں کافی ہو۔ جواب دیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لیا؟ اس بزرگ صحابی نے کہا شرم معلوم ہوئی۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں بوقت اضطراب مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق پاس رکھ لینا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ حرام بوقت اضطراب اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میان نہ رکھتا ہو۔ اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ہے۔ ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ یعنی جو شخص بے قرار ہو جائے سوائے باغی اور حد سے گزرنے والے کے پس اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی کے لئے سفر کر رہا ہو اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں اس لئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ

مُكَلِّبِينَ تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ①

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کیلئے کیا کچھ حلال ہے تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ اور جن حاصل کرنے والے شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہے کہ تم انہیں قصور بہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہے۔ پس وہ شکار کو تمہارے لئے پکڑ کر روک رکھیں تم اسے کھاؤ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

شکار اور شکاری کتوں کے بارے احکام: چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ وہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں پھر ضرورت کی حالت کو خاص کر لیا جیسے فرمان ہے **وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرَرْتُمْ إِلَيْهِ** یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل وار تمہارے سامنے آچکا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ تم ان کی طرف بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں۔ سورہ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن ابی حاتم اور زید بن مہلبہل نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے امام زہری سے سوال کیا گیا کہ دو اگے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا پینا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا وہ طیبات میں داخل نہیں۔ اور تمہارے شکاری جانوروں کے ذریعے کھلیا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے۔ مثلاً سدھائے ہوئے گتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہؓ تا بعین اور آئمہ وغیرہ کا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شکاری سدھائے ہوئے گتے باز چیتے شکرے وغیرہ ہر وہ پرند جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے۔ کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کر لے ان کے ذریعے شکار کھیلنا حلال ہے۔ لیکن حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں **وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ** پڑھا ہے۔ سعید بن جبیرؓ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدی کا بھی یہ قول ابن جریر میں مروی ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھا لو ورنہ نہ کھاؤ۔ لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعے جو شکار ہو اس کا اور شکاری کتوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے اس لئے کہ وہ بھی اپنے بچوں کے ذریعے کتے کی طرح شکار کھیلتا ہے پھر ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریرؓ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم نے رسول مقبول ﷺ سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا جس جانور کو وہ تیرے لئے روگ رکھے تو اسے کھالے۔ امام احمد نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں گدھا عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ شیطان ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو "جوارح" اس لئے کہا گیا ہے کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو جیسے عرب کہتے ہیں۔ فلان جرح اہلہ خیرا یعنی فلان شخص نے اپنی اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں **فلان لا جرح له** فلان شخص کا کوئی کماؤ نہیں۔ قرآن میں بھی لفظ "جرح" کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے۔ **وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ** یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آکر آپ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش ہو رہے اس پر یہ آیت اتری۔

پس آپ ﷺ نے فرمایا جب گوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھالے۔ ابن جریر میں ہے۔ کہ جب نیل نے حضور ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دے دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے قاصد! ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتاب ہو۔ اس پر حضرت ابو رافع کو حکم دیا مدینہ کے تمام کتے مار ڈالے جائیں ابو رافع فرماتے ہیں میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا۔ ایک بڑھیا کے پاس ایک کتا تھا جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا مجھے رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو۔ میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا اب لوگوں نے آکر حضور ﷺ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت ﴿يَسْئَلُونَكَ﴾ انا نازل ہوئی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینہ کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافع آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسند پوچھنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت حاسم بن عدی، حضرت سعید بن خيثم، حضرت عویر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے۔ ﴿مکلیس﴾ کا لفظ ممکن ہے کہ ﴿علتم﴾ کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جو ارح یعنی مقتول کا حال ہو یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھا ہو وہ شکار کو اپنے بچوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی بوجھ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہو گا جیسے امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لئے فرمایا تم نے انہیں اس میں سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھا رکھا ہے یعنی جب تم چھوڑو تو جائے اور جب تم روکو تو روک جائے۔ شکار پکڑ کر تمہارے لئے روک رکھے تاکہ تم جا کر اسے لے لو اس نے خود اپنے لئے اسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو اس پر اجماع ہے اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نے کہا یا رسول اللہ! میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھا ہونے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھالے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو تب بھی یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں اور کتنا ملا ہو اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہے دوسرے کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا۔ میں نے کہا میں نوکدار لکڑی سے شکار کرتا ہوں۔ فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھالے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھا مارا ہوا ہے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کر لیا کر پھر اگر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑے رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو اسے بھی کھا سکتا ہے۔ اس لئے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اس نے کھالیا ہو تو پھر تو اسے نہ کھا مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے لئے شکار نہ پکڑا ہو۔ یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعی کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھالے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں جیسے کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

سلمان فارسی فرماتے ہیں تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ گو ایک کترا ہی باقی رہ گیا ہو تاہم کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص سے ایک اور روایت میں ہے گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ جب ﴿بسم اللہ﴾ کہہ کر تو نے اپنے

سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہو تو اسے کھالے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے حضرت عطاء اور حضرت حسن بصریؒ سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ زہریؒ اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے اسی کی طرف امام شافعیؒ اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؒ سے ابن جریرؒ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھالیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریرؒ نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمانؒ سے سنا معلوم نہیں ہو اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان فارسیؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔ یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور! میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے۔ اس نے کہا ذبح کر سکو جب بھی اور ذبح نہ کر سکو تو بھی؟ اگرچہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو۔ انہوں نے دوسرے سوال کیا کہ میں اپنے تیرے کمان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ پوچھا اگر زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیرے لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت موشیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھاپی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابو داؤد کی دوسری حدیث میں ہے کہ جب تو نے اپنے کتے کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے تو اسے بھی کھالے۔ حضرت عدیؒ نے پوچھا اگرچہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو؟ فرمایا ہاں پھر بھی۔ ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو کھالیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہیں کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھائے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی وہ گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدیؒ والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابو ثعلبہؒ والی حدیث۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں جمع بھی ہو جاتی ہیں۔ استاد ابو المعالی جوینیؒ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کہ کوئی اس میں یہ تفصیل کرے تو الحمد للہ یہ تفصیل لوگوں نے لری۔ اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام جیسا کہ حضرت عدیؒ کی حدیث میں ہے۔ اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباسؒ فرماتے ہیں کہ اگر پرند اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارا نہیں پھر آکر اس نے پر نوچے اور گوشت کھالیا تو تو کھالے۔ ابراہیم نخعیؒ، شعیب بن حماد بن ابی سلیمانؒ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی یہی کہتے ہیں۔ ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدیؒ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلنا کرتے ہیں تو کیا یہ ہمارے لئے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور شکار حاصل کرنے والے سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روگ رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام پڑھا ہو اسے تم کھاؤ۔ پھر فرمایا جس کتے کو تو نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روگ رکھے تو اسے کھا۔ میں نے کہا اسے مار ڈالو؟ فرمایا اسے مار ڈالو لیکن شرط یہ ہے کہ کھایا نہ ہو۔ میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے

بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا تم لوگ تیرے بھی شکار کیا کرتے ہیں اس میں سے کونسا حلال ہے؟ فرمایا جو تیرا زخمی کرے اور تو نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چھوڑا ہو اسے کھا لے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتلائی اور باز میں نہیں بتلائی پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا واللہ اعلم۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھاؤ جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام یاد کر لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدیؓ اور حضرت ابو ثعلبہؓ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمد وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے کتے کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت ﴿بسم اللہ﴾ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت ﴿بسم اللہ﴾ کہہ لے۔ ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت ﴿بسم اللہ﴾ پڑھنا ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابو سلمہؓ کو حضور ﷺ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے اور اپنے دلہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں جو نو مسلم ہیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں؟ آپ نے فرمایا تم خود اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور کھاؤ۔ مسند میں ہے کہ حضور ﷺ چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے جو ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ﴿بسم اللہ﴾ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو ﴿بسم اللہ﴾ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے ﴿بسم اللہ اولہ آخرہ﴾۔ یہ حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد ترمذی نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ جابر بن صحیح فرماتے ہیں کہ حضرت ثنی بن عبدالرحمن خزاعی کے ساتھ میں نے واسطہ کا سفر کیا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت تو ﴿بسم اللہ﴾ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت ﴿بسم اللہ اولہ آخرہ﴾ کہتے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے امیہ بن مخشبی کی روایت بیان کی کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو کھاتے ہوئے دیکھا کہ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی یہاں تک کہ جب وہ آخری پونچا تو بولا بسم اللہ اولہ آخرہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا واللہ شیطان اس کے ساتھ کھاتا رہا جب تک کہ اس نے بسم اللہ نہ کہہ لی پھر تو شیطان نے قے کر کے سارا کھانا اپنے پیٹ سے نکال دیا۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد)

حضرت حدیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے جو ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اسے کوئی دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا کہ جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اس اعرابی کے ساتھ آیا تو میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ (مسلم ابوداؤد نسائی) مسلم ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانوں! نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھانا کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص

نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ
لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْبُؤْمَانِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ
قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي
أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ
الْخَسِرِينَ ۝

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لئے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ زنا کاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں۔ اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم: حلال و حرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ابو امامہؓ مجاہدؓ سعید بن جبیرؓ عکرمہؓ عطاءؓ حسنؓ مکحولؓ ابراہیم نخعیؓ سدییؓ مقاتل بن حیانؓ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناروا سمجھتے ہیں اور ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یلمس اور سراسر باطل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے لے لینی جائز ہیں۔ اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہاء نے مالکیوں پر اپنی یہ سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے دیکھو چربی کو یہودی حرام جانتے تھے لیکن مسلمان اسے لے رہا ہے لیکن یہ ہے ایک شخص واقعہ ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور ﷺ کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلودہ کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور ﷺ شانے کا گوشت پسند فرماتے

میں چنانچہ آپ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری تعالیٰ سے اس شانے نے کہا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے آپ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ بھی گیا۔ آپ کے ساتھ حضرت بشر بن براء ابن معرورؓ بھی تھے جو اسی کے اثر سے رانی بقاء ہوئے جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو قتل کیا گیا۔ جس کا نام زینب تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چیز کو تم حرام جانتے ہو اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی۔ حضرت مکحولؓ فرماتے ہیں کہ جس چیز پر نام رب تعالیٰ نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کرنے سے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر اسے منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام اللہ نہ لیا جائے وہ حلال ہو وہ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے لیکن مشرک جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ وہ جانور بھی کھالیتے تھے۔ بخلاف اہل کتاب کے۔ اسی طرح سامرہ اور صاب اور ابراہیم و شیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدنی جیسے کہ علماء کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب و تنوخ بہرا اجذام الخم عاملہ اور ان جیسے اور کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ اس لئے کہ انہوں نے نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیبؓ اور حسنؓ بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کو کھالینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی تو ان سے گویا یہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ سے ملا دیا گیا ہے اور ان کا تابع کر دیا ہے لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کئے ہوئے جانور کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے اس کے خلاف ہیں جب انہوں نے یہ قول کہا اور لوگوں میں اسکی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبلؓ نے تو فرمایا کہ ابو ثور نے اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ۔ ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ کہا ہو گا جس میں ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا طریقہ برتو لیکن اولا تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں۔ دوسرے یہ روایت مرسل ہے ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ ﷺ نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابو ثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی بدلیل اس آیت کے مفہوم مخالف کے اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنے ذبیحے کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو اسے وہ کھا سکتے ہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو لیکن زیادہ ظاہر بات یہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنے ذبیحے کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھالیتے ہو یہ گویا اول بدل کے طور پر ہے جس طرح کہ حضور ﷺ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول منافع کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے اس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کو اپنا کرتا دیا تھا جب کہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ کر دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پیڑگاروں کے اور لوٹے کھانے سے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور احتیاب اور انصاف کے ہو، واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے یہ بطور تمہید ہے اسی لئے

اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان میں سے عقیقہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہد کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہد کے الفاظ یہ ہیں کہ محصنات سے حرام مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ پاک و امن عفت شعار۔ جیسے کہ انہیں سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ٹھیک ہے تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عقیقہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر اور برے پیمانے کے طور پر نہ ہو جائے۔ پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد یہاں عفت مآب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جاسکتی ہیں جیسے کہ دوسری آیت میں۔ ﴿مُحْصَنَاتٌ﴾ کے ساتھ ﴿غَيْرُ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ آیا ہے علماء اور مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عقیقہ عورت کو شامل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریر نے سلف کی ایک جماعت سے اس کو نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک و امن ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے مراد اسرائیلی عورتیں ہیں۔ شافعی کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے ﴿فَاتْلُوا الدِّينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ یعنی ان سے لڑو جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے بڑا شرک کیا ہو گا کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰ علیہ السلام ہے اور جب یہ مشرک تھے تو انہیں قرآنی میں موجود ہے۔ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ﴾ یعنی مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ابن حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاک و امن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت میں نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے اور صحابہ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر ثابت کرتے ہیں۔ تو گویا پہلے سورہ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا یہ اس وقت جب مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارضہ نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں تمام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے کہ آیت ﴿لَمْ يَكُنِ الدِّينَ كُفْرًا﴾ اور ﴿قُلْ لِلدِّينِ أَوْتُو الْكُتُبَ وَالْأَمِينَ﴾ پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ عامر شعمیؓ ابراہیم نخعیؓ اور حسن بصریؓ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح

کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلوا دیا جائے گا (ابن جریر)

پھر فرماتا ہے کہ تم بھی پاک و امن عفت مآب رہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک و امن اور عقیقہ ہونے کی شرط لگائی تھی مردوں میں بھی یہی لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورہ نساء میں بھی اسی کے برابر گزر چکا ہے۔ حضرت امام احمدؒ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیک کار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک کہ وہ پکی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آجائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ گورب لکایا جو ازانی اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ

نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک و امن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کی کہ اب امیر المؤمنین! شرک اس سے بہت بڑا ہے اس کے باوجود بھی مشرک کی توبہ قبول ہے اس مسئلہ کو ہم آیت ﴿الزالی لا ینکح الا زالیٰ او مشرک﴾ کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کفار کے ائمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۶﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ و صولیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لیا کرو۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لیا کرو یا اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک منی سے تیمم کر لیا کرو اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈال نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

وضو اور مسح کے احکام پر تفصیلی بحث اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ حکم وضو اس وقت ہے جب کہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو ہو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو با وضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے فتح مکہ والے دن آپ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اس ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج آپ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصد ایہ کیا ہے۔ ان ماجد وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو تازہ کر لیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشر نے سوال کیا کہ کیا آپ سے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا ان سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب نے کہا ہے ان سے

حضرت عبد اللہ بن حظلہ نے جو فرشتوں کے نسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں کہ وضو باقی ہو تو بھی لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لئے تازہ وضو ضروری ہے اسے سامنے رکھ کر حضرت عبد اللہ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخر دم تک آپ کا یہی حال رہا رضی اللہ عنہ ورضو عنہ۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حدیثاً کہا ہے اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا ہے۔ ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں، واللہ اعلم۔ حضرت عبد اللہ کے اس فعل اور اس پر بیشکی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ و جہد ہر نماز کے لئے وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرمادیتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ظہر کی نماز ادا کی پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پیر اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو ہے وضو نہ ہو اہو۔ ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے ابو داؤد طیالسی میں حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے کہ وضو ٹوٹنے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے اولاً تو یہ قول سنداً بہت فریب ہے دوسرے یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے۔ بخاری و سنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری نے حضرت انس سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں ابن جریر میں حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں یہ بھی روایت ہے اور امام ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے یہ فرمان اس لئے ہے کہ حضور ﷺ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کر لیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف و غریب روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب پیشاب کا ارادہ کرتے ہم آپ سے بولتے لیکن آپ ﷺ جواب نہ دیتے ہم سلام علیک کرتے پھر بھی آپ جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں فرمایا وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذی اسے حسن بتلاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے کچھ نماز تھوڑی ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے مطلب کلام شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کر لیا کرو جیسے عرب میں کہا جاتا ہے کہ جب تو امیر کو دیکھے تو کھڑا ہو جا۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس شخص کا وضو ہی نہیں ہے جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے۔ (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں واللہ اعلم۔) (مترجم) یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آئی ہے۔ بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھونے سے اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں۔

منہ کی حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کے اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے ڈاڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے۔ اور چوڑائی میں ایک سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کے پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے خم میں ہے۔ یا منہ کے؟ اور ڈاڑھی کے نکلنے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو ڈاڑھی ڈھانپنے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دے یہ بھی منہ میں شامل ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ عرب کا محاورہ بھی یہی ہے۔ کہ جب بچہ کی ڈاڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طلع و جھہ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں ڈاڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجہ میں داخل ہے۔ ڈاڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس میں خلال کرنا مستحب ہے۔ حضرت عثمان کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ ڈاڑھی کا خلال کیا پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کھتے ہوئے دیکھا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ ترمذی وغیرہ اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی حسن بتلاتے ہیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی ڈاڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمر، حسن بن علی، نخعی اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ سحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ جب وضو کرنے بیٹھتے کھلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ آئمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد اور امام مالک مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل سنن کی وہ حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضور ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب ہے اور وضو میں نہیں۔ ایک روایت امام احمد سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور نکلی کرنا مستحب، کیونکہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ہے جو وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈالے اور روایت میں ہے کہ تم میں سے جو وضو کرے وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح۔ مسند احمد اور بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا ایک چلو پانی لے کر نکلی کی اور ناک صاف کیا پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اس سے بائیں ہاتھ دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا پھر ایک چلو سے بائیں پاؤں دھویا پھر فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ ﴿إِلَى الْمَرِافِقِ﴾ سے ﴿مَعَ الْمَرِافِقِ﴾ ہے جیسے فرمان ہے ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ الٰی أَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُرٰیماً كَبِیْرًا﴾ یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کر یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے تو ہاتھوں کو ہتھیلوں تک نہیں بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہئے۔ دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے لیکن اس کے دور اویوں میں کلام ہے واللہ اعلم۔ وضو کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے بازو کو بھی وضو میں دھولے کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے اعضاء سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے۔ صحیح مسلم میں ہے مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔ ﴿بِرُوۡءَاۡءِ وَاَسۡكُمۡ﴾ میں جو "ب" ہے اس کا الصاق یعنی ملا دینے کے لئے ہونا تو زیادہ ظاہر ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا تامل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لیے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ حضرت عبداللہ بن زید بن ماسم صحابی سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں

بتلائے آپ نے پانی منگوا لیا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دفعہ دھوئے پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے پھر وہاں سے سینے تک واپس لائے پھر اپنے دونوں پیرہ ہوئے (بخاری و مسلم) حضرت علیؑ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابو داؤد میں حضرت معاویہؓ اور حضرت مقدادؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے۔ جو آیت کو جمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کا بیان جانتے ہیں۔ حنفیوں کا خیال ہے کہ چھو تھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے اس کی کوئی حد نہیں سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ والی حدیث ہے کہ نبی ﷺ پیچھے رو گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ جب آپ قضاء حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا میں لوٹا لے آیا آپ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا پھر کلائیوں پر سے کپڑا ہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمدؒ اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپ ﷺ صافے پر اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کرے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعیؒ کا مذہب اول ہے اور امام احمدؒ اور ان کے تابعین کا دوم۔ ولائکل یہ ہیں حضرت عثمان بن عفانؓ وضو کرنے بیٹھتے ہیں اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی ڈالتے ہیں پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں پھر تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں پہلے دایاں پھر بائیں پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بائیں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا اور وضو کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہے کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علیؑ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انہوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا میں نے حضور ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے لیکن حضرت عثمانؓ سے جو احادیث صحاح میں مروی ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

﴿ اَرْحَلْكُمْ ﴾ لام کے زبر سے عطف ہے۔ ﴿ وَجُوهَكُمْ وَآيِدِيكُمْ ﴾ پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباسؓ یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عروہؓ حضرت عطاءؓ حضرت مکرّمہؓ حضرت حسنؓ حضرت مجاہدؓ حضرت ابراہیمؓ حضرت ضحاکؓ حضرت سدّیؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ حضرت زہریؓ حضرت ابراہیم تیمیؓ وغیرہ کا یہی قول ہے اور یہی قرأت ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں یہی فرمان سلف کا ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے صرف حضرت ابو حنیفہؒ اس کے خلاف ہیں وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے

پیروں کو دھونے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واو کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیے ہیں ایک تو یہ کہ "ف" ترتیب پر دلالت کرتی ہے آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم فَاغْسِلُوا سے ہوتا ہے۔ تو کم از کم منہ کا اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا۔ اب اس کے بعد کے اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے جس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جب کہ "ف" جو تعقیب کے لیے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسرے کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں ہیں یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سر سے سے ترتیب کے منکر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واو ترتیب پر دلالت نہیں کرتا اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحو یوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت ترتیب پر نہ بھی ہوتا ہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے تو آپ آیت ان الصفا والمرؤۃ من شعائر اللہ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے بیان فرمادیا۔ چنانچہ صفا سے سعی شروع کی نساہی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہوا سے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو کرنا واجب ہے پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جو ابابکھتی ہیں کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کا حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا صاف دلیل ہے اس امر کی کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا۔ ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابو داؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے حضور ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ اب دو صورتیں ہیں یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی۔ اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں تقدیم تاخیر ہو اور صحیح طور پر "ترتیب نہ ہو وہ نماز نامقبول لہذا ترتیب واجب و فرض ہے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ اڑنک بڑنک تھا پھر دھولے پھر کلی کر لی پھر مسح کر لیا پھر منہ دھویا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے آیت کے اس جملے کی ایک قرأت اور بھی ہے۔ ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ لام کے زیر سے اور اسی سے شعیب نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے بعض سلف سے بھی کچھ اسے اقوال مروی ہیں۔ جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انسؓ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجان نے ابوازی میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا ہے کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے پس تلووں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انسؓ نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے اور حجان جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ۔ اور حضرت انسؓ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے انہیں بالکل بھگولیا کرتے۔ آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ہاں حضور ﷺ کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا ہے۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر علقمہ ابو جعفر محمد بن علی اور ایک روایت

میں حضرت حسنؓ اور جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت کرمؓ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں کے مسح کا حکم تھا تیمم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامر سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا جبرئیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے یاد رہے کہ زہر کی قرات یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے۔ جیسے عرب کا کلام ﴿جحر صب خرب﴾ میں اور اللہ تعالیٰ کے کلام ﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٌ خُضْرٌ وَاسْتَرْقُوا﴾ میں۔ لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یا اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جراثیم ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد مسح سے ہلکا دھونا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہو گا آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ نبیؐ میں ہے حضرت علی بن ابوطالب ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے اور عصر تک لوگوں کے کام کاج میں مشغول رہے پانی منگوا لیا اور ایک چلو سے منہ کا اور دونوں ہاتھوں کا سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہو (بخاری) شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطاکار ہیں جو مسح اور دھونے دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریر کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بناء پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بناء پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں۔ تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین منی وغیرہ سے سنتے رہتے ہیں تو ان کا دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لئے مسح کا لفظ وہ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو یہ شبہ سا ہو گیا۔ اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل کے درمیان اس طرح جمع کر دی ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے مکرر غور فکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ عیاں ہو گیا ہے۔ کہ امام صاحب دونوں قراءتوں میں جمع کرنا تلاش کر رہے ہیں پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں ”دلک“ پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زیر کی قراءت تو غسل پر یعنی دھونے پر ہے ہی پس وہ دھونے کو اور ملنے کو دونوں کو واجب کہتے ہیں تاکہ زیر اور زبرد دونوں کی قراءتوں پر ایک ساتھ عمل ہو جائے۔ اب ان احادیث کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان ”امیر المؤمنین حضرت علی بن ابوطالب“ حضرت ابن عباس ”حضرت معاویہ“ حضرت عبداللہ بن زید بن حاصم ”حضرت مقداد بن معدیکرب“ کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضور ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا ایک بار یا دو بار یا تین بار ”عمر بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیروں کو دھویا پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ بخاری، مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ ہم سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کرتے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت دیر ہوئی ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھو اچھوٹی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو

کو کامل اور پورا کروا دیوں کو خرابی ہے آگے سے۔ ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے اور تلوؤں کے لئے آگے سے بہتی
 وحام) اور روایت میں ہے کُنُون کو ویل ہے آگے سے (مسند احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم کے برابر جگہ ب دھلی دیکھ کر حضور
 ﷺ نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کے لئے آگے سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جناب ایڑیوں
 پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا ان ایڑیوں کو آگے سے خرابی ہوگی۔ مسند احمد میں بھی حضور ﷺ سے
 یہ الفاظ وارد ہیں ابن جریر میں دوسرے حضور ﷺ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں پھر تو مسجد میں ایک
 بھی شریف وضع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو معزز موز کرتا دیکھتا ہو اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے
 دیکھا جس کی ایڑی یا گتھے میں بقدر ایک درہم کے جگہ خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ بھی کسی سے پیر کی
 خشک رہ جاتی ہے تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا ہونا فرض ہے اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا
 سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ وعید اور وہ بھی آگے جہنم کی وعید سے نہ ڈراتے اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر
 ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں لہذا پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوگی جو جرابوں پر مسح کرنے کی ہے یہی چیز امام ابن جریر نے شعیوں
 کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے
 ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے
 کہ ایک نمازی کو آپ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمان
 سے حضور ﷺ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سنن میں ہے حضرت
 صبرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وضو کامل اور اچھا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک
 میں پانی اچھی طرح دو ہاں روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند و مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں یا
 رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص وضو کا پانی لے کر کھلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے تو اس کے منہ
 سے نختوں سے پانی کے ساتھ ہی خطا میں جھڑ جاتی ہیں جب کہ وہ ناک جھارتا ہے پھر جب وہ منہ دھو تا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس
 کے منہ کی خطا میں ڈاڑھی اور ڈاڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو لہنیوں سمیت
 دھو تا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطا میں اس کے بالوں
 کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے پاؤں نختوں سمیت مطابق حکم ربانی دھو تا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے
 ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثنا ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز
 جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ آج تولد ہو ہو۔ یہ سن کر حضرت ابو امامہؓ نے حضرت عمرو بن
 عبسہؓ سے کہا خوب غور کر لیجئے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں رسول اللہ ﷺ سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان
 حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ ابو امامہ! میں بوڑھا ہو گیا ہوں میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں میری موت قریب
 آچکی ہے مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولوں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں تین دفعہ نہیں میں نے اسے
 حضور ﷺ کی زبانی سات بار بلکہ اس بھی زیادہ بار سنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری سند و ان حدیث میں ہے
 پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھو تا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن کا حکم پیروں کے دھونے کا
 ہے۔ ابواحق سمیع نے حضرت علیؓ سے بواسطہ حضرت حارثؓ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا دونوں پیر نختوں سمیت دھو لیجئے کہ
 تم حکم کئے گئے ہو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونوں قدم

جوتی میں ہی بھگو لئے اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہا کا دھونا ہے اور چپل جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر عمل سکتا ہے۔ غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے البتہ اس سے دوسری اور وہی لوگوں کا رد ہوتا ہے جو حد سے گزر جاتے ہیں اسی طرح وہ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قوم کے کوزا ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کر لیا۔ لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اور ان میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا اور ان میں اس طرح جمع بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ ﷺ نے مسح کر لیا یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے۔ مسند احمد میں اوس بن ابو اوس ^{رضی} سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے اس میں آپ ﷺ کا کوزے پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے امام ابن جریر اسے لائے ہیں پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول ہے اس پر کہ اس وقت آپ ﷺ کا پہلا وضو تھا (یا محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔ مترجم) بھلا کوئی مسلمان اسے کیسے قبول کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فریضے میں اور پیغمبر کی سنت میں تعارض ہو اللہ تعالیٰ کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں۔ پس حضور ﷺ کے دوائی فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے جس کے کانوں تک یہ دلائل پہنچ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو گئی چونکہ زبر کی قرأت سے پیروں کا دھونا اور زبر کی قرأت کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے اس لئے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کے مسح کا حکم منسوخ ہے۔ گو ایک روایت حضرت علی ^{رضی} سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کا خلاف ثابت ہے۔ اور جن کا بھی یہ قول ہے ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت جریر بن عبد اللہ ^{رضی} کا قول ہے کہ سورہ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے پیغمبر اللہ ﷺ کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جریر ^{رضی} نے پیشاب کیا پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیم ^{رضی} فرماتے ہیں لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی۔ اس لئے کہ حضرت جریر کا اسلام ہی سورہ مائدہ کے نازل ہوا چکنے کے بعد کا تھا احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تو اتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے اب مسح کی مدت وغیرہ۔ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ رافضیوں نے اس میں بھی خلاف کیا ہے اور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں صرف جہالت اور ضلالت ہے۔ خود حضرت علی ^{رضی} کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ حدیث ثابت ہے لیکن روافض اسے نہیں مانتے جیسے کہ حضرت علی ^{رضی} کی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح یہ آئے کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضور ﷺ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں اللہ الحمد۔ اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا کعبین کے بارے میں بھی خلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر قدم کی پشت پر ایک ٹخنہ ہے پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں۔ وہ کعبین ہیں۔ امام شافعی کا فرمان ہے کہ جن کعبین کا یہاں ذکر ہے یہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں ایک ہی قدم میں کعبین ہیں لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان ^{رضی} نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کعبین سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داؤد میں ہے

کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو تم میں باریہ فرما کر فرمایا قسم اللہ تعالیٰ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی حدیث فرماتے ہیں پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے نخنے اور گھنٹے سے گھنٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔ اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کعبین اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ یہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمہ پر ہیں اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تمیخی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کئے گئے تھے انہیں میں نے دیکھا تو ان کا نخنہ قدم کی پشت پر پایا یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق کا اور کتمان حق کا بدلہ دیا گیا۔

اس کے بعد تیمم کی صورتیں اور تیمم کا طریقہ بیان ہوا ہے اس کی پوری تفسیر سورہ نساء میں گزر چکی ہے لہذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے لیکن امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری نے اس آیت کے متعلق خاصہ ایک حدیث وارد کی ہے اسے سن لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امام المؤمنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا بار بیداء میں گر پڑا جم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے حضور ﷺ نے اپنی سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے اتنے میں میرے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے بار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے کچھ کے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن اس خیال سے کہ حضور ﷺ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو میں ہلی جلی نہیں۔ حضور ﷺ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیر کہنے لگے اے آل ابو بکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے تم ان کے لئے سر تپا برکت ہو۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا اسی لئے اپنے دین کو سہل آسان اور ہلکا کر رہا ہے۔ بوجھل سخت اور مشکل نہیں بناتا حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے۔ باقی احکام احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاس صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اس کی شکر گزاری کرو اس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ایک دعا تعلیم فرمائی جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔ مسند سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے میں اپنی باری والی رات مشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں میں جب پہنچ گیا اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اس کیلئے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا وادوا یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضور ﷺ نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ آپ مجھ سے فرمانے لگے تم ابھی آئے ہو تمہارے آنے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ اور روایت میں ہے کہ جب ایمان اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے۔ اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ پانی سے آخری قطرے کے ساتھ جھپٹ جاتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں دھل کر وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ جو شخص وضو کرے وہ اپنے ہاتھوں یا بازوؤں کو جب دھوتا ہے ان سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے کپڑے کا

وہو نانا کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اسکے کانوں سے آنکھوں سے ہاتھوں سے پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے وضو آدھا ایمان ہے۔ الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا پہن جاتا ہے قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے تئیں آزاد کر لیتا ہے یا بلاک کر گزارتا ہے اور حدیث میں ہے کہ مال حرام کا صدقہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے۔ (صحیح مسلم) یہ روایت ابو داؤد طیالسی، مسند احمد، ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۗ وَعَدِلُوا إِنَّهُ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ ۖ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم لہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیزگاری سے متصل ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بہت باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جب کہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لینا چاہیے۔

عدل و انصاف اور اللہ کی نعمت یاد کرو: اس دین عظیم اور اس رسول کریم ﷺ کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے اسے یاد لارہا ہے۔ اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی انہیں ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تابعداری اور امداد کرنے دین پر قائم رہنے سے قبول کر لینے سے دوسروں تک پہنچانے کا کیا ہے۔ اسلام لانے کے وقت انہیں چیزوں کا ہر مومن

اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنتے رہیں گے اور ملتے رہیں گے۔ خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو بھی نہیں گے نہیں۔ باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تمہیں رب تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور انہوں نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے اگر تمہیں یقین ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم سے حضور ﷺ کی تابعداری کے قول و قرار ہو چکے ہیں پھر آپ ﷺ کو نہ ماننے کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پینٹھ سے نکال کر جو عہد اللہ رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا اسے یاد دلایا جا رہا ہے جو فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا ہاں ہم اس پر گواہ ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ سہمی اور ابن عباسؓ سے وہی مروی ہے اور امام ابن جریر نے بھی اسی کو مختار بتلایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو خوف رب تعالیٰ رکھنا چاہیے دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔

ایمان والو! لوگو! کے دکھانے کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔ بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا میری ماں عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے کی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنا لو۔ میرے باپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے واقعہ بیان کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی بقیہ اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی اولاد میں عدل کیا کرو جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا۔ پھر فرمایا دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آکر عدل سے نہ ہٹ جانا دوست ہو یا دشمن ہو تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے۔ ہو کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں اور کلام عرب میں بھی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَإِنْ قَبْلَ لَكُمْ أَرْحَمُوا فَارْحَمُوا وَأَزْكُوا لَكُمْ﴾ یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ یہی تمہارے لئے زیادہ پائیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ﴿هُوَ﴾ کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا۔ اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر ﴿أَقْرَبُ أَفْعَلِ التَّفْصِيلِ﴾ کا صیغہ ایسے موقع پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں جیسے اس آیت میں ہے۔ ﴿أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُسْتَقْرَرًا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا﴾ اور جیسے کسی صحابیہؓ کا حضرت عمرؓ سے کہنا کہ ﴿أَنْتَ أَفْظُ وَأَعْلَطُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے خیر و شر کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وہ ایمان والوں نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل ربانی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف و ستائش اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس کا فضل و رحم ہے۔ حکمت و عدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے۔ چنانچہ یونہی ہو گا۔

پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک منزل میں اتارے لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے۔ آپ نے اپنے اٹھیا راتار کو ایک درخت پر لگا دینے۔ ایک اعرابی نے آکر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرتؐ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے کچھ گون چا سکتا ہے؟ آپ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ۔ اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا تیسری مرتبہ کہ جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اب آپ نے صحابہ کو آواز دی اور جب وہ آگئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اعرابی اس وقت بھی موجود تھا۔ لیکن آپ نے اس

سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ قادمہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضور ﷺ کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا، فالحمد للہ۔ اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں غورث ابن حارث آیا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو قتل کرنے کے ارادے سے زہر ملا کھانا پکا کر دعوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر دیا۔ اور آپ بچ رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔ ابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکنی کاپات قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جب آپ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شہریروں نے عمرو بن حجاج بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم تو حضور ﷺ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان کی شرارت و خباثت سے آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ مع اپنے صحابہ کے وہیں سے پلٹ گئے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے، گفایت کرنے والا حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ بحکم رب تعالیٰ بنو نضیر کی طرف مع لشکر کے گئے محاصرہ کیا کچھ مارتے گئے اور باقی کو جلا وطن کر دیا۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْلِيَاءَكُمْ فَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمانہ لیا۔ اور انہیں میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم تمہارا قائم کو رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرعہ دیتے رہو گے۔ تو یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور رکھوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہ رہے ہیں۔

اب جو اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا ہے۔ پھر انکی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور انکے دل سخت کر دیے کہ کلام کو اس جگہ سے بدالتے ہیں جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی۔ ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں پس تو انہیں معاف کرنا چاہا اور درگزر کرتا رہے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو اپنے تئیں نصیحتی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی اور جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں سب جتاوے گا۔

عہد شکنی اور بارہ سرداروں کی وضاحت اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفا داری کا حق پر مستقیم رہنے کا عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا ساتھ ہی اپنی ظاہر و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا تو اب ان آیتوں میں سے ان سے پہلے کے اہل کتاب سے عہد و میثاق جو لیا تھا۔ اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے۔ پھر جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ روہیل قبیلے کا سردار شامون بن رگون تھا۔ اور شمعونیوں کا چودھری شافاط بن حرمی۔ اور یہوذا کا کالب بن یوفنا اور امین کا میخائیل بن یوسف۔ اور افرایم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چودھری فلتظم بن دفون اور زبولون کا جدی بن شوری اور منشا کا جدی بن موسیٰ اور دان کا خملائیل بن حمل اور اشعار کا ساطور۔ نشالی کا بحر اور یسناخر کا لابل۔ توراہ کے چوتھے جزء میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں اللہ اعلم۔ موجودہ توراہ کے نام یہ ہیں۔ بنو روہیل پر یصوہر بن ساوون۔ بنی شمعون پر شموال بن صورشکی۔ بنو یہوذا پر حشون ابن عمیاء اب۔ بنو یسناخر پر شمال بن صاعون۔ بنو زبولون پر الیاب بن حالوب۔ بنو افرایم پر منشا بن عمشہور۔ بنو منشا پر حملیاکل۔ بنو بنیامین پر ابیدن۔ بنو دان پر بعیدر۔ بنو اشعار پر نحایل۔ بنو کان پر سیف بن دعوانیل۔ بنو نفتالی پر اخیرع۔ یہ بارہ رہے کہ لیلۃ العقہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیت کی اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اس کے حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعد بن خیشم، اور حضرت رفاہ بن عبد المنذر۔ بعض روایتوں میں ان کی بجائے حضرت ابوالبیہثم بن تیبان کا نام ہے اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے ابو امامہ اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبد اللہ بن رواحہ، رافع بن مالک بن عجلان، براہ بن معرور، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن عمرو بن حرام، منذر بن عمر بن حیش، انہیں سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے ملنے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (حضرت) عبد اللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے آپ ﷺ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بھی پوچھا ہے۔ کہ اس امت کے کتنے خلیفے ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا ہم نے حضور ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا بارہ ہوں گے۔ جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نبیوں کی تھی۔ یہ روایت سند افریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری و مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ جابر بن سمیرہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے لوگوں کا کام چتارتے گا جب تک کہ ان کے والی بارہ شخص نہ بولیں پھر ایک لفظ حضور ﷺ نے فرمایا لیکن میں نہ سن۔ کا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے اب کون سا لفظ فرمایا انہوں نے جواب دیا کہ وہ سب قریش ہوں گے۔ صحیح مسلم میں یہی لفظ ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ

صالح نیک بخت ہوں گے جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں پس چار خلفاء تو پے در پے ہوئے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، جن کی خلافت بطریق نبوت رہی انہیں بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے اور انہی میں سے حضرت امام مہدی ہیں جن کی بشارت احادیث میں آچکی ہے ان کا نام حضور ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور ﷺ کے والد کا ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پر ہوگی۔ لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں۔ اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں۔ نہ سر سے اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے۔ نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے آئمہ مراد ہیں۔ اس حدیث کو ان آئمہ پر معمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔ توراہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں بارہ بڑے شخص ہوں گے۔ اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے اور تھے وہ اپنے اسلام میں کچے ساتھ ہی جاہل بھی تھے انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صورت پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں اور نہ احادیث اس کے صاف خلاف موجود ہیں۔

اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں زکوٰۃ دیتے رہیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تصدیق کریں ان کی نصرت و اعانت کریں اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ اور یہ جنتیوں میں داخل کئے جائیں گے۔ مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔ لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد بھی پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے۔ بھٹک اور بہک جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا وعدہ خلافی کی تو ان پر لعنت رب تعالیٰ نازل ہوئی۔ ہدایت سے دور ہو گئے دل کے سخت ہو گئے و عطا و پند سے مستفید نہ ہو سکے سمجھ بگڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے باطل تاویلیں گھڑنے لگے جو مراد حقیقی تھی اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور ہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر وہ وہ مسائل بیان کرنے لگے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے نہ تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی اور اس سے بے مثل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ دل ٹھیک رہے نہ فطرت اچھی رہی نہ خلوص و اخلاص رہا حداری اور مکاری اپنا شیوہ بنا لیا انت نئے جال نبی ﷺ اور اصحاب نبی ﷺ کے خلاف بنتے رہے۔ پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجئے یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے جیسے حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف کرے تو اس سے حکم اللہ کی بجا آوری کے ماتحت کراس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھج آئیں ہدایت نصیب ہو جائے۔ اور حق کی طرف آجائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان نصرائیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا یہ اس پر ایمان لائیں گے۔ اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بد عہدی کی جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت و اُل دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر ملعون کہتے ہیں۔ اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے۔ ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقہ کو عقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام فرقے۔ انہیں ان کے اعمال

کی پوری تنبیہ عنقریب ہوگی۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذمے آہستہ آہستہ لگائی ہیں اس کی پیروی اور اولاد قائم کی ہے یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد و احد فرد و صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ
 مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
 يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى
 النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ١٧

اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آپکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے۔ اور اکثر درگزر کرتا رہتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔

اہل کتاب کی علمی بددیانتی: فرماتا ہے کہ رب العالی نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے، معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں۔ جو باتیں یہود و نصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں۔ تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بہتان باندھے تھے کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے انہیں چھپا لیتے تھے ان سب کو یہ رسول ظاہر کرتے ہیں ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو یہ بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا اس نے بے علمی سے قرآن سے انکار کیا۔ چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریم ﷺ پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے جو پائے حق کو سلامتی کی راہ بتلاتی ہے لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راستہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے انعاموں کو حاصل کر لیں اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا باطل آسان ہو گیا ہے۔ یہ ضلالت کو مٹانے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ
 شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
 وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ ١٨ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
 بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۵﴾

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بے شک مسیح ابن مریم اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور انکی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو بلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ام اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ تو کہہ دے کہ پھر تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو وہ جسے چاہتا ہے۔ بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کو اللہ کہنے والے کافر ہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ کا درجہ دے رکھا ہے اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقبور ہیں ہر چیز پر اسکی حکومت اور ملکیت ہے کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے۔ وہ اگر مسیح علیہ السلام کو ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آگے آئے اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے جو چاہے کر گزرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے وہ عامل و غالب ہے جسے جس طرح چاہتا ہے بنانا تا بگاڑتا ہے اس کی قدرتوں کی کوئی انتہاء نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لاڈلے فرزند ہیں اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو کہا ہے ﴿اَنْتَ ابْنِيْ بَكْرِيْ﴾ پھر تاویل میں کہ مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے ہیں۔ کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے ہوئے اور عزیز ہوئے۔ حالانکہ خود ان ہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے نہ کہ قرابت و ارنی۔ اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنِّيْ ذٰهَبٌ اِلَىٰ اَبِيْ وَاَيْتِيْكُمْ﴾ اس سے مراد بھی۔ گا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بھی آتا تھا پس مطلب اس کا یہ ہے کہ اپنے اور تمہارے رب کی طرف چارہا ہوں۔ اور یہ اس سے اور ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے جو نسبت دیتے ہیں اس نسبت پر اپنے تئیں نہیں سمجھتے پس یہ لفظ عزت و وقعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب بہتان و افتراء پر اللہ تعالیٰ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب نہ پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی۔ یہ قول نہایت عمدہ ہے اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول ﷺ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گزر رہے تھے ایک چھوٹا سا بچہ راہ میں کھیل رہا تھا۔ اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ پر آرہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندن میں نہ آجائے۔ میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھالیا۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضور ﷺ ایہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا۔ یہودیوں کے جواب میں

فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے۔ وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ اس کے کسی بھی حکم کو کوئی راہ نہیں کر سکتا وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملک ہے اس کے دباؤ میں ہے۔ اس کی بادشاہت تلے ہے سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے وہی بندوں کے فیصلے کرے گا وہ ظالم نہیں عادل ہے۔ نیکیوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا۔ نعمان بن آصاح بن عمرو اور شام بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے حضور ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا بجھایا آخر میں عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے 'حضرت! آپ ہمیں کیا ڈرارہے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے بچے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔ یہی نصرانی بھی کہتے تھے پس یہ آیت اتری۔ ان لوگوں نے یہ ایک بات بھی گھڑ کر اپنے آپس میں مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل کی طرف وحی نازل فرمائی ہے کہ تیرا پہلو ننھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھاجائے گی۔ پھر ایک فرشتہ منادی کریگا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں وہ نکل آئیں یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ أَنْ تَقُولُوا لَوْ مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝١٩

اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آپہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آپہنچا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت محمدؐ خاتم النبیین ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں یہ سب کے بعد کے ہیں۔ دیکھ لو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا۔ فترہ کی اس لمبی مدت کے بعد رسول آئے بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی کوئی کہتا ہے چار سو سے کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے چھ سو سال کا۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول کسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے اہل کہف کے قصے میں ہے۔ **وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا** وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کئے۔ پس کسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی وہ تین سو سال کی تھی نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا۔ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم النبیین تھے فترہ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ

فرماتے ہیں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور سب لوگوں کے زیادہ اولی ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گزرے ہیں جن کا نام خالد بن سنان تھا جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے حکایت کی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء اللہ کے حبیب ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے ہیں جب کہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں دنیا توحید کو بھلا چکی ہے۔ جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے۔ سورج چاند بت آگ پوجی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ کا دین بدل چکا ہے۔ کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے۔ عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے جہالت و غباوت کا دور دورہ ہے بجز چند نفوس کے اللہ تعالیٰ کا نام لیا زمین پر نہیں رہا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی جلالت و عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور آپ نے جو اللہ کی رسالت ادا کی وہ کوئی معمولی رسالت نہ تھی ﷺ۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں فرمایا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں اپنے سب بندوں کو موحّد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا۔ بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کر لوں میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے۔ پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں قریشیوں میں پیغام رب تعالیٰ پہنچاؤں میں نے کہا اے اللہ یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنادیں گے۔ پروردگار نے فرمایا تو انہیں نکال جیسے انہوں نے تجھے نکالا تو ان سے جہاد کر تیری امداد کی جائیگی تو ان پر خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا تو ان کے مقابلہ پر لشکر بھیج ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں۔ بادشاہ عادل توفیق خیر والا صدقہ خیرات کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا حالانکہ صاحب عیال بھی ہے۔ اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں وہ سفلے لوگ جو بے دین خوشامد خورے اور ماتحت ہیں جن کے آل اولاد و حسن دولت نہیں اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح و شام لوگوں کو ان کے اہل و مال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل یا فرمایا کذاب اور شظیر یعنی بدگو۔

یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن و ظاہر شریعت عطا فرمائی اس لئے کہ لوگوں کا عذر کٹ جائے انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا ہمیں نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا نہ ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر ﷺ کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے بھیج دیا وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ ادْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ
وَجَعَلَ لَكُمْ مُلُوكًا ۖ وَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ ﴿٥٠﴾ يَقَوْمِ ادْخُلُوا

الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا
 خَسِرِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا يَمُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنَدْخُلُهَا حَتَّى
 يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الَّذِينَ
 يَخَافُونَ أَعْمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَانظُرُوا
 غَلِبُوكُمْ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾ قَالُوا يَمُوسَى إِنَّا لَنَنْتَقِلُ
 خَلْهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلْ إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ﴿۳۴﴾
 قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۳۵﴾
 قَالَ فَإِنَّهَا مُكْرَمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ
 عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۳۶﴾

یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنا لیا اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔ اس میری قوم والو! اس مقدس زمین میں جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے یاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بخوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ تعالیٰ سے تمہیں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں جائیں گے ہی نہیں تو آپ اور تمہارے پروردگار جاؤ دونوں ہی لڑ بھڑ لو ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے اے اللہ! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے۔ ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے۔ یہ خانہ بدوش ادھر ادھر گرواں پھرتے رہیں گے۔ سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔

مسلسل انبیاء بھیجنا اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے اور اللہ تعالیٰ اطاعت کی طرف مائل کیا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد انہی کی نسل میں نبوت رہی یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت تو حید و اتباع دیتے رہے یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح علیہ السلام پر ختم ہوا پھر خاتم الانبیاء والراسل حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ و نبوت کاملہ عطا ہوئی۔ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو اپنے سے پہلے تمام رسولوں اور نبیوں میں سے افضل تھے اللہ تعالیٰ آپ پر درود سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا یعنی خادم دیئے بیویاں دیں گھر

بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہانے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا گھر بھی؟ کہا ہاں۔ کہا۔ پھر تو تو غنی ہے۔ اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں سواری اور خادم ملک ہے بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہؒ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے جس کا گھر اور خادم ہے وہ بادشاہ ہے۔ یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو اس کا نفس امن و امان میں ہو دن بھر کفایت کرے اتنا مال بھی ہو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آگئی۔ اس وقت جو یونانی قبطنی وغیرہ تھے ان سے یہ اشرف و افضل بنا دیئے گئے تھے۔ اور آیت میں ہے کہ ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب حکم نبوت پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب انہوں نے مشرکوں کی دیکھا دیکھی رب بنانے کو کہا اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے کیا شرعی حیثیت سے کیا احکامی حیثیت سے کیا نبوت کی حیثیت سے کیا بادشاہت عزت مملکت دولت و حشمت اور مال و اولاد وغیرہ کی حیثیت سے خود قرآن مجید فرماتا ہے۔ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ اور فرمایا ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدی ﷺ کو بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من و سلوی کا اترنا بادلوں سے سایہ دینا وغیرہ وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں۔ یہ قول تو اکثر مفسرین کا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں انہیں کے قبضے میں تھا۔ اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں چلے گئے تو یہاں بمالقد قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی تھی وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں والے تھے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر غالب کرے گا۔ اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا، لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک واوی تیار میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے۔ مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے ایک اور روایت میں اریحا کا ذکر ہے لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ نہ تو اریحا کا فتح کرنا مقصود تھا نہ وہ ان کے راستے میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے۔ اور بیت المقدس جارے تھے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرق رخ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثہ میں آئے گی۔ تم اپنی بیٹیوں پر مردانہ ہو جاؤ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ جس شہر میں جانے کو اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کو آپ فرما رہے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں۔ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کی حکم برداری ہماری

طاقت سے باہر ہے۔ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحا کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحا بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوفزدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آیا۔ وہ پھل توڑتا ہوا ان کے نشان قدم دھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھری میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ میں پھلوں کی گٹھری کھول کر ڈال دی جس میں یہ سب کے سب تھے بادشاہ نے ان سے کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا تمہیں تمہیں قتل نہیں کرتا جاؤ اور پس چلے جاؤ اور اپنے لوگوں سے کہہ دو چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے۔ لیکن اس کی اسناد درست نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ان میں سے ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں ان کو گٹھری میں باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگ ہیں۔ ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں۔ انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جہاد کا اور شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم تو یہاں سے ملنے کے بھی نہیں۔ حضرت انسؓ نے ایک ہانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا پھر اسے گاڑ کر فرمایا کہ ان عمالیک کے قد اس قدر لمبے تھے۔ مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایات بہت بیان کی ہیں۔ کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے ایسے موٹے اور اتنے لمبے تھے انہیں میں عوج بن عنق بنت آدم علیہ السلام تھا جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس گز کا تھا۔ اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں وہی ہیں ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ کا پیدا کیا تھا۔ پھر آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے۔ ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کا فر تھا۔ اور ولد الزنا تھا یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا لیکن تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا یہ بھی محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعائیں ان کی ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ چھنا چاہتے یہ دعا قبول ہوئی اور یہ ہوا بھی۔ قرآن فرماتا ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی پھر باقی سب کافروں کو غرق کر دیا۔ خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت رب ہے کوئی بھی بچنے کا نہیں۔ تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایمان دار نہ تھا نہ بچ سکا لیکن عوج بن عنق کافر ولد الزنا بنی بالکل منقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو اس سے اس کے بھی قائل نہیں ہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کھامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو وہ شخص جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام تھا وہ انہیں سمجھاتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا وہ درتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں مذاہب رب تعالیٰ نہ آجائے۔ ایک قرأت میں **يَخَافُونَ** کے بدلے **يَخَافُونَ** ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی ایک کا نام حضرت یوشع بن نون تھا اور دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو گے اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ خود تمہاری مدد اور تائید کرے گا۔ اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ تم دروازے تک تو چلے چھو لیتین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے ان نامردوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جہاد کی قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت کالب علیہ السلام نے

اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی لیکن یہ بد نصیب اور اکر گئے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا ایک طوفان بد تمیزی شروع ہو گیا۔ اور بے طرح مخالفت رسول علیہ السلام پر تل گئے۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر اصحاب رسول ﷺ کے حال کو دیکھتے کہ جب نوسویا ایک ہزار کافر اپنے قافلے کو بچانے کے لئے چلے قافلہ تو دوسرے راستے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت و قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا۔ اور حضور ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے اپنے اصحاب سے کہا اٹھاؤ اب کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش رہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے زن و فرزند سب رکھ دیے اور کہا حضور ﷺ مالک ہیں ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبے کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں بلکہ حضور ﷺ کے فرمان پر قربان ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے اس قسم کی گفتگو کی پھر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی ایک نے اس قسم کی تقریریں کیں لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا اور اصحاب اپنا ارادہ ظاہر کریں آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا وہی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہیں کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ انصاری کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید آپ کا ارادہ ہمارا منشا معلوم کرنے کا ہے۔ سنئے یا رسول اللہ ﷺ اقسام ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں گود جاؤ بے پس و پیش اس میں گود جائیں گے آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہو گا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے۔ حضور ﷺ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیں شوق سے لے چلئے آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں آپ جان لیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو بچ جانے والے لوگ ہیں آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر انشاء اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کو انصار کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں رضی اللہ عنہم۔ ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا حضرت عمرؓ نے کچھ کہا پھر انصار نے کہا کہ اگر آپ ہماری سنا چاہتے ہیں تو سنیے! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ کہہ دیں آپ اور آپ کا اللہ تعالیٰ جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدد لے کر جہاد کے لئے چلئے ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرت مقداد انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقدادؓ کے اس قول سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک اور روایت میں حضرت مقدادؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے جب کہ مشرکین نے آپ ﷺ کو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت مقداد بن اسودؓ نے فرمایا کہ ہم اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں یہ انہیں سے ہو سکا کہ اپنے نبی علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ہم کہتے ہیں حضور ﷺ آپ چلئے اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں۔ یہ سن کر اور اصحاب نے بھی اسی طرح جان نثاروں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سن کر اپنی امت پر بہت غصہ آیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سے بیزارگی کا اظہار کیا کہ رب

العالمین! مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے تو اب میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما۔ جناب باری تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ اب یہ چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے، واوی تیرے میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے۔ کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جاسکتے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے، مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہوتا، من و سوسوی کا اترنا ایک ٹھوس پتھر سے جو ان سے ساتھ تھپائی کا ٹکنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا۔ اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے یہیں توراہ اتری نہیں احکام اللہ تعالیٰ نازل ہوئے وہ وہاں سے گزر جانے کی انہیں نہ ملی ہاں ابر کا سایہ ان پر لڑیا گیا اور من و سلوی اتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباس سے مروی ہے، پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے۔ پھر آپ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اس اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مرمرا چکے تھے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کااب علیہم السلام ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سنۃ پر وقف تمام کرتے ہیں۔ اور ﴿أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا مامل ﴿يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت کے گزر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہوئے اور آپ علیہ السلام نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، جمعہ کے دن مسر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آپہنچا دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور ڈوبنے کے بعد بیٹے کی تقسیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبی نے فرمایا: لے سورج اتو بھی اللہ کا غلام ہے۔ اور میں بھی اللہ کا مخلوم ہوں، اللہ! اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رگ گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ رب تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو اس شہر کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کہیں یعنی اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے رب کے حکم کو بدل دیا، انہوں نے گھسیٹے ہوئے اور زبان سے ﴿حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ﴾ کہتے ہوئے شہر میں گئے۔ مزید تفصیل سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے دیکھا نہ تھا۔ فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے نہ جلا یا اس پر ان کے نبی حضرت یوشع بن نون نے فرمایا تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چر لیا ہے پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ یونہی کیا گیا، ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا۔ آپ نے فرمایا تیرے پاس وہ خیانت کی چیز ہے جا سے لے آ۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا۔ جس کی آنکھیں یا قوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا۔ امام جریر سے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے ﴿أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ میں۔ ﴿فَانْهَارَ مَحْرَمَةٌ﴾ مائل ہے۔ اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیرے میں سرگرداں رہی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عوج کو حضرت کلیم اللہ نے ہی قتل کیا ہے تو اگر اس کا قتل عمالیک کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیک کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیرے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ علمائے یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعوراء نے قوم عمالیک کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کی یہ واقعہ بھی اسی میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے تو جباروں کو موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر کی یہی دلیل ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اس ہاتھ کا تھا اور آپ علیہ

السلام کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اٹھیل کر آپ علیہ السلام نے عروج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا۔ اس کے جتنے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا۔ جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوب بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین سو گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم ورنج نہ کر وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں۔ اس واقعہ میں یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے کہ یہ اللہ کے دشمن تھی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے ہیں جہاد سے جی چراتے ہیں اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسول علیہ السلام کی موجودگی کا ان کے وعدے کا ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا اور رات معجزے دیکھتے تھے فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا۔ اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں۔ وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں۔ نبی اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دے دیتے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اس ہستی والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے۔ ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ گواہی تیں رب کے محبوب جانتے تھے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے سور بندر بھی بنائے گئے لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس رب کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے

وَإِن لُّعَلَّيْهِمْ نَبَأُ ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَكَمْ يُتَقْبَلُ مِنَ الْآخِرِ قَالَ لَاقْتُلْنَاكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۷﴾ لَيْنُ بَسَطْتَ إِلَى يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ يَدِي إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۸﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُو أَبَائِي وَإِنَّكَ فَتَكُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۴۰﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوَاءَ أَخِيهِ قَالَ يُوِيلَتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوَاءَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ الْمُدْمِينِ ﴿۴۱﴾

آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا۔ ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا ان میں سے ایک کی نذر تو قبول کی گئی۔ اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔ گو تو میرے قتل کے

لئے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دونوں فیوں میں شامل ہو جائے ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس سے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانچواںوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین سمیٹ رہا تھا تاکہ اسے دکھادے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دے وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گزرا کہ اس کو بے طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفن دیتا؟ پھر تو براہی پشیمان اور شرم منندہ ہو گیا۔

واقعہ ہابیل و قابیل نیز حسد و بغض کا انجام: اس قصہ میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا انجام بد بیان ہو رہا ہے۔ کہ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلیبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی۔ اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بن کر مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیا۔ اور دوسرے نے اسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہانوں میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے اے نبی! انہیں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکا لڑکی دو ہوتے تھے پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسری حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کر دیا جاتا تھا۔ ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی۔ پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے۔ منفسین کے اقوال سنئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی صلیبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرماتے ہیں کہ بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا۔ اور ہابیل جانوروں والا تھا۔ قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا۔ اب دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ علیہ السلام نے کہا نہیں۔ حکم ہوا کہ میں ہے تم وہیں جاؤ حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا۔ اس نے انکار کیا۔ زمین سے کہا وہ بھی انکاری ہو گئی۔ پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا۔ قابیل سے کہا اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں آپ جائے آکر ملاحظہ فرمائیں گے اور خوش ہوں گے۔ اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ بھیڑ نام ربانی پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ لے نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی۔ اس کی کھیتی یوں رہ گئی۔ اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں اچھی اچھی بلیں توڑ کر کھالی تھیں۔ چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آنے کی۔ اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے یہی بھیڑ جنت میں پلٹا رہا اور یہی وہ بھیڑ ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کی بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور اللہ کے نام قربان کیا اور خوشی کے ساتھ۔ برخلاف اس کے بھی قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی مرے جی سے اللہ کے نام نکالی تھی۔ ہابیل تو مندی اور طاقتوری میں قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم و زیادتی نہ کی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ آپ چونکہ ہابیل کو چاہتے ہیں اس لئے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہو گئی۔ اب اس نے نھان لی کہ میں اس کا نئے ہی کو اکھاڑاؤں گا۔ موقع کا منتظر تھا ایک روز

اتفاقاً حضرت بائبل کے آنے میں دیر لگ گئی۔ تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو بھیجا یہ ایک چھری اپنے ساتھ چھپا کر چلا اور اسے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہو گئی۔ تو اس نے کہا میں تو تجھے مار ڈالوں گا۔ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر بائبل نے کہا میں نے بہترین اور عمدہ محبوب اور مرغوب چیز اللہ تعالیٰ کے نام نکالی اور تو نے ردی کھدی وہی چیز نکالی اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری کھونپ دی۔ بائبل کہتے رو گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے میں ہی اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیسوں نکالے تھے۔ اور بائبل نے گائے قربانی کی تھی چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی۔ یہ نشان تھا قبولیت کا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی بڑا بھائی خار کھا گیا۔ اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی نکاح کے اختلاف منانے کے وجہ نہ تھی قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ باعث ناراضگی عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور ایک روایت مندرجہ روایتوں کے بھی خلاف بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی۔ تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا ہے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے جو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں۔ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور رب کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابو عقیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص رب تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ خیر تو جو چاہے کر میں تو تیری طرح کروں گا نہیں بلکہ میں صبر سہار کر لوں گا۔ تھے تو زور طاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی نیک بخشتی اور تواضع فرو تھی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا اتکاب نہیں ہونے کا میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔

صحیحین میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے۔ تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس وقت جب کہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے عنقریب فتنہ برپا ہوگا بیچارے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ اور چلنے والا وہ ڈرنے والے سے بہتر ہوگا۔ کسی نے پوچھا حضور! اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے؟ فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ حضرت ایوب سختیائی فرماتے ہیں اس امت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور ﷺ سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ ﷺ کے پیچھے حضرت ابوذرؓ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ آسکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم ربانی اور رسول اللہ ﷺ ہو۔ فرمایا صبر کرو۔ پھر فرمایا جب کہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے۔ کہا پھر ارچہ میں نہ اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے۔ اور وہیں رہ

عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں۔ فرمایا پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا۔ بلکہ اگر تجھے کسی کی تموار کی شعاعیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔ حضرت ربیع فرماتے ہیں ہم حضرت خذیفہؓ کے جنازے میں تھے۔ جو ایک صاحب نے فرمایا میں نے مرحوم سے سنا ہے آپ رسول اللہ ﷺ کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے۔ کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز کے گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے۔ پس میں حضرت آدم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لے جائے یعنی تیرے وہ سنا جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ یہ مطلب بھی حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آچیں اور یہ قتل کا گناہ بھی لیکن انہیں سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بناء پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔ بزار میں ایک حدیث ہے کہ بے سب کا قتل تمام گناہوں کو منادیتا ہے۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں آتا ہم یہ بھی صحیح نہیں۔ اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اب وہ قاتل پر آجاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لیتا جائے گا اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پر جائیں۔ کیونکہ ظلم کے اس طرح بدلے لئے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑا ظلم ہے اور سب سے بدتر واللہ اعلم۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے۔ تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آجائیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہاتھیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آجا۔ ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں تو سارا بوجھ تجھ ہی پر ہو گا۔ اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ باوجود اس نصیحت کے بھی اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آکر اپنے بھائی کو قتل کر دیا اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بڑا بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر اور گلا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا یہ اس کی گردن مردور رہا ہے۔ تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دو سر پتھر زور سے مارا جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا۔ یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا تو قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا کبھی اسے تھپڑ اور گھونے مارتا یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتلایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کیل ڈال۔ جب اس نے کیل ڈالا تو لعین دوزخ میں ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہاتھیل کو قتل کر دیا۔ انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے نہ بلتا جلتا ہے۔ کہا شاید موت آگئی۔ اس نے کہا ہاں وہی موت۔ اب تو مائی صاحبہ چیختے چلانے لگیں اتنے میں حضرت

آدم علیہ السلام آئے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں۔ آپ علیہ السلام نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم ورنج کی وجہ سے ان کی زبان نہ اٹھی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔ قاتیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا۔ دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا بوجھ آدم علیہ السلام کے اس پہلے لڑکے پر بھی پڑتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن لڑکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہ [ؓ] سے مروی ہے کہ جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کا حصہ گناہ اس کے ذمہ ہے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے تو اللہ تعالیٰ نے دو کوئے بھیجے وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے۔ یہ اس کے سامنے لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی یہ دیکھ کر قاتیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آگئی۔ اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علی [ؓ] سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوئے کو دوسرے کوئے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک تو قاتیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کھوتے پر لادے پھر تار پھر کوئے کو ڈیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مار کر وہ پھر بہت پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔ اہل تورات کہتے ہیں۔ کہ جب قاتیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے تجھ پر میری لعنت ہے۔ اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی تجھے نہیں دینے کی جب تک کہ تو اس میں سرگردانی نہ کرے۔ اس نے اس کام کو کر لیا لیکن پھر تو بڑا ہی نادوم ہوا نقصان کے ساتھ ہی پچھتاؤ گا تو عذاب پر عذاب تھا۔

اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلیبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم علیہ السلام کے اس پہلے بیٹے پر ہوتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ لیکن حسن بصری کا قول ہے کہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے۔ قربانی سب سے پہلے انہیں میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے لیکن یہ قول تا مل طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی آخر فرشتوں نے ان کے غم کو دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بد صورت ہو گئی۔ ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندہ نے بھی گویا اپنے تئیں بلا کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی اس کا بوجھ اس پر آگیا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قاتیل کو اسی وقت کوئی سزا دی گئی۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لڑکا دی گئی۔ اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا۔ یعنی جدھر سورج ہوتا اُدھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

جسے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد انکی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے تو قاتل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ ﴿فَإِنَّا لِلّٰهِ وَأَنَا لِلّٰهِ رَاجِعُونَ﴾ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ ۖ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا يَغْيِرُ نَفْسٍ
 أَوْ فْسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَن أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ
 جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّا كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي
 الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي
 الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ
 أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۗ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
 عَظِيمٌ ﴿٣٦﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٧﴾

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔ اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو جلا لیا ان کے پاس ہمارے جہت سے رحمت کا ظاہر نہیں ہے۔ آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔ ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس سے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا لٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ ہاں جو لوگ اس سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پا لو تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے۔

انسانی خون کی قدر و قیمت؛ فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل بے جا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرمادیا ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لئے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایک کو بلا وجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا۔ نہ اس نے زمین میں فساد پھیلا یا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اس لئے کہ رب کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے۔ اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو جلا لیا اس لئے کہ سب لوگ اس طرح سلا متھی کے ساتھ رہیں گے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابوہریرہؓ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت خلیفہ معصومؓ نے فرمایا کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ

نے فرمایا نہیں نہیں۔ فرمایا سزا ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کا قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ میری یہی خواہش ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹ گئے۔ اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا گویا تمام مسلمانوں کو بچا رہا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو مضبوط کرنا دنیا کو جلا لینا ہے۔ (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ ایک کو بے وجہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا ہے۔ مجاہدؓ فرماتے ہیں مومن کو بے وجہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی دشمن رب ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا ہے۔ تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے روک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے۔ عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا۔ یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو اور جو اسے جلا لے یعنی ولی قاتل سے درگزر کرے اس نے گویا لوگوں کو جلا لیا۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس نے انسان کی جان بچالی، مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا، جلتے کو بچا لیا، کسی کو ہلاکت سے بٹا لیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن و امان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسنؓ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے ہم بھی ہیں؟ فرمایا ہاں یقیناً اللہ کی قسم کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ با وقعت نہ تھے۔ پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچا لینے کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضور اکرم ﷺ! مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ میری زندگی آرام گزرے۔ آپ نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے۔ یا کسی کو بچا لینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچا لینا۔ فرمایا پس اپنی اصلاح میں لگے رہو۔

پھر فرماتا ہے ان کے پاس ہمارے رسول ﷺ واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے، لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور درازدستی سے باز نہ رہے۔ بنو قینقاع کے یہود بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قیدیوں کے فدیے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا گیا۔ کہ تم سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ نہ انہیں دیس نکالادو۔ لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کا خلاف کیا گو فدیے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا۔ اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانوں اور کسی سے انکار کرو۔ ایسوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ محاربت کے معنی خلاف کرنا حکم کے برعکس کرنا مخالفت پر عمل جانا ہیں مراد اس سے کفرؤ کہ زنی زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بد امنی پیدا کرنی ہے۔ یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے قرآن کی اور آیت میں ہے جب وہ کسی کام کے والی ہو جاتے ہیں۔ تو فساد پھیلا دیتے ہیں۔ اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ تلا کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں، برخلاف اس کے کہ اگر مسلمان ان کاموں کو کرنے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہ ہوگا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتنی ہی ہے پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آجانے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا وہ عمل نہیں سکتا۔ حضرت ابیؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور

فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں انہیں قتل کر دیں۔ اور اگر چاہیں اگلے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں۔ یہ حرور یہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی یہ کام کرے اس کے لئے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا۔ چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لو۔ چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے۔ اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اور آنکھوں میں گرم سلانیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا مرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا۔ ان کے زخم دانے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی قتل بھی کیا تھا۔ ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسول سے لڑے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلانیاں بھی پھیری تھیں۔ مدینہ کی آب و ہوا اس وقت بہتر نہ تھی۔ ہر سام کی بیماری تھی۔ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑے سوار بھیجے تھے اور ایک لگی تھا جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے ان ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ایک مرتبہ حجاب نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ سب بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو اس کو بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا حجاب نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنا لیا تب تو مجھے سخت مدامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو مرینہ قبیلے کے تھے۔ اور تین عکل کے تھے یہ سب تندرست ہو گئے تو مرتد بن گئے۔ اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے۔ اور زنا کار بھی تھے۔ یہ جب آئے تو ان کے پاس بوجہ فقیری کے پہننے کے کپڑے تک نہ تھے یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے والے ہی تھے۔ جو ہم نے انہیں جالیا۔ وہ پانی مانگتے تھے اور حضور ﷺ فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلانیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا۔ یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ان کے سردار حضرت جریرؓ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلانیاں پھیرنا مکروہ رکھا اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو خزاعہ کے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ایک خادم تھا جس کا نام یسار تھا چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے اس لئے حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں۔ ان ہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا ان میں ایک شہ زور حضرت کرز بن جابرؓ فہری تھے۔ حافظ ابو بکر ابن مردویہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا ہے اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ابو حمزہ بن عبد اکرمؓ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور ﷺ سے مدینہ کی آب و ہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی۔ جب حضور ﷺ نے ان کی دغا بازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا ظلم ہوا تو آپ ﷺ نے منادی کرانی کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر یواشہ کھڑے ہو ایہ آواز سنتے ہی

مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے ان ممدؤ اکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوزخ خود حضور ﷺ بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے۔ وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے کو تھے۔ جو صحابہ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے انہیں لے کر حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری ان کی جلا وطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ان کو عبرتاً کہ سزائیں دی گئیں اس کے بعد حضور ﷺ نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جو سلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے جو سزا انہیں دی وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو اس سزا سے روکا گیا ہے جیسے آیت ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ﴾ میں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مشلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کانٹے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن ہے ذرا یہ تامل طلب پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاثیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہوں اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبد اللہ ہیں۔ اور ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ محمد بن عجلان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو سخت سزا انہیں دی اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزایان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں۔ لیکن اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ اس آیت میں حضور ﷺ کے اس فعل پر آپ ﷺ کو ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ جو انہوں نے کیا تھا اس کا وہی بدلہ مل گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہر میں لڑنا دونوں برابر ہیں کیونکہ لفظ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ کے ہیں۔ امام مالک اوزاعی لیث شافعی احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ کہ باقی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر میں ان کی سزا یہی ہے۔ بلکہ امام مالک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اس کا تمام مال و اسباب جو اسکے پاس ہے لے لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جب کہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہروں میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اسکے بارے میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے راستوں کو پر خطر بنادے امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم جو شکار کھیلے اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا اسکے برابر کے روزے یا سیر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیہ میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا بیان ہے قسم کے کفارہ میں درمیانے درجہ کا کھانا جس مسکینوں کا یا ان کا پیرایا ایک غلام کی آزادی ہے تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے۔ اسی طرح ایسے محارب مرد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنا ہے یا جلا وطن کرنا اور جمہور کا قول ہے۔

کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے جب ذاکو قتل و غارت وہ لوگوں کے مرتکب ہوئے ہوں تو قابل دار اور گمراہ زندقہ ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں اٹکے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے۔ اور جب کہ راستے پر خطر کر دیئے ہوں لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلاہ طغنی ہے اکثر سلف اور آئمہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے؟ یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکا دیا جائے؟ تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر رہتے دیا جائے پھر اتار لیا جائے؟ یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ نام ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ اردو کریں ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل ہے اس کی سند صحیح ہے تو وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب ان محاربین سے بارے میں حضرت جبرائیل سے دریافت کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا ان کے ہاتھ تو چورس کے بدلے کاٹ دیجئے اور پاؤں بدامنی کے بدلے اور جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کر دیجئے اور جس نے قتل اور خطرہ راہ اور بد کاری کا ارتکاب کیا ہے اسے سولی پر چڑھا دو۔

فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائے یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے شہر سے تیسرے شہر سے بھیج دیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے۔ شععی تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانی کہتے ہیں کہ ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں اسے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اسے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و ذلیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں معذب ہوں گے۔ آیت کا یہ مکران لوگوں کی توجہ دینا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور مسلمانوں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے نام سے ایسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں چوری نہ کریں زنا نہ کریں اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آدوہ ہو جائے۔ پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس کا امر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اگر چاہے عذاب کرے چاہے چھوڑ دے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس کسی نے کوئی گناہ لیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ معاف کئے ہوئے جرم پر پھر سے پکڑے۔ اسی دنیاوی سزا میں اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزا انہیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے لیکن جو مسلمان محارب ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کا گناہ تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا گناہ بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے گا سواہ رشی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ جاریہ ابن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا مسلمانوں سے لڑا اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علیؑ سے سفارش کی جن میں حضرت حسن بن علیؑ حضرت عبداللہ بن عباسؑ حضرت عبداللہ بن جعفرؑ بھی تھے لیکن آپ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا آپ نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا بتلائیے تو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے۔ پھر ان آیتوں کی یہ قبل ان

تقدروا علیہم ﴿ تک کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا یہ جا رہا ہے بن بدر سے چنانچہ جا رہے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں گور نرتھے ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا امیر کوفہ! میں فلاں بن فلاں مرادی قبیلہ کا ہوں میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی لڑی زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پا میں اس سے پہلے میں تائب ہو گیا اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ چکھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابو موسیٰؓ "کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس تو بہ سے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اس کو بلا کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر نکل کھڑا ہو اللہ نے بھی اسکے گناہوں کے بدلے اسے عارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی لڑائی کی راستے پر خطر کر دینے لوگوں کو قتل کیا مال لوٹا سا اور لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مرتبہ یہ بٹھل میں تھا جو ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ ﴿ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرِفُوا اَمْوَالَهُمْ ﴾ یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا اے اللہ کے بندے! یہ آیت مجھے دوبارہ سنا اس نے پھر پڑھی اللہ کی اس آواز کو سن کر وہ فرماتا ہے اے میرے گنہگار بندو! تم میری رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ میں سب گناہوں کے بخشش پر قادر ہوں میں فقور رحیم ہوں اس شخص نے جوت سے اپنی تلوار کو میان میں کر لیا اسی وقت سچے دل سے تو بہ کی اور صبح کے نماز سے پہلے مدینہ میں پہنچ گیا۔ غسل کیا اور مسجد نبی ﷺ میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب روشنی ہو گئی تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی بہت بڑا مجرم اور مشرور شخص علی اسدی ہے۔ اٹھ کھڑے ہوئے کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیوں! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے اس لئے کہ تم مجھ پر قابو پاؤ اس سے پہلے ہی میں تو تو بہ کر چکا ہوں بلکہ تو بہ کے بعد تمہارے پاس آیا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مرہ ان بن حکم کے پاس لے چلے یہ اس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کے گور نرتھے۔ وہاں پہنچ کر فرمایا علی اسدی ہیں یہ تو بہ کر چکے ہیں اس لئے اب تم انہیں کچھ کر نہیں سکتے چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا۔ جب مجاہدوں کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے چلی تو ان مجاہدوں کے ہاتھ یہ بھی ہوئے۔ مندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آگئیں۔ یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے۔ ان کی آبدار خارا اشکاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نے اسکے اور نامردی سے ایک طرف تو بھٹا یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا اس لئے کشتی پلٹ گئی جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی بھی ڈوب کر شہید ہو گئے (اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے) آمین۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٥﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُونَ بِهِ مِنْ

عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٦﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا

مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمُخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿١٧﴾

مسلمانوں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ یقین مانو کہ کافروں کے لئے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی کے مثل جیسا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے ان کے لئے تو دردناک عذاب ہی ہیں۔ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس سے نہ نکل سکیں گے ان کے لئے تو دوائی عذاب ہیں۔

شرعی وسیلہ کا معنی و مفہوم: تقویٰ کا حکم ہو رہا ہے وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ رب کے منع کردہ کاموں سے رکنا ہے اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرو یہی معنی وسیلے کے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہدؒ حضرت ابوہریرہؓ حضرت حسنؒ حضرت ابن زیدؒ اور بہت سے مفسرین رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے بھی یہ مروی ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زیدؒ نے یہ آیت بھی پڑھی۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان آئمہؓ نے وسیلہ کے جو معنی اس آیت میں کئے ہیں اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے اس میں کسی ایک کا بھی بالکل خلاف نہیں۔ امام ابن جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے جس میں وسیلہ قربت اور نزدیکی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب۔ یہی درجہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اذان سن کر ﴿اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةُ﴾ پڑھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو مومن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے تم اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا مجھے امید ہے وہ بندہ میں ہی ہوں پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ مسند احمد میں ہے جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو! پوچھا گیا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہو جاؤں۔ طبرانی میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا۔ اور حدیث میں ہے وسیلے سے بڑا اور درجہ جنت میں کوئی نہیں پس تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون ہوں گے۔ تو آپ نے حضرت فاطمہؓ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ ایک اور بہت ہی غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے منبر کوفہ پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں ایک سفید ایک زرد زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں جن میں سے ہر ہر گھر تین میل کا ہے اس کے درتچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے یہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی اہل بیت کے لئے ہے۔

تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا حکم اذکار سے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ اس کی راہ میں جہاد کرو مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں اس کے دین سے الگ ہیں اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں انہیں قتل کرو ایسے مجاہدین بامر اوہیں فلاح و صلاح سعادت و شرافت انہیں کے لئے ہے جنت کے بلند بالا خانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہیں کے لئے ہیں۔ یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت و فوت نہیں جہاں کمی اور نقصان نہیں۔ جہاں بیٹگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوائی عیش و عشرت ہے۔ اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ ایسے سخت اور برے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر

اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کیلئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں وہ دائمی ابدی اور دائمی ہیں جیسے اور جہلہ ہے کہ جہنمی جب جہنم میں سے نکلتا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیے جائیں گے، بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے کے ساتھ اوپر آجائیں گے کہ داروغے انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دیں گے۔ غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک جہنمی کو لایا جائے گا پھر اسے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم! کہو تمہاری جگہ کیسی ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اسے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کیلئے تو کیا خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کر سونا دے کر بھی میں یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس بھی بہت کم مانگا تھا۔ لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم) ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیرؓ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے کہ ﴿يُرِيدُونَ أَن يُخْرَجُوا مِنْهَا﴾ یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت ﴿إِنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں یہ کبھی نہ نکلیں گے (مسند وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ یزید کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا اسلئے یہ سکر انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے خلاف کہتے ہیں اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اس پر انکے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابرؓ بہت حلیم الطبع تھے انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کے جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے وہ کفار ہیں تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے۔ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن میں نہیں ہے ﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَاتَلْنَا بِالْجِدِّ﴾ اس میں مقام محمود کا ذکر ہے یہی مقام شفاعت ہے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں انکی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا حضرت یزیدؓ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میرا خیال ٹھیک ہو گیا۔ حضرت طلح بن حبیب کہتے ہیں میں بھی سکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابرؓ سے ملا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کی نشانی کا بیان ہے سب پڑھ کر آپ نے سن کر فرمایا اے طلح! کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جنتی آیتیں تم نے پڑھی ہیں وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کیلئے لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن انکار تھے گناہوں کے بدلے سزا بھگت لی پھر جہنم سے نکال دیئے گئے۔ جابرؓ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا نہ ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے۔ اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے۔ قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو تم بھی پڑھتے ہی ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾ فَمَنْ تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٢﴾ أَلَمْ تَعْلَم أَنَّ اللَّهَ لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٣﴾

چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کر دیا۔ اس کا جو انہوں نے کیا تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔ جو شخص اپنے گناہوں کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ تعالیٰ رحمت سے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمائے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے؟ جسے چاہے زیادے اور جسے چاہے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

چوری کا نصاب اور اسکی شرائط: حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت میں **فَافْطَنُوا اِيْمَانَهُمَا** ہے لیکن یہ قراءت شاذ ہے۔ عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قراءت کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بنا پر ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا۔ اسلام نے اسے تفصیل وار منظم کر دیا۔ اس طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دو ایک نامی ایک خزانہ شخص کے ہاتھ چوری سے الزام میں قریب نے کاٹے تھے اس نے کعب کا غلاف چرایا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں تھوڑی ہو یا بہت، محفوظ جگہ سے لی یا غیر محفوظ جگہ سے بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے، تو ممکن ہے اس کے قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرتے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کھواتا ہے، اسی چرائی اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے گو اس حد کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالک کہتے ہیں تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت کی زیادہ کی کوئی چیز چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اترج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جب کہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا یہ فعل گویا سنا ہے رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا خلاف ہے پاؤ دینار کے تقرر میں امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ ان کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہیے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار میں پھر اس سے اوپر میں۔ پس یہ حدیث اس مسئلہ کا صاف فیصلہ کر دیتی ہیں اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور ﷺ سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت علی ابی طالبؓ بھی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ میث ابن سعدؒ اور زامی شافعیؒ اسحاق بن راہویہؒ ابو ثورؒ ابو داؤد ابن علی ظاہریؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ خواہ رطل دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمدؒ کی ایک حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم میں نہیں اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم کی شرط لگانا کھلی غلطی ہے واللہ اعلم۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے جس ڈھال کے بارے میں حضور ﷺ کے زمانہ میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت دس درہم تھی چنانچہ ابو بکر بن ابی شیبہؒ میں یہ موجود ہے اور عبد اللہ بن عمرؓ سے عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ مخالفت کر رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی ابن مسعودؓ

ابو انیم نخعی ابو جعفر باقر سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیر فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہر یہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کئے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن جواب ٹھیک نہیں اس لئے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقین نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈہ ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی ر سے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر کار قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے۔ اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان حضور ﷺ بطور بیان واقعہ کے ہو یا م جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ تو گویا حضور ﷺ بطور افسوس کے اور چور کو تادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے وقوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابو العلاء معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت پانچ سو دلوں میں اور پھر اسی ہاتھ کو پاد دینار کی چوری پر گنوا دیں یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔ لیکن جب اس کی یہ بگو اس مشہور ہوئی تو علمائے کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا۔ پھر جواب مشہور کر دیئے گئے۔ قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا کہ جب ہاتھ امین تھا تب تک نمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا۔ اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن و امان قائم ہوتا ہے۔ جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے اس پر بڑا جرمانہ رکھا تاکہ لوگ اس برے فعل سے بچیں وہاں یہی حکم مناسب تھا۔ چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے پس یہ تو بین حکمت ہے۔ اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا سد اد نہ ہوتا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے اسی عضو پر سزا ہو تاکہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے علموں میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے اللہ تعالیٰ اسے اپنا گناہ معاف فرمادیا کرتا ہے ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے لہذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تا وقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور آئمہ کا یہی قول ہے صرف امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں۔ دارقطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضور ﷺ کے سامنے آیا گیا۔ جس نے چادر چرائی تھی آپ نے اس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے چوری کی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو۔ انہوں نے توبہ کی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ (رضی اللہ عنہ)۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر بن سمرہ حضور ﷺ کے پاس آکر کہتے ہیں کہ حضرت ا مجھ سے چوری ہو گئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے فلاں قبیلہ والوں کا اونٹ میں نے چرایا ہے۔ آپ ﷺ نے اس قبیلہ والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا۔ تو نے میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا تھا (رضی اللہ عنہ)۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیور چرائے۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ کے پاس اسے پیش کیا۔ آپ نے اس کا داینا ہاتھ کاٹنے

کا حکم دیا۔ جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو اس پر آیت ﴿فَمَنْ ثَابَرَ﴾ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی۔ لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ غزوہ فتح میں ہوا تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو رسول اللہ ﷺ سے بہت پیارے ہیں وہ ان کے بارے میں حضور ﷺ سے سفارش کریں۔ حضرت اسامہؓ نے جب ان کی سفارش کی تو حضور ﷺ کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا اسامہ! تو اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہؓ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی فصاحت پر تباہ و برباد ہو گئے۔ کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بن محمد ﷺ بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آئی تھیں اور میں ان کی حاجت آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھی (رضی اللہ عنہا)۔ مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی پھر انکار کر جایا کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور روایت میں ہے یہ زیور اس طرح لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلالؓ کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں فالمدنہ۔ تجميع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا
 آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۗ سَمِعُوا لِلْكَذِبِ
 سَمْعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحْزِنُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ
 أُوتِينَا هَذَا فَنَدُوهُ وَإِنْ لَمْ نُؤْتُوهُ فَأَحْذَرُوا وَالْوَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ
 تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ لَهُمْ فِي
 الدُّنْيَا خِزْيٌ ۗ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ سَمِعُوا لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ
 لِلسُّعْتِ ۗ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

فَلَنْ يَحْضُرُوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
 الْبُقِيسِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ
 يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا
 هُدًى وَنُورٌ يَسْكُرُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّكْبَانِيُّونَ وَالْأَ
 حْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَآ
 خْشَوْنَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ
 اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

اے نبی ﷺ! تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل انجیدہ خاطر نہ کر جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو کہ زہانی تو ایمان کا
 دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل با ایمان نہیں اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے
 جاسوس ہیں جو اب تک آپ ﷺ کے پاس نہیں آئے۔ ہاتھوں کے اصلی موقعوں کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ
 اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ قلم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا۔ جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی
 ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں۔ اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی دولت اور رسوائی ہے اور آخرت
 میں بھی ان کے لئے بہت سخت سزا ہے۔ یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو
 تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو مال دے۔ اگر تو ان سے منہ پھیرے گا تو بھی یہ تجھے ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر تو
 فیصلہ کرے تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔ عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت کرتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ وہ اپنے پاس توراہ ہوتے
 ہوئے جس میں احکام الہی ہیں تجھے حکم بناتے ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں۔ دراصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں۔ ہم نے توراہ
 نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے۔ یہودیوں میں اسی توراہ کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے۔ کیونکہ
 انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر افراری گواہ تھے اب تمہیں چاہئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو میری
 آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پختہ کافر ہیں۔

یہودیوں کا رجم سے اعراض اور قصاص میں ظلم کا ارتکاب: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے
 جو رائے قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے
 بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زہانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے
 کھرے دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور
 دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ آپ ﷺ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی
 وہاں لگاتے ہیں ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں مطلب کچھ ہولے

کچھ اڑاتے ہیں۔ ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی۔ جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا اب کہنے لگے چلو حضور ﷺ کے پاس چلیں اگر دیت جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ کو لے کر آئے تھے ان کی کتاب توراہ میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا۔ اور سو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے اور الٹا گدھے پر سوار کر کے زسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زنا کاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضور ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی رجم کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے یہ بدکاری کی ہے۔ ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے ہاں توراہ میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑتے ہیں یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا جھوٹ کہتے ہو۔ توراہ میں سنگسار کرنے کا حکم ہے لاؤ توراہ پیش کرو۔ انہوں نے توراہ کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبد اللہ سمجھ گئے۔ اور آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو تو ہٹا ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ زانی اس عورت کو پتھروں سے بچانے کے لئے اس کے آڑے آجاتا تھا (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپایا تھا۔ جو پڑھ رہا تھا اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت لپکتی ہوئی نظر آئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر بھی موجود تھے۔

اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ ﷺ کو بلوایا تھا۔ اپنے مدرسے میں گدی پر آپ ﷺ کو بٹھایا تھا اور جو توراہ آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا تم توراہ میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا خاموش ہی کھڑا رہا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا۔ اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی توراہ میں ان لوگوں کے ذمے سنگساری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا پھر یہ بھی سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت! ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کاری کی اس کی عظمت اور بادشاہ کی بیعت کے مارے اسے رجم نہ کیا پھر ایک عامی آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔ آخر ہم نے مل کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے توراہ کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ (احمد ابو داؤد) مسند احمد میں سے ایک شخص کو یہودی کالا منہ کئے لے جا رہے تھے۔ اور اسے کوڑے بھی مار رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کاری کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر الامراء اور شرفالوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی۔ اس لئے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے۔ اور حکم ربانی مارا نہ جائے اس لئے غریب غراہ حکم

حیثیت لوگوں کو رجم کر دیتے تھے پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی تجویز کرو کہ شریف اور غیر شریف امیر اور غریب سب پر یکساں جاری ہو سکے چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اجماع ہوا کہ منہ کالے کرادیں۔ اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ بِالْحَمْرِ الْكَافِرُونَ﴾ تک نازل ہوئی۔

ان ہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعہ زنا فدک میں ہوا تھا۔ اور وہاں یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور ﷺ سے معلوم کر لیا تھا۔ جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریہ تھا یہ آنکھ کا بھینکا تھا اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور ﷺ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قبول کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا تھا تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونوں سے بچا لیا تھا۔ اور من و سلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے بڑی زبردست قسم ہے۔ اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں۔ تو کہا حضور ﷺ توراہ میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے۔ اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول و خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کر دیا گیا۔ اس پر یہ آیت ﴿فَإِنْ حَآءُ وَكَ﴾ اٹری (ابوداؤد وغیرہ)۔ ایک روایت میں جو دو عالم آپ ﷺ کے سامنے لائے گئے تھے یہ دونوں صوریہ کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی۔ پھر آپ ﷺ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں انہیں اس برائی میں صاف صاف دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ دراصل توراہ وغیرہ کا منگوانا ان کے عالموں کو بلوانا یہ سب انہی الزام دینے کے لئے تھا۔ اس لئے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلف ہیں انہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے اس سے مقصد ایک تو حضور ﷺ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی توراہ میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکاح دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان اللہ کے چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضور ﷺ کے پاس کچھ اس لئے نہیں آئے تھے کہ آپ ﷺ کی حکم برداری کریں گے بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ آپ ﷺ سے بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں تو لے لیں گے ورنہ ہرگز نہ قبول کریں گے اس لئے فرمان ہے کہ جنہیں اللہ گمراہ کر دے تو ان کی کسی قسم کی راستی کا مختار نہیں ہے ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ اللہ کا نہیں ہے۔ یہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے گریبانہ کر اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے۔ بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے ﴿وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ﴾ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ پھر فرمایا کہ اگر تو ان میں فیصلہ کرے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

پھر ان کی خباثت بد باطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے۔ کہ ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے اور پھر اس میں بھی

نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے تو لے لیں گے ورنہ چھوڑ چھوڑ دیں گے۔ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری حکم برداری کریں گے؟ انہوں نے تو توراہ کو بھی چھوڑ رکھا ہے جس میں حکم اللہ ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس توراہ کی مدحت و تعریف بیان فرمائی جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت و نورانیت تھی انبیاء علیہم السلام جو اللہ کے زیر فرمان تھے اسی پر فیصلہ کرتے رہے یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے اور ربانی یعنی عابد علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی۔ اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ و شاہد تھے اب تمہیں چاہئے کہ جز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو وہاں قدم قدم اور لمحہ لمحہ پر خوف الہی رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ کرے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے انشاء اللہ۔ ان آیتوں کا ایک اور شان نزول بھی سن لیجئے ابن عباس سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا دوسری میں ظالم تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک غالب تھا دوسرا مغلوب تھا ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرستے گا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقہ کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس (۵۰) وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز شخص کو قتل کر دے تو ایک سو (۱۰۰) وسق دیت دے یہی روایت ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضور ﷺ مدینہ میں آئے اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اور نیچے یہودی کو مار ڈالا یہاں سے آدنی گیا کہ لاؤ سو (۱۰۰) وسق دلو اور وہاں سے جو اسے ملا کہ یہ صریح نا انصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے ایک ہی دین کے ایک ہی نسب کے ایک ہی شہر کے پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ۔ ہم چونکہ اب تک تم سے دبے ہوئے تھے اس نا انصافی کو بادل ماخواست برداشت کرتے رہے۔ لیکن اب جب کہ حضرت محمد ﷺ جیسے عادل بادشاہ یہاں آگئے ہیں ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر اذھر اذھر سے آستینیں چڑھ گئیں پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کو سونپ دیا جائے لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے اپنے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھ داروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور ﷺ کوئی نا انصافی کا حکم کریں یہ صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا۔ اب جو تم نے حضور ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے نو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کر کسی کو حضور ﷺ کے پاس پہنچے سے بھیج دو وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اور اگر ہماری موافقت میں ہو تو بہت اچھا چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہو تو بڑا الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ یہاں وہ پہنچیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول ﷺ کو ان دونوں فرقوں کے بد ارادوں سے مطلع فرمادیا۔ (ابوداؤد)۔ اور روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظ تھے بنو نضیر کی پوری دیت تھی اور بنو قریظ کی آدھی حضور ﷺ نے دونوں کی دیت برابر یکساں دینے کا فیصلہ سادہ فرمادیا۔ اور روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضیری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سو (۱۰۰) وسق دیت تھی۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا جس کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں واللہ اعلم۔

ہاں ایک بات اور ہے جس سے دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے ﴿وَ كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ فِيهَا﴾ یعنی ہم نے یہودیوں پر توراہ میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض میں جان آنکھ کے عوض میں آنکھ الخ واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں۔ گو یہ شان نزول کے اعتبار سے بقول

مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدئی فرماتے ہیں جس نے وحی ربانی کے خلاف عداوتی دیا جانے کے باوجود اسکے خلاف کیا وہ کافر ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان کا انکار کیا اس کا یہ حکم ہے تو جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی بھی ہو۔ شعبیؓ فرماتے ہیں مسلمانوں میں جس نے کتاب اللہ کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرائیوں میں دیا تو فاسق ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔ طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے اللہ و رسولؐ قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطاء فرماتے ہیں کفر کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا نہیں ہو جاتا ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو۔

وَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۶﴾

ہم نے یہودیوں کے ذمہ توراہ میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں۔

قاص میں مساوات دیت اور معاف کر دینا: یہودیوں کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نصری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنو نضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف منہ کالا کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں اس لئے تو وہاں انہیں کافر کہا یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا والعین پڑھنا بھی مروی ہے۔ (ابوداؤد وغیرہ)۔ علمائے کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جو ہمارے سامنے بطور تقریر کے بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو جائے تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے جیسے کہ یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی جو بیان ہوا ایک اس کے بالکل برخلاف ایک یہ کہ ابراہیمی شریعت صرف جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ بلکہ صرف دیت لی جائے گی، لیکن یہ قول جمہور علماء کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا، لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام

کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت و نہیں پہنچیں۔ امام شافعی تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے خلاف اجماع ہے، لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان لازم نہیں آتا تا وقت کہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ کی چھو بھی ربيع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی۔ حضور ﷺ کے پاس معاند آیا آپ ﷺ نے بدلہ کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا یا اس کے سامنے کے دانت توڑے جائیں گے " آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اے انس! رب کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ وہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا بعض بندگان اللہ ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انہوں نے نہ معافی دی نہ دیت لینی منظور کی۔ نسائی وغیرہ میں ہے کہ ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے ان لوگوں نے حضور ﷺ سے آکر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں مال ہمارے پاس نہیں تو حضور ﷺ نے ان پر کوئی جرمانہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے ان سے سفارش کر کے معاف کر لیا ہو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی ناک کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے برابر ہیں مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں جب کہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں۔ ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ قاعدہ: اعضاء کا کٹنا کبھی تو جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے جیسے ہاتھ پیر قدم ہتھیلی وغیرہ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہو بلکہ ہڈی پر آئے ہوں ان کی بابت حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قصاص ہے مگر ان میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف و خطر سے کی جگہ ہے۔ ان کے برخلاف حضرت ابو حنیفہؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں بجز دانت کے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور عطاء، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین بھی یہی کہتے ہیں اور اسی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد بھی اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس میں ربيع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور ﷺ ہے لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہو رہے۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو گتھی سے نیچے ایک تلوار مار دی جس سے اس کی کلائی کٹ گئی حضرت محمد ﷺ کے پاس مقدمہ آیا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دیت ادا کر و اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اسی کو لے لے اللہ تعالیٰ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا۔ لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے اس کے ایک راوی دہشم بن قران عکلی اعرابی ضعیف ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی دوسرے راوی نمران بن جابر اعرابی بھی ضعیف ہیں پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ نہ دلوا لیا جائے گا۔ اس کی دلیل مشد احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوائیے آپ ﷺ نے دلوا دیا۔ اس کے بعد پھر وہ آیا کہنے

انکار رسول اللہ ﷺ! میں تو لنگڑا ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تو منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا اب تیرے اس لنگڑاپے کا کچھ بدلہ نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرمادیا۔

مسئلہ: اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لیا گیا اس میں مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ امام مالک شافعی احمد رحمہم اللہ اجمعین اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اس پر دیت واجب ہے۔ اسی کے مال میں سے بعض اور بزرگ فرماتے ہیں اس کے مال باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ واجب ہے بعض اور حضرات کہتے ہیں بقدر اس کے بدلے تو سا قضا ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص قصاص سے درگزر کرے اور بطور صدقہ کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے اسے ثواب ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کفارہ ہے زخمی کے لئے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگزر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں ثلث ہے تو تہائی گناہ آدھی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ لیا اور جب وہ بہت سزا ہو گیا تو آپ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے حضرت ابودرداءؓ وہیں تھے فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم کو کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کرے بدلہ نہ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطا میں معاف فرماتا ہے اس انصاری نے یہ سن کر کہا کیا سچ ہے آپ نے خود ہی اسے حضور اکرم ﷺ کی زبانی سنا ہے آپ نے فرمایا میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے اس نے کہا پھر گواہ ہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن بقول امام ترمذی یہ غریب ہے۔ ابوسفیر راوی کا ابودرداءؓ سے سننا ثابت نہیں اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوتا تھا اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص خون یا اس سے کم معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کفارہ ہے۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم پر کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرماتا ہے۔ مسند میں بھی یہ حدیث ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ پہلے گزر چکا کہ کفر کفر سے کم ہے ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرَةِ وَأَتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۖ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ
اللَّهُ فِيهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی توراہ کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور اور وہ اپنے سے پہلی کی کتاب توراہ کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارہ سالوں کے لئے۔ انجیل والوں کو بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں۔ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کر دہ سے ہی حکم نہ

کریں وہ بدکار فاسق ہیں۔

آسمانی کتاب انجیل کی چند خصوصیات: انبیاء بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰ نبی کو لائے جو تورات پر ایمان رکھتے تھے اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور اگلی اللہ کی کتابوں کی موافقت تھی ہاں چند مسائل جن میں یہودی مختلف تھے ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اسی لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوئی تھی کہ وہ عیسیٰ کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ ﴿اَهْلَ الْاِنْجِيلِ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ﴿وَلِيُخَيِّمَ﴾ میں کسی کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے۔ اور مشہور قراتہ ﴿وَلِيُخَيِّمَ﴾ اور ﴿وَلِيُخَيِّمَ﴾ میں ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ یعنی اے اہل کتاب! جب تک تم توراتہ و انجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے اترا ہے اس پر قائم نہ ہو تو کسی چیز پر نہیں ہو اور آیت میں ہے ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ﴾ جو لوگ اس رسول نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتے ہیں جس کی معفت اپنے ہاں توراتہ میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اطاعت اللہ تعالیٰ سے خارج حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں۔ یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ روش آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گزر چکا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَبَا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَاءُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۗ وَأِنْ أَحْكَمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۗ ۙ أَفْهَكَمُ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۗ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّلْقَوْمِ يُوْقِنُونَ ۗ ۙ

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے سو تو ان سے آجس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم

نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔ اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے تم نیکیوں کی طرف بلدی کرو تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز جتنا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔ آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے۔ ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے ان سے ہو شیادہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کریں۔ اگر یہ لوگ منہ پھریں تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی لے۔ اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھئے، اے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

قرآن کے بعد تمام شریعتیں منسوخ ہیں: توراہ، انجیل کی ثنا و صفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے حق و صداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے یہ بالیقین رب واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے یہ تمام اگلی اللہ کی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت و ثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے جیسے فرمان ہے ﴿إِنَّ الدِّينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ﴾ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا ہے اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول رسولوں کے سر تاج رسول آبی گئے۔ اور یہ کتاب ان کی اگلی کتابوں کی امین ہے یعنی اس میں جو ہے وہی اگلی کتابوں میں تھا۔ اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں اگلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں مل کر تھیں وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ بعض نے کہا مراد اس سے یہ ہے کہ حضور ﷺ امین ہیں اس کتاب پر۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربیت کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔ امام ابن جریر نے بھی حضرت مجاہد سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے ﴿مُفْتِنِينَ﴾ کا عطف مصدق پر ہے پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا۔ اگر حضرت مجاہد کے معنی صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی۔

پس اے نبی ﷺ! آپ ان سب میں اللہ کی اس کتاب کے احکام پھیلائیے خواہ عرب ہوں خواہ عجم ہوں خواہ لکھے پڑھے ہیں خواہ بے پڑھے ہوں۔ اللہ کے نازل کردہ سے مراد اللہ کی وحی ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو خواہ جو اگلے احکام اللہ نے آپ ﷺ کے لئے مقرر کر رکھے ہوں۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الہی کے ساتھ ان میں فیصلے کرنے ضروری ہیں۔ ان بد نصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے خبردار اے نبی ﷺ! تم ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتدا کرنے کو شرع کہتے ہیں منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے اگلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں وہ سب توحید پر تو متفق تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا جیسے حدیث شریف ہے ہم سب انبیاء، علما، بھائی ہیں ہم سب کا دین ایک ہے۔ ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان ہے اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت ہوتی رہی۔ جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے ہیں ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی

معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيكُمْ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِ يَوْمِ الْاٰزِفِ﴾ اور آیت میں ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيكُمْ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِ يَوْمِ الْاٰزِفِ﴾ ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوادیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو، ہاں احکام کا اختلاف ضرور رہا۔ کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہو گئی یا اس کے برعکس یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہو گئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ پس توراہ مثلاً ایک شریعت ہے انجیل ایک شریعت ہے قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرماں برداروں اور فرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی۔ اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمد ﷺ تم میں سے ہر شخص کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے تم سب کو اس کی اقتداء اور تابعداری کرنی چاہیے۔ اس صورت میں ﴿جَعَلْنَا﴾ کے بعد ضمیر کی مخدوف ماضی پڑے گی۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور بس۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگر خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بیعت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی، لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پیچھے ہی سے بدلوا دے یہاں تک کہ تمام اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ ﷺ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کی شریعت کی فرماں برداری کی طرف آگے بڑھنا چاہئے اور اس آخری شریعت اور آخری کتاب اور آخری پیغمبر ﷺ کی بہ دل، جان، حکم برداری کرنی چاہیے۔ لوگو! تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا، بچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بڑوں کو ان کی تکذیب سرکشی اور خواہش انفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

یہ حق کو ماننا تو ایک طرف اور حق سے چڑتے ہیں۔ اور مقابلہ کرتے ہیں۔ نحاک کہتے ہیں مراد امت محمد ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو کہیں ان خائن مکار کذاب کفار یہودیوں کی باتوں میں آکر کسی اللہ کے حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے اسی لئے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی ہے۔ اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج دین اللہ کے مخالف اور ہدایت سے دور ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی گو تو حرص کر کے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور فرمایا ﴿وَإِنْ تَطَّعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضَلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ اللہ سے بہکا دیں گے۔ یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں آپ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں۔ اس کے بعد جناب باری تعالیٰ ان لوگوں پر انکار کر دیا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں جس میں تمام جھالیوں موجود ہیں اور تمام برائیاں دور ہیں ایسے پاک حکم سے ہٹ کر راسخ قیاس کی طرف خواہش نفسانی کی طرف اور ان کے احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے

کہ اہل جاہلیت و ضلالت اپنی رائے سے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خانی احکام کی پیروی کرتے تھے جنہیں الیاسق نے گھڑ دیا تھا۔ وہ بہت سے مجموعی احکام کے دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔ یہودیت نصرانیت اور اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور رائے اور وقت نظر سے ایجاد کئے گئے تھے جن میں اپنی خواہش کی ملوثی بھی تھی بس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے۔ اور اسی کو کتاب و سنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی۔ درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی طرف آجائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا سفلے معاملہ میں سوائے کتاب و سنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے سرک رہے ہیں؟ یقین والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر حکمران اور کارفرماں کون ہو گا اللہ سے زیادہ عدل و انصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایمان دار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے صاف کھل اور عمدہ احکام و قواعد مسائل و ضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے وہ پورے اور پختہ علم والا اور کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس سے پوچھا کہ کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور چال تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے زیادت کے ساتھ ہے۔

تلفظ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ

فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرَوْا فِي أَنفُسِهِمْ

نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

بِهِمْ إِنَّهُمْ لَسَبَّكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز اور راست نہیں دکھاتا۔ تو دیکھئے گا جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوزخ و زکران میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح تادم ہونے لگیں گے۔ اور ایمان دار کہنے لگیں گے کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال نمارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے۔

تلفظ انوار عندنا بعض وقف انوار

العلانیۃ

دشمنان اسلام سے دوستی کی ممانعت؟ دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ ممانعت فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔ میرے نزدیک جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبداللہ بن عقبہؓ نے فرمایا لوگو تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ، ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ ابن عباسؓ سے حرب نصرانیوں کے ذبیحے کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو آپ یہی آیت تلاوت کر دیتے ہیں۔ جن کے دلوں میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت و مودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آگئے تو پھر ہمارے تکے بونیاں کر دیں گے اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں۔ ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے مگر بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے۔ فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں، حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے پھر تو یہ منافقین جو آن لپک لپک کر گھس پٹھ کرتے پھرتے ہیں بڑے بہانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکي پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لوہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں کھو دیا جو کیا تھا۔ اور برباد ہو گئے۔ وَيَقُولُ تَوْبَهُمْ كِي قِرَاءَتِ هِيَ۔ ایک قراءت بغیر واؤ کے بھی ہے اہل مدینہ کی یہی قراءت ہے يَقُولُ ہے تو مبتداء ہے اور دوسری قراءت اس کی يَقُولُ تَوْبَهُمْ كِي قِرَاءَتِ هِيَ۔

اہل مدینہ کے نزدیک ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تاکہ موقع پر مجھے نفع پہنچے۔ دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ عکرمہؓ فرماتے ہیں لباب بن عبد المنذرؓ کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جب کہ حضور ﷺ نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تھا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور ﷺ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کر ادیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتریں ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت نے تو حضرت ﷺ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ اور رسول کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا میں آگا چھپا سوچنے کا عادی ہوں مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا نہ جانے کس وقت کیا موقع پڑ جائے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ! تو عبادہ سے بہت ہی گھانے میں رہا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری درگت ہو اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں۔ فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا ہم سے اگر پا اڑا تو ہم تمہیں معلوم کر ادیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہؓ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ جب یہودیوں کے اس قبیلے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب تعالیٰ یہ غالب آگئے۔ تو اب عبداللہ آپ سے کہنے لگا حضور میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے یہ لوگ خنزرج کے ساتھی تھے۔ حضور ﷺ نے کوئی اسے جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا آپ ﷺ نے منہ موڑ لیا یہ آپ ﷺ کے دامن سے لٹک گیا۔ آپ ﷺ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے۔ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ! میں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ۔

میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن یہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا بڑا کھڑکا ہے۔ آخر حضور ﷺ نے فرمایا جاوہ سب تیرے لئے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نجات کھایا تو عبد اللہ بن ابی توآن کی حمایت حضور ﷺ کے سامنے کرنے لگا اور عبادہ بن صامتؓ باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے اس سے صاف برات ظاہر کی اس پر یہ آیتیں ﴿هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ تک اتریں۔ مشہد احمد میں ہے کہ اس منافق عبد اللہ بن ابی کی میادت کے لئے حضور ﷺ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا تو اس نے کہا سعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا وہ بھی مر گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ
وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا
يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٦﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ
رَاكِعُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ
الْغَالِبُونَ ﴿٥٨﴾

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو الے گا جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوگی۔ اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی نازم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔ مسلمانوں تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اگر رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ خشوع و خضوع کرنے والے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

مرتد اپنا ہی نقصان کرتا ہے: اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی توبہ نہ کھتا نہیں دے گا اللہ تعالیٰ ایسوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا۔ جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ اور آیت میں ﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ الْآخِرِينَ﴾ اور جگہ فرمایا ﴿وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا اللہ کہتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعبؓ فرماتے ہیں یہ آیت مرداران قریش کے بارے میں اتری ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں خلافت صدیقی میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے ان کا حکم اس آیت میں ہے جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ ہو رہا ہے اہل قادیانہ ہیں یا قوم سہا ہے یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلوں کے ہیں۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ کچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے۔ ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تونہ بچھ جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے ان پر بھاری پڑنے والے اور

ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا: **اَشِدَّاءُ عَلٰی الْكُفَّارِ رَحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** حضور ﷺ کی سنتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فحوک تھے اور قتال تھے یعنی دوستوں کے سامنے نرس مکھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو۔

سچے مسلمان راہ رب کے جہاد سے منہ نہیں موڑتے نہ پیچھ دکھاتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ بزدلی نہ آرام طلبی کرتے ہیں نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں وہ برابر اطاعت اللہ میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں مجھے میرے ظلیل نے سات باتوں کا حکم دیا ہے مسکینوں سے محبت رکھنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے کا اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے کا اور صلہ رحمی کرتے رہنے کا اور دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے کا اور حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بکثرت الاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کا کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے۔ (مسند احمد)۔ اور روایت میں ہے میں نے حضور ﷺ سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں پر آپ نے میری پختگی کی ہے اور سات مرتبہ میں اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی بدگوئی کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضور ﷺ نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ ﷺ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا میں نے کہا بہت اچھا فرمایا اگرچہ کوزا بھی ہو یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا۔ (مسند احمد)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی ہیبت میں آکر حق گوئی سے نہ رکنا یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے نہ رزق کو دور کر سکتا ہے ملاحظہ ہو امام احمد کی مسند۔ فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ سن کر اپنے تئیں کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی اس وقت انسان جو اب دے گا میں لوگوں کے ڈر سے چپکا ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا (مسند احمد)۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے خلاف شرع امر دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا پروردگار! میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا (ابن ماجہ)۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے مومن کو نہ چاہیے کہ اپنے تئیں ذلت میں ڈالے صحابہؓ نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا باؤں کو اپنے اوپر لے لے جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے یعنی کمال ایمان کی یہ صفیتیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے اس کا فضل بہت وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں مومن بھی وہ جن میں یہ صفیتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا کہ یہ **يُوْنَةُ تُوْنُ الزَّكٰوٰةِ** سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے اگر اسے مان لیا جائے تو یہ نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل نہیں ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نماز کے رکوع میں تھے کہ ایک سائل آگیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** سے مراد بقول عقبہ ہمد مسلمان اور حضرت علیؓ ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت ہے اور صحیح نہیں اٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے

بارے میں نازل ہوئی ہیں جب کہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑنی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان دار لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے۔ اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَىٰ اَنَا وِرْسُلِي﴾ الخ یعنی اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ہی غالب رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ تعالیٰ اور رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی نہ پائے گا گو وہ باپ بیٹے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہوں۔ یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے یہ اللہ سے خوش ہیں یہی اللہ تعالیٰ کے لشکر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی دوستیوں پر دشمنانہ ہو جائے وہ دنیا میں منصور ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَ لَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ
 أوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَ
 إِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هَاهُنَا هُزُؤًا وَ لَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھیسر لیتے ہیں یہ اس واسطے کہ بے عقل ہیں۔

دشمن دین شیطان اور اذان: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کو ہنسی میں اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں۔ ﴿مِنَ الَّذِينَ﴾ بیان جنس کے لئے ہے جیسے ﴿الْأَوْثَانَ﴾ میں۔ بعضوں نے ﴿وَالْكَفَّارَ﴾ پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے۔ بعضوں نے ﴿وَالْكَفَّارَ﴾ پڑھا ہے اور ﴿لَا تَتَّخِذُوا﴾ کا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت ﴿وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ﴾ ہوگی۔ کفار سے مراد مشرکین ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ﴿وَمِنَ الَّذِينَ اشْرَكُوا﴾ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کی اللہ کی اور شریعت کی دشمنی کرنے والے ہیں جیسے فرمایا ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے اسی طرح یہ کفار اہل کتاب بھی اور مشرک بھی اس وقت بھی مذاق اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لئے پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے۔ لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے کہ یہ قبیح شیطان ہیں اور اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی گوز مارتا ہوا دم دہائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھیسر مارتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ آئے اس کے بعد آجاتا ہے پھر تکبیر من کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اس کے ختم ہوتے ہی آکر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے۔ انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بھولی باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعتیں پڑھیں ہیں! جب ایسا ہو تو وہ سجدے سہو کے کرے (متفق علیہ)۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے پھر یہی آیت تلاوت کی۔ ایک نصرانی مدینے میں اذان میں جب ﴿أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ﴾ سنتا تو کہتا کذاب ہل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی کوئی پتنگاڑا جس

سے گھر میں آگ لگ گئی وہ شخص اور اس کا گھر بار سب جل کر خاک ہو گیا۔ فتح مکہ کے سال حضور ﷺ نے حضرت بلال کو کہتے ہیں اذان کہنے کا حکم دیا قریب ہی ابوسفیان بن حرب عتاب بن اسید اور حارث بن شام بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب نے تو اذان سن کر کہا کہ میرے باپ پر تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی لیتا۔ ابوسفیان نے کہا کہ بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا ڈر ہے کہ کہیں یہ کنگریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں جو حضور ﷺ آگئے۔ اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پے رسول ہیں۔ یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں ورنہ ہم یہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ سے کہہ دیا ہوگا (سیرۃ محمد بن اسحاق)۔

حضرت عبداللہ بن محیریز جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت ابو محذورہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام تیسری ہجرت کے تھے کہ آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے۔ فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے راستے میں ہم لوگ ایک جگہ تھے اور نماز کے وقت حضور ﷺ کے موذن نے اذان کہی۔ ہم نے اس کی نقل اور مذاق اڑانا شروع کیا۔ کہیں آپ کے کان میں بھی آدازیرا پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے زور سب کو تو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو اور اذان کہو۔ واللہ اس وقت حضور ﷺ کی ذات سے آپ کی حکم برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بس تھا کھڑا ہو گیا۔ اب خود آپ نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ ﷺ سکھاتے رہے میں کہتا ہاں (پھر اذان پوری بیان کی) سب اذان سے فارغ ہو تو آپ ﷺ نے مجھ تک ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی پھر اینا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ میں اور تجھ پر برکت دے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کی قسم میرے دل سے عداوت رسول ﷺ بالکل جاتی رہی۔ اور بجائے اس کے ایسی ہی محبت حضور ﷺ کی دل میں پیدا ہو گئی۔ میں نے آرزو کی کہ مکہ کا موذن حضور ﷺ مجھ کو بنا لیں۔ آپ ﷺ نے میری یہ درخواست منظور فرمائی اور میرا کہ میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسید سے مل کر موذن پر مامور ہو گیا حضرت ابو محذورہ کا نام سمرہ بن معیر بن لوفان تھا۔ حضور ﷺ کے چار موذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لبرارت تھا۔ آپ اہل مکہ کے موذن رہے (رضی اللہ عنہ وارضاه)۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَتَّقُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا
 أَنْزَلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿۶۹﴾ قُلْ هَلْ أَنْبَأُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ ذَلِكُمْ مَثُوبَةٌ
 عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ
 الطَّاغُوتِ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنِ سَبِيلِ ﴿۷۰﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَ
 قَدْ دَخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿۷۱﴾ وَتَرَى كَثِيرًا

مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْأَثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعمَلُونَ ﴿١٧﴾
 لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لَبِئْسَ
 مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٨﴾

کہ دے کہ اسے یہودیوں اور نصیرانیوں! تم ہم سے صرف اس وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے۔ اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ لہذا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر وہ غمزدہ اور امان میں سے بعض کو بند اور سور بنا دیا اور وہ جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ ہٹکنے والے ہیں۔ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لئے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے تھے۔ جو کچھ چھپا رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے۔ تو دیکھئے گا کہ ان میں سے اکثر کناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام سے خائن کی طرف لپک رہے ہیں جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ نہایت برے کام ہیں۔ انہیں ان کے غابہ و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے خائن سے کیوں نہیں روکتے؟ بے شک ہر کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

نافرمان گروہ کا بد انجام: حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں ان سے کہو کہ تم نے جو یہ ہم سے باندھ رکھا ہے اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس اصل نہ تو یہ کوئی وجہ بعض سے نہ سبب مذمت۔ یہ استثنا منقطع ہے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ﴾ یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ اللہ عز و جید کو مانتے تھے۔ اور جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا نَقَمُوا أَنْ آغْنَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور رسول اللہ ﷺ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے ابن قریل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ فقیر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دیا۔ اور یہ کہ تم میں سے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو، آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصالتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہو اپنی رحمت سے دور ڈال دیا ہو اس پر غضب ناک ہو اور ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہونے کا اور جن میں سے بعضوں کی صورتیں بگاڑ دی ہوں بند اور سور بنادیتے ہوں۔ اس کا پورا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بند اور سور وہی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے ان کی نسل ہی نہیں ہوتی ان سے پہلے بھی سور اور بندرتھے۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے مسند میں ہے جنوں کی ایک قوم سانپ بنادی گئی تھی جیسے بند اور سور بنادیتے گئے۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے انہیں میں سے بعضوں کو غیر اللہ کا پرستار بنادیا۔ ایک قراءت میں اضافت کے ساتھ طاعت کی زیر سے بھی ہے یعنی انہیں بتوں کا نام بنادیا۔ حضرت بریدہ سلمیٰ سے ﴿عَابِدِ الطَّاغُوتِ﴾ پڑھتے تھے۔ ابو جعفر قاری سے ﴿وَعِبَادِ الطَّاغُوتِ﴾ بھی منقول ہے پھر اس کے معنی میں دوری پڑ جاتی ہے لیکن فی الواقع دوری بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو جن میں طاعت کی عبادت کی گئی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو حالانکہ ہم موحد ہیں صرف ایک اللہ برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ یہ سب باتیں تم میں پائی گئیں۔ اس لئے خاتے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر و منزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار راستی پر ہونے کے بہت دور کی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔

اس افضل الشفیل میں دوسری جانب کچھ نہیں۔ مشارکت یہاں سرے سے ہے ہی نہیں جیسے اس آیت میں ﴿أَصْحَابُ الْحَنَةِ يَوْمَئِذٍ
حَيْرٌ مُّسْتَقْرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا﴾

پھر منافقوں کی ایک بد خصلت بیان ہو رہی ہے کہ ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے اظہار ایمان کرتے ہیں۔ اور ان کے باطن
کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس آتے ہیں تو کفر کی حالت میں اور تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اسی حالت میں۔ تیری باتیں تیری
نصیحتیں ان پر کچھ بھی تو اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پرورداری انہیں کیا کام آئے گی جس سے کام پڑتا ہے وہ تو عالم الغیب ہے لوگوں کے جید
اس پر روشن ہیں وہاں جا کر پورا پورا بدلہ جھگڑتا پڑے گا۔ تو دیکھ رہا ہے کہ یہ گناہوں پر حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر اس
طرح چڑھ دوڑتے ہیں ان کے اعمال نہایت ہی شراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے بیوں
نہیں روکتے اور اصل ان علماء اور پیروں سے اعمال بھی بدتریں ہو گئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ علماء اور فقراء کی ذانت کے لئے اس
سے زیادہ سخت آیت قرآن میں کوئی نہیں۔

حضرت ضحاک سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علیؓ نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لو لو
تم سے اگلے لوگ اسی بناء پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ پر ایمان کرتے تھے اور ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے۔ جب یہ عادت ان
میں پڑ گئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قسم قسم کی رامتیں پس تمہیں چاہیے کہ بھلائی کا حکم نہ دہرائی سے رہو اس سے پہلے تم پر بھی وہی
عذاب آجائے جو تم سے پہلے والوں پر آئے یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی کھائے گا نہ تمہاری موت
قرب کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس قوم میں کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور نطقے
کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا (مسند احمد) ابو داؤد میں ہے کہ یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آپ سے
کا۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا إِمَّا قَالُوا بَلْ يَدُهُ مَبْسُوتَةٌ
طَنٌ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلِيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا
نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِينَ ﴿١٧﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَرْنَا عَنْهُمْ سِيَآتِهِمْ وَلَا دُ
خَلْنَهُمْ جَدَّتِ النَّعِيمُ ﴿١٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ
إِلَيْهِمْ مِّنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ
مَّقْتَصِدَةٌ ۗ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءٌ مَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

وقف الزم

۵۰

یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے جو کچھ تیری طرف تیرے رب تعالیٰ کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو سسرکشی اور کفر میں اور بڑھا دیتا ہے ہم نے ان میں آپس میں ہی قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے۔ وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھادیتا ہے یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فسادوں سے محبت نہیں کرتا۔ اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرمادیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے اور اگر یہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر نیچے سے روزیاں پاتے اور کہتے ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے باقی ان میں سے اکثر لوگوں کے بڑے بڑے اعمال ہیں۔

یہودیوں کی اللہ کی شان میں گستاخی: ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو بخیل کہتے تھے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کو فقیر بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس ناپاک مقولہ سے بہت بلند و بالا ہے پس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں سے مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے فرماتا ہے: ﴿لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ﴾ یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے بھی زیادہ پھیلا دے کہ پھر آنگن اور ندامت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے۔ پس بخل سے اور اسراف سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں روکا پس ملعون یہودیوں کا بھی ہاتھ بندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فخاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں جس پر حضرت ابو بکر صدیق نے اسے پٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شاس بن قیس نے یہی کہا تھا۔ جس پر یہ آیت اتری اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کجس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں۔ یہ ذلیل تر لوگ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہیں وہ بہت کچھ خرچ کرتا رہتا ہے اس کا فضل و سع ہے اس کی بخشش عام ہے ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں ہر نعمت اس کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے۔ فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّا كُنَّا مِنكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ تم نے جو مانگا اللہ تعالیٰ نے وہ دیا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حدنا شکر ہے۔ مسند میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دانا ہاتھ پر ہے۔ دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں۔ شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا ہے اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا اسی کے ہاتھ میں فیض ہے یا قبضہ ہے وہی بلندی اور پستی کرتا ہے اس کا فرمان ہے کہ لوگو! تم میری راہ میں خرچ کرو تم دیئے جاؤ گے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ پھر فرمایا جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اسے نبی ﷺ تیرے پاس بڑھیں گی اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور جلاپا بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي آمَنُوا أَهْدَىٰ وَشَفَاءٌ﴾ ایمان والوں کے لئے تو یہ ہدایت و شفا ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہیں یہی ہیں جو دور دراز سے پکارے جاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو تو نقصان ہی بڑھاتا رہتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و پیر بھی قیامت تک نہیں ہٹے گا۔ ایک دوسرے کے آپس میں ہی خون پینے والے یہ لوگ ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں یہ اپنے ہی دین میں فرتے فرتے ہو رہے ہیں۔ جھگڑے اور عداوتیں ان میں آپس میں چلی جا رہی ہیں اور جاری ہی رہیں گی۔ یہ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں چو طرف ایک آگ تیرے خلاف بھڑکانا

پاٹتے ہیں۔ تین ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں۔ ان کا فرمان ہی پر لوٹ جاتا ہے یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دشمن ہیں۔ کسی مفسد و اللہ تعالیٰ اپنا دوست نہیں بناتا۔ اگر یہ بالیمان اور پوپہیز کار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور مقصود سے انہیں ملا دیں۔ اگر یہ توراہ و انجیل اور اس قرآن ہومان لیں۔ یونکہ توراہ و انجیل کا ماننا اس قرآن سے ماننے کو لازم کر دے گا ان کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن ہی ہے اس کی اور نبی ﷺ آخر الزمان ﷺ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں میں بغیر تحریف و تبدیلی اور تاویل و تفسیر کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت کریں گی جو آنحضرت ﷺ بتاتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے فائدے بھی دے گا اور آسمان سے پانی برسائے گا۔ زمین سے پیداوار اگائے گا نیچے اوپر کی یعنی زمین آسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَىٰ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَهٗ لَعَلَّ اَكْبَرُ بَرَکٰتٍ لِّہٖمْ لَیْسَ لَہٗمْ اٰیٰتٌ مِّنْ سَمٰوٰتٍ وَّ اَرْضٍ وَّ لَیْسَ لَہٗمْ اٰیٰتٌ مِّنْ سَمٰوٰتٍ وَّ اَرْضٍ﴾ اور آیت میں ہے ﴿ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت انیدی الناس لہ لوگوں کی برکتوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو پڑا اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشغل سے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے۔ بعدوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرنے سے خیر میں ہو جاتے۔ لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے۔ ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک اثر وارد کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ علم اٹھایا جائے یہ سن کر حضرت زیاد بن لبید نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اٹھ جائے ہم نے قرآن سیکھا اپنی اولادوں کو سکھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا افسوس! میں تو تمام مدینہ والوں سے زیادہ تم کو سمجھتا رہتا تھا تو نہیں دیکھتا کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی توراہ و انجیل ہے لیکن اس کام کی وجہ کہ انہوں نے احکام اللہ تعالیٰ چھوڑ دیئے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہو گی۔ اس پر حضرت ابن لبید نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم قرآن پڑھتے رہے ہیں اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں وہ اپنی اولادوں کو پڑھا لیں گے یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا جو اوپر بیان ہوا۔

پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رہے گی مگر اکثر بد اعمال ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤَسَّیۡۃً اٰمَنُوْا بِالْحَقِّ وَ بَدَّ یُعَدِّلُوْنَ﴾ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے والا بھی تھا۔ اور قوم جیسی علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے ﴿فَاٰتٰنَا الدِّیۡنَ اٰمَنُوْا مِنْہُمْ اٰخِرُھُمْ﴾ ان میں سے بالیمان لوگوں کو ہم نے ان سے ثواب عنایت فرمائے یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ صحیح کا بیان فرمایا اور اس امت میں یہ درجہ دوسرا اور چہ ہے جس پر ایک تیسرا اور چہ درجہ بھی ہے۔ فرمایا ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الدِّیۡنِ اصْطَفٰیۃً﴾ پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے بعض میانہ رہے ہیں اور بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔ پس یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں۔ ابن مردودہ یہ میں ہے کہ صحابہ سے ماننے حضور ﷺ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکہتر گروہوں کے جن میں سے ایک تو جنتی ہے باقی ستر روزخی۔ جیسی علیہ السلام کی امت کے بہتر گروہوں کے جن میں سے ایک جنتی باقی ستر روزخی۔ یہی ہے امت ان دونوں سے بڑھ جائے گی ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا باقی جنت گروہ جنہم میں جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ جن میں ان فرمایا ہمتیں ہمتیں۔ یعقوب بن یزید کہتے ہیں کہ جب حضرت علی بن ابی طالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَهٗ لَعَلَّ اَكْبَرُ بَرَکٰتٍ لِّہٖمْ لَیْسَ لَہٗمْ اٰیٰتٌ مِّنْ سَمٰوٰتٍ وَّ اَرْضٍ﴾ و ﴿مَنْ حَلَفْنَا اٰمَنَۃً یُّفٰدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بَدَّ یُعَدِّلُوْنَ﴾ بھی پڑھتے اور فرماتے اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ لیکن یہ حدیث ان لفظوں میں اور اس سند سے بے حد غریب ہے اور ستر سے اوپر اوپر فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جسے ہم نے اور جگہ بیان فرمایا ہے فائدہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۶۷﴾

اے رسول! پہنچادے جو کچھ بھی تیری طرف تیرے رب تعالیٰ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے رسالت اللہ تعالیٰ کی نہیں کی، تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کی رہبری نہیں کرتا۔

حضرت محمدؐ نے رسالت کا اور اللہ کے حفاظت حق ادا کر دیا: اپنے نبی ﷺ کو رسول سے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچادے۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو تجھ سے کہے کہ حضور ﷺ نے کسی اللہ کے نازل کردہ حکم کو چھپایا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے۔ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے اور جگہ پر مطول بھی ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ اگر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپاتے و تخفیٰ فی نفسک ما للہ فبذہ یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور تو لوگوں سے چھینپ رہا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ ابن عباسؓ سے کسی نے کہا لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضور ﷺ نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے چھپائیں تھیں تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم اللہ تعالیٰ کی ہمیں حضور ﷺ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا (ابن ابی حاتم)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارا پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور رہتی بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے دانے بولکھائے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و درایت سے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا آیت کے مسائل ہیں فقید یوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت زبیرؓ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر ﷺ کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمے قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی سب باتیں پہنچادیں اس کی گواہ آپ ﷺ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ ﷺ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی اس میں سب نے اس امر کا اقرار کیا یعنی حجتہ الوداع سے خطبہ میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہؓ کا گروہ عظیم تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا تم میرے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے سب نے کہا ہماری گواہی ہے۔ کہ آپ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا۔ اور ہماری پوری خیر خواہی کی آپ ﷺ نے ہاتھ اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف جھک کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا اے اللہ تعالیٰ کیا میں نے پہنچا دیا؟ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو! یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا حرمت والا۔ پوچھا کہ لوگو! یہ کونسا شہر ہے؟ جواب ملا حرمت والا۔ فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا۔ فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبرو میں آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے پھر بار بار اسی کو دہرایا پھر اپنی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ تعالیٰ! کیا میں نے پہنچا دیا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ آپ ﷺ کے رب تعالیٰ کی طرف آپ کو وصیت تھی پھر حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ پہنچادے۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا۔ کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھر وہ امام بخاری نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر تو نے میرے فرمان بندوں سمجھ نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔ پھر اس کی جوڑا ہے وہ ظاہر ہے اگر ایک آیت بھی چھپائی تو رسالت توڑ دی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترتا ہے سب پہنچا دو تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھا دیتے ہیں میں کس طرح کروں۔ تو وہ سہرا جملہ اترتا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا کام بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرا ذمہ ہے۔ تیرا حافظہ ناصر میں ہوں۔ بے کھنگے رہ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس آیت سے پہلے حضور ﷺ اپنا پہرہ رکھتے تھے لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضور ﷺ بیدار تھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ کوئی میرا نیک بہت سخالی آج پہرا دیتا۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں۔ فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ۔ ات سحر حضور ﷺ کی پوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضور ﷺ با آرام سو گئے یہاں تک کہ خرائٹوں کی آواز آنے لگی بخاری و مسلم ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ ﷺ نے نیسے سے سر نکال کر پوکیداروں سے فرمایا جاؤ اب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ گیا ہوں تمہاری پوکیداری کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ ﷺ کے ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بیٹے کی ضرورت نہیں میں اللہ تعالیٰ کے بچاؤ میں آ گیا ہوں لیکن یہ روایت غریب ہے اور منکر ہے۔ یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے بلکہ مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مکہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ رہی باوجود دشمنی جان ہونے کے ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ ﷺ کا بال تک بیکانہ کر سکے۔ ابتدا رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور ہار اثر شخص تھے انکی طرف سے آپ ﷺ کی حفاظت ہوتی رہی۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت و عزت ڈال دی یہ محبت طبعی تھی شری نے بھی اگر شرعی ہوتی تو قریش حضور ﷺ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ انصار کے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی شری محبت پیدا کر دی آپ ﷺ انہیں کے ہاں چلے گئے۔ اب تو مشرکین بھی اور یہودی بھی بھڑ بھڑا کر نکل کھڑے ہوئے بڑے بڑے ہاسمان لشکر لے کر چلے آئے۔ لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خنیہ سازشیں بھی جتنی کیں قدرت نے بھی انہیں پرانت دیں ادھر وہ جادو کرتے ہیں ادھر سورہ معوذتین نازل ہوتی ہیں اور ان کا جادو اتر جاتا ہے۔ ادھر وہ ہزاروں جتن کر کے بھری کے شانے میں زہر ملا کر حضور ﷺ کی دعوت کر کے آپ ﷺ کے سامنے رکھتے ہیں ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس دھوکہ دہی سے آگاہ فرماتے ہیں اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں۔ اور بھی ایسے واقعات آپ ﷺ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک سفر میں آپ ﷺ ایک سایہ وار درخت تلے جو صحابہ اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ ﷺ کے لئے چھوڑ دیتے تھے وہ یہر کے وقت قبول کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اچانک آپ کو چچا آپ ﷺ کی تلوار جو اسی درخت پر لٹک رہی تھی اتار لی اور ڈانٹ کر آپ ﷺ سے کہنے لگا اب بناؤ کون ہے جو تجھے بچالے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے بچائے گا۔ اسی وقت اعرابی کا ہاتھ کاٹنے لگتا ہے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے نکل جاتا ہے جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنو انمار سے غزوہ کیا اذات الرقاق کجور۔ باغ میں آپ ﷺ ایک کنوئیں میں پیر لگائے بیٹھے تھے جو بنو ایک کے شخص حارث نامی نے کہا دیکھو اب میں محمد ﷺ کو قتل کرنا ہوں لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار میں پر لے پار کر دوں گا۔ یہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ ﷺ سے تلوار دیکھنے کو مانگی آپ ﷺ نے اسے

دی لیکن تلوار اس کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس باکا لڑہ چڑھا کہ آخر تلوار سنہیل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ نے فرمایا تیرے
 ہا اور تیرے ارادے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتاری۔ غورث بن حارث کا بھی ایسا ہی قصہ مشہور ہے۔ ابن مردودہ یہ
 میں ہے کہ صحابہ کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے آنحضرت ﷺ کے لئے گھنے ساتے والا بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ
 ﷺ اس کے زیر سایہ آرام فرمائیں۔ ایک دن آپ ﷺ اسی طرح ایسے درخت کے نیچے سو گئے اور آپ ﷺ کی تلوار اسی درخت میں
 لٹک رہی تھی۔ ایک شخص آگیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ
 تعالیٰ بچائے گا تلوار رکھ دے۔ وہ اس قدر ہیبت میں آگیا کہ حکم برداری کرتی ہی پڑی اور تلوار آپ ﷺ کے سامنے ڈال دی۔ اور اللہ
 تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک مولے آدمی کے پیٹ کی
 طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لئے بہتر تھا ایک شخص کو صحابہ پکڑ کر آپ ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ یہ
 آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھبرا نہیں گو تو ارادہ تو ارادہ کرے لیکن اللہ اسے پورا نہیں کرے گا۔ پھر فرماتا
 ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے ہدایت رب کے ہاتھ ہے وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا تو پینچادے حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ
 إِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ وَلِيُزِيدَنَ كَثِيرًا مِّنْهُمْ قَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا
 تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ وَ
 النَّصَارَىٰ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

هُم يَحْزَنُونَ ﴿١٦﴾

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں جب تک کہ تو راہِ انجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے اتارا
 گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ جو کچھ تیری جانب تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں کے اکثریوں کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی۔
 تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو۔ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ
 محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا۔

ایمان دار بننے کے لئے شرط: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ
 تعالیٰ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جوں جوں قرآن اترتا ہے تو ان میں یہ سرکشی اور کفر میں بڑھتے
 جاتے ہیں۔ پس اے نبی ﷺ اتوان کافروں کی طرف سے حسرت افسوس کر کے کیوں اپنی جان میں کھن لگا ہے؟ صابی نصرانیوں اور
 مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی اور یہ ایک گروہ تھا یہود نصرانیوں دونوں میں سے مثل مجوسیوں کے
 قنادہ کہتے ہیں کہ یہ زبور پڑھتے تھے غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہب فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کو
 ایک جانتے تھے کسی شریعت پر عامل نہ تھے۔ ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ یہ عراق کے متصل آباد تھے۔ بکوٹی کہے جاتے تھے انبیوں
 کو مانتے تھے ہر سال تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کرتے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے اس کے سوا اور قول بھی

لَوْنَ لَيَمَسَّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابَ أَلِيمٍ ﴿٧٦﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ
 وَيَسْتَغْفِرُونَ؟ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧٧﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ
 قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ
 ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٧٨﴾

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے دراصل سو اللہ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں انہیں التناک عذاب ضرور پہنچیں گے۔ یہ لوگ کیوں اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ اس کی ماں ایک ویلہ عورت تھیں دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ تو کہہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پلٹائے جاتے ہیں۔

مشرک پر جنت حرام ہے: نصرانیوں کے فرقوں کی یعنی ملکیہ، یعقوبیہ، مسطوریہ کے کفر کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں اللہ ان کے قول سے پاک منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ تعالیٰ کے غلام تھے سب سے پہلا کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گوارے میں ہی یہ تھا کہ ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ اسی کی عبادت کرتے رہو سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی قول اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہو گا دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے۔ سورہ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ كَيْفَ تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرمایا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہو گا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک مانتے تھے۔ یہودی عزیز علیہ السلام کو اور نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک مانتے تھے۔ لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے وہ باپ بیٹا اور اس کے گلے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا اللہ تعالیٰ مانتے تھے پھر ان تین کے مقرر کرنے میں بہت بڑا اختلاف تھا اور یہ فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق یہ ہے کہ سب کے سب کافر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی ماں کو اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر اللہ تعالیٰ مانتے تھے اسی کا بیان اس سورہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے فرمائے گا کیا تم نے لوگوں

سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو۔ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قبول بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔ دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات پاک کے اور کوئی نہیں تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود برحق وہی ہے اگر یہ اپنے اس کفریہ قول سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے گرم وجود و بخشش و انعام کو لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم کے اور اتنی شدید عیاشی کے اور کذب و افتراء۔ انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ ابھی سب معاف فرمادوں گا اور امن و رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہی تھے ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں جیسے فرمایا: **إِن هُوَ إِلَّا عَذَابٌ**۔ وہ ہمارے غلام ہی تھے ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی۔ اور بنی اسرائیل کے لئے قدرت کی ایک نشانی بنائی والدہ عیسیٰ علیہ السلام مومنہ اور سچائی والی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ نبی نہ تھیں کیونکہ یہ مقام و صف ہے تو بہترین و صف جو آپ کا تھا وہ بیان کر دیا اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقع پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزم وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحاق علیہ السلام اور ام موسیٰ علیہ السلام اور ام عیسیٰ علیہ السلام نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمان ہے: **﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ﴾** ہم نے موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلا۔ لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں رہی جیسے قرآن کا فرمان ہے: **﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَجُلًا﴾** الخ تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا وہ باہر بھی آئے گا پس ثابت ہوا کہ وہ بھی اوروں کی مثل بندے ہی تھے الوہیت ان میں نہ تھی۔ دیکھ کر تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی جنتیں پیش کر رہے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر جھکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں! کیسے گمراہ مذہب لے رہے ہیں اور کیسے ردی اور بے دلیل اقوال کو گمراہ میں باندھے ہوئے ہیں۔

قُلْ اتَّعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَیْمَلُکُمْ لَکُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِیعُ

الْعَلِیمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ یَا أَهْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوا فِی دِینِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَ أَضَلُّوا کَثِیرًا وَ ضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِیلِ ﴿۷۷﴾

کہہ دے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے؛ عبودان باطل کی جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو نفع کرنے کی اور نفع کو پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم کیوں انہیں پوجتے چلے جا رہے ہو! تمام باتوں کے سننے والے تمام چیزوں سے باخبر اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر بے سمع و بصر بے ضرر بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کونسی عقلمندی ہے! اہل کتاب! اتباع حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہوا اتنی

ہی اس کی توقیر کرو۔ انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی ہے نبوت کے درجے سے الوہیت کے درجے تک نہ پہنچاؤ جیسے کہ تم جناب مسیح کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں، مرشدوں، استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو وہ خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گزر گیا، ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہوئے غرصہ ہو گیا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں تھا بڑا پابند دین اللہ ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بربکا دیا کہ جو اگلے کر گئے وہی تم بھی کر رہے ہو اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو عام لوگوں میں تمہاری قدر ہو گی نہ شہرت تمہیں چاہیے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو اور لوگوں میں پھیلاؤ پھرو کیونکہ کسی شہرت ہوتی ہے اور کس طرح جگہ بہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی وہ بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور ایک زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا اب تو اسے یومی ندامت ہوئی، سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جواب یہ ملا کہ میری ہی خطا صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا جس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اترتی ہے۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا

عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۷۸﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

يَفْعَلُونَ ﴿۷۹﴾ تَرَى كَثِيرًا مِمَّنْ يَقُولُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ

أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ

وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۱﴾

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔ ان میں سے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور نبی ﷺ پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔

نبی اسرائیل پر لعنت کے اسباب: ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پائے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان تھے اور مخلوق اللہ تعالیٰ پر ظالم تھے۔ تو اٹھائیں اور قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برے کاموں پر دیکھتے تھے لیکن معنی سادھے بیٹھے رہتے تھے۔ حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی کسی کو روکتا تھا یا تھا ان کا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گنہ کاریاں شروع ہوئیں تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہ کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بجز ادبے اور

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر لعنت نازل فرمائی کیونکہ وہ منافقان اور ظالم تھے اس کے بیان کے وقت حضور ﷺ تکبیر لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکو اور شریعت کی پابندی پر اورو۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع شریف کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا اس سے کہتا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اس برے کام کو چھوڑ دے یہ حرام ہے لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوا رہتا اور یہی وہی باقی رکھتا اس وجہ سے سب میں ہی سنگ دلی آگئی۔ پھر آپ ﷺ نے اس پورنی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں سے باز رہو ایک کو حکم کرو براہیوں سے روکو ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ کرو کہ حق پر آجائے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ابو داؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دل بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مار دے گا اور تم پر بھی اپنی پہنچا کر نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی۔ اس بارے کی اور بہت سی احادیث ہیں کچھ سن بھی لیجیے۔ حضرت جابرؓ والی حدیث تو آیت **لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ** کی تفسیر میں گزر چکی۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ** الخ کی تفسیر میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو ثعلبہؓ کی احادیث آئیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ یا تو تم جھٹائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دیگا پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے منائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے (مسلم)۔ مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کی خطا میں ہوتی شروع ہو جائیں جو وہاں ہو اور ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو ایک روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو جو وہاں موجود نہ ہو وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے۔ ابو داؤد میں ہے کہ لوگوں کے عذر جب تک منقطع نہ ہو جائیں وہ ہلاک نہ ہوں گے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ خبردار کسی شخص کو لوگوں کی بیعت حق بات کہنے سے روک نہ دے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابو سعید خدریؓ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی۔ ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ افضل جہاد حق کلمہ ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جمرہ اولی کے پاس حضور ﷺ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاد کونسا ہے آپ خاموش رہے پھر آپ ﷺ جمرہ ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ ﷺ خاموش رہے جب جمرہ عقبہ پر نکل مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور! میں حاضر ہوں فرمایا حق کلمہ ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا حضور! یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ فلاں موقع پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں سب سے زیادہ حق دار تھا کہ تو مجھ سے خوف کھائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور تو لوگوں سے خوف کھا گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مسلمانوں کو اپنے تئیں ذلیل نہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان باؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ ابن ماجہ میں

ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی ظاہر ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوا تھا۔ ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ میں نے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا بڑے آدمیوں میں بددینی آ جانا رذالوں میں علم کا آ جانا۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ رذالوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم آ جانا ہے۔ اس حدیث کی تفسیر ابو اعلیٰ کی حدیث ہے جو یہ آیت ہے لا یبصرکم اللہ کی تفسیر میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

پھر فرماتا ہے کہ اکثر مناسبات کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانتھتے ہیں ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لیے برا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے اسی کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن دائمی عذاب بھی ان کے لیے آئے آ رہے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اے مسلمانو! زنا کاری سے بچو اس سے چھ برائیاں آتی ہیں تین دنیا میں تین آخرت میں اس سے عزت و وقار رونق و تازگی جاتی رہتی ہے۔ اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے۔ اس سے عمر گھٹتی ہے۔ اور قیامت کے دن کی تین برائیاں یہ ہیں اللہ کا تعالیٰ کا غضب حساب کی سختی اور برائی جہنم کا خلود۔ پھر حضور ﷺ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث ضعیف ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ لگ کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے دراصل بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں اس کی وجہ اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ذَلِكَ يَأْتِيهِمْ مِنْهُمْ قِيسِيْنٌ وَرُهَبَانَا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۶﴾

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس لیے کہ ان میں دانشمند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

عیسائی بہ نسبت یہودیوں کے مسلمانوں کے قریب ہیں: یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابوطالبؓ نے قرآن شریف پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں لیکن یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینہ طیبہ میں اتری ہیں اور حضرت جعفرؓ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ سے ملیں حاضر خدمت ہو کر آپ ﷺ کے حالات و صفات دیکھیں اور آپ ﷺ کا کلام سنیں۔ جب یہ آئے آپ ﷺ سے ملے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا۔ نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے ہی میں انتقال ہو گیا۔ مگر صحیح روایات سے ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ ان کے انتقال کے دن ہی

حضور ﷺ نے صحابہؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ گل پچاس آدمی تھے اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے 'فانہ اعلم۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں جن کے اوصاف آیت میں بیان ہیں یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔ ابن جریر کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے 'وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا اور کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں 'حق کے مقابلہ میں بگڑ جیتے ہیں 'حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں ان سے بغض و بیز باندھتے ہیں 'علم سے کورے ہیں۔ علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں 'یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود پیغمبر آخر الزمان احمد مجتبیٰ حضرت محمد ﷺ کے قتل کا بھی ارادہ کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپ ﷺ کو زہر دیا آپ ﷺ پر جاہلیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور ﷺ پر حملے کئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد اور ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب۔ ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے یہ اس لیے کہ ان میں نرم دلی ہے 'جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً﴾ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے۔ ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے گلے پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں کلمہ بھی پیش کر دے 'ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں۔ ﴿قَسِيْنٌ﴾ اور ﴿قَسِيْنٌ﴾ کی جمع ﴿قَسِيْنِيْنَ﴾ ہے ﴿قَسُوْسٌ﴾ بھی اس کی جمع آتی ہے۔ ﴿رُهْبَانٌ﴾ جمع راہب کی راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہے رعب سے اور رعب کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے جیسے ﴿رَاكِبٌ﴾ کی جمع ہے ركبان ہے اور ﴿فَارِسٌ﴾ کی جمع ﴿فَرَسَانٌ﴾ ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کبھی ﴿رُهْبَانٌ﴾ واحد کے لیے بھی آتا ہے اور اس کی جمع ﴿رُهْبَانِيْنَ﴾ آتی ہے 'جیسے ﴿فَرَبَانٌ﴾ اور ﴿قَرَابِيْسٌ﴾ اور ﴿جُوْزَانٌ﴾ اور ﴿جُوْزَانِيْنَ﴾ اور کبھی اس کی جمع ﴿رُهْبَانِدٌ﴾ بھی آتی ہے 'عرب کے شعروں میں بھی لفظ رهبان واحد کے لیے آیا ہے۔ حضرت سلمانؓ سے ایک شخص ﴿قَسِيْنٌ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ ﴿قَسِيْنِيْنَ﴾ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ 'نیمے تو رسول اللہ ﷺ نے ﴿صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھایا ہے۔ (بزار اور ابن مردویہ) 'الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں ان میں عاملوں کا ہونا ان میں عابدوں کا ہونا ان میں تواضع فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ تفسیر ابن کثیر کا چھٹا پارہ ختم ہوا۔